June 2017
چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب
ماہنامہ
ڈر
ڈائجسٹ
کراچی
PP
PAKISTANI
POINT
AIK RABTA APNO SE
پاکستانی پوائنٹ

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

ڈر ڈائجسٹ

کراچی

جلد نمبر 18 شمارہ نمبر 9 جون 2017ء

ای میل ایڈریس: Dardigest01@gmail.com

ئینک ایڈیٹر خالد علی

ئیف ایڈیٹر آصف حسن

ایڈیٹر شاہد علی

سب ایڈیٹر محمد ذیشان

قیمت -/60 روپے

سالانہ قیمت -/1080 روپے

ادارہ کا کسی بھی رائٹر کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ڈر ڈائجسٹ میں چھپنے والی تمام کہانیاں فرضی ہوتی ہیں کسی کی ذات یا شخصیت سے مماثلت اتفاقیہ ہوسکتی ہے

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کئے جاتے ہیں۔ ادارہ اس معاملے میں کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

ادارہ
قرآن کی باتیں
دین و دنیا میں فلاح پانے کیلئے قرآن کی باتوں پر عمل کرنا انسانی زندگی کیلئے اہم ہے

16 شکیل نیازی
موت کا پتلا
خودغرضی اور مطلوب پرستی کی دل و دماغ کو تھرا دینے والی انمٹ، خوفناک و خونی کہانی

33 قاسم رحمان
منزل محبت
کیا جن جنات بھی عشق و محبت کے دم بھرتے ہیں...... حقیقت کہانی میں پوشیدہ ہے

39 اقراء قریشی
خونی انتقام
ایک نایدہ مخلوق کی ناقابل یقین کہانی جسے پڑھنے والے انگشت بدنداں رہ جائیں گے

49 محمد ابوہریرہ بلوچ
خمیازہ
کیا یہ حقیقت ہے کہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والے نشان عبرت بن جاتے ہیں، خوفناک کہانی

54 اے وحید
رولوکا
وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کر دیں گی

81 مہتاب خان
تاریک رات
دل و دماغ کو دہلا دینے والا اندھیرا ہر سو مسلط تھا، اسی گھٹا ٹوپ اندھیرے کی خوفناک کہانی

87 احسان سحر
انجام
چاہت و خلوص کی دل گرفتہ اور دل فریفتہ فرحت بخش اپنی نوعیت کی خوبصورت کہانی

95 عامر زمان عامر
شناخت پریڈ
حقیقت کے لبادے میں لپٹی...... ذہن سے محو نہ ہونے والی...... سبق آموز کہانی

106 ایم الیاس
خونی جزیرہ
مشہور و معروف رائٹر کے زور قلم کی شاہکار کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو حیران کر دے گی

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

ایس امتیاز احمد 131
بھیانک رات
حوصلہ مند اور ہوش مند لوگوں کے لئے دل گرفتہ عجیب وغریب سبق آموز کہانی

ضرغام محمود 142
انوکھا بھوت
گھٹاٹوپ اندھیرے اور رات کے سناٹے میں جنم لینے والی حیرتناک اور تحیر انگیز کہانی

گلاب خان سولنگی 163
پراسرار پہلوان
لفظ لفظ دلوں پر دہشت طاری کرتی ہارر کہانیوں میں دی بیسٹ کہانی...... پڑھ کر تو دیکھیں

محمد خالد شاہان 174
اسرار
صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

طارق محمود 209
آتشی مخلوق
دل ودماغ کو فرحت بخشتی اور سکون پہنچاتی سبق آموز...... دل فریفتہ ودلگداز کہانی

فیصل ندیم ساحل 137
موت کی پکار
ڈر کے لبادے میں چھپی ہوئی ذہن سے محو نہ ہونے والی حیرت انگیز اور تحیر انگیز حقیقی روداد

ڈاکٹر طارق محمد آکاش 159
چڑیل کا خاتمہ
دل پر سکتہ طاری کرتی اور ذہن کو لرزہ بر اندام کرتی...... خوفناک وحیرت ناک کہانی

مہر پرویز احمد دولو 170
انجام عبرت
ظلم وزیادتی کی ایک انمٹ کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو حیران کر دے گی، عبرت ناک کہانی

ادارہ 204
قوس قزح
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں......

محمد شعیب 216
شہر بانو
کیا یہ حقیقت ہے کہ روحیں بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہوتی ہیں، دلکش اور دلفریب کہانی

خط وکتابت کا پتہ! ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

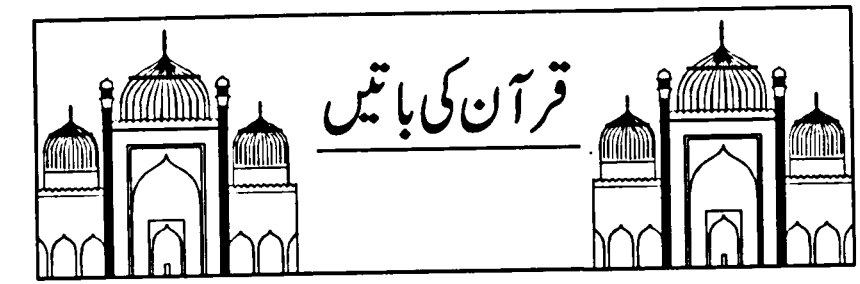

☆ بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے اور کون تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین بناتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے ہرگز نہیں مگر تم بہت کم غور کرتے ہو۔ (سورۃ ملک 67 آیت 62)

☆ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، وہ اس کے لئے رنج و غم سے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا اللہ اپنے کام کو جو وہ کرنا چاہتا ہے پورا کر دیتا ہے اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ (سورۃ طلاق 65 آیت 2 سے 3)

☆ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا، پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا، پھر اس سے کھیتی اگاتا ہے، جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے۔ تو تم اس کو دیکھتے ہو کہ زرد ہو گئی ہے۔ پھر اسے چورا چورا کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔ (سورۃ زمر 39 آیت 21)

☆ آسمان اور رات کے وقت آنے والے کی قسم اور تم کو کیا معلوم کہ رات کے وقت آنے والا کیا ہے وہ تارا ہے چمکنے والا کہ کوئی متنفس نہیں جس پر نگہبان مقرر نہیں۔ (سورۃ طارق 86 آیت 1 سے 4)

☆ کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔ یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔ (سورۃ اعراف 7 آیت 54)

☆ اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس کے اختیار کرنے کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (سورۃ شوریٰ 42 آیت 13)

☆☆ ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ (سورۃ اعراف 7 آیت 27)

☆☆ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ (سورۃ مریم 19 آیت 83)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

خطوط

خدیجہ فاطمہ اسلام آباد سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹرز اینڈ رائٹرز، سب سے پہلے بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے یاد رکھا۔ میں نے بہت سارے تراشے بھیجے تھے ایک آدھ تو لگ گئے ہیں جن کے لئے شکریہ، باقیوں کا انتظار ہے، امید ہے کہ وقت آنے پر وہ بھی شائع ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ اس تبصرے سے پہلے میں ریاض حسین قمر صاحب سے دلی افسوس کرنا چاہتی ہوں اور ان کی مسز کے لئے دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین۔ اب تبصرے میں یہ بتانا ہے کہ شکر ہے کہ میرے 911 کے پیپرز مکمل ہوئے، اللہ کرے کہ میں پاس ہو جاؤں۔ بس۔ ایس حبیب صاحبہ کی کہانی اس مرتبہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی۔ میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں، یقین جانیے۔ جب بھی آپ کی کہانی ڈرڈائجسٹ میں شائع ہوتی ہے۔ وہ مہینہ میرے لئے ڈھیروں خوشیوں کا ہوتا ہے۔ میں سب سے پہلے آپ کی کہانی پڑھتی ہوں۔ خضر راہ بہت ہی شاندار کہانی تھی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اس مرتبہ لکھنے والوں میں سب نے ہی اچھا لکھا لیکن میں بالخصوص رائٹرز کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جن کی میں فین ہوں۔ ایم الیاس، ایس امتیاز احمد، احسان الحق، ایس حبیب خان، شہزادہ چاند زیب عباسی، محمد شعیب اس مرتبہ خاص الخاص اور زبردست کہانیاں لائے ہیں۔ پڑھ کر دل کو خوشی ہوئی۔ احسان سحر صاحب سے Request ہے کہ ہارر رسالہ ہے تو کہانی بھی ہارر ہونی چاہئے۔ تھینکس۔ Overall اس مرتبہ ڈرڈائجسٹ اچھا رہا۔ بہت مزا آیا۔ پھر حاضر ہوں گی۔ سب کے لئے دعائیں اور دعاؤں کی درخواست بھی۔ شکریہ۔

☆☆ خدیجہ صاحبہ: آپ کے پیپرز ہو گئے اس کے لئے ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو امتحان میں کامیاب و کامران کرے اور پل پل اپنی رحمتیں آپ پر نازل کرے۔ امید ہے احسان سحر آپ کے مشورے پر ضرور غور کریں گے۔ آئندہ ماہ بھی خط بھیجنا بھولئے گا۔ مت۔ Thanks۔

مسز سندس اقبال راولپنڈی سے، ڈیئر ایڈیٹرز حضرات السلام علیکم۔ امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے اس مرتبہ ڈر ہمیں 2 مئی کو ملا۔ اسی مناسبت سے چھوٹی سی رائے دوں گی۔ گرمیوں کا آغاز ہے اس لیے سرورق کو ذرا ڈنا سا بنائیں۔ اس مرتبہ کا سرورق اتنا متاثر کن نہ تھا لیکن پھر بھی اچھا تھا۔ سب سے پہلی کہانی احسان الحق صاحب کی تحقق دیکھی، میرے فیورٹ رائٹر نے اس مرتبہ بھی کمال کر دکھایا۔ موت برحق ہے اور جس طرح ہم سب اس حقیقت سے غافل ہیں، احسان الحق صاحب نے اس جانب کہانی میں خوب نشاندہی کی۔ بہت مزا آیا۔ ایس۔ امتیاز احمد صاحب نے شیطان کی بیٹی خوب لکھی۔ کہانی آخری دم تک اپنا مزا دیتی رہی۔ ایس حبیب خان صاحبہ کی کہانی بہت زبردست تھی۔ خضر راہ پڑھ کر دل بہت خوش ہوا۔ بہت زبردست۔ اب بھی ڈر کے باکمال رائٹر میں سرفہرست ہیں، ریگولر لکھا کریں کیونکہ قارئین آپ کو بھی شوق سے پڑھتے ہیں۔ احسان سحر کی کہانی گلاب چہرے ہارر کہانی نہیں تھی۔ اقرا قریشی صاحبہ کی کہانی خوب تھی باقی کہانیاں بھی ٹھیک تھیں۔ لکھنے والے اپنی کوشش جاری رکھیں گے تو اچھا لکھنے لگ جائیں گے۔ ایڈیٹر صاحب! آخر میں آپ کے لیے بے شمار دعائیں لیے ایک بہن۔ اگلے ماہ ان شاء اللہ پھر حاضری ہوگی، اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ بیسٹ وشز ٹو ڈر۔

☆☆ سندس اقبال صاحبہ: آپ نے رائے دی مگر مثبت رائے دی۔ یہ حقیقت ہے کہ ذہین لوگ کم بولتے ہیں مگر بہت کچھ سمجھا جاتے ہیں، بہن میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر جائز کام میں کامیاب و کامران کرے اور ڈھیروں خوشیوں سے نوازے، اچھا اب آئندہ ملاقات تک کے لئے اللہ حافظ۔

ایس حبیب خان کراچی سے، السلام علیکم! امید کرتی ہوں کہ ڈر کے ایڈیٹر ٹیم، رائٹرز اور چاہنے والے سب خیریت سے ہوں گے، میری جانب سے آپ سب کو اور تمام عالم اسلام کو آنے والا ماہ رمضان، مبارک! رمضان المبارک ایک عظیم و برکت والا مہینہ ہے۔ ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے۔ یہ ہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے یہ مسلمانوں کے لئے وہ تحفہ ہے جو آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ بھی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں

اس ماہ کی عبادت نصیب فرمائے اور باقی گیارہ ماہ بھی اسی پرہیز گاری پر قائم رکھتے ہوئے گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) اب آتی ہوں مئی کے شمارے کی جانب سب سے پہلے محترم ریاض حسین قمر صاحب سے ان کی اہلیہ کی رحلت پر تعزیت کرنا چاہوں گی۔ آپ کا خط پڑھ کر دلی افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے (آمین) اپنے جب دور ہو جائیں تو صبر مشکل سے آتا ہے۔ دوسروں کے الفاظ دلاسے بے معنی لگتی ہے۔ مگر میں آپ کے لئے ایک بات کوٹ کرنا چاہوں گی مفہوم حدیث ہے۔ ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔'''' جب میں کسی ایمان والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو اٹھالوں پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لئے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں۔'' (صحیح بخاری) اللہ تعالیٰ آپ کو اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ دیگر خطوط میں ایس امتیاز احمد، ساحل ابڑو کے تبصرے جاندار تھے۔ رابعہ عباس My Sister! Thank You so much for your compliments Affection & اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف تو سب سے پہلے ابتداء ''محقق'' سے کی حسب سابق رائٹر نے اپنے قلم کا جادو جگایا، احسان الحق صاحب آپ کی تحریر لاجواب رہی، ''شیطان کی بیٹی'' پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ بے مثال تحریر تھی۔ ''طاق راتیں'' محمد شعیب صاحب! کیا بہترین تحریر لے کر آئے ہیں آپ جس نے ابتداء سے ہی اپنے سحر میں جکڑ لیا اور اختتام تک یہ گرفت مضبوطی سے قائم رہی۔ واقعی بہت عمدہ تحریر تھی۔ ''سنگ آوارہ'' ساحل ابڑو صاحب آپ کی یہ تحریر حساسیت لیے، سحر آفرین، دل کو چھوتی تحریر تھی جو سچ مچ میری آنکھیں نم کر گئی۔ ایسے لوگوں کو تو جانور کہنا بھی جانور کی توہین ہے بہت اعلیٰ تحریر تھی۔ اللہ زور قلم کرے اور زیادہ، ''قبر کے قیدی'' مریم فاطمہ اور ''خبیث چڑیل'' اقراء قریشی دونوں قابل ستائش تحریر تھیں۔ سلسلہ وار کہانی ''اسرار'' رائٹر کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہو رہی ہے۔ زبردست! محفل شعر و سخن کا سلسلہ بھی خوب رہا۔ آخر میں ڈھیروں دعائیں۔

☆ ایس حبیب صاحبہ: واقعی یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے چاہنے والوں اور صبر کرنے والوں کو بہترین معاوضہ عطا کرتا ہے، ہمیں انسان کو اللہ کی خوشی میں خوش رہنا چاہئے۔ اور خاص طور پر حقوق العباد کا خیال رکھنا چاہیئے اس میں بخشش ہے۔ خیر کہانی کا شدت سے انتظار رہے گا۔ شکریہ

انوری رمضان پنڈ دادنخان سے، آداب! مئی کا ڈر جیسے ہی موصول ہوا تو ایسا لگا جیسے کہانی شائع ہونے سے پہلے ہی مجھے سب نے خوش آمدید کہہ دیا ہو۔ مجھے سب سے پہلے محقق کی تعریف کرنی ہے احسان الحق صاحب بہت خوب اس کے بعد خضر راہ نام پڑھا تو اچھی کہانی کی امید ہوئی بٹ، اجلا من اگر پرویز صاحب آپ نئے رائٹر ہیں تب تو کہانی زبردست ہے لیکن اگر سمجھ تو گئے ہوں گے۔ طاق راتیں پلاٹ اچھا تھا بٹ آپ نے کہانی میں معیار سے زیادہ انسانی دلچسپی کو مدنظر رکھا۔ گلاب خان سونگی زبردست میری امی آپ کی تعریف کر رہی ہیں کافی اچھی کوشش تھی ویل ڈن ایس امتیاز احمد سر زبردست شیطان کی بیٹی خوبصورت شاہکار رہی۔ لیکن امتیاز صاحب ایک درخواست ہے آپ سے مئی کے شمارے میں آپ نے اپنے تجزیہ میں کئی رائٹرز کا ذکر کیا۔ مگر عثمان غنی صاحب کا نام آپ غالباً بھول گئے۔ کہیں آپ نے انہیں اگنور تو نہیں کیا۔ ایم اے راحت کی وفات کا سن کر دکھ ہوا۔ اللہ پاک ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔ (آمین) اب اجازت چاہتی ہوں اس امید سے کہ میری تمام تحریریں جلد از جلد شائع ہوں گی۔ اللہ حافظ۔

☆ انوری صاحبہ: ایک مرتبہ پھر ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم تمام تحریریں ضرور شائع ہوں گی فکر نہ کریں اور ہاں ایس۔ امتیاز احمد ایسے دل و دماغ کے نہیں کہ وہ کسی کو اگنور کریں۔ ہوسکتا ہے کہ عثمان غنی کا نام ذہن سے نکل گیا ہو، میں ان کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔ پلیز اپنا خیال رکھئے گا۔ اور تجزیہ ارسال کرنا بھولئے گا مت۔ Thanks

بتول فاطمہ کراچی سے، السلام علیکم میں کافی عرصہ سے ڈرڈائجسٹ کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ یہ پورے پاکستان کا ڈراؤنی کہانیوں کا سب سے منفرد اور بہترین رسالہ ہے۔ اس میں چھپنے والی ساری کہانیاں بہترین ہوتی ہیں۔ یہ ڈرڈائجسٹ میں میرا پہلا خط ہے۔ اور میں پہلی مرتبہ ڈرڈائجسٹ میں اپنی دو کہانیاں۔ ''بھیانک راز'' اور ''بدروح'' لکھ کر بھیج رہی ہوں انہیں پڑھ کر بتا دیں کہ یہ شائع ہو جائیں گی یا نہیں۔ پلیز جواب ضرور دیجئے گا۔ مریم فاطمہ کی کہانی ''قبر کے قیدی'' بہت دلچسپ تھی۔ گلاب خان سونگی

کی ''ا-حہ سی'' بھی اچھی تھی۔ محمد قاسم رحمان کی ''محبت کے قاتل'' بھی اچھی لگی باقی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ڈر ڈائجسٹ کومزید ترقی دے۔

☆☆ بتول صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں ویلکم آپ کوڈائجسٹ اچھا لگتا ہے اس کے لئے اور دو کہانیاں ارسال کرنے کے لئے ویری ویری تھینکس اور ہاں آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولئے گا مت۔ کہانیاں شائع ہو جائیں گی۔

مسز زہنت خان راولپنڈی سے،السلام علیکم، ڈرڈائجسٹ،مئی 2017 کا شمارہ زیر مطالعہ رہا۔اس مرتبہ سرورق نے متاثر نہ کیا۔ 258 صفحات سے جو توقعات وابستہ کی جاتی ہیں، ان توقعات کی ذمہ داری رائٹرز کے سر ہوتی ہے۔ ماہنامے کا ایک Theme ہے''چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب'' آج انٹرنیٹ کا دور ہے، انگلش کہانیاں وافر مقدار میں مفت انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔ اگر تراجم کیے جائیں یا وہاں سے کہانی پڑھ کر نیا پلاٹ لے لیں لیکن کہانی کو لکھنا آنا چاہئے، ورنہ پلاٹ بہترین اور کہانی ایسی ہو جائے گی کہ کہانی کا ہی ستیاناس ہو جائے گا۔ میری درخواست ہے کہ ایڈیٹرز صاحبان کو کہانیوں پر توجہ دینی چاہئے۔ تنقید کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ کسی کی دل آزاری مقصود ہے۔ اگر انسان اپنے کام کو نکھارنا چاہے تو تنقید میں سے ہی Improvement کے پہلو تلاش کر سکتا ہے خیر! اس مرتبہ احسان الحق صاحب ڈر کے پہلے صفحات میں چھائے نظر آئے، ویری گڈ احسان الحق صاحب۔ ویلڈن۔ دوسری کہانی مریم فاطمہ نے لکھی قبر کے قیدی، یہ کہانی ایک عمدہ پلاٹ پر مبنی تھی اور اسے اور مزید بہتر لکھا جا سکتا تھا لیکن پھر بھی اچھی کہانی تھی، ویری گڈ ٹرائی۔ سنگ آوارہ ساحل ابڑو صاحب، اپنے لکھے جملوں میں ڈائیلاگز اور سچوئشن بنائیں۔ آپ کے پلاٹ بہت معیاری اور اعلیٰ ہوتے ہیں لیکن محض جملوں سے کہانی نہیں بنتی۔ امید ہے کہ آپ آئندہ کہانی لکھیں گے۔ اور خوفناک کہانی لکھیں گے۔ ایس امتیاز احمد کی کہانی شیطان کی بیٹی خوب تھی۔ ویلڈن ایس امتیاز احمد صاحب۔ احسان سحر صاحب اس مرتبہ گلابی چہرے لیے شامل تھے اور کہانی اس جریدے کے بالکل بھی مطابق نہ تھی اور نہ ہی احسان سحر صاحب اس کہانی سے قاری کو متاثر کر سکے۔ آپ خوفناک رسالے میں ڈر کا عنصر لیے کہانیاں لکھا کریں، بس یہی کہہ سکتی ہوں۔ رضوان قیوم صاحب آتشی لبو کے ساتھ جلوہ گر تھے اچھی کوشش رہی۔ لیکن آپ ڈراؤنی کہانی لکھیں۔ آپ کا انداز تحریر بہت اچھا ہے۔ خضر راہ انتہائی خوبصورت اور شاداب کہانی تھی، ایس حبیب خان صاحبہ نے حسب روایت دل موہ لیا۔ ایک روانی میں کہانی پڑھتی چلی گئی اور دل ہی دل میں داد دیتی چلی گئی، بہت ہی خوب، شکریہ، اُمید ہے کہ اس مرتبہ میرا یہ تبصرہ شائع ہوگا۔ نیک تمنائیں!!!

☆☆ مسز زہنت صاحبہ: آپ کی تمام باتیں بہت خوب ہیں اور دل کو لگتی ہیں، آئندہ ان باتوں پر توجہ دی جائے گی۔ اور رائٹر حضرات بھی ان باتوں پر غور کریں گے۔ آئندہ تجزیہ کے لئے بھی بہت بہت شکریہ۔

سمیرا یوسف کراچی سے، السلام علیکم، ڈرڈائجسٹ بے حد دل کو چھونے والا رسالہ ہے اس کی ہر تحریر سے اس کے معیار کا پتہ چلتا ہے، ایم اے راحت کی کہانی (دشمن روحیں) بہت پسند آئی۔ اور قوس قزح کا سلسلہ بھی بہت اچھا ہے۔ مجھے خوفناک رسالے بے حد دل کو بھاتے ہیں۔ میں تقریباً تین ماہ سے یہ رسالہ پڑھ رہی ہوں۔ اور ڈرڈائجسٹ پڑھتے ہی ذہن کو سکون ملتا ہے ویسے اگر غور کیا جائے تو ڈرڈائجسٹ زبردست ہے اس کی ہر کہانی اپنی مثال آپ ہوتی ہے۔ ڈر کے ٹائٹل کو دیکھ کر جھرجھری آجاتی ہے اگر یہ سچ میں سامنے آئے تو بندے کا سانس ہی رک جائے۔ ہارر کہانیاں ہی تو سب سے بڑی تفریح ہے۔ جس نے بھی یہ رسالہ جاری کیا ہے اس کا بے حد شکریہ۔ اللہ حافظ اجازت دیں۔ خوش رہیں اور دوسروں کو بھی خوش رکھیں۔

☆☆ سمیرا صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید۔ آپ کو ڈرڈائجسٹ دلی طور پر بہت پسند ہے اس کے لئے Thanks امید ہے آئندہ ہر ماہ اپنی رائے ضرور ارسال کیا کریں گی۔ شکریہ

آصفہ سراج لاہور سے، السلام علیکم خیریت کے بعد عافیت کی طالب۔ ڈرڈائجسٹ ملا سرورق دیکھ کر ہی دل خوش ہو گیا۔ ماشاءاللہ ڈر تو ترقی کی منزلیں بہت تیزی سے طے کر رہا ہے۔ کسی ایک کہانی کی تعریف ناانصافی ہوگی۔ ماشاءاللہ سب رائٹرز بہت محنت کر رہے ہیں۔ سوری ابھی تک کہانی مکمل نہیں کر سکی۔ گھر میں شفٹنگ کے بعد بہت سے کام ابھی تک راہ تک رہے ہیں۔ پھر پتہ ہے گھر ،ہر کسی کو ٹائم چاہئے جیسے ہی ٹائم ملا فوراً کہانی مکمل کر کے بھیج دوں گی۔ فی الحال غزل اور اشعار بھیج رہی ہوں، ضرور لگایئے گا۔ ڈر کے تمام اسٹاف، رائٹرز، ایڈیٹرز و قارئین کو میرا بہت بہت سلام۔ اب اجازت چاہوں گی۔ اگلے ماہ انشاءاللہ ملاقات

ہوگی۔ اللہ حافظ۔

☆☆ آصفہ صاحبہ: شکر ہے کہ آپ نے ڈرڈائجسٹ کے لئے وقت نکالا۔ اس کے لئے شکریہ۔ آپ کی کہانی کا شدت سے انتظار ہے۔ آج کل کے دور میں وقت کسی کے پاس نہیں۔ بلکہ وقت نکالا جاتا ہے۔ امید ہے غور کرتے ہوئے شکریہ کا موقع دیں گی۔

مریم فاطمہ کراچی سے، جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم! مئی 2017ء کا شمارہ میرے سامنے ہے۔ ٹائٹل بہت اچھا ہے۔ خطوط کی محفل میں سب نے بہت اچھا تبصرہ کیا۔ جس کسی نے بھی میری کہانی قاتل پنچھی کو پسند کیا۔ ان سب کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کا بھی بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری کہانی ''قبر کے قیدی'' شائع کی۔ اقراء قریشی کی ''خبیث چڑیل'' احسان الحق کی ''محقق'' اور گلاب خان سولنگی کی ''ڈیتھ سٹی'' بہت پسند آئیں۔ باقی کہانیاں ابھی میرے زیر مطالعہ ہیں۔ میں نے ڈرڈائجسٹ کے لئے مزید تین کہانیاں لکھ کر تیار کی ہوئی ہیں۔ ان کے نام ہیں۔ ''بلیک میلنگ'' ''آسیبی جھیل'' اور ''ہیلووین کی رات'' امید ہے کہ انہیں ڈر میں جگہ مل جائے گی۔

☆☆ مریم صاحبہ: خط لکھنے، کہانیوں کی تعریف اور نئی کہانیاں بھیجنے کے لئے شکریہ، اس ماہ کہانی شامل اشاعت نہ ہو سکی اس کے لئے معذرت، اگلے ماہ کہانی ضرور شائع ہوگی۔ خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

محمد ذاکر ہلالی آزاد کشمیر سے، السلام علیکم! جناب محترم ایڈیٹر صاحب۔ سب سے پہلے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری کہانی جادو نگری شائع کی۔ میں نے اور بھی کہانیاں ارسال کی ہیں امید ہے وہ بھی آپ جلد از جلد شائع کر دیں گے۔ باقی میں ان تمام قارئین کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے میری کہانی پسند کی ہے۔ خاص کر بھائی ضرغام محمود صاحب کا بے حد مشکور ہوں کہ ان کو میری کہانی پسند آئی ہے اور میری تعریف کی ہے۔ شکریہ۔ اس کے علاوہ شہباز احمد کا بھی شکریہ کہ انہوں نے بھی میری کہانی کو پسند کیا۔ باقی ان تمام پڑھنے والوں کا شکریہ جن میں احسان الحق، محمد اسلم جاوید، محسن عزیز، محمد آصف شہزاد ان حضرات کا بھی بہت بہت شکریہ۔ جنہوں نے میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ باقی جن کو نہیں بھی پسند آئی ہے ان کا بھی شکریہ۔ باقی ڈرڈائجسٹ کی تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں جن میں ضرغام محمود کی خزانے کی تلاش، مریم فاطمہ کی قاتل پنچھی، مدثر بخاری کی تابع جنات، خونی جزیرہ، محافظ اور روح کی حاضری بھی بہت خوب۔

☆☆ محمد ذاکر صاحب: اس کے علاوہ آپ کی کوئی اور کہانی موجود نہیں اور اگر ہے تو پلیز اس کا نام لکھیں اور امید ہے کہ نئی کہانی جلد از جلد بھیج کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

ریاض حسین قمر منگلہ ڈیم سے، مدیر محترم ڈرڈائجسٹ سلام شوق جس طرح آپ اور آپ کا عملہ جریدہ بروقت مارکیٹ میں لے آتا ہے یہ آپ لوگوں کی محنت کا کمال ہے۔ رب کریم مزید ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین۔ مئی 2017ء کا ڈرڈائجسٹ خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ فہرست مضامین سے گزر کر سیکشن قرآن کی باتیں میں پہنچے یہ ایک صفحہ پورے میگزین کی جان ہے۔ اس صفحے سے ہمیں وہ انمول موتی ملتے ہیں جو ہماری دنیا و آخرت کے لئے ایک توشہ سے کم نہیں ہوتے۔ خطوط کے صفحات پر بڑے کمال کے خطوط ملے ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق تبصرہ کیا تھا۔ کہانیاں ابھی تمام تو نہیں پڑھ سکا جو پڑھی ہیں وہ خوب ہیں۔ شاعری کا سیکشن بھی خوب رہا۔ آپ نے جس طرح میرے غم میں شرکت کا ثبوت دیا ہے وہ آپ جیسے عالی ظرف انسان ہی کو زیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈر کے تمام قارئین کو میری شریک حیات مرحومہ کے لئے دعا کی توفیق اور ہمت بخشے۔ آمین۔

☆☆ ریاض صاحب: دانشوروں کا کہنا ہے کہ ''دنیا ہے سکھ سے خالی دکھ چار سو بھرا ہے۔ غم کے سوا یہاں پر سوچو تو کیا دھرا ہے۔'' ہر ایک نے اپنے اپنے وقت پر جانا ہے۔ خیر اب بھی ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی شریک حیات کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور تمام قلبی رشتوں پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم! خیر و عافیت اور نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں، کچھ دن ہوئے شہر جانا ہوا۔ بک اسٹال پر پہنچا تو ماہ مئی کے ڈرڈائجسٹ سے ملاقات ہوگئی۔ سرورق بڑے کمال کا تھا۔ اندر رنگ برنگی تحریروں کا مطالعہ کر کے دل کو خوشی ہوئی۔ بڑے دنوں سے خط تحریر کرنا چاہتا تھا۔ مگر کچھ حالات کی سنگینی آڑے آجاتی ہیں۔ صبح کا وقت ہے، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ پرچے کا اپنا ہی معیار ہے۔ خط، غزل اور شعر شائع کرنے کا شکریہ۔ مقررہ تاریخ پر ڈرڈائجسٹ کا بڑی بے

قراری سے انتظار ہوتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈر کو مزید ترقی دے۔ موسم کافی بدل گیا ہے۔ زندگی ایک سفر ہے کبھی غم اور کبھی خوشی، محنت ہی سے کامیابی ہوتی ہے۔ معاشی حالات سے لوگ دوچار ہیں، ڈر کی تمام تحریریں خوب سے خوب تر ہیں۔ آپ ہم سے دور ہیں مگر خط سے آدھی ملاقات ہوجاتی ہے۔ جدید دور میں کوئی سکھ والی بات نہیں۔ ہر انسان کو کوئی نہ کوئی الجھن ضرور ہوتی ہے۔ کچھ تحریریں ارسال خدمت ہیں۔ اگر کسی قرعہ شمارے میں جگہ دے دیں گے تو عین نوازش ہوگی۔ اب اجازت دیں زندگی نے وفا کی تو اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی۔

☆☆ اسلم صاحب: اگر بغور دیکھا جائے تو دور جدید انسان کے لئے دور شدید ہوگیا ہے، ہر طرف نفسانفسی کا دور دورہ ہے۔ اور ایسا ہونے میں ہمارے قول فعل کا عمل دخل ہے۔ ہم میں سے مزید احساس ختم ہوتا جارہا ہے۔ خیر ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اور تمام اہل خانہ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا! مئی 2017ء کا "ڈر" سامنے ہے۔ خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ تمام ترسلسلے خوب رہے۔ Story`s کا انتخاب لاجواب رہا۔ ہمارے آرٹیکل لگانے کا شکریہ۔ میٹرز آپ کے پاس ہیں۔ پلیز دیکھئے گا۔ مزید میٹرز ارسال خدمت ہے۔ پلیز قرعہ اشاعت میں جگہ دیں۔ آپ کو اور دیگر اسٹاف اور "ڈر ڈائجسٹ" کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے ویورز کو دعا سلام۔ اپنا خیال رکھئے گا۔

☆☆ ایس امتیاز صاحب: آپ کے ارسال کردہ میٹرز موجود ہیں۔ پلیز! آپ اپنا خیال رکھئے گا اور دیگر میٹرز ارسال کرنے کے لئے شکریہ قبول کریں۔

احسان الحق اسلام آباد سے، السلام علیکم! رائٹرز اور قارئین کرام، امید ہے کہ خیریت سے ہوں گے۔ دلی دعا ہے کہ سب پر اللہ پاک اپنا خاص الخاص کرم فرمائیں۔ آمین۔ اس مرتبہ ڈر 22 اپریل 2017ء کو موصول ہوا۔ سب سے پہلے اس کے سرورق پر نظر گئی۔ اور حسب روایت وحسب معمول دل انتہائی خوش ہوگیا۔ سرورق بہت اعلیٰ معیار کا تھا۔ اب آیئے کہانیوں کی جانب۔ سب سے پہلی کہانی بندہ ناچیز کی متحق لگانے پر بہت بہت شکریہ۔ اور آخری کہانی طاق راتیں تھی۔ طاق راتیں ایک اچھی کہانی تھی۔ رائٹر ایم الیاس صاحب کی کہانی کی دوسری قسط ابھی رن وے پر بھاگتے جہاز کی مانند رہی ہے۔ امید ہے کہ یہ کہانی آگے چل کر اپنی اٹھان لے گی انشاء اللہ۔ ایم الیاس سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ ڈائجسٹ کی دیگر کہانیاں بھی بہترین رہی ہیں۔ پچھلے دنوں گرمی کی شدت کی وجہ سے لوگ گئی تھی جس کی وجہ سے ممنونیہ ہوگیا تھا اور بڑی تکلیف کے بعد رب کائنات نے شفاء دی ہے۔ شکر ہے۔ آخر میں برادرم ریاض حسین قمر صاحب کے خط کا خصوصی ذکر کروں گا جسے پڑھتے ہی دل ڈوب سا گیا۔ بہت افسوس ہوا ریاض حسین قمر صاحب! آپ کی اہلیہ کے انتقال پر، یہ خط اپنے اہل خانہ کو بھی باآواز بلند پڑھ کر سنایا، اور انشاء اللہ آپ کی مرحومہ اہلیہ کے لئے دعاؤں کا سلسلہ جاری ہے۔ اللہ پاک انہیں غریق رحمت فرمائے۔ آمین۔ ہم آپ کے صدمے میں برابر کے شریک ہیں۔ اب اجازت چاہوں گا۔ اللہ پاک سب کو بہت زیادہ خوشیاں عطا فرمائے۔ آمین۔ والسلام خیر اندیش۔

☆☆ احسان الحق صاحب: آپ کی طبیعت کی ناسازی کا سن کر دلی افسوس ہوا۔ ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کلی صحت عطا کرے اور صحت وتندرستی سے نوازے۔ کہانی لیٹ موصول ہوئی۔ اگلے ماہ ضرور شائع ہوگی۔ شکریہ۔

ضرغام محمود کراچی سے، السلام علیکم! بعد سلام امید ہے کہ تمام عملہ خیریت سے ہوگا۔ یہ خط لکھتے ہوئے دکھوں کی پرچھائیاں مسلسل پیچھا کررہی ہیں ہمارے اور آپ کے اور کروڑوں قارئین کی محبوب شخصیت ہمارے پیارے بھائی جناب ایم اے راحت بھائی اس فانی سے کوچ کرکے ابدی دنیا کی جانب چلے گئے اور اپنے پیچھے کروڑوں مداحوں کو اداس چھوڑ گئے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے

قرآنی حکم ہے کہ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ مگر کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر یقین آنا مشکل ہوجاتا ہے۔ کچھ شخصیتیں اپنے انمٹ نقوش اس دنیا میں چھوڑ جاتی ہیں اور ان ہی شخصیات میں سے ایم اے راحت صاحب کی شخصیت بھی ہے۔ مرحوم نے پاکستان ہی میں نہیں دنیا میں ہر اس جگہ جہاں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے اپنے کروڑوں مداح پیدا کئے، پاکستان میں ڈائجسٹ کی دنیا

میں ایم اے راحت کا نام کامیابی کی ضمانت تھا آپ نے کروڑوں قارئین کو اپنے قلم کے سحر میں جکڑے رکھا۔ اللہ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ڈر کا مئی 2017ء کا شمارہ خوفناک سرورق کے ساتھ ملا، قرآن کی باتوں سے دل کو منور کرتے ہوئے خطوط تک پہنچے، خطوط پر تبصرہ کرنے سے پہلے ان تمام قارئین کا شکر ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے میری کہانی خزانے کی تلاش کو پسند کیا خاص طور پر ایس حبیب خان، عبدالجبار رومی، ساحل ابڑو اور خاص طور پر ایس امتیاز احمد صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ مئی کے شمارے میں محقق (احسان الحق) قبر کے قیدی (مریم فاطمہ) نادیدہ طاقت (عثمان غنی) اچھی کہانیاں تھیں جبک اس ماہ کی سرتاج کہانی محمد شعیب فیصل آباد کی طاق راتیں رہی، شیطانی طاقتوں کے گرد گھومتی ایک پرتجسس اور سسپنس سے بھری لاجواب کہانی..... بہت خوب محمد شعیب بھائی۔ اس ماہ شیش محل کا عمدگی سے اختتام ہو گیا جبکہ اسرار اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ جاری وساری ہے، خونی جزیرہ نے بھی اپنی گرفت مضبوط کرنی شروع کر دی ہے اور رولو کا تو ہے ہی بیسٹ آف دی بیسٹ۔ انشاء اللہ مفصل تبصرہ اگلے شمارے پر۔ اب اجازت دیجئے۔

☆☆ ضرغام صاحب: یہ حقیقت ہے کہ ہر ذی روح نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ واقعی کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا بھلانا بس سے باہر ہوتا ہے۔ مگر زندہ رہنے کے لئے دل لگانا بھی پڑتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنی خاص رحمتیں نازل کرے۔

اویس نور بلوچ میر پور ماتیلو سے، السلام علیکم! ڈر ڈائجسٹ کی پوری ٹیم اور قارئین کرام کو میری طرف سے پیار بھرا اسلام قبول ہو۔ کچھ مصروفیات کے باعث ڈر کی محفل میں دو ماہ غیر حاضر رہنے کے بعد اب دوبارہ حاضر ہوا ہوں۔ میں نے کچھ عرصہ پہلے ڈر کے لئے ایک تجویز عرض کی تھی کہ ڈر میں لوا سٹوری کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ لیکن لگتا ہے میری تجویز کو نظر انداز کر دیا گیا۔ یا ابھی تک غور نہیں کیا گیا۔ خیر ہمیشہ کی طرح تازہ شمارہ لاجواب رہا۔ محترم ناصر محمود فرہاد صاحب کی کہانی (ممی) میری نظروں میں پہلے نمبر پر رہی، بہت ہی عمدہ تھی۔ محترمہ اقراء قریشی صاحبہ کی روح کی حاضری بھی لاجواب بلکہ یہ کہا جائے کہ پورا شمارہ زبردست رہا۔

☆☆ اویس صاحب: ہر رسالے کا اپنا ایک موڈ اور موضوع ہوتا ہے۔ اگر آپ بغور جائزہ لیں تو ڈر کا بھی ہارر موضوع ہے اور چونکہ لگتا ہے کہ آپ کو لوا سٹوری زیادہ پسند ہے۔ اس لئے آپ نے لوا سٹوری کا مشورہ دیا۔ لوا سٹوری والے بہت سارے رسالے نکلتے ہیں آپ انہیں پڑھ کر اپنا شوق پورا کر لیا کریں۔ Thanks۔

خضر حیات روڈھ کھل سے، السلام علیکم! امید ہے سارے لوگ خیر و عافیت سے اور ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ ڈر کے قارئین اور رائٹرز کو میرا پیار بھرا سلام۔ مئی کا شمارہ ایک خوب صورت، دلکش، پراسرار اور خوفناک ٹائٹل کے ساتھ 24 اپریل کو مل گیا۔ ٹائٹل بہت دلنشین اور شاندار تھا۔ یہ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔ جب شمارے کے اندر گیا تو دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ شمارہ میں جتنی بھی کہانیاں شامل تھیں۔ سب بہت اچھی اور عمدہ تھیں۔ یہ کہنا زیادتی ہوگی کہ فلاں کی اچھی تھی اور فلاں کی اچھی نہیں تھی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ بہت ہی اچھا لکھا۔ خیر میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ خوب ترقی کرے۔

☆☆ خضر حیات صاحب: خط لکھنے اور قلمی لگاؤ سے کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی تحریریں ارسال کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

ڈاکٹر طارق محمود آکاش ڈسکہ سے، تمام چاہنے والوں کو محبتوں بھرا آداب! خداوند کریم سے دعا اور امید ہے کہ آپ سب خدا کے فضل و کرم سے باخیریت ہوں گے۔ خداوند کریم کا لاکھ شکر، انتہائی گرمی میں لوڈ شیڈنگ کا عذاب سہتی بہادر پاکستانی قوم کو خدا اپنے فضل اور کرم سے ہر طرح کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ ساحل ابڑو، ایس امتیاز احمد، عبدالجبار رومی، مہر پرویز احمد، رابعہ عباس آپ سب کو ہماری تحریر پسند آئی، آپ کی محبت کا شکریہ۔ ڈر کا خوب صورت شمارہ 25 تاریخ کو موصول ہوا۔ قرآن پاک کی باتوں سے آغاز کیا۔ جزاک اللہ، جزاک اللہ، ایس حبیب صاحب صدارت کی کرسی پر براجمان تھیں۔ خوشی ہے آپ کی تحریریں آپ کا تبصرہ لاجواب ہوتا ہے۔ ہر ماہ تبصرہ بھیجنا آپ کی ڈر سے محبت کا ثبوت ہے۔ مریم فاطمہ، ریاض حسین قمر آپ کا تبصرہ بھی عمدہ ہوتا ہے۔ میرے فیورٹ قلمکار بھائی ایس امتیاز احمد صاحب کی تحریروں کے تو ہم دیوانے ہیں۔ ''شیطان کی بیٹی'' واہ کیا بات ہے۔ خیر مجموعی طور پر تمام کہانیاں قابل تعریف ہیں۔ ویسے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پاکستانیوں کو

...لوڈ شیڈنگ کے عذاب سے بچائے۔

...طارق صاحب: کاش کہ اللہ تعالیٰ جلد ہماری سنے اور لوڈ شیڈنگ کے عذاب سے نجات دے۔ لیکن یہ اسی صورت ممکن ہوگا ...اہل ...اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے سرانجام دیں گے۔ کہانی شامل اشاعت ہے۔ غور کیجئے گا، نئی کہانی دوبارہ لکھ کر ارسال کریں۔

محسن عزیز حلیم کوٹھا کلاں سے۔ السلام علیکم! تمام ڈر اسٹاف، ریڈرز، اینڈ رائٹرز کو میری طرف سے پرخلوص سلام، ...خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ مئی کا شمارہ جلد ہی مل گیا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں جن میں ہم سب کے لئے ہدایت ہے۔ خطوط کی محفل میں پہنچے تو دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ ریاض حسین قمر صاحب کی اہلیہ کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا، یہ سچ ہے کہ جانے والے چلے جاتے ہیں اور اپنی قیمتی یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ سب کے خطوط زبردست تھے۔ کہانیوں کی محفل میں "محقق" زبردست رہی۔ مریم فاطمہ کی کہانی بھی قابل تعریف ہے۔ امید ہے 2018ء میں آپ نامور رائٹر بن جائیں گی۔ دیکھنا "سگ آوارہ" ساحل ابڑو لائے، وری گڈ "خونی خزانہ" ملک این اے کاوش لائے اس دفعہ تھوڑی Slow تھی۔ "رولوکا" قسط نمبر 144 بھی زبردست رہی۔ "شیطان کی بیٹی" ایس امتیاز احمد لائے جو کچھ خاص تاثر قائم نہ کرسکی۔ "نادیدہ طاقت" عثمان غنی لائے کہانی زبردست رہی۔ "انسانی درندے" طارق محمود وری نائس "گلاب چہرے" احسان سحر ایک قابل ستائش کہانی اچھی رہی۔ "خونی جزیرہ" میں کوئی نیا پن نہیں۔ اور ویسے تمام کہانیاں اپنی مثال آپ لاجواب تھیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈر ڈائجسٹ کو مزید ترقی سے نوازے۔

☆☆ محسن عزیز صاحب: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا تجزیہ پڑھ کر خوشی ہوئی اور قوی امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

عبدالعزیز بلوچ کراچی سے۔ سب سے پہلے ڈر کے پورے اسٹاف اور تمام لکھاری و قاری حضرات کو میرا سلام۔ مئی کا ڈر ایک خوفناک سرورق کے ساتھ ہاتھوں میں ہے۔ خطوط اچھے تھے۔ لیکن فلک زاہد صاحب، سردیوں کی رات کے بعد سے کہیں غائب ہوگئی ہیں۔ خیریت سے ہیں ناں۔ اس شمارے میں ایک سے بڑھ کے ایک کہانیاں تھیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رائٹر کو زور قلم اور عطا کرے۔ ڈر ڈائجسٹ کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ عبدالعزیز صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے اور آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنے کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔

عبدالجبار رومی لاہور سے۔ السلام علیکم! بزم خطوط میں ایس حبیب خان، رابعہ عباس، مریم فاطمہ، مہرپرویز کے خط بہت اچھے تھے، ریاض حسین قمر کی زوجہ محترمہ کا سن کر دلی افسوس ہوا۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ریاض حسین قمر اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اس کے علاوہ محسن علیم، ایس امتیاز احمد، محمد اسلم جاوید، شرف الدین، گلاب خان سولنگی، طارق محمود اور ساحل ابڑو کے خط بھی بہت عمدہ تھے۔ تعریف سب کہانیوں کے لئے، کسی ایک کی تعریف ٹھیک نہیں۔ تمام رائٹر دل لگا کر محنت کررہے ہیں۔ اور اپنے پڑھنے والوں کی خوشی کے لئے کوشاں ہیں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام رائٹروں کو زور قلم اور دے تاکہ اچھی اچھی کہانیاں لکھتے رہیں۔ آئندہ ماہ پھر ملاقات ہوگی۔ رب راکھا۔

☆☆: عبدالجبار صاحب: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا نوازش نامہ پڑھ کر دل بہت خوش ہوا ہماری بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام رائٹروں کو خوش وخرم رکھے صحت وتندرستی کے ساتھ زور قلم اور دے۔ (آمین) نوازش نامہ کا اگلے ماہ بھی انتظار رہے گا۔ Thanks۔

☆☆

تمام رائٹرز سے التماس ہے کہ آپ کے ارسال کردہ خطوط 8 تاریخ تک ہمیں لازمی موصول ہوجائیں تاکہ شامل اشاعت ہوسکیں؟ اور پلیز! اپنا فون نمبر ضرور ارسال کریں کیونکہ وقت ضرورت اس کی ضرورت پڑتی ہے، ویسے بھی ادارہ ڈر ڈائجسٹ تمام ایڈریس اور فون نمبرز کا امین ہے۔ تمام رائٹرز کا ایڈریس اور کال نمبر پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ شکریہ۔ ادارہ۔

موت کا پتا

شکیل نیازی۔میانوالی

بچے کی غراہٹ بھری آواز ابھری اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں آنکھیں باہر کو ابل پڑیں اور اس کا منہ ایک فٹ کے قریب کھل گیا اور پھر اس کے منہ سے ایک چھوٹا ہاتھ باہر نکلا اور پھر.....

خودغرضی اور مطلوب پرستی کی دل و دماغ کو تھرا دینے والی انمٹ، خوفناک و خونی کہانی

یہ کوئی آدھے گھنٹے میں مسلسل تیسری بار دروازہ بج رہا تھا، اور اب میرا غصہ آسمان پر تھا، اب آپ کہیں گے کہ آسمان تو صرف سات ہی ہوتے ہیں تو بھائی میرا غصہ ساتویں آسمان پر تو اس وقت تھا جب دروازہ دوسری بار بجا تھا اور ظاہر ہے اب غصہ بھی حد کراس کر چکا تھا پہلے میں جب بھی کوئی اسٹوری لکھنے بیٹھتا تو کمرے کے دروازوں پر "ڈونٹ ڈسٹرب" کا بورڈ لگا دیتا تھا اور میرے قریبی دوست یہ خوبی جانتے ہیں کہ میں ایسا تب کرتا ہوں جب میں اسٹوری لکھنے میں مصروف ہوتا ہوں اور اس دوران جو بھی مجھے ڈسٹرب کرتا ہے میرا رویہ اس کے ساتھ نہایت سخت ہوتا ہے اس لیے میرے جاننے والے احتیاط رہا کرتے ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے پڑوس کے شرارتی بچوں نے شاید وہ بورڈ اتار کے پھینک دیا تھا اس لیے وقت بے وقت دروازہ بج رہا تھا میں غصے سے جھلاتا ہوا دروازے پر گیا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور اس کے ساتھ ہی میرا منہ بھی کچھ کہنے کے لئے کھلا مگر جو منہ غصے سے کھلا تھا وہ حیرت سے کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔

ایک منٹ! میں نے اپنے بارے میں تو آپ کو بتایا ہی نہیں، میرا نام جونی مارک ہے اور میرا شمار ملک کے ان گنے چنے مصنفین میں ہوتا ہے جنہیں ہارر اسٹوریز لکھنے میں ملکہ حاصل ہے میرا مطلب ہے کہ یہ بات میں خود نہیں کہہ رہا بلکہ میرے چاہنے والے کہتے ہیں کہ میں بہت اچھا لکھتا ہوں میں اپنی عمر کی 33 بہاریں دیکھ چکا ہوں لیکن آج تک میری زندگی میں کوئی بہار نہیں آئی یعنی نہ تو میں نے شادی کی اور نہ ہی کوئی گرل فرینڈ بنی، شاید میرے پاس ان سب چیزوں کے لئے وقت نہیں تھا یا پھر کوئی بھی لڑکی میری کم مائیگی دیکھ کر میرے قریب نہیں آنا چاہتی تھی۔

جہاں تک محبت کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک کو ہوتی ہے سو مجھے بھی ہوئی تھی اور اس محبت نے میری زندگی میں اتنے کانٹے بچھائے تھے کہ میں آج تک چنتا آرہا تھا اور آج چودہ سال بعد پھر اس محبت کا آسیب بانہیں پھیلائے مجھے اپنی آغوش میں لے رہا تھا۔

جیسے ہی دروازہ کھولا تو الزبتھ کو دیکھ کر یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے ماضی کی فلم کو دوبارہ دیکھ رہا ہوں مجھے یوں حیرت سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو الزبتھ کے ہونٹ ہلے۔

"جونی کیا مجھے پہچانا نہیں؟"

"ک۔۔۔ کیوں نہیں۔" میں نے طویل

سانس لے کر کہا۔

"میں نے تمہیں بہت مشکل سے ڈھونڈا ہے، کیا مجھے اندر نہیں آنے دو گے؟" اس نے کہا تو میں نے بنا کچھ کہے راستہ چھوڑ دیا اور وہ کمرے میں داخل ہوگئی میں ابھی تک بے یقینی کی حالت میں اسے دیکھ رہا تھا اس نے تنقیدی انداز میں میرے بکھرے ہوئے ڈرائنگ روم کو دیکھا مگر میں مسلسل صرف اسے ہی دیکھے جارہا تھا بلیو جینز اور بلیک کلر کی ٹی شرٹ اور گاگلز، وہ پہلے جیسی تھی آج ویسی ہی نظر آرہی تھی اس کے سرخ وسفید رنگت میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ وقت نے اس کے چہرے کے خدوخال بدلے تھے۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔" اس نے بے تکلفی سے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا تو میرے ہونٹوں پر سرد مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔

"دیکھ رہا ہوں کہ وقت نے تمہیں ذرا بھی نہیں بدلا۔" میں نے کہا تو اس کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

"لیکن تم تو ابھی سے بوڑھے لگنے لگے ہو۔" اس نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"بہت خوب کہ تمہیں اندازہ ہوگیا کہ مجھ میں اب تمہاری دلچسپی کا کوئی سامان باقی نہیں رہا لہٰذا کچھ ٹھنڈا گرم پینا ہے تو پی لو اور اس کے بعد تم جاسکتی ہو" میں نے یکدم سرد لہجے میں کہا۔

"مجھے غصہ اس بات پر آرہا تھا کیونکہ مجھے لگ رہا تھا کہ وہ اتنے عرصے بعد اگر مجھے ملی بھی ہے تو محض میری مفلسی کا مذاق اڑانے کے لئے۔

"سوری میرا مقصد تمہارا دل دکھانا نہیں بلکہ میں تو صرف مذاق کررہی تھی۔" الزبتھ نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو میں اور میری محبت کی اوقات تمہارے نزدیک ایک مذاق سے زیادہ نہیں تھی اس لیے جب تم مارگس سے ملیں تو تمہیں صرف وہی ہر طرف نظر آنے لگا تم بھول گئی کہ ہم دونوں کتنے اچھے دوست تھے اور ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے تھے" میں نے جل کے کہا۔

"مگر جونی میں کیا کرسکتی تھی تم تو جانتے تھے نا کہ مارگس اور میرے ڈیڈ صرف دوست ہی نہیں بزنس پارٹنر بھی تھے اور اپنے بزنس کو بڑھانے کے لئے انہوں نے میری قربانی دیدی۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ اور تم تو جیسے ایک مشرقی عورت تھی نا جو اپنے ڈیڈ کے ہر حکم پر سر جھکا لیتی تھی حقیقت تو یہ ہے کہ مارگس کی بے پناہ دولت دیکھ کر تمہارے دل میں لالچ پیدا ہوگیا کیونکہ مارگس کے پاس وہ سب کچھ تھا جو میں تمہیں کبھی نہ دے پاتا۔" میں نے چلاتے ہوئے کہا۔

"اوکے میں مانتی ہوں مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور میں اس کے لئے سوری کررہی ہوں" الزبتھ نے کہا تو میرے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"الزبتھ معافی غلطی کی ہوتی ہے اور تم نے دل توڑا ہے جس کی صرف سزا ہوتی ہے اب تم جاسکتی ہو" میں نے راستہ چھوڑتے ہوئے کہا تو وہ باہر جانے کے بجائے میرے سامنے میرے اتنے قریب کھڑی ہوگئی کہ میں اس کی سانسوں کی مہک محسوس کرسکتا تھا۔

"مجھے ایک بار اپنی بات کرنے کا موقع تو دو" اس نے اسی لہجے میں کہا جیسے وہ اکثر وقت کرتی تھی جب اس نے مجھے منانا ہوتا تھا لیکن آج حالات کچھ اور تھے اور اس کی اس حرکت پر مجھے اور غصہ آگیا اور میں نے سختی سے اسے بازو سے پکڑا اور اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے باہر دروازے کی طرف لے جانے لگا۔

"پلیز جونی مجھے چھوڑو مجھے درد ہورہا ہے" اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس سے کہیں زیادہ تکلیف ہوئی تھی، جب تم نے کہا تھا کہ تم میرا لائف اسٹائل افورڈ نہیں کرسکتے۔" میں نے اسے دروازے سے باہر دھکیلتے ہوئے کہا اور دروازہ بند کرنا چاہا مگر اس نے ہاتھ دروازے کے درمیان میں رکھ دیا۔

''الزبتھ ہاتھ ہٹاؤ درمیان میں سے'' میں غرایا۔

''پلیز جونی ایک بار میری بات تو سن لو۔'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا آنسو اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے اور میں اس کی جانب دیکھ کر اپنا دل نرم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''چلی جاؤ یہاں سے الزبتھ اپنے شوہر کے پاس اس شوہر کے پاس جس کی خاطر تم نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔'' میں نے بھی جواباً چلا کے کہا۔

''وہ مر چکا ہے۔'' اس نے آخری بار چیخ کے کہا تو میرا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا میں جو مسلسل دروازہ بند کرنے کی سوچ رہا تھا دروازہ چھوڑ کے گیلری میں موجود صوفے پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا کیونکہ یوں یکدم سے مارگس کی موت کا سن کر مجھے چکر سے آنے لگے تھے الزبتھ اندر داخل ہوئی اور مین دروازہ بند کر کے میرے ساتھ صوفے پر آن بیٹھی۔

''جونی میں جھوٹ نہیں بول رہی، مارگس ایک سال پہلے ہی مر چکا ہے اس نے خودکشی کر لی تھی مگر تم کیوں یکدم سے پریشان ہو گئے'' الزبتھ نے میرے ہاتھ پکڑ کر چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں تو پتا ہے کہ کسی کی موت کا سن کر میرے اعصاب جواب دے جاتے ہیں اور پھر مارگس تو قریبی ۔۔۔۔'' میں آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

''مارگس نہ تمہارا رشتے دار تھا نہ دوست اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اسے میری وجہ سے اپنا قریبی سمجھتے تھے یعنی میری اہمیت اب بھی تمہارے نزدیک وہی ہے جو پہلے تھی'' الزبتھ نے کہا تو میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ لرز گئی۔

''اہمیت ۔۔۔۔'' میں نے تلخی سے سوچا۔

''مجھے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ تم میرے پاس کیوں آئی ہو اور جہاں تک مارگس کے مرنے کا تعلق ہے تو اس کی خبر مجھے دینا اتنا ضروری بھی نہیں تھا۔''

''ضروری تھا جونی کیونکہ مارگس کی موت کے بعد میں جس مصیبت کا شکار ہوئی ہوں اس سے تم ہی مجھے چھٹکارا دلا سکتے ہو'' الزبتھ نے میرا ہاتھ سختی سے پکڑتے ہوئے کہا۔

''دیکھو الزبتھ تمہارا جو بھی مسئلہ یا پریشانی ہے تو تمہارا اور میرا تعلق اسی روز ختم ہو گیا تھا جب تم نے مارگس سے شادی کر لی تھی۔ اب تم جا سکتی ہو'' میں نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''جونی میری اس پریشانی کا حل صرف تمہارے پاس ہے اس مسئلہ کو تمہارے سوا کوئی نہیں سلجھا سکتا کیونکہ تمہارے علاوہ اس بات پہ کوئی یقین نہیں کرے گا کہ میری بیٹی پر ایک بھوت کا سایہ ہے'' الزبتھ نے جلدی سے کہا تو میں اس کی بات پر حیران رہ گیا۔

''ایسے حیرت سے کیوں دیکھ رہے ہو؟''

اس لیے کہ میں سوچ رہا ہوں کہ جو لبرل لڑکی میری ہارر اسٹوریز کو بکواس قرار دیتی تھی آج کہہ رہی ہے کہ اس کی بیٹی پر بھوت کا سایہ ہے۔'' میں نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں یہ سچ ہے پہلے میں بھی اس بات پر یقین نہیں کرتی تھی لیکن جب میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو مجھے یقین آ گیا کہ اس دنیا میں ہم انسانوں کے علاوہ بھی کچھ قوتیں موجود ہیں جو شروع سے ہماری برتری کو چیلنج کرتی آ رہی ہیں۔''

الزبتھ نے سنجیدگی سے کہا تو میرے منہ سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

''واہ کمال ہے تمہیں بھوت دکھائی دیتے ہیں''

''میں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے بھوت دیکھا ہے لیکن میں نے بہت سے پراسرار ۔۔۔'' الزبتھ نے کہا تو میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''دیکھو میں ہارر اسٹوریز ضرور لکھتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں بھوتوں کے وجود کو مانتا ہوں اگر ایک رائٹر سپر مین پر اسٹوری لکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس بات کو مانتا ہے کہ سپر مین اس دنیا میں موجود ہے۔''

''میں مانتی ہوں اس پر یقین مشکل ہے مگر تم اس بات کو ایک عام آدمی کی نسبت جلد قبول کر لو گے۔''

الزبتھ نے بے چارگی سے کہا۔

''لیکن میں تمہیں ایک پادری یا کوئی جن بھگانے والا جوگی نظر آتا ہوں کم آن الزبتھ''

''ہیلن میری واحد اولاد ہے اور میں اسے جی جان سے چاہتی ہوں وہ دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہے اور ڈاکٹرز اس کی بیماری جاننے سے قاصر ہیں اگر ایسا چلتا رہا تو ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ پائے گی میں آخری امید لے کر تمہارے پاس آئی ہوں، اگر ہیلن کو کچھ ہوگیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کرپاؤں گی۔'' یہ کہہ کر الزبتھ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو میرا دل نرم ہوگیا اور میں نے آگے بڑھ کے اپنے رومال کی مدد سے اس کے گالوں پر بہنے والے آنسو صاف کیے تو وہ چپ چاپ میری طرف دیکھنے لگی۔

''مجھے نہیں لگتا کہ میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد کرپاؤں گا لیکن اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارے کسی کام آسکتا ہوں تو میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا اس لیے نہیں کہ مجھے اب بھی تم سے محبت ہے بلکہ اس لیے کہ شاید اس معصوم سی بچی کے لئے کچھ کرپاؤں۔'' میں نے کہا تو الزبتھ نے کچھ سوچ کر سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

تین گھنٹے کے تھکا دینے والے سفر کے بعد میں الزبتھ کے ہمراہ ایک پوش کالونی میں پہنچا۔ الزبتھ نے ایک بنگلے کے گیٹ پر پہنچ کر ہارن بجایا تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا سامنے ہی ایک بڑا گیراج تھا جس میں ایک لیموزین پہلے سے ہی کھڑی تھی الزبتھ نے اوڈی (جس میں ہم سوار تھے) روکی اور گاڑی سے اتر گئی میں نے بھی اس کی تقلید کی، میں نے ایک نظر بنگلے کو دیکھا تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، وہ بنگلہ بالکل ویسا تھا جیسا میں اپنی ہارر اسٹوریز میں کسی بھوت بنگلے کا ذکر کیا کرتا تھا۔

''نہیں نہیں آپ غلط سمجھے میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ کوئی کھنڈرات میں بنا بنگلہ تھا یا ایک اجاڑ دیکھنے والا بنگلہ تھا وہ بس ایک عام اور بڑا سا بنگلہ تھا جو پراسرار بھی محسوس نہیں ہوتا تھا مگر پھر بھی اس پر ایک پراسراری خاموشی چھائی ہوئی تھی جو سرگوشی کے انداز میں میرے کانوں میں کہہ رہی تھی کہ کچھ تو ہے یہاں جو ٹھیک نہیں ہے۔'' مگر میں نے اپنے اس خیال کو دماغ سے جھٹک دیا کیونکہ میں اپنی اسٹوریز کے کرداروں کی طرف سے بزدل نہیں بننا چاہتا تھا۔

''اندر چلیں؟'' الزبتھ نے کہا تو میں چونک پڑا۔

''کیوں نہیں'' میں نے کہا تو وہ مجھے لئے اندر چل پڑی بہت سی راہداریوں سے گزرتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ بنگلہ باہر سے جتنا محسوس ہوتا ہے اندر سے اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے وہ ایک کمرے کے دروازے کو کھول کر اندر داخل ہوگئی تو میں بھی اس کے پیچھے داخل ہوگیا۔

''یہ تمہارا کمرہ ہے ملازم تمہارا بیگ ابھی اندر لے آئے گا کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیڈ کے ساتھ لگا بٹن پریس کردینا ملازم آجائے گا، شام کو کھانے کی ٹیبل پر ملتے ہیں'' الزبتھ نے کہا اور جانے لگی تو میں نے اس کا راستہ روک لیا۔

''دیکھو الزبتھ میں یہاں کوئی چھٹیاں گزارنے نہیں آیا بہتر ہوگا کہ تم جلد از جلد مجھے اپنی بیٹی سے ملادو تاکہ میں دیکھ سکوں کہ میں اس کے لئے کیا کرسکتا ہوں بہ صورت دیگر۔۔۔''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے ابھی وہ سوئی ہوئی ہے شام کو اٹھے گی تو مل لینا۔ ویسے بھی تم تھوڑا وقت یہاں رہو گے تو خود تمہیں بھی اندازہ ہوجائے گا کہ یہاں اس مسئلے کے علاوہ کچھ اور بھی دلچسپیاں موجود ہیں۔'' الزبتھ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تو میں اس کی نظروں کا مفہوم سمجھنے کے باوجود انجان سا بن گیا اور نظریں چرا کے ادھر ادھر دیکھنے لگا جبکہ وہ مسکراتے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔

رات کا کھانا ہم رات آٹھ بجے کھا رہے تھے ہم سے مراد میں اور الزبتھ تھے کیونکہ وہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا الزبتھ میری بے چینی کو نوٹ کررہی تھی اس لیے بولی۔

''میں جانتی ہوں تم ہیلن سے ملنے کے لئے بے تاب ہو، ڈونٹ وری تم کھانا آرام سے پیٹ بھر

لمحات، بعد میں شاید تمہارے ہوش کے ساتھ تمہاری ہوش بھی اڑ جائے۔“
”اوایسا کچھ بھی نہیں ہے۔“ میں نے کہا اور کھانا کھانے لگا حالانکہ اس وقت میرا ذرا بھی دل کھانے کو نہیں کر رہا تھا کھانا کھانے کے بعد میں نے سگریٹ سلگائی یہ جانتے ہوئے بھی کہ الزبتھ کو شروع سے اسموکنگ سے نفرت ہے شاید میرا دل اسے جلانے کو چاہ رہا تھا۔“
”تم نے اسموکنگ شروع کر دی؟“
”ہاں۔۔۔“
”کب سے؟“
”جب سے مجھے یہ تلخ تجربہ ہوا کہ اس دنیا میں موجود ہر شخص دو چہرے رکھتا ہے“ میں نے خون کے گھونٹ پی کے کہا۔
”چلو ہیلن جاگ چکی ہوگی، الزبتھ نے موضوع بدلتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔
دو راہداریوں کے بعد وہ ایک کمرے کے دروازے پر رک گئی اور دستک دی لیکن مجھے محسوس ہوا کہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔
”بے بی کیا ہم اندر آجائیں؟“ الزبتھ نے پیار سے پوچھا۔
”نہیں مجھے اکیلا چھوڑ دیں“ اندر سے کسی بچی کی آواز آئی۔
”دیکھو بے بی کوئی تم سے ملنے آیا ہے؟“
”نہیں مجھے کسی سے نہیں ملنا“ اندر سے چلاتی ہوئی آواز آئی۔
”بے بی۔۔۔ تمیز سے۔۔۔“ الزبتھ نے غصے سے کہا تو میں نے اشارے سے اسے ہیلن کو ڈانٹنے سے منع کر دیا۔
”دیکھو ہیلن میرا نام جونی مارک ہے اور میں تمہاری مم کا دوست ہوں۔“
”آپ جو بھی ہیں مجھے آپ سے نہیں ملنا“ اندر سے آواز آئی تو الزبتھ کا غصہ اور بڑھ گیا مگر میں نے اسے اشارے سے روک لیا۔
”دیکھو بیٹا میں ایک رائٹر ہوں اور بچوں کے لئے اچھی اسٹوریز لکھتا ہوں تمہاری مم نے تمہاری تعریف کی تو مجھے محسوس ہوا کہ کیوں ناں اس ننھی پری پر بھی ایک اسٹوری لکھی جائے“ میں نے کہا تو تھوڑی دیر بعد دروازہ بے آواز انداز میں کھلا تو میں نے ایک چھوٹی سی بچی کو دروازے کے اندر دیکھا۔
”کیا میں اندر آسکتا ہوں؟“ میں نے کہا تو وہ بنا کچھ کہے اندر چلی گئی میں اس کی خاموشی کو رضامندی تصور کرتا ہوا اندر داخل ہوا الزبتھ بھی میرے ساتھ اندر داخل ہوئی میں نے دیکھا وہ ایک چھوٹا سا بیڈ روم تھا جس کی دیواروں پر کارٹون بنے ہوئے تھے ایک سنگل بیڈ کے علاوہ کونے میں ایک رائٹنگ ٹیبل اور چھوٹی سی کرسی رکھی تھی اکلوتی الماری میں بہت سی گڑیاں رکھی تھیں، ہیلن آلتی پالتی مار کے بیڈ پر بیٹھی مجھے غور سے دیکھے جارہی تھی تو میں اسے دیکھ کر مسکرایا۔
”الزبتھ تم مجھے تھوڑا وقت دو گی کہ میں اس ننھی پری سے گپ شپ کرسکوں۔“ میں نے کہا۔
”اوکے میں تھوڑی دیر کے بعد آتی ہوں“ الزبتھ نے کہا اور وہاں سے چلی گئی اور جاتے جاتے دروازہ بند کرگئی میں نے ایک نظر اسے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر ہیلن کی طرف متوجہ ہوا۔
”ہاں تو لٹل بے بی آپ کا نام کیا ہے؟“ میں نے کسی نفسیاتی ڈاکٹر کی طرح پوچھا۔
”ہیلن۔۔۔“ اس نے اپنی گود میں دیکھتے ہوئے کہا۔
”واہ کتنا کیوٹ نام ہے“
”آپ کون سی کلاس میں پڑھتی ہیں؟“
”فورتھ میں۔۔۔“ اس نے کہا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔
”میں جانتی ہوں کہ آپ سوچ رہے ہیں کہ مجھے فائیو کلاس میں ہونا چاہئے تھا مگر میں بہت زیادہ بیمار ہوگئی ہوں نا اس لیے فورتھ کے ایگزامز نہیں دے سکی“

ہیلن نے معصومیت سے کہا تو مجھے اس پر بہت پیار آیا۔

''اوہو یہ بات نہیں ہے میں سوچ رہا تھا کہ آپ کے اسکول کی فائیو کلاس کتنی بدقسمت ہے'' میں نے جلدی سے کہا۔

''وہ کیسے؟'' ہیلن نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ ایسے کہ اس کلاس میں لٹل ہیلن جو نہیں ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تو میں بھی ہنسنے لگا اتنے میں الزبتھ کمرے میں داخل ہوئی تو ہیلن نے ہنسنا بند کردیا اور سر جھکا کے خاموش ہوگئی، میں نے نوٹ کیا کہ ہیلن کے چہرے کا رنگ الزبتھ کو دیکھ کر بدل گیا تھا۔''

''کیا باتیں ہورہی ہیں؟'' الزبتھ نے آتے ہی خوش اخلاقی سے پوچھا۔

میں چاہتا تھا کہ اس بات کا جواب ہیلن خود دے مگر وہ خاموش رہی تو مجھے بولنا پڑا۔

ہم خاص بات کررہے ہیں جو آپ کے ساتھ شیئر نہیں کی جاسکتی، میں نے ہیلن کو آنکھ مار کے کہا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''آآآآآ اچھا۔۔۔۔تو اس کا مطلب ہے میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کیا ہے او کے جناب فارغ ہونا تو بنا دینا میں ویٹ کررہی ہوں۔'' الزبتھ نے کہا اور سپاٹ چہرہ لیے وہاں سے چلی گئی۔ جبکہ میں ایک بار پھر ہیلن کی طرف متوجہ ہوا میں نے اس بار اس کا بغور جائزہ لیا وہ خوبصورت حسن نقوش رکھنے والی بچی تھی لیکن شاید اس پراسرار بیماری کی وجہ سے اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے اور اس کا وجود ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کے رہ گیا تھا میں نے اسے مخاطب کیا۔

''ہیلن تم پر کہانی لکھنے کے لئے میرا تمہارے بارے میں سب کچھ جاننا ضروری ہے کیا تم اپنے بارے میں سب سچ سچ بتاؤ گی؟ میں نے پوچھا تو اس نے زور سے سر ہلا دیا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہیں کیا بیماری ہے یعنی میرے کہنے کا مطلب ہے کہ تمہیں اپنی صحت کے بارے میں کیا محسوس ہوتا ہے۔'' میں نے کہا تو وہ مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے میری بات کو سمجھنے کی کوشش کررہی ہو۔

''مجھے کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا بس کبھی کبھی بے ہوش ہوجاتی ہوں اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں رہتا ممی اور ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ میں بہت زیادہ بیمار ہوں لیکن مجھے ایسا کچھ نہیں لگتا۔'' ہیلن نے کہا تو مجھے حیرت ہوئی۔

آخر تمہیں کچھ تو محسوس ہوتا ہوگا جیسے سر کا گھومنا، بوجھل پن یا نقاہت کا محسوس ہونا وغیرہ؟'' میں نے کہا۔

''ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوتا البتہ ایک مسئلہ ہے۔''

''مجھے لگتا ہے میرے منہ میں کوئی مسئلہ ہے۔'' ہیلن نے سنجیدگی سے کہا۔

''منہ میں مسئلہ ہے میں کچھ سمجھا نہیں۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں آپ خود قریب آکے دیکھ لیں۔'' اس نے کہا تو میں اس کے قریب ہوگیا اور اس نے منہ کھولا مگر مجھے کچھ دکھائی نہ دیا۔

''تھوڑا اور کھولو مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔'' میں نے کہا تو اس نے منہ اور کھولا اور اس کے بعد اس کا منہ کھلتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ اس کی تھوڑی سینے سے جا لگی اور ایک بالشت لمبی زبان باہر لٹکنے لگی۔

اسے دیکھ کر میرے اعصاب مارے خوف کے سرد پڑ گئے اس کے ساتھ ہی اچانک اس کے حلق سے ایک مکروہ ہاتھ باہر نکلا اور اس نے یکدم میرا چہرہ پکڑ لیا، میرے منہ سے ایک تیز چیخ نکل گئی، میں نے اپنا چہرہ اس منحوس ہاتھ سے چھڑایا اور دروازے کی طرف دوڑا میں نے دروازہ کھولنا چاہا مگر دروازہ نہ کھل سکا مجھے محسوس ہوا کہ ہیلن بیڈ سے نیچے اتر آئی ہے اور وہ اب میری طرف ہی بڑھ رہی ہے یہ محسوس ہوتے ہی میں نے دروازہ کھولنے کی جی توڑ کوشش کی مگر ناکام رہا پھر مجھے محسوس ہوا کہ ہیلن میرے پیچھے کھڑی ہے اس کی جانب مڑ کر دیکھنے کی ہمت مجھ میں نہیں تھی میں نے آخری بار دروازے کے ہینڈل کو اندر کی طرف کھینچا مگر ناکام رہا

اس کے ساتھ ہی مجھے احساس ہوا کہ میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں اس سوچ کے ساتھ کہ اب کبھی نہ کھلیں گی مگر میں حیران رہ گیا کہ ہیلن نے خود آگے بڑھ کر دروازے کا ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھل گیا وہ اب نارمل نظر آ رہی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

میں کچھ بوکھلاہٹ میں ہینڈل گھما ہی نہیں رہا تھا شاید اس لیے دروازہ نہیں کھل رہا تھا جیسے ہی دروازہ کھلا میں تیزی سے کمرے سے باہر نکلا اور تقریباً دوڑتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا راستے میں الزبتھ یا کوئی اور ملازم سے میرا سامنا نہیں ہوا میں نے دروازہ اندر سے لاک کردیا اور جلدی سے سگریٹ سلگائی اور سوچنے لگا اس حادثے کے بارے میں جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی میرے ساتھ پیش آیا تھا میں تیز تیز قدموں سے ٹہل رہا تھا اور ساتھ ساتھ دماغ بھی دوڑا رہا تھا مگر حقیقت تو یہ تھی کہ میرا دماغ ابھی اس حادثے سے نکلا ہی نہیں تھا ایک انجان سا خوف مجھے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ جو حادثہ میرے ساتھ ہوا ہے اس مسئلہ میں میں کیا کرسکتا ہوں میں ایک عام سا رائٹر تھا جو خود بھی بھوت پریت پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن اب جو میرے ساتھ ہوا تھا اس کو دیکھ کر تو یقین نہ کرنے کی گنجائش ہی کہاں رہ گئی تھی میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ دروازہ بجا اور یکدم اس کے بجنے کی وجہ سے میں بری طرح سے ڈر گیا جب دوسری دفعہ دستک ہوئی تو میں ڈرتے ڈرتے دروازے کی جانب بڑھا۔

''ک۔۔۔ک۔۔۔کون۔۔۔۔؟'' میں نے آواز کی سرزش پر پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''میں ہوں۔۔۔'' الزبتھ کی آواز آئی تو میں نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو دیکھا واقعی وہ الزبتھ تھی ڈھیلے ڈھالے نائٹ سوٹ میں ملبوس اور ہلکے میک اپ میں وہ غضب ڈھا رہی تھی اس کے بال کھلے تھے جو کہ لہرا رہے تھے۔

''کیا تم مصروف تھے؟'' الزبتھ نے پوچھا۔

''نہیں کچھ خاص نہیں'' میں نے راستہ چھوڑتے ہوئے کہا۔ تو وہ اندر آئی اور یوں بیڈ پر یکدم لیٹ گئی جیسے صدیوں سے تھکی ہو، میں نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک بیئر کی بوتل اور دو چھوٹے گلاس بھی تھے اس نے بوتل کھولی اور گلاس بھرا۔

''پلیز میرے لیے مت بھرنا۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

''دراصل میں نے ڈرنک کرنا چھوڑ دیا ہے'' میں نے کہا اور جیب سے سگریٹ نکال کر لائٹر کی مدد سے سلگالی وہ چند لمحے مجھے غور سے دیکھتی رہی اور اس کے بعد چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرنے لگی۔

''تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟''

''ہاں میں کافی پریشان ہوں کیونکہ آج میں نے جو دیکھا ہے وہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد اسے وہ سب کچھ بتا دیا جو میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ الزبتھ چپ چاپ سنتی رہی۔

''عجیب بات ہے یہ سب سچ ہے نا تو مجھے وہم ہے نا میں پاگل ہوں میری باتوں پر کوئی بھی یقین نہیں کرتا تھا لیکن اب تم نے بھی وہ سب کچھ دیکھ لیا ہے جو میں نے دیکھا ہے اب تو تمہیں میرا یقین آ گیا ہے۔'' نا الزبتھ نے میرا ہاتھ پکڑ کر ضرورت سے زیادہ میرے قریب ہوتے ہوئے کہا جسے میں نے فوراً محسوس کرلیا اس لئے میں تھوڑا پیچھے سرک گیا لیکن یہ سرکنا کام نہ آیا اور وہ تھوڑا اور قریب ہوگئی میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا تو وہ مسکرادی۔

''الزبتھ تمہیں اندازہ نہیں کہ میں اس وقت کتنا پریشان ہوں پلیز مجھے اور پریشان نہ کرو'' میں نے سگریٹ کا گہرا کش لگا کر کہا۔

''اچھا تو بتاؤ تم کیوں پریشان ہوں؟'' اس نے قدرے ناگواری سے کہا۔

''کیسی بچوں جیسی بات کر رہی ہو، میں ایک ایسے مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں جو میرے بس سے باہر ہے'' میں نے اونچی آواز میں کہا۔

''لیکن مجھے تم پر بھروسہ ہے۔'' الزبتھ نے

جلدی سے کہا۔

"بھروسہ۔۔۔۔۔ ہوں" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"بھروسہ تم نے مجھ پر جیسے پندرہ سال پہلے نہیں کیا تھا اب بھی نہ کرو میں اس وقت بھی کچھ نہ کر پایا اور اب بھی کچھ نہیں کر پاؤں گا جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے تو میرے خیال میں تمہیں کسی روحانی پیشوا سے مدد لینی چاہئے۔" میرے کہنے پر اس نے طویل سانس لیا۔

"نہیں مجھے وہ سب ڈھونگی لگتے ہیں۔" الزبتھ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو میں نے سگریٹ کا آخری کش لگایا اور سگریٹ مسل دیا پھر کچھ سوچ کے بولا۔

"کیا تم بتانا پسند کرو گی کہ ہیلن کو یہ مسئلہ کب سے ہوا؟" میں نے اچانک کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے بولنا شروع کیا۔

"ہیلن کے ساتھ یہ سب کچھ ایک سال پہلے شروع ہوا لیکن یہ کہانی تین سال پرانی ہے جب ایک رات اچانک مارکس کو دورہ پڑا اس کے ہاتھ پاؤں مڑ گئے آنکھیں اور زبان باہر نکل آئی یہ سب دیکھ کر میں ڈر گئی میں نے ایمرجنسی پر کال کرکے اس کو لے گئی مگر ڈاکٹر اس کی بیماری سمجھنے سے قاصر رہے انہوں نے بہت سے ٹیسٹ کئے مگر ٹیسٹوں میں کوئی بھی وجہ سامنے نہ آ سکی۔

ایک سال طویل علاج کے دوران میں مارکس کو لے کر دنیا کے ہر ایک اسپتال اور ڈاکٹر کے پاس گئی جس کے بارے میں مجھے ذرا بھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اچھے طریقے سے علاج کرتا ہے لیکن نتیجہ صفر رہا اس دوران میں کئی روحانی پیشواؤں کے پاس بھی مارکس کو لے گئی مگر کسی نے بھی جھوٹی تسلیوں کے علاوہ کچھ نہ دیا آخر مارکس تنگ آ گیا اور اس نے کہیں نہ جانے کا فیصلہ کیا اور خود کو قسمت کے حوالے کرکے گھر میں بیٹھ گیا اس کے بعد بھی وہ ایک سال تک زندہ رہا۔

ایک سال مجھ پر صدیوں سے زیادہ بھاری تھا ہر رات مارکس کی طبیعت بگڑتی جاتی تھی وہ اتنا ڈر جاتا تھا کہ گھر کے ملازم تک مارے خوف کے اس کے قریب نہ جاتے تھے اس لیے مجھے ہی اسے دیکھنا پڑتا تھا ایک سال تک وہ اس منحوس بیماری سے لڑتا رہا آخر ایک روز اس نے اس کیفیت کے دوران اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی گردن توڑ دی، یہ تو شکر ہے کہ اس دوران ملازم بھی وہیں پر تھے ورنہ میری اس بات پر کوئی بھی یقین نہ کرتا کہ اس نے اپنے ہی ہاتھوں اپنی گردن توڑی ہے۔" الزبتھ نے روتے ہوئے کہا اور پھر بولی۔

"مارکس کے مرنے کے تین روز بعد ہی ہیلن کو یہ دورے پڑنے لگے اس بات کو ایک سال ہو چکا ہے میں ہر جتن کر چکی ہوں مگر نا کام رہی آخر مجھے تمہارا خیال آیا کہ تم شروع سے ہارر اسٹوریز لکھتے آ رہے ہو اس بارے میں تمہیں کافی معلومات ہوں گی، سو میں اپنی آخری امید لے کر تمہارے پاس گئی تھی جس کے نتیجے میں اب تم یہاں موجود ہو۔ الزبتھ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو میں نے طویل سانس لیا۔

"ایک بات تم ابھی سے اپنے ذہن میں ڈال لو کہ کہانی اور حقیقی زندگی میں بہت فرق ہے ایک رائٹر صرف رائٹر ہوتا ہے کوئی ہیرو نہیں ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ یہاں آنے سے آج تک جو میں صرف جھوٹ سمجھ کے لکھتا تھا اب اس پر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس دنیا میں ایسا بہت کچھ ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے میں یہ نہیں چاہتا کہ پندرہ سال پہلے ہم دونوں کے درمیان جہاں تعلق ختم ہوا تھا وہیں سے شروع ہو، میں چاہتا ہوں کہ اب جو میں تمہاری مدد کروں وہ ایک اچھے دوست ہونے کے ناطے کروں۔"

"کیا تم نے مجھے معاف کر دیا" الزبتھ نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں میں اس بات کو بھلا کر ایک نئی شروعات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا تو الزبتھ نے چند لمحوں بعد سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

پوری رات مجھے ایک لمحے کے لئے بھی نیند نہ آ سکی، آتی بھی تو کیسے جو کچھ میں نے دیکھا تھا اسے دیکھ کے تو کسی کی بھی نیند اڑ جاتی، صبح نو بجے ناشتہ کرنے

کے بعد میں نے الزبتھ کو کہا کہ وہ مجھے پورا بنگلہ دکھائے میری اس انوکھی خواہش پر پہلے اس نے حیرت کا اظہار کیا اس کے بعد وہ راضی ہوگئی پورے بنگلے کو دیکھتے دیکھتے ایک گھنٹہ لگ گیا۔ اب سوائے ایک کمرے کے میں تمام بنگلہ دیکھ چکا تھا وہ ایک کمرہ اسٹور روم تھا الزبتھ نے کہا اس کمرے کو بہت سالوں سے نہیں کھولا گیا۔

جب میں نے اسے دیکھنے پر اصرار کیا تو الزبتھ نے بتایا کہ اس کے لاک کی چابیاں ڈھونڈنی پڑیں گی اور وہ شام کو یہ کمرہ بھی مجھے دکھادے گی تو مزید میں نے بھی اصرار نہ کیا۔

اس کے بعد الزبتھ کسی کام سے باہر چلی گئی اور میں ایک بار پھر اپنے کمرے میں آ گیا ہیلن سے میرا دوبارہ سامنا نہیں ہوا الزبتھ کے بقول وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہا کرتی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اب اس کا سامنا کرنے سے مجھے بھی خوف محسوس ہوتا تھا۔

میں تھوڑی دیر میں اپنے کمرے میں بور ہوگیا اور میرے ذہن میں ایک کام آیا مکروہ کام ایسا تھا جیسے کرنے میں الزبتھ کی ناراضگی کا بھی خدشہ تھا لیکن اس کی ناراضگی میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی کیونکہ میں جو کام کرنے جارہا تھا اس میں اس کی بہتری تھی الزبتھ کو گئے دو گھنٹے ہو چکے تھے اور اسے شام سے پہلے لوٹ آنے کے آثار بھی نہیں تھے سو اس لیے میں بلا جھجک اپنے کمرے سے نکلا اور میرا رخ اس طرف تھا جہاں اسٹور روم واقع تھا راستے میں ایک دو ملازم نظر آئے لیکن نہ میں نے انہیں اہمیت دی نہ انہوں نے کچھ پوچھنا مناسب سمجھا آخر میں اسٹور روم کے دروازے پر پہنچ گیا میں نے ارد گرد دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا اسٹور روم بنگلے کی بیک سائیڈ پر بنا تھا اس لیے وہاں کسی کا آنا جانا کم ہی ہوتا تھا میں نے جب ماحول صاف دیکھا تو جیب سے چابی نکالی جو مجھے ایک چور نے دی تھی میں نے چابی تالے کے سوراخ میں داخل کی اور تھوڑی جدوجہد کے بعد تالا کھل گیا، میں نے دروازے پر زور ڈالا تو دروازہ ایک پراسرار آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔

میں تیزی سے اندر داخل ہوا اور جیب سے پنسل ٹارچ نکالی کیونکہ مجھے شک تھا کہ وہاں بلب کام نہیں کرتا ہوگا اور ویسے بھی آگے میں وہاں کی لائٹ آن کرتا تو دروازے کی نچلی جھری سے معلوم پڑتا کہ کوئی اندر ہے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی وہاں مجھے دیکھے اس لیے میں نے دروازہ بند کردیا اور اسٹور کا جائزہ لیا اسٹور کیا تھا ایک درمیانے سائز کا کمرہ تھا جس کی چھت سے جالے لٹک رہے تھے وہاں پہ ٹوٹا ہوا فرنیچر اور پرانے قالین کے پیس پڑے تھے اس کے علاوہ اور بے کار گھریلو سامان پڑا تھا۔

دیکھتے دیکھتے میری نظر کونے میں کھڑی ایک پرانی الماری پر پڑی تو میں نے اس کا جائزہ لیا وہ لکڑی سے بنی پرانی مگر مضبوط الماری تھی جس میں ایک بڑا سا تالا لگا ہوا تھا وہاں بھی ماسٹر کی چابی کام آئی اور تالا کھل گیا میں نے دیکھا وہاں بہت سی کتابیں بے ترتیبی کے ساتھ پڑی تھیں۔

میں نے انہیں غور سے دیکھا تو وہ سب جادو، جنات اور آسیب سے متعلقہ کتابیں تھیں یہ دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی الزبتھ نے ضرور اپنے شوہر کو بچانے کے لئے ان کتابوں سے معلومات کا سہارا لیا ہوگا۔

لیکن ایک بات میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی کہ الزبتھ کے شوہر کو مرے ایک سال ہوا ہے، دو سال تک وہ بیماری سے لڑتا رہا یعنی کل تین سال سے الزبتھ ان چیزوں کا مطالعہ کررہی ہے تو پھر اس نے مجھے کیوں کہا کہ برسوں سے کوئی نہیں آیا شاید یہ سب مارگس پڑھتا ہو مگر میں مارگس کو اچھی طرح سے جانتا تھا وہ بہت روشن خیال اور عملی آدمی تھا اس کے پاس ان فالتو چیزوں کے لئے وقت ہی کہاں تھا میں اس سوچ میں کھڑا کتابیں دیکھ رہا تھا کہ ایک فائل میرے سامنے آن گری شاید اوپر والے ریک میں رکھی تھی اور الماری کے ہلنے پر گر گئی۔

میں نے فائل کو اٹھایا اس کے اندر والے صفحے باہر گر گئے تھے ایک صفحے پر مجھے ہیلن کی تصویر نظر آئی جو شاید اس وقت کی تھی جب وہ تین سال کی تھی میں نے اس فائل کو سرسری انداز میں پڑھا تو میں حیران رہ گیا

کیونکہ اس فائل کے مطابق ہیلن مارگس اور الزبتھ کی بیٹی نہیں تھی بلکہ گود لی ہوئی بچی تھی۔

مجھے سمجھ نہ آیا کہ الزبتھ نے یہ حقیقت مجھ سے کیوں چھپائی یہ سوچتے ہوئے میں ساتھ ساتھ الماری کا جائزہ بھی لے رہا تھا وہاں پر مجھے ایک خاص موٹی جلد کی ڈائری نظر آئی جس کے اوپر موٹے حروف میں پرنسل لکھا تھا میں نے اس کو کھولا اور پڑھنے لگا۔

میں نے اس کا پہلا صفحہ پڑھا اور پڑھتے ہی دھک سے رہ گیا میں ابھی تحریر کے الفاظ سے نہ نکل پایا تھا کہ مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی میں نے فوراً ڈائری اپنے کوٹ کے اندرونی جیب میں ڈالی اور الماری کو تالا لگا کر باہر نکلنا چاہا مگر قدموں کی چاپ دروازے تک پہنچ چکی تھی مجھے چھپنے کی کوئی جگہ نہ دکھائی دے رہی تھی اچانک ایک جگہ نظر آئی اور میں فوراً الماری کے پیچھے اور دیوار کے درمیان موجود خلا میں گھس گیا اگرچہ وہاں پر بہت سی مکڑیوں کے آشیانے تھے مگر اب مجھے ان کے ساتھ ہی گزارا کرنا تھا۔

میں نے دروازہ دوبارہ لاک کر دیا تھا اس لیے اگر کوئی اسے باہر سے کھولتا تو اسے شک نہیں پڑ سکتا تھا کہ اندر کوئی ہے۔ لاک میں چابی گھمانے کی اور پھر لاک کھلنے کی آواز سنائی دی دروازہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا وہ جو بھی تھا بڑی جلدی میں تھا، اس نے آتے ہی الماری کا تالا کھولا اور اس میں موجود کتابیں کسی بیگ یا تھیلے میں ڈالنے لگا یہ لمحہ میرے لیے بہت صبر آزما تھا کیونکہ وہ جو بھی تھا اس کا اس چکر سے ضرور کچھ لینا دینا تھا اور کس حد تک تھا یہ مجھے نہیں پتا تھا اگر یہ سب اس آدمی کا کیا دھرا تھا تو یہ اپنے راز کے عیاں ہونے کے ڈر سے مجھے مارنے سے بھی نا چوکتا یہ سوچ کر ہی میرے پسینے چھوٹ رہے تھے وہ جو بھی تھا الماری خالی کر کے چلا گیا اس کے ساتھ ہی دروازے کے بند ہونے کی آواز آئی۔

میں تھوڑی دیر وہیں رہا اور پھر آرام سے باہر نکلا اور پنسل ٹارچ روشن کر کے دیکھا وہ جو بھی تھا الماری خالی کر چکا تھا لیکن ڈائری میرے پاس تھی جو یقیناً میری محنت کا صلہ تھا۔ یہ سوچ کر میں خوش ہوا اور لاک کھولتے وقت مارے خوشی کے کچھ زیادہ ہی زور لگا بیٹھا اور چابی ٹوٹ گئی حالانکہ چابی دیتے وقت اس چور نے بھی کہا تھا کہ اسے بڑی احتیاط سے استعمال کرنا کیونکہ یہ بہت نازک ہے لیکن خوشی میں، میں ہر بات بھول گیا اور اب میری حالت خراب تھی یعنی اب میں اس اسٹور روم میں قید ہو چکا تھا اگر میں درواہ کھٹکھٹاتا تو یقیناً وہ آدمی باہر ہی ہوتا اور اسے پتہ چل جاتا کہ کوئی اس کے راز میں شریک ہو چکا ہے۔

لہٰذا میرا مرنا طے تھا لیکن میں اب باہر بھی تو نہیں نکل سکتا تھا مجھے یہ سوچتے سوچتے ایک گھنٹہ ہو گیا اور میری حالت بہت خراب تھی کہ اچانک ایک بار پھر دروازہ کھلا اور اس بار میں چھپ نہ سکا۔ میں نے دیکھا وہ کوئی اور نہیں بلکہ وہ ہیلن تھی۔

میں فوراً کمرے سے باہر نکل آیا وہ مجھے عام سی نظروں سے گھورے جا رہی تھی اس دوران جو ڈائری میں نے کوٹ کے اندرونی جیب میں اڑس رکھی تھی میرے تیز چلنے کی وجہ سے گر گئی اور میں مارے خوف کے ہیلن کو یوں دیکھنے لگا جیسے میری چوری پکڑی گئی ہو لیکن وہ کچھ نہ بولی اس نے ڈائری اٹھائی اور میری طرف بڑھا دی میں حیران ہوا پھر میں نے ڈائری اس کے ہاتھ سے لے لی اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا کیونکہ میں دھول اور جالوں سے اٹا ہوا تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی مجھے اس حال میں دیکھ کر سوال نہ کرے۔

کمرے میں جا کر سب سے پہلے میں فریش ہو کے یہ سوچنے لگا کہ جس وقت میں الماری کے پیچھے چھپا ہوا تھا اس وقت کون سی شخصیت تھی جو اندر آ کے تمام کتابیں لے گئی اس وقت زیادہ شک ہیلن کی طرف جاتا تھا کیونکہ دوبارہ اس نے دروازہ کھولا تھا مگر پھر اس نے مجھے ڈائری کیوں دیدی شاید اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

بہرحال وہ جو شخصیت بھی تھی وہ ہرگز یہ نہیں چاہتی کہ میں وہ سب دیکھوں جو میں دیکھ چکا تھا آخر

ب میں سوچ سوچ کے تھک گیا تو مجھے ڈائری کا خیال
ا میں نے دروازہ اندر سے لاک کیا اور ڈائری پڑھنا
شروع کردی اور جوں جوں میں ڈائری پڑھتا گیا میری
آنکھیں مارے حیرت اور خوف کے کھلی کی کھلی رہ گئیں
یہ الزبتھ کی ڈائری تھی اس میں اس نے لکھا تھا کہ!

''وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی مگر ایک بزنس
ڈیل کے نتیجے میں اسے مارکس سے شادی کرنا پڑی اس
کی شادی تو مارکس سے ہوگئی اور مارکس اس سے محبت
بھی کرتا تھا مگر وہ اس سے ذرا بھی محبت نہیں کرتی تھی
کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ مارکس کی وجہ سے وہ مجھ سے دور
ہوئی ہے اور پھر اس نے مارکس سے بدلہ لینے کی سوچی۔

سب سے پہلے اس نے ماں بننے سے انکار کردیا
مارکس کے اصرار کے باوجود الزبتھ نے اسے خاطر میں
نہ لائی تو آخر مارکس نے ہتھیار ڈال دیئے مگر اسے بچوں
سے بہت پیار تھا اور وہ بچے کی محبت اپنے دل سے نہ
نکال پایا اس لیے اس نے ایک بچی گود لے لی اور اس
تین سالہ بچی کا نام اس نے ہیلن رکھ دیا مارکس ہیلن
سے اتنی محبت کرتا تھا جیسے وہ اس کی سگی اولاد ہو جس کے
برعکس الزبتھ کو ہیلن ذرا بھی اچھی نہیں لگتی تھی وہ ان
دونوں سے نفرت کرتی تھی وہ مارکس کو مار ڈالنا چاہتی تھی
لیکن جیل جانے کی ہمت اس میں نہیں تھی اس لیے اسے
ایک ترکیب سوجھی۔

اس نے ایک تبت میں رہنے والے ایک کالے
جادو کے عامل کی مدد سے مارکس پر کالا جادو کرادیا۔ پہلے تو
اسے بھی اس کے اثر پر یقین نہیں تھا لیکن جب اس نے
خود مارکس کی حالت دیکھی تو وہ اس پر ایمان لے آئی اور
اس کے مرنے کے بعد اس نے ہیلن پر بھی جادو کرادیا
تاکہ اس بہانے مجھے بلا سکے اور میرے قریب آسکے۔

میں نے جب یہ سب پڑھا تو میں سر تھام کے
رہ گیا۔

شام کا وقت ہوگیا تھا کہ اچانک دروازے پر
دستک ہوئی میں نے ڈائری فوراً چھپادی اور ایک طویل
سانس لے کر دروازہ کھولا تو سامنے الزبتھ کو کھڑے پایا۔

''ڈنر کا وقت ہوگیا ہے'' اس نے مسکرا کے کہا اور
میں سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ ڈائننگ روم چل پڑا۔

''نوکر بتا رہے تھے کہ تم نے سارا دن کمرے
میں گزارا ہے کیا تم بور نہیں ہوتے'' الزبتھ نے کہا تو میں
نے اسے غور سے دیکھا مگر اس نے یہ بات عام سے
لہجے میں پوچھی تھی اور میں یہ اندازہ لگانے میں ناکام رہا
کہ اسے شک پڑا ہے یا نہیں۔

''ہاں لیکن کچھ زیادہ بور نہیں ہوا رات کو نیند نہ
آنے کی وجہ سے دن بھر تقریباً سوتا ہی رہا ہوں'' میں نے
دھیرے سے کہا تو وہ سر ہلا کے کھانا کھانے لگی وہ اتنی
معصوم بنی ہوئی تھی جیسے اس نے کچھ بھی نہ کیا ہو لیکن یہ
بات صرف اور صرف میں جانتا تھا کہ وہ قاتلہ ہے اور
اس نے ایک انسان کو قتل کیا ہے چاہے اس نے یہ قتل
میری محبت میں آکے کیا تھا مگر پھر بھی قتل تو قتل ہے اور
اس کی کوئی معافی نہیں اور اپنے شوہر کو مارنے کے بعد وہ
اپنی گود لی بیٹی کو مارنا چاہتی تھی اور میں ایسا کسی قیمت پہ
نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

میرا دل اس سے بات کرنے کو چاہ رہا تھا لیکن
دماغ اس بات کی نفی کررہا تھا لہٰذا میں جو بھی کرنا چاہتا
تھا الزبتھ کو دھوکے میں رکھ کر کرنا چاہتا تھا اس لیے میں
نے اس کے ساتھ اپنا رویہ پہلے جیسے رکھا، ابھی ہم کھانا
کھا رہے تھے کہ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا ہوا؟'' الزبتھ نے حیران ہوکر کہا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے میں ذرا ہیلن سے ملنا
چاہتا ہوں۔''

''کل کے تجربے کے بعد بھی؟ ویسے بھی یہ اس
کے سونے کا ٹائم ہے کھانا وہ رات کے بارہ بجے کے
قریب ہی کھاتی ہے'' الزبتھ نے کہا۔

''اگر وہ سوگئی ہوئی ہو تو میں واپس آجاؤں گا''

''تو تمہیں میری بات کا یقین نہیں؟'' الزبتھ
کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''نہیں میں تو بس یہ کہنا چاہتا تھا کہ شاید وہ
جاگ رہی ہو'' میں نے جلدی سے کہا۔

''او کے تم جاسکتے ہو؟'' الزبتھ نے مجھ سے کہا اور پھر غصے سے ملازم کو بلا کے میز سے کھانا اٹھانے کے لئے کہا تو میں چپ چاپ وہاں سے نکل آیا۔

میں سیدھا ہیلن کے کمرے میں گیا وہاں زیرو کا بلب جل رہا تھا اور ہیلن کمبل اوڑھے سوئی ہوئی تھی میں کچھ لمحے اس کو دیکھتا رہا پھر آہستہ سے وہاں سے لوٹ آیا اور تھکے قدموں سے واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھا کیونکہ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔

ایک بار جی میں آیا کہ سب کچھ پولیس کو بتادوں مگر پولیس والے میری اس بات کو کبھی نہ مانتے کہ الزبتھ نے جادو کے ذریعے اپنے شوہر مارکس کو مارا ہے اور اس کے بعد میں ہیلن کے لئے بھی کچھ نہ کرپاتا میں انہی سوچوں میں الجھا اپنے کمرے میں داخل ہوا نائٹ بلب جلا کے میں جوں ہی بیڈ پر لیٹا ایک سایہ بیڈ کے نیچے سے نکل کر میرے سینے پر سوار ہوگیا اور اس وجود نے اپنے دونوں ہاتھ مضبوطی سے میرے منہ پر رکھ دیئے، میں مارے خوف کے سن ہوگیا، مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم میں جان ہی نہیں، چند لمحوں بعد میں سنبھلا اور میں نے مزاحمت کرنا چاہی تو اس کے ہاتھوں کی گرفت مزید اور سخت ہوگئی، پھر بمشکل میں نے غور کیا تو وہ ہیلن تھی۔

''میں معافی چاہتی ہوں لیکن یہ سب مجھے مجبوری میں کرنا پڑا اگر میں یکدم آپ کے سامنے آتی تو سایہ آپ بے اختیاری میں چلا اٹھتے اگر آپ شور نہ مچانے کی قسم کھائیں تو میں آپ کے اوپر سے ہٹ سکتی ہوں۔'' ہیلن نے کہا تو میں نے مثبت میں سر ہلادیا اور وہ آرام سے ہٹ گئی میں نے فوراً لائٹ آن کی اور دیکھا وہ واقعی ہیلن تھی وہ کسی بھی عام بچی کی طرح معصوم لگ رہی تھی۔

میں آپ سے صرف ایک بات کرنے آئی ہوں آپ جو مسئلہ حل کرنے آئے ہیں وہ بہت مشکل ہے لیکن اسے حل کرنا ناممکن نہیں وہ سایہ میرے اندر رہتا ہے اور وہ جس چیز کی وجہ سے میرے اندر رہتا ہے وہ چیز گھر میں ہے۔'' ہیلن نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''اوہ شاید الزبتھ ہے اور میرے خیال میں اس کو پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ تم یہاں ہو۔'' میں نے جلدی سے کہا تو ہیلن نے سر ہلادیا۔

''میرے خیال میں تمہیں بیڈ کے نیچے چھپ جانا چاہئے میں اس کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ مان گئی اور میں نے تھوڑا سا دروازہ کھول کے باہر جھانکا وہ واقعی الزبتھ تھی۔

''خیریت تو تھی اتنی دیر کردی دروازہ کھولنے میں۔'' اس نے کہا اور مجھے ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہوگئی۔

''ہاں بس لیٹتے ہی نیند آگئی تھی'' میں نے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہا اور پھر الزبتھ سیدھی جا کے بیڈ پر بیٹھ گئی اور ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کے بولی۔

''تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟''

''نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے دراصل گہری نیند میں تھا اس لیے یکدم اٹھنے کی وجہ سے تھوڑا ایسا دکھائی دے رہا ہوں'' میں نے کہا تو الزبتھ مسکرادی اور اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کے بولی۔

تمہیں یہ انگوٹھی تو یاد ہوگی یہ تم نے مجھے ہماری پہلی ڈیٹ پر دی تھی اس وقت سے اب تک میں نے اسے خود سے کبھی جدا نہیں کیا مارکس اکثر کہتا تھا کہ یہ سستی انگوٹھی تمہارے شایان شان نہیں لیکن میں اسے اس کے جواب میں کہتی کہ اس انگوٹھی کی قیمت کا اندازہ تمہیں کبھی نہیں ہو پائے گا۔'' الزبتھ نے کہا اور دوبارہ انگوٹھی پہننے لگی تو انگوٹھی اس کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے گری اور پھر اچھل کے بیڈ کے نیچے چلی گئی یہ دیکھتے ہی میں دھک سے رہ گیا۔ اور پھر سنبھل کے جلدی سے بولا۔

''تم تکلیف مت کرو میں اٹھا دیتا ہوں'' یہ کہہ کر میں بیڈ کے قریب جا کے جھکا تو اس نے لپک کر میرا کالر پکڑ لیا۔

''تمہیں میری تکلیف کے بارے میں اتنا

ہاں ہے'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال
کر لہجے میں کہا تو میں مسکرا کر رہ گیا اور اگلے ہی
لمحے وہ یکدم جھکی اور اس نے بیڈ کے نیچے جھانکا اور میں
نے آنکھیں بند کرلیں کیونکہ ہیلن کا اس طرح سے
میرے کمرے میں چھپنا ایسے بہت سارے سوالات کو
جنم دیتا جن کے جوابات دینا میرے لیے بہت مشکل
ہو جاتا لیکن وہ فوراً ہی انگوٹھی اٹھا کے کھڑی ہوگئی۔

''میرے خیال میں رات بہت ہوگئی ہے تمہیں
اب آرام کرنا چاہئے'' الزبتھ نے کہا۔

''ہاں اب تو صرف سونے کو جی چاہ رہا ہے''
میں زبردستی مسکرایا اور الزبتھ گڈ نائٹ کہہ کر چلی گئی اس
کے جاتے ہی میں نے فوراً بیڈ کے نیچے جھانکا لیکن وہاں
کوئی نہیں تھا پھر میں نے اٹیچ باتھ روم اور باقی کمرے کا
بھی جائزہ لیا مگر ہیلن کہیں بھی دکھائی نہ دی کہ اچانک
میری نظر آدھ کھلی کھڑکی پر پڑی تو میں نے طویل
سانس لیکر باہر جھانکا مگر ہیلن کا دور دور تک پتا نہ تھا میں
نے کھڑکی بند کی اور ایک بار پھر ہیلن کی باتوں پر غور
کرنے لگا کہ اچانک باہر چیخوں کی اور شور شرابے کی
آوازیں سنائی دیں میں فوراً سے اٹھا اور باہر نکلا تو میں
نے دیکھا سارے ملازم ہیلن کے کمرے کے دروازے
کے سامنے کھڑے خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے میں
فوراً وہاں پہنچا تو دیکھا الزبتھ کھڑی رو رہی تھی وہ مجھے
دیکھتے ہی میری طرف لپکی۔

''دیکھو نہ جونی اس کی طبیعت پھر بگڑ گئی ہے۔''
اس نے روتے ہوئے کہا۔

''اچھا تم حوصلہ رکھو میں دیکھتا ہوں اسے'' میں
نے الزبتھ کو حوصلہ دینے کے لئے یہ بات تو کہہ دی مگر
حقیقت میں میرا دل بھی اندر جانے کو ہرگز نہیں چاہ رہا
تھا میں نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا،
میں جیسے ہی اندر داخل ہوا تو چلانے کی آوازیں بند
ہوگئیں، میں نے دیکھا کمرے میں کوئی نہیں تھا میں نے
اٹیچ باتھ میں بھی جھانکا مگر وہ خالی تھا۔
اچانک میں نے بیڈ کے نیچے جھانکا تو مجھے
صرف دو چمکدار آنکھیں نظر آئیں میں فوراً گھبرا کے
پیچھے ہٹا تو قالین سے الجھ کے گر گیا ہیلن اب کسی رینگنے
والے کیڑے کی طرح بیڈ کے نیچے سے نکل کر میری
جانب بڑھنے لگی اس کی آنکھیں بالکل سفید تھیں زبان
منہ سے باہر لٹک رہی تھی منہ سے جھاگ نکل رہا تھا وہ
کسی لحاظ سے بھی وہ ہیلن نظر نہیں آرہی تھی جو کچھ دیر
پہلے تھی اس کے حلق سے کسی درندے جیسی غرانے کی
آواز نکل رہی تھی۔

میرا خون مارے خوف کے خشک ہو گیا تھا
اسٹوریز لکھ کر اپنے قارئین کو ڈراتا رہتا تھا شاید اب اس
لیے قدرت مجھے ڈرا رہی تھی میں خود کو اپنے ہاتھوں کے
بل گھسیٹ کے اس سے دور کرنے لگا (کیونکہ کھڑے
ہونے کی ہمت مجھ میں نہیں رہی تھی)

''دیکھو ہیلن میری بات سنو.....'' میں نے
کانپتے ہوئے کہا لیکن وہ تیزی سے میری جانب بڑھی
اور میں نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں مگر وہ میرے
قریب آتے ہی یکدم گر گئی، میں چند لمحے اسے حیرت
سے دیکھتا رہا اور پھر جب اسے سیدھا کیا تو وہ بے
ہوش ہو چکی تھی اس کے چہرے پر پھر وہی معصومانہ پن
لوٹ آیا تھا میں اسے حیرت سے دیکھتے دیکھتے جب
تھک گیا تو اسے آرام سے اٹھا کر بیڈ پر دوبارہ لٹا دیا اور
غصے کے عالم میں باہر نکلا کیونکہ اب معاملہ میری
برداشت سے باہر تھا میں نے الزبتھ سے دوٹوک بات
کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں جوں ہی باہر نکلا میں نے
دیکھا کہ وہاں الزبتھ کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے
لہٰذا میرے لیے بات کرنے کا یہ موقع سنہری تھا میں
نے دروازہ بند کیا اور بظاہر پریشان حال دیکھنے والی
الزبتھ کو مخاطب کیا۔

''بہت ہو گیا الزبتھ اب تمہیں یہ سب بند کرنا
ہوگا'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''کیا بند کرنا ہوگا میں کچھ سمجھی نہیں'' الزبتھ نے
حیرت سے پوچھا۔

''یہ کالے جادو کا کھیل'' تم نے اس کے ذریعے

اپنے شوہر کو مارا اور اب اس بے چاری معصوم بچی کو بھی مارنا چاہتی ہو جس کو تمہارے خاوند نے گود لیا تھا۔"

"یہ سب تمہیں کس نے بتایا؟" الزبتھ نے مارے حیرت سے کہا۔

"میں اتنا بے وقوف نہیں کہ مجھے علم نہ ہوتا، کل جب تم نے تمام کتابیں اسٹور روم سے اٹھائیں اس سے پہلے میں ہیلن کی فائل اور تمہاری ڈائری پڑھ چکا تھا اور تمہاری ڈائری ابھی تک میرے پاس ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سارے چکر میں تمہارا ہی ہاتھ ہے۔" میں نے غرا کے کہا تو الزبتھ کانوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ پڑی وہ زار و قطار اونچی آواز میں رو رہی تھی پھر وہ پھرتے ہوئے بولی۔

"مجھے تمہاری بکواس نہیں سننی تم ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے دفعہ ہو جاؤ۔"

"چلا جاؤں گا مگر اس سے پہلے تمہیں یہ سب ڈرامہ ختم کرنا ہوگا" میں اس کے پیچھے جوں ہی اس کے کمرے میں داخل ہوا اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا اس نے میز پر سے گلدان اٹھا کر میرے سر پر دے مارا اور میں ہوش سے بے گانہ ہوتا چلا گیا۔ اور جب میری آنکھ کھلی تو درد کی لہر مجھے اپنے سر میں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی میں نے اپنے سر کو تھامنا چاہا مگر میں نے دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے میں نے اٹھنا چاہا مگر اٹھ بھی نہ سکا پھر میں نے غور کیا میں الزبتھ کے کمرے میں ایک کرسی کے ساتھ رسیوں کی مدد سے جکڑا ہوا تھا میں نے حرکت کرنا چاہی مگر وہ بھی نہ کر سکا، میں نے دیکھا الزبتھ میرے سامنے صوفے پر بیٹھی مسکرا رہی تھی اس کے ہاتھ میں ایک بھاری ریوالور تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے الزبتھ؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں یہ سب تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے میں نے تم سے محبت کی اور اپنی مدد کے لئے تمہیں یہاں بلایا تا کہ تم اور میں باقی کی زندگی ایک دوسرے کے سہارے گزاریں اور بدلے میں تم نے مجھے کیا دیا دھوکہ۔۔۔؟"

"میں نے تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دیا، دھوکہ تم نے مجھے دیا ہے پہلے اپنے خاوند کو مارا اور اب اس کی گود لی ہوئی معصوم بچی کے خون کی پیاسی ہوگئی ہو۔" میں نے چلا کے کہا۔

"مگر مارگس اور اس کی بچی تمہارے کیا لگتے ہیں جو تمہیں ان کا غم کھائے جا رہا ہے تمہیں میری فکر کرنی چاہئے تھی" الزبتھ نے جواباً غصے سے کہا۔

"تم نے ایک قتل کر دیا اور دوسرا کرنے جا رہی ہو اور کہتی ہو کہ میں تمہاری فکر نہیں کر رہا، بے وقوف عورت میں تمہیں بچانا چاہتا تھا اس لیے ابھی تک یہیں ہوں ورنہ کب کا جا چکا ہوتا۔" میں نے کہا۔

"تو پھر مجھے بچانے کے لئے میرا ساتھ دو دم چند دنوں میں ہیلن خود بخود مر جائے گی پھر مارگس کی تمام جائیداد کی اکلوتی وارث میں ہوں گی اور تم میرے شوہر، ہم پرسکون زندگی گزاریں گے۔" الزبتھ نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں ایسے نہیں میں کسی کے خون سے اپنی خوشیوں کا محل نہیں بنانا چاہتا اس سلسلے میں، میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا سوری اب مجھے کھول دو۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"کھول دوں گی اتنی بھی کیا جلدی ہے ویسے تمہیں کھول دوں تو تم کیا کرو گے؟" الزبتھ نے مسکرا کے پوچھا۔

"اپنے گھر لوٹ جاؤں گا پھر کبھی نہ واپس آنے کے لئے" میں نے کہا تو الزبتھ قہقہہ مار کے ہنس پڑی۔

"کیا میں تمہیں اتنی بے وقوف دکھائی دیتی ہوں ڈارلنگ۔۔۔؟؟؟"

"میں کچھ سمجھا نہیں" میں نے حیرت سے کہا۔

"میں تمہیں چھوڑ دوں تا کہ تم سیدھا میری ڈائری لیکر پولیس اسٹیشن چلے جاؤ میں تمہیں شروع سے جانتی ہوں کہ تم جونی مارک ہو سچائی کے پتلے۔۔۔

ایک منٹ۔۔۔ پتلے سے یاد آیا، میں نے

مارگس کو کیسے مارا، ایک پتلا اس کے نام کا بنایا اور پھر کالے جادو کے زیر اثر سات سوئیاں اس پتلے میں چبھودیں، پوری کی پوری نیتجتاً وہ مرگیا اور اب ہیلن ابھی اسی طرح مرے گی تمہیں بھی اسی طرح مرنا چاہئے تھا مگر میں تمہیں زندہ رہنے کے لئے زیادہ وقت نہیں دے سکتی کیونکہ مجھے اپنی جان سے تمہاری جان کہیں زیادہ پیاری ہے۔'' الزبتھ نے کہا۔

تو میں قہقہہ مار کے ہنس پڑا۔

''کیوں ہنستے ہو؟'' الزبتھ نے پوچھا۔

''مجھے ہنسی اس بات پر آرہی ہے کہ ایک بار تم نے خود ہی کہا تھا کہ محبت انسان جس سے کرتا ہے وہ اسے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی زیادہ اسے چاہتا ہے اور آج تم نے یہ بات کہہ کر ثابت کردیا کہ تمہیں مجھ سے کبھی محبت نہیں رہی۔'' میں نے دکھی لہجے میں کہا۔

''ایسا ہی سمجھ لو۔'' یہ کہہ کر اس نے ریوالور کی نال میری پیشانی سے لگادی اور میں نے موت کو قبول کرنے والے انداز میں آنکھیں بند کرلیں۔

کہ اچانک کھٹک کی آواز کے ساتھ چیخ ابھری ،میں نے فوراً آنکھیں کھولیں تو دیکھا الزبتھ زمین پر ڈھیر تھی اور ہیلن گلدان لیے پیچھے کھڑی تھی اس نے الزبتھ کے سر پر گلدان مار کے میری جان بچالی تھی۔

''یہ مر تو نہیں گئی؟'' میں نے جلدی سے پوچھا۔

''نہیں سانس چل رہی ہے شاید صرف بے ہوش ہے'' ہیلن نے کہا اور آگے بڑھ کے مجھے رسیوں سے آزاد کردیا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔'' اب آپ ایک کام کریں میری طبیعت کا کوئی بھروسہ نہیں آپ مجھے اور اسے دونوں کو کرسیوں سے باندھ کر یہاں سے چلے جائیں۔'' ہیلن نے کہا۔

''نہیں میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک تم ٹھیک نہ ہوجاؤ'' میں نے جلدی سے کہا۔

''نہیں یہ آپ کا کام نہیں آپ ایک عام سے جاسوس ناول نگار ہیں کوئی عامل نہیں کہ اس مسئلہ کا حل ڈھونڈ لیں'' ہیلن نے پریشان ہوکر کہا۔

''میں کچھ سوچ لوں گا تم بے فکر رہو لیکن اس سے پہلے واقعی تم دونوں کو بندھنا ضروری ہے۔'' میں نے کہا تو ہیلن خاموش ہوگئی اور میں نے ان دونوں کو باندھ دیا۔

''میں ابھی آتا ہوں۔'' میں نے ہیلن سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا، میرے ذہن میں ایک پلان تھا الزبتھ نے کہا تھا کہ اس نے مارگس کے نام کا پتلا بنا کے اس میں سوئیاں چبھوئی تھیں، ہیلن کے نام کا بھی اس گھر میں کوئی پتلا تھا جس میں سات سوئیاں گھسی ہوئی تھیں اگر وہ کسی طرح نکالی جائیں تو ہیلن کو بچایا جاسکتا تھا لیکن اتنے بڑے بنگلے میں ایک چھوٹے سے پتلے کو ڈھونڈنا آسان کام نہ تھا میں نے ایک ایک کرکے تمام کمرے دیکھ ڈالے لیکن پتلا نہ ملا مجھے وہاں کوئی ملازم نظر نہ آیا شاید الزبتھ نے حالات کے پیش نظر ان سب کو چھٹی دے دی تھی تاکہ وہ اپنے کالے کارنامے چھپا سکے۔

مجھے پتلے کو ڈھونڈتے ہوئے تین گھنٹے سے اوپر ہوچکے تھے اسے ڈھونڈنا ایسا تھا جیسے بھوسے کے ڈھیر میں سے سوئی تلاش کرنا لیکن مجھے پوری امید تھی کہ پتلا الزبتھ نے اسی گھر میں چھپایا ہوگا۔

کہ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے آیا اور میں دوڑتا ہوا ہیلن کے کمرے میں داخل ہوا اور الماری کی طرف بڑھا جس میں بہت ساری گڑیاں موجود تھیں میں نے سب گڑیوں کو دیکھا مگر ان میں کوئی بھی مجھے ہیلن کی شکل کی گڑیا نظر نہ آئی تمام گڑیاں ایک شکل کی تھیں میں نے ایک ایک کرکے سب کو چیک کرنا شروع کیا کہ اچانک جب میں نے ایک گڑیا کو اٹھایا تو اس کی بند آنکھیں کھل گئیں جو انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔

میں مارے خوف کے اسے دیکھنے لگا اس گڑیا کے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں پھیل گئے اور

دوسرے ہی لمحے اس نے ایک زوردار تھپڑ میرے گال پر رسید کردیا، تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ مجھے اپنے حلق میں خون کا ذائقہ محسوس ہونے لگا اور میں لڑکھڑا گیا، لڑکھڑانے کی وجہ سے وہ گڑیا میرے ہاتھ سے نکل کے بیڈ کے نیچے لڑھک گئی اور میں نے خوف کو پس پشت ڈالتے ہوئے بیڈ کے نیچے جھانکا جہاں گڑیا موجود تھی، وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہنسے جارہی تھی، میں نے غصے سے اسے پکڑا اور کھڑا ہوگیا اس سے پہلے کہ میں کچھ کرتا اور مزید کئی گڑیاں فرش پر نظر آنے لگیں اور میں حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں موجود گڑیا بھی پھدک کے میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ وہ تقریباً دس کے قریب گڑیاں تھیں جو کہ کمرے میں پھیل گئی تھیں اور پھر سب کے سب ہنسنے لگیں مجھے ان کے بھیانک قہقہے اتنی زور سے سنائی دے رہے تھے جیسے ابھی میرے کان کے پردے پھٹ جائیں گے۔

پھر دوسرے ہی لمحے میں نے انتہائی فیصلہ کیا میں نے آگے بڑھ کے دروازہ لاک کردیا اور کونے میں موجود کرکٹ کا بیٹ اٹھالیا اب تمام گڑیا میرے گرد گھیرا ڈال چکی تھیں اور یہی میں چاہتا تھا، وہ اب ایک ایک کرکے مجھ پر حملہ کرنے لگیں اور میں بیٹ کی مدد سے ان کے ٹکڑے اڑانے لگا، کچھ ہی دیر میں صرف دو گڑیاں بچ گئیں باقی سب ٹکڑوں میں بدل گئی تھیں مگر ان کے باقی ماندہ دھڑ ابھی بھی حرکت کررہے تھے لیکن مجھے ان کی پرواہ ہرگز نہیں تھی باقی دو بچنے والی گڑیوں میں سے میں نے ایک کو مضبوطی سے پکڑلیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں کئی سوئیاں لگی ہوئی ہیں، میں نے جیسے ہی سوئیاں نکالیں تو وہ یکدم بے جان ہوگئی اور جو گڑیا باقی بچی تھی وہ بھی یوں گرگئی جیسے اس کی روح نکل گئی ہو، اب ان کے ٹکڑوں نے بھی حرکت بند کردی تھی۔

میں نے اس گڑیاں میں سے سات کی سات سوئیاں نکالیں اور اس کو پھینک کر دوسری گڑیاں اٹھائی اور الزبتھ کے کمرے میں لوٹ آیا وہاں الزبتھ اور ہیلن دونوں ہوش میں تھیں میں نے ہیلن کو کھول دیا۔

''دیکھو جونی میرے خیال میں ہم ایک نئی شروعات کرسکتے ہیں'' الزبتھ نے بندھے ہونے کی وجہ سے مچلتے ہوئے کہا۔

''ہاں ضرور ایک نئی شروعات کریں گے مگر ہیلن اور میں، جہاں تک تمہارا سوال ہے تو تمہارے لیے اب خاموشی ہی بہتر ہے، میں تمہیں تمہاری ہی زبان میں سزا دوں گا۔'' یہ کہہ کر جو گڑیاں میرے ہاتھ میں تھی اس پر الزبتھ کا نام لکھ کر اس میں آنکھ، کان، سر، دل کی جگہ سوئیاں گھسادیں تو الزبتھ چیخ چیخ کر مجھے روکنے لگی مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی۔

الزبتھ چیختی رہ گئی۔ ''پلیز! جونی مجھ پر رحم کرو گڑیا میں سے یہ سوئیاں نکال دو، میرے دل میں چبھن ہورہی ہے۔

''یہ گڑیا اسی گھر میں چھپا کے جارہا ہوں ہمت کرنا اور ڈھونڈ لینا۔'' میں نے غصے سے کہا اور باہر جاکے لان میں ایک گڑھا کھود کے گڑیا کو اس میں دفن کردیا، ہیلن چپ چاپ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی پھر میں نے ہیلن کو مخاطب کیا۔

''آؤ بیٹا میرے ساتھ چلو'' میرے کہنے پر ہیلن نے سر ہلایا اور ہم اس گھر سے باہر نکل آئے۔

دوسرے روز میں نے اخبار میں پڑھا کہ وہ ملازم جب الزبتھ کے گھر میں آئے تو انہوں نے الزبتھ کو رسیوں سے جکڑا پایا تو انہوں نے اسے رسیوں سے آزاد کیا۔

اور الزبتھ جیسے ہی آزاد ہوئی تو اس نے اپنا دل پکڑلیا اور پھر فرش پر گرکر تڑپنے لگی، پوسٹ مارٹم رپورٹ سے پتہ چلا کہ الزبتھ کا دل پھٹنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی تھی۔

اور میرے منہ سے نکلا ''خس کم جہاں پاک برے کا برا انجام۔'' پھر بہت جلد قانونی طور پر ہیلن جگہ جائیداد کی مالک ٹھہری۔

منزلِ محبت

قاسم رحمان۔ ہری پور

نوجوان نے جیسے ہی اپنی محبوبہ کی گردن پر بوسہ لیا تو اس کی گردن میں سوئیاں سی چبھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے لڑکی پر مدہوشی چھانے لگی کہ اتنے میں.....

کیا جن جنات بھی عشق و محبت کے دم بھرتے ہیں.....حقیقت کہانی میں پوشیدہ ہے

رات کی تاریکی میں وہ تیز تیز قدموں سے چل جارہی تھی۔ اس کی ٹانگوں میں کپکپاہٹ تھی وہ سخت گھبرا رہی تھی اس کی گھبرانے کی وجہ یہ تھی کہ کوئی اس کو دیکھ نہ لے کیونکہ وہ گاؤں کے پنڈت شاستری کی بیٹی تھی اگر وہ پکڑی جاتی تو اس کے والدین کی برسوں سے بنی ہوئی ساکھ خاک میں مل جاتی۔ بہت سے اندیشوں کو ذہن سے نکالتے نکالتے وہ اپنی منزل پر پہنچ گئی تھی۔

ایک جوان اسے غصے سے دیکھ رہا تھا رانی پر نظر پڑتے ہی وہ دانت پیستے ہوئے بولا ''رانی میں کب سے انتظار کررہا ہوں تم نے کتنی دیر لگادی'' اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔ ''شکر کرو سورج میں آگئی ہوں'' رانی بولی، ''ورنہ آج تو آنا بہت مشکل ہوگیا تھا۔'' ''کیوں؟'' سورج نے پوچھا۔

''آج باپو جی نے کہا تھا کہ وہ دیر تک مندر

میں رہیں گے پھر کچھ سے پہلے وہ مندر سے آئے، ان کے لئے بھوجن تیار کیا پھر ان کے سونے میں دیر لگی اور جیسے ہی وہ سوئے تو میں آ گئی'' رانی نے ساری بات بتائی۔

''اچھا۔۔۔'' سورج نے اچھا کو لمبا کرتے ہوئے کہا۔

''رات بہت ہوگئی ہے اب مجھے چلنا چاہئے'' رانی بولی۔

''کیا مطلب ابھی تو آئی ہو۔۔۔''

''سورج سمجھنے کی کوشش کرو،'' رانی بولی ہمارا یوں ملنا ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیوں ٹھیک نہیں ہے بھلا'' سورج حیرت سے بولا۔ سورج کی بات سن کر رانی نے کہا'' اگر مجھے کسی نے تمہارے ساتھ یہاں دیکھ لیا تو میرے پتا کی عزت مٹی میں مل جائے گی۔''

سورج بے زاری سے بولا'' اوہ! تم انسانوں کے اندیشے''

''کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں، اچھا رانی آج تم نے مجھے بلایا کیوں تھا؟''

''رانی بولی'' اور ہاں میں تو بھول ہی گئی دراصل میری ماتا پتا جلد از جلد میری شادی کرنا چاہتے ہیں، میری ماں نے بر کو دیکھنا بھی شروع کر دیا ہے''

''اوہ! اب کیا ہوگا'' سورج کے لہجے میں بے پناہ تشویش تھی۔

''تو تمہیں میری ماتا پتا سے میرا ہاتھ مانگنا ہوگا۔۔۔!'' رانی کا لہجہ اٹل تھا۔

سورج بولا'' رانی یہ بہت مشکل ہے اس وقت میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''کیوں کس وقت کرو گے جب میرا رشتہ طے ہو جائے گا!!'' رانی غصے سے بولی۔

''رانی کچھ دن انتظار کر لو، میں کچھ دنوں میں تمہارے باپو سے تمہارا ہاتھ مانگوں گا اب خوش۔۔۔''

یہ سن کر رانی مسکرانے لگی تو سورج بھی ہنس پڑا

☆.....☆.....☆

صبح کا اجالا ہر سو پھیل گیا تھا رانی رسوئی میں ناشتہ تیار کر رہی تھی اور پنڈت شاستری مندر جانے کی تیاری کر رہے تھے کچھ دیر میں پنڈت شاستری رسوئی میں آئے اور ناشتہ بناتی رانی کو دیکھنے لگے، رانی کو دیکھتے ہوئے پنڈت کی تشویش اور بڑھ گئی۔ رانی دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی اس کا سرخ و سفید رنگ مرجھا کر پیلا زرد ہو رہا تھا۔

''رانی!'' پنڈت شاستری نے رانی کو مخاطب کیا

''کیا بات ہے بیٹی تو دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے بیٹی کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔''

''نہیں باپو جی مجھے تو کوئی پریشانی نہیں ہے آپ کے ہوتے ہوئے میں بھلا پریشان ہو سکتی ہوں؟''

پنڈت شاستری نے'' پوچھا تو کیوں مرجھائی جا رہی ارے یہ تو تیرے کھیلنے کودنے اور خوش رہنے کے دن ہیں ابھی تو زندگی کے مسئلے مسائل سے دور ہے۔''

''باپو جی آپ تو جانتے ہی ہیں کہ آج کل ہر چیز خالص نہیں ملتی، ہر دوسری چیز میں ملاوٹ ہوتی ہے شاید اسی لیے میں کمزور ہوتی جا رہی ہوں۔''

پنڈت شاستری خاموش تو ہو گئے تھے مگر ان کے چہرے سے یہی لگ رہا تھا کہ مطمئن نہیں ہوئے ناشتہ کرنے کے بعد پنڈت شاستری مندر میں چلے گئے تھے کیونکہ آج بھجن گانے کا دن تھا، رانی گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی تھی۔

آج شام کو پنڈت شاستری ذرا جلدی آ گئے تھے اور آ کر رانی سے بولے'' چل بیٹی ہم آج حکیم صاحب کے پاس جا رہے ہیں۔''

''حکیم کے پاس کیوں باپو جی؟'' رانی نے پوچھا۔

پنڈت جی بولے'' تیری صحت دن بدن گرتی جا رہی ہے اس لئے کہہ رہا ہوں۔''

''نہیں باپو جی گھر میں کون ہوگا، ماں موسی کے

کہ ...تین دن بعد آ جائے گی پھر چلے جائیں گے۔"
رانی نے کہا۔

"گھر کی تو چنتا نہ کر میں نے مندر میں شیام کو بولا تھا کہ ہمارے گھر پر نظر رکھنا۔"

پنڈت جی اور رانی گاؤں کے حکیم صاحب کے پاس چلے گئے۔

حکیم صاحب نے رانی کا چیک اپ کیا اور بولے "پنڈت جی آپ کی پتری میں خون کی کمی ہے اور کوئی چنتا کی بات نہیں۔"

"خون کی کمی کس سبب سے ہو رہی ہے، حکیم صاحب" پنڈت جی نے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا البتہ کچھ دوائیاں دے رہا ہوں ان کو استعمال کریں۔"

☆......☆......☆

گرم ہوائیں چل رہی تھیں، ریت کے ذرے ہوا میں تیر رہے تھے فضا میں آگ لگی ہوئی تھی اور کئی لوگوں کی درد و کرب میں ڈوبی ہوئی چیخیں سنائی دے رہی تھیں ایک بے چینی سی تھی جو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ایسے میں سلطان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اپنے خاندان کو بچائے یا اپنی متاع حیات کو!! وقت کم تھا اور فیصلہ جلدی کرنا تھا اس نے پھر وہی فیصلہ کیا جو ایسے موقعوں پر ہر کوئی کرتا ہے، اس نے اپنے ماں باپ کو بچایا، اپنے ماں باپ کو اس جلتی ہوئی اور برباد ہوتی بستی سے نکال کر ایک اجاڑ و بیابان سے مکان میں لے آیا جہاں ایک جوگی رہتا تھا۔ تاہم سلطان اور اس کے ماں باپ جوگی کی اس مکان میں رہائش سے لاعلم تھے۔

وہ اس دنیا سے چلی گئی تھی جس کو سلطان نے بہت ٹوٹ کے چاہا تھا۔ اس کی موت سے سلطان جیسے جیتے جی مر گیا تھا۔ اس کے پاس طاقتوں کا جو اتنا بڑا طوفان تھا وہ اسے بیکار لگنے لگا اب اس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہا تھا۔ وہ ایک زندہ لاش بن چکا تھا اس کے ماں باپ بھی جانتے تھے کہ روشنی کی جدائی میں اس کا یہ حال ہے لیکن وہ چاہ کر بھی کچھ کر نہیں پا رہا تھا۔ انہی دنوں وہ اس جوگی کی یہاں رہائش کے بارے میں جان چکے تھے جو یہاں قیام پذیر تھا۔ ایک دن جوگی نے سلطان کو دیکھا اور اس سے کہا "اے جن زادے تو میرے پاس آ، میں تیرے کشٹ کا اوپائے نکال سکتا ہوں۔"

جوگی کے پاس سلطان گیا اور بولا "تم کیا اس دنیا کا بڑے سے بڑا جادوگر بھی میری تکلیف نہیں دور کر سکتا۔"

"تقدیر میں کیا ہوگا تو تو کیا اس دنیا کا کوئی فرد بھی نہیں جان سکتا۔" جوگی سخت لہجے میں بولا "تیرے جیسوں کو یہ فقیر اتنا ہی کہے گا کہ تدبیر سے تقدیر بدلی جا سکتی ہے۔"

سلطان کی آنکھوں میں موتی جھلملانے لگے وہ بولا میں تدبیر سے اپنی تقدیر کیسے بدلوں جس کو میں چاہتا تھا اس کو مجھ سے چھین لیا گیا، اس ظالم جادوگر نے ہماری پوری بستی برباد کر ڈالی۔

"جوگی مسکرایا "مورکھ یہ سنسار ایسا ہی ہے، یہاں جنگل کا قانون چلتا ہے، ہمیشہ سے ایسا ہوتا آ رہا ہے بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے، بھیڑیوں کے شہر میں بھیڑیا بننا پڑتا ہے، وہ کہتے ہیں ناں کہ ٹھوکر لگ کر ہی بندہ ٹھاکر بنتا ہے"

سلطان جوگی کی بات سن کر بولا "کیا ایسا ممکن ہے کہ مجھے میری روشنی واپس مل جائے۔"

"سب کچھ ممکن ہے میں آج رات کو کوئی حل نکالنے کی کوشش کرتا ہوں" جوگی نے کہا اور سلطان غائب ہو گیا۔ دراصل وہ جوگی چاہتا یہی تھا، دراصل وہ اس جادوگر کا دشمن تھا جس نے سلطان کی بستی کو اپنے عمل سے برباد کر کے وہاں اپنے ہیر بسائے تھے، سلطان بھی اس منحوس جادوگر سے اپنا بدلہ لینے کے لئے ہر حد سے گزرنے کے لئے تیار تھا، اس لیے اس جوگی نے سلطان کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اماوس کی رات تھی، رانی تیز تیز قدموں

سے اپنی منزل کی طرف جارہی تھی، ہر طرف چھایا ہوا گھپ اندھیرا اس کو ہراساں کررہا تھا، تاہم اندھیرے کو بھگانے کے لئے اس کے پاس ایک پاور فل ٹارچ تھی آج سورج نے رانی کو بلایا تھا۔ رانی جیسے ہی اس مطلوبہ درخت کے پاس پہنچی تو اچانک کوئی چیز دھڑام سے نیچے گری۔ رانی کی چیخ نکل گئی جب رانی کے حواس بحال ہوئے تو اس نے سورج کو وہاں کھڑے دیکھا۔

''سورج تم نے مجھے کیوں بلایا؟ کیا وجہ تھی مجھے جاننا ہے'' رانی تیور چڑھا کر بولی۔

میں نے تمہیں بلایا اور تم تو ایسے گرج رہی ہو جیسے کوئی بہت بڑی قیامت آگئی ہو'' سورج نے کہا۔

رانی بولی ''سورج ایسا نہیں ہے تم جانتے ہو کہ اس طرح میرے لیے تم سے ملنے کے لئے آنا کتنا مشکل ہوتا ہے اور اوپر سے تم اپنی ضد کررہے تھے اس لیے میں نے ایسا کہا۔ اس لیے تم سے کہتی ہوں۔۔۔۔''

رانی آگے بول نہ سکی تھی۔ سورج کے ہونٹوں نے اس کے ہونٹوں کو ساکت کردیا تھا۔

رانی مدہوش سی ہونے لگی۔ اس وقت اسے یوں محسوس ہوا جیسے دو سوئیاں اس کی گردن میں پیوست ہوگئی ہوں۔ اس کے بعد رانی کو کوئی ہوش نہ رہا۔

دوسری جانب پنڈت شاستری سوئے ہوئے تھے وہ سپنے میں رانی کو کسی بیابان صحرا میں بھاگتا ہوا دیکھ رہے تھے حیران کن بات یہ تھی کہ رانی جس سمت میں بھاگتی ایک کالا سیاہ بادل بھی عین اس کے سر کے اوپر اس کے ساتھ اڑتا تھا۔ کافی دیر سے ایسا ہی ہورہا تھا۔

پنڈت جی جس وقت نیند سے بیدار ہوئے تو بہت ہراساں تھے صبح ہوچکی تھی وہ باہر آئے تو سامنے رانی اپنے کمرے سے نکل کر رسوئی میں جارہی تھی۔ رانی کو پنڈت جی نے دیکھا تو ششدر رہ گئے رانی کی رنگت ایک ہی رات میں بہت زیادہ زرد ہوگئی تھی اور وہ بہت زیادہ لاغر لگ رہی تھی۔

''رانی بیٹا کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ بہت کمزور لگ رہی ہو'' پنڈت نے پوچھا۔

''رانی بولی'' باپو جی مجھے خود نہیں پتہ کہ کیا ہوا ہے بس آج گردن میں اور سر میں بہت زیادہ درد ہے۔''

''تو جاکر آرام کر بیٹی'' پنڈت جی شفقت ومحبت سے بولے۔

''لیکن ناشتہ۔۔۔؟''

''کوئی بات نہیں ناشتہ میں خود بنالوں گا تو آرام کر۔''

☆.....☆.....☆

جہاں جہاں کوئی غلط کام ہوتا ہے وہاں سکون ناپید ہوجاتا ہے کیونکہ برکت ہی اٹھ جاتی ہے۔ پریم ناتھ ایک ایسا ظالم انسان تھا جس نے اپنی کالی طاقتوں کے زور پر کتنے ہی انسانوں کی زندگیاں دیمک کی طرح چاٹ گیا۔ پریم ناتھ کو سانپ پالنے کا شوق تھا اور اسی شوق کے کارن وہ جوگی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ جوگی کو اپنے پاس لے آیا اور اس سے سانپوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔

سانپوں کے بارے میں جو آگاہی جوگی ستیش کے ذریعے سے پریم ناتھ نے حاصل کی وہ اس پر ہی آزمانا چاہتا تھا یہاں سے پریم ناتھ اور جوگی کی دشمنی کا آغاز ہوا، اور دشمنی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔

پریم ناتھ طاقتور ہوتا گیا اس نے کئی جناتی بستیاں تسخیر کیں، انہی میں سے ایک بستی سلطان کی بھی تھی جسے اس ظالم انسان نے برباد کیا تھا روشنی پریم ناتھ کے جادو میں جکڑی ہوئی تھی۔

دوسری جانب جوگی نے بھی کئی بلیدان دے کر کالی ماتا کا دل جیت لیا۔ اب اس کے پاس خوب شکتیاں تھیں پریم ناتھ اور جوگی ستیش ایک دوسرے کو برابر کی ٹکر دے رہے تھے اس مرتبہ جوگی نے سلطان کو بھی اپنے ساتھ ملالیا تھا۔ اگلے دن جوگی نے سلطان کو حاضر کیا اس کی حالت بہت ناگفتہ سی بنی ہوئی تھی۔

''ارے سلطان! منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے؟''

یہ سن کر سلطان بولا ''جوگی فضول باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ کیا میں روشنی کو دوبارہ حاصل کرسکتا ہوں''

جوگی بولا" ہاں تو اس جن زادی کو دوبارہ پا سکتا ہے بشرطیکہ تو میری ہر بات کو نہ صرف حکم کا درجہ دے بلکہ اس حکم کی تعمیل بھی کر۔۔۔۔"

"روشنی کو حاصل کرنے کے لئے میں کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار ہوں۔" سلطان بولا۔

اور پھر جوگی نے سلطان کو روشنی کو حاصل کرنے کا جو طریقہ بتایا اسے سن کر پہلے تو سلطان نے سوچا کہ انکار کردے مگر روشنی کے بارے میں سوچ کر اس نے ہاں کردی۔

☆.....☆.....☆

پنڈت شاستری ایک ہمدرد انسان تھے ان کے گاؤں میں یا آس پاس بھی کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تو وہ خود بھی ٹینشن میں آجاتے تھے اور یہاں تو مسئلہ ان کی اپنی بیٹی کا تھا، پہلے تو کئی دنوں سے وہ محسوس کرتے رہے کہ رانی دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہے لیکن اب وہ یوں محسوس کررہے تھے کہ رانی کے اوپر کوئی بڑی آفت منڈلا رہی ہے۔

آج پنڈت جی گھر میں داخل ہوئے تو رانی آنگن میں جھاڑو لگا رہی تھی۔

"بیٹی صبح تمہیں چکر آرہے تھے اور اب تم نے پھر کام شروع کردیا ہے گھر کے کام پھر بعد میں بھی تو ہوسکتے تھے۔۔۔" پنڈت جی کا لہجہ غصے اور شفقت کی آمیزش لیے ہوئے تھا۔

"باپو جی آپ تو جانتے ہیں کہ آج ماں موسی کے گھر سے آجائے گی اور ماں کو کچن میں یہ پتے پڑے ہوئے کتنے برے لگتے ہیں، بس اسی لیے۔۔۔ اور ویسے بھی اب میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔" رانی نے کہا۔ پنڈت جی بولے "اب تو صفائی ہوگئی ہے نا اب تو اپنے کمرے میں جاکر آرام کر، اور ہاں میں اپنے کمرے میں جارہا ہوں وہاں مت آنا میں نے ایک جاپ کرنا ہے آج۔"

"جی اچھا" کہتی ہوئی رانی اپنے کمرے میں آگئی اسے اس وقت سورج کی بہت یاد آرہی تھی، سورج نے اسے اس بات کا یقین دلایا تھا کہ وہ اس کے باپو جی سے جلد بات کرے گا اور رانی کو سورج پر پورا اعتماد بھی تھا لیکن پھر بھی وہ بے حد پریشان تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں موسی کے گھر اس کی موسی سے رشتے کی بات کرنے کے لئے گئی تھی اس کی بڑی بہن ارونا کی شادی بھی اس کی موسی نے اپنے جاننے والوں میں کروائی تھی۔ رانی سوچ رہی تھی کہ ایسی صورتحال میں ایک مرتبہ سورج سے ملنا لازمی ہے۔

☆.....☆.....☆

روشنی کو سلطان بے انتہا چاہتا تھا۔ وہ روشنی کو دوبارہ حاصل کرنے سے پہلے، روشنی کی ہتھیا کا کارن بننے والے کو نیست و نابود کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ پریم ناتھ کی کمین گاہ کے سامنے منڈلا رہا تھا وہ پریم ناتھ کو مارنا چاہتا تھا مگر اس کو کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ پریم ناتھ کا خاتمہ کس طرح کرے۔

اچانک پریم ناتھ اپنی کٹیا سے باہر نکلا اور جنگل کی طرف جانے لگا سلطان نے سوچا کہ شاید پریم ناتھ کی کٹیا میں اس کی موت کا کوئی سبب مل جائے یا اس کی کسی کمزوری کا پتہ چل جائے، اس لئے سلطان پریم ناتھ کی جھونپڑی میں آیا، وہاں عجیب سا دھواں پھیلا ہوا تھا آس پاس کئی بوتلیں بھی تھیں جن میں دھواں بھرا ہوا تھا۔ سلطان آگے بڑھا اور اس نے بوتلوں کے ڈھکن اتارنے شروع کردیئے۔

بوتلوں میں سے دھواں باہر نکلنے لگا اور دھیرے دھیرے وہ سب اپنے مجسم روپ میں آگئے وہ سب سلطان کی اپنی بستی کے جنات تھے سب نے سلطان کا شکریہ ادا کیا، وہ سلطان کے احسان مند تھے۔

ان میں سے ایک بولا "آپ ہماری بستی کے ہیں سلطان، اور ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں کہ آپ نے اس منحوس جادوگر سے ہمیں نجات دلوائی اب ہم سب مل کر اس جادوگر کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

باقی سب جنات نے بھی اس جن کی حمایت کی جس کا نام جاکال تھا۔ وہ سب پلک جھپکتے ہی غائب

ہوگئے، سلطان جانتا تھا کہ جب ان سب کی طاقتیں یکجا ہوجائیں گی تو پریم ناتھ ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا پریم ناتھ کے انجام کے بارے میں سوچ کر سلطان مسکرانے لگا۔ کیوں کہ اس نے اپنا انتقام لے لیا تھا۔ اب سلطان اپنے اگلے قدم کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچ رہا تھا۔

اسے اب جوگی ستیش کے پاس جانا تھا۔۔۔!

دوسری جانب جوگی بند آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا، اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی، وہ اپنے بدترین دشمن کو موت کے گھاٹ اتروا چکا تھا۔ برسوں کی اس جنگ میں جیت اس کی ہوئی تھی، اس وقت سلطان بھی وہاں آ گیا اور بولا۔

''تم سب کچھ جان ہی چکے ہوگے کہ پریم ناتھ کا ناپاک وجود اس دنیا سے ختم ہو چکا ہے اور اب میں اپنی روشنی کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

جوگی نے کہا ''پہلے تو میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم اپنے پہلے مشن میں کامیاب ہوگئے، اب اگر تم روشنی کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اپنی شناخت بدلنی ہوگی، تمہیں انسانی دنیا میں جانا ہوگا اور سورج بن کر پنڈت شاستری کی بیٹی رانی سے پریم کا ڈھونگ رچانا ہوگا اس کے بعد رانی کا کچھ خون تمہیں پینا ہوگا اور میں تمہیں روشنی کا پتلا بنا کر دوں گا، رانی کے خون سے تمہیں اس کو نہلانا ہوگا اس کام کے لیے رانی بہت موزوں ہے کیونکہ میں نے رانی اور روشنی کی جنم کنڈلی نکالی ہے ان دونوں نے ایک ہی سمے میں جنم لیا ہے۔''

جوگی کی بات سن کر سلطان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

رانی، سورج کے پاس کھڑی تھی، سورج نے سوچ لیا تھا کہ وہ آج رانی کو سب کچھ صاف صاف بتا کر اس سے معافی مانگ لے گا کیوں کہ اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

''رانی میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں لیکن تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرنا'' سورج نے کہا۔

''ہاں سورج بولو کیا بات ہے؟'' رانی نے پوچھا۔

جواب میں سورج نے اس کو جو کچھ بتایا اسے سن کر رانی کے دماغ میں دھماکے ہونے لگے اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، اسے خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا کیوں کہ وہ اس وقت درد کی گہرائی میں غوطہ زن تھی۔

پھر رانی بولی سلطان ہو یا سورج تم میرا پریم ہو، میں نے تمہیں بہت ٹوٹ کر چاہا ہے اور میری چاہت کا تم نے یہ صلا دیا ہے، تم پہلے مجھے روشنی کے بارے میں بتا دیتے تو میں اپنا سارا خون تمہیں دے دیتی، پیار کا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی، آج کے بعد مجھ سے کبھی مت ملنا، بھگوان سے میرا پرارتھنا ہے کہ تم اور روشنی ہمیشہ خوش رہو۔''

''رانی مجھے معاف کردو'' سلطان نے رانی کے آگے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''جاؤ سلطان میں تمہیں معاف کرتی ہوں'' رانی نے کہا اور اپنے گھر کی گلی کی طرف مڑ گئی، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ اس وقت سلطان بھی اداس کھڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس دن پنڈت شاستری نے بہت کوشش کی کہ رانی کے اوپر منڈلانے والی بری آتما کا پتہ لگا لیں لیکن ناکام رہے۔

اس کے بعد دھیرے دھیرے رانی صحت مند ہوتی گئی، رانی کی موسی نے رانی کے لئے ایک رشتہ لائی تھی لڑکا پنڈت شاستری اور ان کی پتنی کو بھی بہت اچھا لگا تھا بعد میں جب انہوں نے رانی سے اس کی رائے پوچھی تو رانی نے بھی رضامندی ظاہر کردی اور یوں رانی کی شادی ہوگئی اور وہ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگی۔

خونی انتقام

اقراء قریشی-راولاکوٹ

اچانک موڑ مڑتے ہوئے نوجوان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاگیا اور پھر تیز رفتار گاڑی دھماکے سے چٹان سے ٹکرائی اور اس کے پرخچے اڑگئے اور اس کے بعد مرنے والوں کی لائن لگ گئی۔

ایک نایدہ تلوق کی ناقابل یقین کہانی جسے پڑھنے والے انگشت بدنداں رہ جائیں گے

آصف بیگ اپنی بیوی اور بچوں کے ہمراہ پاکستان جارہے تھے۔ وہ پچھلے کئی سالوں سے کینیڈا میں مقیم تھے۔ ٹکٹ کنفرم ہوچکے تھے، آصف بیگ اپنے کمرے میں داخل ہوئے جہاں ان کی اہلیہ صوفیہ بیگم کپڑے تہہ کرکے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھیں۔ آصف بیگ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی صوفیہ بیگم نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور بولیں "بھئی! اب پاکستان جانے کی کیا ضرورت ہے" اچھے بھلے تو ہم یہاں رہ رہے تھے" پتہ نہیں۔۔۔ مجھے آج تک آپ کی سمجھ نہیں آئی اینڈ ٹائم پر ہمیشہ بتاتے ہیں۔" صوفیہ بیگم تیز آواز میں بولیں تو آصف بیگ مسکرائے اور انہیں سمجھانے والے انداز میں کہنے لگے۔

"دیکھو بیگم! میں اپنا بزنس کسی اور کے حوالے کرچکا ہوں۔ ایک نہ ایک دن تو ویسے بھی ہم نے پاکستان

جانا ہی ہے، پھر بچوں کی شادیاں بھی کرنی ہیں، پاکستان میں میرا بزنس اچھا خاصا چل رہا ہے اور اب تو ماشاء اللہ احمد نے بھی میرا ہاتھ بٹانا شروع کردیا ہے تو بہتر یہی ہے کہ ہم پاکستان سیٹل ہوجائیں۔"

صوفیہ بیگم بھی پرسوچ انداز میں کہنے لگیں "ٹھیک ہے! آگے اللہ سب بہتر کرے گا" پھر صوفیہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور کمرے سے جانے لگیں تو آصف صاحب فوراً پوچھنے لگے "بیگم! کہاں چل دیں؟"

"وہ مریم اور احمد کو دیکھنے جارہی ہوں پتہ نہیں پیکنگ کی بھی ہوگی یا نہیں!" صوفیہ بیگم نے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں جبکہ آصف وہیں بیڈ پر دراز ہوگئے اور کچھ سوچنے لگے۔

آصف بیگ ایک امیر کبیر خاندان کے چشم وچراغ تھے بچپن سے ہی روپے پیسے کی ریل پیل تھی جو چیز چاہتے فوراً مل جاتی، وہ پاکستان میں ہی اپنے والدین کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے والد امجد صاحب کی اپنی بہت بڑی حویلی تھی۔ یہ سب انہیں اپنے آباؤ اجداد کی طرف سے ورثے میں ملا تھا۔ آصف کی ماں ان کے پیدا ہوتے ہی اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ ان کے بعد امجد بیگ ہی آصف کے سب کچھ تھے۔ انہوں نے آصف کو بہت اچھے سے پالا اور ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

آصف بچپن سے بہت ذہین تھے، لیکن جب وہ میٹرک میں تھے ایک دن اچانک امجد صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ بھی آصف کو اکیلا چھوڑ گئے۔ آصف بہت رویا وہ تنہا ہوگیا تھا امجد صاحب کی وفات کے بعد رحیم بابا جو کہ ان کے بہت ہی پرانے ملازم تھے انہوں نے آصف کو سنبھالا اور پھر آہستہ آہستہ آصف پھر سے روٹین کی طرف آنے لگا۔ آصف اب اٹھارہ سال کا ہوچکا تھا اور قانونی طور پر ساری جائیداد کا اکیلا مالک تھا۔ آصف نے کالج میں داخلہ لیا اور آہستہ آہستہ اس کے بہت سے دوست بن گئے۔ اور آصف ان کی ہی صحبت اختیار کرنے لگا لیکن پھر بھی ذہین ہونے کی وجہ سے ہمیشہ تعلیم کے میدان میں اچھا رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ باپ کے بزنس کو سنبھالنا شروع کردیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اپنی قابلیت سے بزنس کو باہر کے ممالک میں بھی پھیلا دیا اور ایک دن رحیم بابا کے حوالے حویلی کرکے کینیڈا آگیا اور یہاں صوفیہ سے اس کی ملاقات ہوئی اور پھر دونوں نے شادی کرلی۔ صوفیہ بیگم مریم کے روم میں داخل ہوئیں تو دیکھا کہ مریم پیکنگ کررہی تھی "صوفیہ کو دیکھ کر مریم نے فوراً چیزیں وہیں پہ چھوڑ دیں اور صوفیہ کے قریب چلی آئی اور کہنے لگی "کوئی کام تھا ماما؟ مجھے بتادیتی میں خود آجاتی"

"نہیں بیٹا میں تو صرف یہ دیکھنے آئی تھی کہ تم نے پیکنگ کرلی یا نہیں!" صوفیہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"بس ماما! وہی کررہی تھی، اب تو بس مکمل ہونے والی ہے" مریم بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی "اچھا!" صوفیہ نے کہا اور مریم سے پوچھنے لگیں یہ "احمد کدھر ہے؟ نظر نہیں آرہا؟"

مریم بتانے لگی "ماما! احمد بھائی اپنے دوست سے ملنے گئے ہیں بس تھوڑی دیر میں آتے ہی ہوں گے۔"

"اچھا بیٹا! تم جلدی سے پیکنگ مکمل کرلو، میں جب تک کھانا لگاتی ہوں" صوفیہ نے کہا اور پھر کچن کی جانب چل دیں جبکہ مریم پھر سے پیکنگ میں مصروف ہوگئی، تھوڑی دیر بعد جب مریم نیچے آئی تو دیکھا کہ صوفیہ بیگم ٹیبل پر چیزیں رکھ رہی تھیں۔

صوفیہ نے مریم کو سیڑھیاں اترتے دیکھا تو فوراً بولیں "مریم! اپنے بابا کو بھی بلا لاؤ" مریم سر ہلاتے ہوئے واپس اوپر چلی آئی مریم نے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہوگئی آصف بیگ مریم کے آنے سے سوچوں کے بھنور سے نکلے اور مریم کی جانب دیکھا تو مریم کہنے لگی "بابا نیچے آجائیں کھانا لگ چکا ہے۔"

آصف بیگ نے مسکرا کر مریم کی جانب دیکھا اور کہنے لگے "بیٹا! آپ چلو میں آتا ہوں"

مریم "جی اچھا" کہتی وہاں سے چلی آئی احمد بھی آچکا تھا، سب ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھے آصف بیگ کا انتظار کرنے لگے چند سیکنڈ بعد آصف بیگ بھی تشریف لے آئے اور پھر سب خاموشی سے کھانا

کھانے لگے۔ جب سب کھانا کھا چکے تو آصف بیگ گلا کھنکھار کر سب سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے "کل دس بجے سب تیار رہنا۔ 11 بجے فلائٹ ہے" سب نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر آصف بیگ اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگے۔ احمد بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ جبکہ مریم صوفیہ کے ساتھ برتن اٹھانے لگی۔

تمام تیاریاں ہو چکی تھیں دس بجے آصف بیگ کی بیت سب ائیر پورٹ پر موجود تھے سب بہت خوش تھے۔ سفر سے پہلے ہی آصف بیگ نے رحیم بابا کو اپنی آمد کا بتا دیا تھا۔ جب وہ پاکستان پہنچے تو ائیر پورٹ پر رحیم بابا اور ساتھ ایک اور ملازم موجود تھا رحیم بابا نے آصف کو فوراً ہی پہچان لیا اور آگے بڑھ کر ان کو سلام کیا اور ان سے سامان لے لیا۔ ملازم نے بھی فوراً سلام کیا اور ان سے سب کا سامان لے کر گاڑی تک آ گیا ائیر پورٹ کے باہر دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ایک گاڑی میں آصف بیگ اور ان کی بیوی صوفیہ بیٹھ گئے جبکہ پچھلی گاڑی میں مریم اور احمد بیٹھ گئے۔ دونوں گاڑیاں چل پڑیں۔

گاڑیاں اپنی مخصوص رفتار سے حویلی کی جانب گامزن تھیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد حویلی کے آثار دکھنے لگے حویلی کی دیواریں اونچی تھیں، حویلی کا دروازہ بہت ہی بڑا اور شاندار تھا دروازے پر دو گارڈز تھے گاڑیوں کو نزدیک آتے دیکھ کر دروازہ کھول دیا گیا اور گاڑیاں حویلی میں داخل ہو گئیں۔ احمد اور مریم ستائشی نظروں سے اپنے باپ کی اس حویلی کو دیکھ رہے تھے۔ اندرونی دروازے سے تھوڑی دور گاڑیاں رک گئیں۔ سب گاڑی سے باہر نکل آئے راستے کے دونوں اطراف خوبصورت گھاس اگی ہوئی تھی اور کیاریاں بھی بنی ہوئی تھیں، جن میں مختلف قسم کے پھول لگے ہوئے تھے جو کہ حویلی کا حسن مزید بڑھا رہے تھے۔ حویلی کی عمارت بلند و بالا تھی ایک جانب بہت سے کمرے تھے جو کہ سرونٹ کوارٹرز کے طور پر بنائے گئے تھے۔ حویلی میں اوپر نیچے بہت سے کمرے تھے۔

مریم بہت خوش تھی کہنے لگی "واؤ بابا! یہ حویلی تو بہت خوبصورت ہے آپ ہمیں پہلے کبھی پاکستان کیوں نہیں لے کر آئے؟"

آصف بیگ مسکرا دیئے اور بولے "اب تو آ گئے ہیں ناں بیٹا! اب ادھر ہی رہیں گے" صوفیہ فوراً بول اٹھیں "ادھر ہی کھڑے رہنا ہے یا اندر چلنے کا بھی ارادہ ہے؟" صوفیہ بیگم کی بات سن کر سب ہنس پڑے اور اندر کی جانب چل دیئے۔ تمام کمرے جدید طرز کے سامان سے سجے تھے مریم اور احمد نے اپنی اپنی پسند کے کمرے چن لیے۔ رحیم بابا نے کہا "آپ سب فریش ہو کر تھوڑا آرام کر لیں میں جب تک کھانے کا انتظام کرتا ہوں، تمام لوگ اپنے اپنے کمروں کی جانب بڑھ گئے۔

☆.....☆.....☆

شام ہو چکی تھی سب لوگ آرام کر چکے تو رحیم بابا نے کھانے کے لئے سب کو بلوا لیا۔ کھانے کے لئے مختلف قسم کی اشیاء بنائی گئی تھیں۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا، کھانے کے بعد آصف بیگ اپنے چند دوستوں سے ملنے چلے گئے اور احمد بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ صوفیہ بیگم اور مریم لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھنے لگیں کچھ دیر بعد مریم اکتا کر باہر گارڈن میں چل دی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ماحول کو پرلطف بنا رہی مریم نے ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا گارڈن میں کچھ کچھ فاصلے پر روشنی کے لئے لائٹس لگی ہوئی تھیں مریم اپنی ہی دھن میں ماحول کی رنگینی میں کھوئی ہوئی چلی تھی۔

"کہ اچانک اسے لگا کہ کوئی اس کے قریب سے گزرا ہوا مریم اچانک چونک گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی وہ اب درختوں کے پاس کھڑی تھی رات ہو چکی تھی آسمان پر آج چاند بھی نظر نہیں آ رہا تھا مریم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے، واقعی کوئی اس سے ٹکرایا ہے یا اس کا وہم ہے پھر وہ اپنے خیال کو جھٹک کر سوچنے لگی "میرا وہم ہی ہو گا یہاں تو کوئی نہیں ہے" مریم واپس حویلی کی جانب جانے لگی کہ اتنے میں رحیم بابا سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے اور مریم سے مخاطب ہو کر بولے "بیٹا! آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟ چلیں اندر چلیں۔" مریم تھوڑے خفا انداز میں کہنے لگی "کیوں بابا میں یہاں کیوں

نہیں گھوم سکتی؟"

"نہیں بیٹا! آپ کا جہاں دل چاہے گھومیں لیکن رات کے وقت یہاں درختوں کے پاس کھڑے ہونا ٹھیک نہیں ہے صبح گھوم لینا" رحیم بابا نے سمجھانے والے انداز میں کہا، مریم نے کچھ اور پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور اندر کی جانب چل دی۔ اندر گئی تو صوفیہ بیگم اب بھی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی پر نیوز سن رہی تھیں۔ مریم کو آتے دیکھ کر کہنے لگیں "کہاں چلی گئی تھی؟"

کہیں نہیں ماما! بس باغ میں گھوم رہی تھی" مریم نے بتایا۔

صوفیہ بیگم کہنے لگیں "بھئی مجھے تو نیند آرہی ہے میں سونے جارہی ہوں اب تم بھی آرام کرلو، تمہارے بابا اور بھائی تو پتا نہیں کب تک آئیں گے۔" مریم بھی تھک چکی تھی بنا کچھ کہے کمرے کی جانب چل دی۔ بستر پر لیٹتے ہی تھوڑی دیر پہلے والا واقعہ یاد آیا پھر اسی بارے میں سوچنے لگی اور پھر نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

رات تقریباً بارہ بجے آصف بیگ اور احمد واپس آئے اور اپنے اپنے کمروں کی جانب چل دیئے احمد شاور لینے باتھ روم میں چلا گیا وہ شاور لے رہا تھا تو اسے کمرے میں کسی کے چلنے کی آواز آئی اور پھر اچانک سے کوئی چیز ٹوٹنے کی آواز آئی تو وہ فوراً بول پڑا "کون ہے؟" اس نے دو تین بار پوچھا "کون ہے؟" لیکن کوئی جواب نہ پاکر خاموش ہوگیا اور جلدی سے باہر آیا تو دیکھا کمرے میں کوئی نہیں تھا اور کھڑکی بھی بند تھی احمد نے پھر ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن کمرے میں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جس سے پتہ چلتا کہ کوئی کمرے میں موجود تھا احمد کو یاد آیا کہ کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز آئی تھی اس نے فوراً نظر دوڑائی لیکن ہر چیز اپنی جگہ پر صحیح سلامت تھی احمد کو لگا کہ شاید اس کا وہم ہے پھر وہ سر جھٹک کر بیڈ کی جانب آیا اور بیڈ پر دراز ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ آصف بیگ کی آنکھ کھل گئی، ان کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا انہوں نے بہت ہی خوفناک خواب دیکھا تھا، انہوں نے دیکھا کہ "ایک عورت سفید لباس میں تھی اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا بال کھلے ہوئے تھے اور وہ ان کی جانب بڑھتی ہے اور ان کا گلا پکڑ لیتی ہے جبکہ وہ اس سے خود کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کررہے ہیں لیکن وہ خود کو چھڑا نہیں پارہے تھے کیونکہ اس خوفناک عورت کی گرفت بہت مضبوط تھی وہ عورت انہیں اٹھا کر زمین پر پٹخ دیتی ہے اور اپنی خوفناک آواز میں ان سے کہتی ہے "کسی کو نہیں چھوڑوں گی تم سب کو ختم کردوں گی" اور پھر مریم کے کمرے کی جانب بڑھتی ہے۔

آصف فوراً اس کے پیچھے لپکتے ہیں لیکن تب تک وہ ان کی بیٹی کو کھڑکی سے باہر دھکا دے دیتی ہے، آصف اپنی بیٹی کو بچانے کے لئے بڑھتے ہیں لیکن تب تک بہت دیر ہوچکی ہوتی ہے، آصف کرب سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں اور وہ بھیانک عورت قہقہے لگانے لگتی ہے اور کہنے لگتی ہے کہ "میں اپنا انتقام لے کر رہوں گی" پھر ان کے بیٹے کے کمرے کی جانب بڑھتی ہے اور اچانک ہی اس کی گردن پر چھری پھیر دیتی ہے فوراً ہی احمد کی گردن سے خون بھل بھل بہنے لگتا ہے آصف بیگ غم سے نڈھال وہیں زمین پر گر جاتے ہیں اور وہ عورت غائب ہوجاتی ہے پھر آصف کی آنکھ کھل گئی اور وہ بہت خوفزدہ تھے انہوں نے فوراً سائیڈ ٹیبل پر رکھے گلاس سے پانی پیا اور مڑکر صوفیہ کی جانب دیکھا جو کہ بے خبر سو رہی تھیں۔

"آصف بیگ کراؤن سے ٹیک لگائے اسی خواب کے بارے میں سوچنے لگے جب تھوڑا خوف کم ہوا تو جیسے چونک گئے، انہیں آج تک اتنا برا خواب نہیں دکھا تھا اسی لیے وہ بہت گھبرا گئے تھے گھڑی کی جانب دیکھا تو ڈھائی بج رہے تھے وہ پھر سے سونے کی کوشش کرنے لگے کچھ دیر بعد وہ پھر سے نیند کی آغوش میں تھے۔

☆.....☆.....☆

صبح ہوچکی تھی آج صوفیہ بیگم صبح ہی سے حویلی کی تفصیلی صفائی کروانے کے لئے ملازموں کو ہدایات دے رہی تھیں کیونکہ آج آصف بیگ کے ایک دوست اپنے بیٹے کے لئے مریم کو دیکھنے آرہے تھے آج احمد اور آصف

ی۔ بھی گھر پر ہی تھے۔ طرح طرح کے کھانے تیار کیے گئے تھے۔ جبکہ آج صبح سے مریم کی طبیعت بہت خراب تھی۔ سب اتنے مصروف تھے کہ کسی کو بھی مریم کا خیال نہ تھا۔ جب تمام کام سے فارغ ہوکر صوفیہ بیگم مریم کے کمرے کی جانب بڑھیں تو انہیں خیال آیا کہ آج تو مریم صبح سے باہر نہیں آئی وہ فوراً مریم کے روم میں داخل ہوئیں اور دیکھا مریم سو رہی ہے حالانکہ وہ اس وقت تو بالکل نہیں سوتی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر مریم کے ماتھے پر ہاتھ لگایا تو وہ جل رہا تھا۔

صوفیہ بیگم پریشان ہوگئیں اور ڈاکٹر کو فون کیا ڈاکٹر آیا اور مریم کو چیک کرنے کے بعد کچھ دوائیں لکھ کر دیں اور آرام کرنے کا کہا۔ آصف بیگ اور احمد بھی پریشان ہوگئے مریم کے قریب آکر آصف بیگ کہنے لگے "مریم! تمہیں اتنا تیز بخار تھا تو ہمیں کیوں نہیں بتایا؟"

مریم نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور کہنے لگی "بابا! صبح سے اٹھا ہی نہیں جا رہا تھا، اور سب مصروف تھے تو کسی کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھی" آصف بیگ پریشانی سے بولے "آئندہ ایسا مت کرنا تمہیں اتنا تیز بخار تھا کچھ ہوجاتا تو۔۔۔۔؟"

صوفیہ تڑپ اٹھیں اور کہنے لگیں! "ایسی باتیں تو نہ کریں یہ سوچیں کہ اب کیا کرنا ہے مریم کی تو طبیعت بہت خراب ہے آپ ایسا کریں عمار کو منع کردیں کہ آج نہ آئے" آصف بیگ تھوڑی دیر وہیں بیٹھے سوچتے رہے پھر اٹھ کر باہر آئے اور اپنے دوست عمار درانی کو مریم کی طبیعت کا بتایا اور آج آنے سے منع کردیا جبکہ صوفیہ نے بھی عائشہ سے معذرت کرلی۔ احمد کب سے مریم کے لئے دوا لینے گیا ہوا تھا اور اب تک لوٹا نہیں تھا۔ انہوں نے کئی بار احمد کو کال بھی کی لیکن اس نے ریسیو نہیں کی صوفیہ بیگم اور آصف بیگ تو پہلے ہی پریشان تھے اب احمد کی وجہ سے اور بھی پریشان ہوگئے کئی گھنٹے گزرنے کے بعد بھی جب احمد نہ لوٹا تو آصف بیگ کو تشویش ہونے لگی، جبکہ صوفیہ تو رونے ہی لگیں اور اب تو احمد کو فون بھی بند جا رہا تھا آصف نے فوراً پولیس اسٹیشن کال کی اور احمد کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروائی۔

صوفیہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی آصف بیگ نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا اور کان سے لگایا "ہیلو!" دوسری جانب سے بولا گیا "آصف صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"جی! جی! میں آصف ہی بات کر رہا ہوں" آصف بیگ بولے۔

"وہ آپ کا بیٹا ہاسپٹل میں ہے، اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا اب ٹھیک ہے آپ فلاں ہاسپٹل آجائیں" دوسری جانب سے کہا گیا آصف بیگ فوراً ہی کہنے لگے "میں بس ابھی آتا ہوں اور پھر ہاسپٹل کا ایڈریس پوچھنے لگے ہاسپٹل کے ایڈریس کا سن کر صوفیہ بیگم جو کب سے آصف کی گفتگو سن رہی تھیں۔ آصف کے پاس آئیں اور پوچھنے لگیں "کیا ہوا؟ آپ ہاسپٹل کا کیوں کہہ رہے تھے؟" صوفیہ نے سارے سوال ایک ساتھ کرڈالے۔

آصف کہنے لگے "احمد ہاسپٹل میں ہے جلدی چلو راستے میں سب بتاتا ہوں" صوفیہ بیگم ان کے ساتھ چل پڑیں احمد بیڈ پر لیٹا تھا ڈاکٹر نے انہیں بتایا "زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے بس ہاتھ میں فریکچر ہوگیا ہے ایک دو ہفتے تک ٹھیک ہوجائے گا" صوفیہ ابھی بھی رو رہی تھیں آصف بیگ انہیں تسلی دینے لگے جبکہ احمد بھی کہنے لگا "ماما روئیں نہیں ذرا سا فریکچر ہے جلدی ٹھیک ہوجائے گا" پھر وہ سب گھر آگئے۔

☆.....☆.....☆

مریم کی طبیعت ٹھیک ہوچکی تھی، احمد بھی بالکل ٹھیک ہوچکا تھا۔ صوفیہ نے آج پھر عائشہ اور عمار کو اپنے گھر بلایا تھا مریم اور جواد کا رشتہ طے ہوچکا تھا پندرہ دن بعد شادی تھی۔ تمام لوگ تیاریوں میں مصروف تھے۔ آصف بیگ بھی ان دنوں بہت مصروف تھے اور حویلی میں ہونے والے واقعے کو یکسر بھلا بیٹھے تھے لیکن اب شاید ان کے کرموں کا پھل انہیں جلد ہی ملنے والا تھا۔ شادی میں پندرہ دن باقی تھے کہ مریم کی طبیعت اتنی خراب ہوگئی کہ

تمام گھر والے پریشان ہوگئے۔ مریم نے عجیب وغریب حرکتیں شروع کردیں، پوری پوری رات گارڈن میں لگے درختوں کے پاس بیٹھی رہتی کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا کوئی کچھ پوچھتا یا کہتا تو چلانے لگتی، کئی ڈاکٹروں سے چیک اپ کروایا لیکن ڈاکٹرز کہتے کہ کوئی بیماری نہیں ہے ٹیسٹوں سے بھی کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔

صوفیہ بیگم بیٹی کی اس حالت سے بہت پریشان تھیں ایک تو شادی میں چند دن رہ گئے تھے اوپر سے مریم ٹھیک نہیں ہورہی تھی آصف بیگ مریم کے قریب جاتے تو وہ عجیب سی آواز میں بولنے لگتی "نہیں چھوڑوں گی کسی کو، تیرے گھر کے ایک ایک فرد کو ایسی موت دوں گی کہ تو پوری زندگی یاد رکھے گا"

احمد الگ سے بہن کے لئے پریشان تھا، کسی کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا، صوفیہ بیگم کہنے لگیں "ہمیں پاکستان آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ جب سے پاکستان آئے ہیں اور اس حویلی میں رہ رہے ہیں کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہتی ہے اس حویلی سے چلیں ورنہ ہم سب برباد ہوجائیں گے۔"

آصف بیگ جو سامنے ہی کرسی پر بیٹھے سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہوں نے چونک کر صوفیہ کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر اپنے کمرے میں آگئے۔ جبکہ صوفیہ بیگم اٹھ کر مریم کے کمرے میں چلی آئیں۔ ابھی مریم پرسکون ہوکر سورہی تھی صوفیہ بیگم پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے احمد بھی پتہ نہیں کب کمرے میں آیا تھا۔ صوفیہ بیگم کے پاس ہی بیٹھ گیا اور انہیں تسلی دینے لگا۔

☆.....☆.....☆

رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ آصف بیگ کو سینے پہ دباؤ محسوس ہوا اور ان کی آنکھ کھل گئی وہ کمرے میں اکیلے تھے کیونکہ جب سے مریم بیمار ہوئی تھی صوفیہ بیگم اسی کے پاس رہتی تھیں۔ آصف سے اٹھا بھی نہیں جارہا تھا ایسا لگتا تھا کہ ان پر منوں وزنی بوجھ رکھ دیا گیا ہو، انہیں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ انہوں نے اٹھنا چاہا لیکن وہ جسم کو کوئی بھی حرکت دینے سے قاصر رہے۔ انہوں نے بولنا چاہا لیکن منہ سے آواز نہ نکل سکی۔

اور پھر اچانک ہی ان کے سامنے ایک عجیب وغریب خوفناک عورت کا چہرہ ظاہر ہوا تو وہ بہت ڈر گئے اور پھر کچھ ہی دیر بعد اس عورت کا چہرہ صحیح ہوگیا اور جو چہرہ ان کے سامنے آیا اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اچانک ہی جیسے وہ اپنے آپ کو ہلکا محسوس کرنے لگے اور اس عورت کو دیکھ کر ان کے منہ سے فوراً نکلا "تم۔۔۔ت۔۔۔ت۔۔۔تم یہاں کیسے؟ تم تو مرچکی تھی؟"

اس عورت نے نفرت سے آصف بیگ کی جانب دیکھا اس کی آنکھیں قہر برسا رہی تھیں "ہاں آصف بیگ! تم نے صحیح کہا میں تو مرچکی تھی، آج میں دوبارہ آئی ہوں تم سے انتقام لینے، ایسا انتقام جسے تم زندگی بھر بھول نہیں پاؤ گے" آج آصف بیگ کو اپنی موت یقینی لگ رہی تھی، آصف بیگ نے اٹھنا چاہا لیکن انہیں لگا جیسے ان کا جسم اب حرکت نہیں کرسکے گا۔

وہ عورت کہنے لگی یاد کرو "آصف! وہ دن جب میں تم سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی اور تمہیں ذرا بھی ترس نہیں آیا مجھ پر۔۔۔ میں روئی۔۔۔ چلائی۔۔۔ لیکن! تم نے میری ایک نہ سنی"

آصف بیگ فوراً اس عورت سے معافی مانگنے لگے اور کہنے لگے "مجھے معاف کردو، مجھے معاف کردو مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے میرے ساتھ ایسا مت کرو"

وہ عورت قہقہہ لگانے لگی اور کہنے لگی "معافی! معافی تو بہت چھوٹا لفظ ہے تم نے جو میرے اور میرے بچوں کے ساتھ کیا وہ معافی کے قابل ہے؟" اس نے حقارت بھری نظروں سے ان کی جانب دیکھا کہنے لگی "یاد کرو وہ دن" اور آصف کے ذہن پر ماضی ایک فلم کی طرح چلنے لگا۔

☆.....☆.....☆

کچھ سال پہلے آصف بیگ اپنے بزنس کے سلسلے میں پاکستان آئے ہوئے تھے۔ حویلی میں صرف رحیم بابا اور آصف بیگ ہی تھے ایک دن موسم بہت خراب تھا بہت تیز بارش ہورہی تھی آصف بیگ اپنے کمرے میں آرام

کررہے تھے کہ اتنے میں رحیم بابا آئے اور آصف بیگ سے کہنے لگے "صاحب! وہ باہر ایک عورت آئی ہے اور اس کے ساتھ دو بچے بھی ہیں کہہ رہی ہے مصیبت زدہ ہے آج رات کے لئے رہنے کا ٹھکانہ چاہئے"

آصف بیگ جو کہ رحیم بابا کی بات سن رہے تھے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولے "اسے اندر لے آؤ اور ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آتا ہوں"

رحیم بابا "جی صاحب" کہہ کر واپس باہر کی جانب چل دیئے باہر وہ عورت بارش سے بچنے کے لئے ایک درخت کے نیچے کھڑی تھی رحیم بابا کے آتے ہی پوچھنے لگی "بابا! کیا ہم یہاں رات گزار سکتے ہیں؟"

بابا بولے "جی بیٹا! صاحب نے اجازت دیدی ہے اور آپ کو اندر بلایا ہے" وہ عورت رحیم بابا کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ پھر ان کے پیچھے حویلی کے اندر چلی آئی رحیم بابا نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور کہنے لگے "بس صاحب آتے ہی ہوں گے" اس عورت نے اثبات میں سر ہلایا، پھر رحیم بابا چلے گئے۔

اس عورت کے کپڑے بارش کے باعث گیلے ہو چکے تھے جبکہ اس کے ساتھ جو بچہ تھا وہ کپڑے گیلے ہونے کے باعث کانپ بھی رہا تھا جبکہ اس عورت نے ایک بچہ گود میں اٹھایا ہوا تھا جو کہ ایک چھوٹے سے کمبل میں لپٹا ہوا تھا۔ کمبل بھی تھوڑا گیلا ہو چکا تھا، وہ عورت اور اس کے بچے خاموشی سے وہاں بیٹھے ہر چیز کو دیکھ رہے تھے۔

کہ آصف بیگ آگئے اور گلا کھنکار کر کہنے لگے "کیا نام ہے تمہارا؟ اتنی رات کو بارش میں کدھر جارہی ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟"

وہ عورت نظریں جھکائے آصف بیگ کے چپ ہونے کا انتظار کررہی تھی جیسے ہی آصف بیگ چپ ہوئے اس نے اپنا جھکا ہوا چہرہ اٹھایا جسے دیکھ کر آصف بیگ دنگ رہ گئے کیونکہ وہ عورت تھی ہی اتنی خوبصورت چند لمحے آصف بیگ اسے ہی دیکھتے رہے۔ آصف بیگ کی نظریں اپنے اوپر جمی دیکھ کر اس عورت نے چہرہ پھر سے جھکالیا اور بتانے لگی صاحب "میرا نام شازیہ ہے" میں ایک گاؤں میں رہتی ہوں میں نے پسند کی شادی کی جس کی وجہ سے تمام خاندان والے ناراض ہوگئے، میں نے گھر سے بھاگ کر شادی کی جبکہ ہمارے خاندان میں باہر شادی کرنے کا رواج نہیں ہے پھر میں اپنے شوہر کے ساتھ گاؤں میں آگئی میرے خاندان کے لوگ کئی سالوں سے میری تلاش میں تھے انہوں نے میرے شوہر کو مار ڈالا ہے بس میں کسی طرح جان بچا کر بھاگی ہوں۔ آپ کی حویلی دیکھی تو بس ادھر آگئی، پلیز صاحب آج کی رات رہنے دیں، کل صبح ہوتے ہی ہم چلیں جائیں گے شازیہ نے التجائیہ لہجے میں کہا، شازیہ کے گیلے کپڑے جسم میں چپک چکے تھے اور بالوں کی لٹیں بھی گیلی ہونے کے باعث منہ پر چپکی ہوئی تھیں۔ آصف بیگ نے کئی بار اس کے سراپے سے نظر اٹھانا چاہی لیکن ممکن نہ ہوا۔ شازیہ کی گود میں پڑا بچہ رونے لگا، جس کے رونے سے آصف بیگ ہوش میں آئے اور کہنے لگے "تم جب تک چاہو ادھر رہ سکتی ہو" پھر آصف بیگ نے رحیم بابا کو آواز دی اور کہنے لگے "بابا! ان کو گیسٹ روم میں ٹھہرایئے اور ان کو صوفیہ کے کپڑے وغیرہ دیں اور کھانا بھی دیں"

رحیم بابا تابعداری سے سر ہلاتے ہوئے چل دیئے، جبکہ آصف بیگ اٹھ کھڑے ہوئے اور شازیہ بھی دونوں بچوں کو لے کر رحیم بابا کے پیچھے چل دی جبکہ آصف بیگ اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگے۔

جب شازیہ چلی گئی تو آصف بیگ کمرے میں آئے اور بے چینی سے کمرے میں چکر لگانے لگے ان کی آنکھوں میں شازیہ کی ہی صورت سمائی ہوئی تھی وہ خود بھی بھول چکے تھے کہ وہ بھی دو بچوں کے باپ ہیں۔ شازیہ کے بارے میں سوچتے ہوئے ان کے دل میں اچانک شازیہ کی قربت حاصل کرنے کی خواہش مچلی۔ انہوں نے اپنے خیال کو جھٹک دیا اور اپنے دل کو بہلانے کے لئے خود سے کہنے لگے "آصف کچھ! تو شرم کرو تمہاری بیوی کیا سوچے گی ایسا خیال بھی تمہارے ذہن میں کیسے آیا، وہ تو ایک مصیبت زدہ عورت ہے اور تم ہو کہ اسے پھر ایک نئی

مصیبت میں ڈالنا چاہتے ہو" آصف بیگ کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہیں کیا ہوگیا ہے۔

وہ بغیر کھانا کھائے سونے کے لئے بیڈ پر لیٹ گئے اور سونے کی کوشش کرنے لگے لیکن نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی وہ ایک بار پھر تصورات کی دنیا میں کھو گئے۔

☆.....☆.....☆

ادھر دوسری جانب شازیہ کھانا وغیرہ کھا کر دونوں بچوں کو سلا کر خود بھی سونے لگی لیکن نیند ہی نہیں آرہی تھی وہ سوچنے لگی "صاحب اسے کتنی عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اسے یہاں مزید نہیں ٹھہرنا چاہئے وہ کل صبح ہوتے ہی یہاں سے چلی جائے گی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی اور اب اسے بس صبح کا انتظار تھا۔

☆.....☆.....☆

صبح ہو چکی تھی رات ویسے ہی آصف کو نیند نہیں آئی تھی صبح ہی صبح وہ ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے انہوں نے رحیم بابا کو بلایا اور انہیں ناشتہ لانے کو کہا اور ساتھ ہی شازیہ کو بھی بلانے کا کہا، کچھ ہی دیر میں رحیم بابا ناشتہ لے آئے، شازیہ نے جلدی سے سر پر ڈوپٹہ لیا اور 5 سالہ علی کو لیے باہر آگئی جبکہ 1 سالہ حفصہ کو وہیں بیڈ پر لٹا آئی کیونکہ وہ سو رہی تھی علی اور شازیہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ آصف بیگ پھر سے شازیہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگے، بھئی! "اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟" اس شہر میں کوئی ہے تمہارا؟ کہاں جاؤ گی اب؟ شازیہ مسلسل اپنے اوپر جمی آصف بیگ کی نظروں سے کنفیوژ ہونے لگی تھی پھر بولی "صاحب اس شہر میں تو کوئی نہیں ہے لیکن کسی نہ کسی کے ہاں کام کرلوں گی رہنے کا ٹھکانہ بھی مل جائے گا اور محفوظ بھی ہوں گے ہم"

آصف بیگ کے لبوں پر اچانک ہی ایک مکارانہ مسکراہٹ ابھری اور پھر وہ شازیہ سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے "تم ہماری حویلی میں ہی کام کرلو، سب کچھ ملے گا اور رہنے کے لئے ٹھکانہ بھی اور میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا"

شازیہ پہلے تو کہنے لگی "نہیں" پھر سوچنے لگی ویسے بھی وہ یہاں کسی کو نہیں جانتی، اگر کسی غلط جگہ پہنچ گئی پھر۔۔۔ اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی اور "ہاں" کردی آصف بیگ کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوگئی اور وہ اسے کہنے لگے "بس تمہیں کھانا بنانا ہوگا" شازیہ نے اثبات میں سر ہلایا اور ناشتہ کرنے لگی پندرہ دن بعد انہیں واپس کینیڈا جانا تھا اب وہ زیادہ انتظار نہیں کرسکتے تھے۔

شازیہ کو یہاں کام کرتے ہوئے تقریباً ایک ہفتہ گزر چکا تھا آج رحیم بابا کسی وجہ سے اپنے گاؤں گئے ہوئے تھے۔ صرف آصف بیگ ہی اکیلے تھے شازیہ نے جلدی سے رات کا کھانا تیار کیا اور آصف بیگ کو بلانے کے لئے ان کے کمرے میں گئی۔ آصف بیگ سامنے ہی کرسی پر بیٹھے تھے شازیہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں ایک معنی خیز چمک عود آئی شازیہ نے ان کی نظروں سے ڈر کر فوراً آنکھیں نیچی کرلیں اور بولی "صاحب! کھانا تیار ہے آکر کھالیں" آصف بیگ کہنے لگے "اتنی بھی کیا جلدی ہے ذرا ادھر تو آؤ"

شازیہ ان کی باتوں کا مقصد نہ سمجھی اور قریب آکر پوچھنے لگی "صاحب! کوئی اور کام ہے تو بتادیں میں کردیتی ہوں"

اچانک ہی آصف بیگ اٹھ کھڑے ہوئے اور شازیہ کا ہاتھ تھام لیا، شازیہ گڑبڑا گئی اور اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی، لیکن آصف کی گرفت مضبوط تھی شازیہ کو آصف کی آنکھوں میں ہوس صاف نظر آرہی تھی شازیہ کپکپاتے لہجے میں کہنے لگی "م۔۔۔ م۔۔۔ میرا ہاتھ چھوڑیں۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کررہے ہیں"

آصف بیگ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور شازیہ کو بیڈ پر دھکا دے دیا۔ شازیہ چلا رہی تھی لیکن حویلی میں سوائے آصف اور شازیہ کے کوئی نہ تھا، آصف نے فوراً شازیہ کو دبوچ لیا، شازیہ خود کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کررہی تھی، شازیہ کی چیخ سن کر علی وہاں پہنچ گیا لیکن علی تو بچہ تھا کیا کرسکتا تھا شازیہ نے چلا کر علی سے کہا "علی! کسی کو مدد کے لئے بلاؤ" علی ناسمجھی کے عالم میں باہر کی جانب

بڑھا، آصف فوراً بھاگا اور علی تب تک سیڑھیوں کے قریب پہنچ چکا تھا آصف نے فوراً آگے بڑھ کر علی کو دھکا دے دیا شازیہ جو کہ ابھی بھاگتی ہوئی وہاں پہنچی یہ دیکھ کر فوراً سیڑھیوں کی جانب بڑھی لیکن آصف نے فوراً اسے پکڑ لیا جبکہ علی سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا فرش پر جا گرا علی کے ناک، منہ سے خون بہنے لگا شازیہ چلا رہی تھی آصف کی گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی پھر روتے ہوئے التجائیہ لہجے میں کہنے لگی "میرے بچے کو بچالو صاحب! ورنہ وہ مر جائے گا"

جبکہ آصف پر کسی بھی بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس پر ایک ہوس سوار تھی اس وقت وہ انسان نہیں درندہ بنا ہوا تھا۔ جبکہ علی فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا آخرکار اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی، شازیہ کو فوراً سکتہ ہو گیا وہ وہیں زمین پر بیٹھ گئی اب آصف کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ چکی تھی زمین پر شازیہ بیٹھی رو رہی تھی اچانک ہی وہ چیخ چیخ کر کہنے لگی "تو نے میرے بچے کو مارا ہے، میں تجھے پھانسی پر چڑھا کر رہوں گی" شازیہ ایک دم اٹھی اور آصف پر جھپٹوں کی بارش کر دی۔

آصف اس اچانک افتاد پر بوکھلا اٹھا اور شازیہ کو زور سے دھکا دیا شازیہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور پیچھے ہی سیڑھیوں سے نیچے جا گری، اتنی شدید چوٹ تھی کہ ہر طرف فرش پر خون ہی خون پھیل گیا۔ آصف فوراً نیچے بھاگتا ہوا آیا اور جلدی سے شازیہ کی نبض چیک کی لیکن شازیہ بھی علی کی طرح اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔

آصف بیگ کو اب ہوش آیا وہ صحیح معنوں میں بوکھلا گیا اور تو اور شازیہ کی بچی حفصہ کے رونے کی آواز بھی آنے لگی، آصف بیگ بھاگتے ہوئے بچی کے کمرے میں گیا پہلے ہی آصف کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور اب حفصہ کا رونا آصف نے تنگ آ کر ننھی حفصہ کا گلا دبانا شروع کر دیا چند ہی منٹوں میں حفصہ بھی اپنے بھائی اور ماں کے پاس پہنچ چکی تھی۔ آصف جلدی سے اسٹور میں گیا بیلچہ اور کلہاڑی اٹھالیا اور گارڈن میں بنے درختوں کے پیچھے جا کر زمین کھودنے لگا کئی گھنٹوں کی محنت کے بعد وہ ایک بڑا سا گڑھا کھودنے میں کامیاب ہوا اور پھر ایک ایک کر کے آصف نے شازیہ اور اس کے بچوں کو گڑھے میں ڈال کر مٹی برابر کر دی۔ اس ساری کارروائی سے آصف تھک چکا تھا، لیکن وہ جلد از جلد اس مصیبت سے چھٹکارا چاہتا تھا، وہ فوراً اندر گیا اور تمام گھر سے خون کو صاف کیا، صبح کی روشنی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی تمام کام اور نشانات مٹاتے مٹاتے صبح کے سات بج چکے تھے پھر وہ سو گیا۔

شام کو اس کی آنکھ کھلی، اس کو بہت تھکن محسوس ہو رہی تھی، رات کو رحیم بابا بھی حویلی پہنچ گئے، رحیم بابا کے پوچھنے پر آصف نے انہیں بتایا کہ شازیہ گھر سے چوری کر کے بچوں سمیت فرار ہو گئی ہے رحیم بابا نے زیادہ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اور پھر سے آصف روٹین کے کاموں میں جت گیا اور واپس کینیڈا آ گیا۔

☆.....☆.....☆

شازیہ کی روح آصف بیگ کی طرف بڑھی اور انہیں فرش پر پٹخ دیا، آصف بیگ کراہ کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگے کہ اتنے میں صوفیہ کمرے میں داخل ہوئیں اور ان کو زمین پر گرا دیکھ کر سہارا دے کر بیڈ تک لے آئیں جلدی سے احمد کو آواز دی، شازیہ کی روح اب کمرے میں کہیں نہیں تھی، آصف نے اطمینان کا سانس لیا صوفیہ اور احمد کے پوچھنے پر بتایا کہ بس چلتے چلتے گر گیا تھا۔

آج ایک ہفتے بعد مریم کا بخار کچھ کم ہوا تھا اور وہ بالکل نارمل لگ رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ کبھی بیمار ہی نہ ہوئی ہو، آصف بیگ لاؤنج میں بیٹھے تھے جبکہ صوفیہ کچن میں تھیں، احمد کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا، آصف نے رحیم بابا کو کہا کہ مریم کو بلا لائیں، آصف کی نظریں مریم کے کمرے کی طرف ہی تھیں آصف کو اب ہر وقت ڈر رہی لگا رہتا تھا کہ شازیہ ان کے بچوں کو کچھ کر ہی نہ دے۔ مریم کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکل کر سیڑھیوں کی جانب بڑھی، آصف بیگ اسے آتا دیکھ رہے تھے جیسے ہی وہ سیڑھیوں کے قریب آئی مریم کے پیچھے آصف بیگ کو شازیہ کی روح دکھائی دی اور پھر فوراً ہی اس سے پہلے کہ آصف بیگ مریم کو آواز دیتے شازیہ کی روح نے مریم کو

ہوا میں معلق کیا اور سیڑھیوں پر پٹخ دیا۔

مریم کو اتنی زور سے پٹخا گیا تھا کہ وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگئی اور اس کی لاش سیڑھیوں پر سے لڑھکتی ہوئی نیچے آن گری، صوفیہ شور کی آواز سن کر باہر آئیں اور سامنے کا منظر دیکھ کر وہ وہیں ڈھاریں مار مار کر رونے لگیں۔ آصف بیگ بھی سکتے کی حالت میں تھے، اب نہیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا، ان کی غلطی کا خمیازہ ان کے بچے بھگت رہے تھے، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

مریم کی تدفین کردی گئی تھی، حویلی کا ماحول سوگوار تھا، صوفیہ غم سے نڈھال تھیں، افسوس تو آصف بیگ کو بھی تھا۔ آخر تو مریم ان کی ہی بیٹی تھی، آصف بیگ یہ بات کسی کو بتا بھی نہیں سکتے تھے، اگر صوفیہ کو بتاتے تو وہ بھی انہیں چھوڑ دیتیں، وہ اندر ہی اندر گھل رہے تھے۔ اپنی زندگی کی یہ حقیقت وہ کسی کو بھی بتانے سے قاصر تھے۔ صوفیہ بیگم نے اب صرف چپ چاپ رہنا شروع کردیا تھا۔ آصف بیگ بھی بہت دنوں سے گھر پر ہی تھے، احمد ہی سارے بزنس کے معاملات سنبھال رہا تھا۔ آج احمد کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جا رہا تھا آصف بیگ کو اپنی طبیعت صبح سے بوجھل سی محسوس ہو رہی تھی، احمد کے جانے کا سن کر انہیں بہت ڈر لگ رہا تھا لیکن انہوں نے کسی سے بھی اپنی دلی کیفیت بیان نہیں کی لیکن ان کے دل کو ڈھڑکا لگا ہوا تھا کہ اگر احمد کو بھی شازیہ نے کچھ کردیا تو۔۔۔۔ اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہ سکے ان میں اب اتنی ہمت نہیں تھی۔

احمد شام کے وقت گھر سے نکلا، احمد جس علاقے میں جا رہا تھا وہاں کا راستہ خطرناک تھا، لیکن احمد جلد سے جلد پہنچنا چاہتا تھا اس لیے وہ ایسے راستے پر بھی تیز رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا راستے کے ایک طرف چٹانیں اور دوسری جانب گہری کھائیاں تھیں۔ شام رات میں بدل چکی تھی، احمد تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا کہ۔

اچانک ایک موڑ مڑتے ہوئے اس کو لگا جیسے سامنے سے کوئی آرہا ہو، اس نے بریک لگانے کی بہت کوشش کی، اور گاڑی کا رخ دوسری طرف کیا، وہ بھول چکا تھا کہ اس جانب کھائی ہے کسی کو بچاتے بچاتے اس کی گاڑی کھائی میں جا گری، گاڑی جیسے ہی کھائی میں گری ایک زوردار دھماکہ ہوا اور گاڑی میں آگ لگ گئی، آگ کے شعلے آسمان کو چھو رہے تھے، جبکہ شازیہ کی روح وہاں کھڑی قہقہے لگا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

آصف بیگ باہر گارڈن میں بیٹھے تھے، جب صبح صبح پولیس اسٹیشن سے انہیں احمد کے مرجانے کی اطلاع ملی۔ آصف بیگ پہلے ہی جوان بیٹی کی موت سے دکھی تھے اور اب بیٹے کی بھیانک موت سے بالکل ہی گم سم ہوگئے۔ صوفیہ ابھی بیٹی کے غم میں مبتلا تھیں۔ جیسے ہی احمد کی موت کا علم ہوا وہ یہ صدمہ برداشت نہ کرسکیں اور خالق حقیقی سے جاملیں۔ ایک کے بعد ایک موت نے آصف بیگ کی کمر توڑ کر رکھ دی، وہ حویلی میں تنہا رہ گئے۔

رحیم بابا نے انہیں سنبھالنے کی بہت کوشش کی، لیکن اب ہر وقت ڈرے ڈرے رہنے لگے، کھانا پینا بھی بالکل ہی چھوڑ دیا تھا، ہر وقت چیختے چلاتے رہتے، اور ساتھ ساتھ کہتے رہتے ”شازیہ مجھے معاف کردو، شازیہ مجھے معاف کردو“

رحیم بابا سے ان کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی، رحیم بابا نے ان کے فیملی ڈاکٹر کو بلایا ڈاکٹر نے مختلف ٹیسٹوں کے بعد انہیں پاگل قرار دے دیا۔ کیونکہ اب ان کے قریب جو بھی آتا انہیں مارنے کو دوڑتے، اس لیے حویلی کے تمام ملازم ایک ایک کرکے چلے گئے، بس رحیم بابا ہی تھے لیکن وہ بھی کب تک سنبھالتے۔

ایک دن انہوں نے ڈاکٹر کے مشورے پر آصف بیگ کو پاگل خانے میں داخل کروادیا۔ اب بھی آصف بیگ چیختے چلاتے رہتے ہیں، اور ہر وقت شازیہ سے معافی مانگتے رہتے ہیں، پاگل خانے میں داخل کروانے کے بعد رحیم بابا بھی اپنے گاؤں چلے گئے، اب حویلی بالکل خالی تھی، کیونکہ شازیہ کی روح نے اپنا انتقام لے لیا تھا!!۔

خمیازہ

محمد ابوہریرہ بلوچ۔ بہاولنگر

خود غرض عامل اچانک نادیدہ مخلوق کے نرغے میں پھنس گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم کی تمام ہڈیاں چکنا چور ہوگئیں، اس کی فلک شگاف چیخ قرب و جوار کو دہلانے لگیں کہ پھر.....

کیا یہ حقیقت ہے کہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والے نشان عبرت بن جاتے ہیں، خوفناک کہانی

گھر کی خستہ حالت دیکھ کر میں ٹھٹھک کر رہ گیا، ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے پیٹرول چھڑک کر آگ لگائی ہو، دیواریں پوری طرح سیاہ ہو چکی تھیں۔ کھڑکیاں دروازے اور فرنیچر کا سارا سامان جل کر خاکستر ہو چکا تھا۔ جابجا لگے بڑے بڑے مکڑی کے جالے اس کی بوسیدگی پر نوحہ کناں تھے۔ کئی دیواروں میں دراڑیں اور کئی زمین بوس ہو چکی تھیں۔ میں چاہ کر بھی اندر جا کر مکمل حالت دیکھنے کی ہمت نہ کر پایا۔ میں اپنے جگری دوست ابوذر غفاری کی دعوت طعام پر مدعو کیا گیا تھا۔ بھاون شاہ کے نام سے موسوم اس گاؤں میں میری آمد پہلی بار تھی۔ تقریباً 300 سے زائد گھرانوں پر مشتمل یہ گاؤں طویل عرصہ قبل خوشحالی میں اپنی مثال آپ تھا۔

میں نے اس گھر کے نذر آتش ہونے کی وجہ جاننے کی ٹھان لی۔۔۔ شام کو کھانے کی ٹیبل پر میں نے

ابو سے اس گھر کے متعلق جاننا چاہا تو اس نے ایک لمبی ٹھنڈی آہ بھری اور بولا یہ گھر عبرت کی نشان ہے خدا کی طرف سے ملی روحانی صلاحیتوں کے بے جا استعمال کا انجام اس نے حقیقت سنانا شروع کی۔

"کچھ سال پہلے وہ گھر آباد تھا، اس کے مالک کا حقیقی نام شہباز احمد تھا پیشے کے لحاظ سے وہ ایک عامل تھا مخلوق خدا کا ایک جم غفیر ہر وقت اس کے در پر موجود رہتا بہت سے لوگ اس کے معتقد تھے اس کا سولہ سالہ ایک نوجوان خوبرو بیٹا بھی تھا جس کا نام غالباً آصف تھا خود شہباز احمد اپنی عمر کی باون بہاریں دیکھ چکا تھا کئی ایسے پیچیدہ مسائل جو بظاہر ناممکن نظر آتے وہ اسے پل بھر میں حل کر دیتا اس کی شہرت کا طوطی دور دور تک بولتا تھا سننے میں یہ بات آئی تھی کہ اس کے پاس ان دیکھی طاقتیں ہیں جن سے یہ تمام امور سرانجام پاتے ہیں اور جب خود اس سے ان طاقتوں کے متعلق سوال کیا جاتا کہ آیا یہ حقیقت ہے یا محض قیاس آرائی تو وہ اسے حقیقت بتاتا اور ان طاقتوں کو موکلوں کا نام دیتا۔

عامل شہرت کا بہت بھوکا تھا کام کے معاملے میں وہ قطعی رعایت نہیں کرتا تھا لوگ جتنی اس کی تعریف کرتے تو اس کی فخر سے گردن اکڑ جاتی اور آنکھوں میں غرور جھلکنے لگتا۔

جبکہ یہ حقیقت ہے کہ غرور اللہ کو پسند نہیں۔

ایک روز میں بھی کسی پریشانی کے حل کے لئے اس کے آستانے پر تھا کہ ایک عورت جس کی عمر پچاس سے اوپر ہوگی اپنی جواں سالہ بیٹی کو ساتھ لئے عامل کے قدموں میں گر پڑی۔ عامل نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے اسے اوپر اٹھایا اور پینے کے لئے پانی دیا۔ عورت کا سانس کسی دھونکنی کی طرح پھولا ہوا تھا چہرے سے لگتا تھا کہ وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہے۔۔۔ خود لڑکی کی حالت انتہائی درگوں تھی خزاں رسیدہ آنکھیں جو اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور ان کے گرد سیاہ حلقے واضح تھے چہرہ پوری طرح زرد تھا جیسے کہ ہلدی مل دی گئی ہو بکھرے بے ترتیب بال نے اس کی شخصیت کو انتہائی مظلوم بنا ڈالا تھا اسے جیسے اپنا کوئی ہوش نہیں تھا وہ گردن کو کبھی ادھر کبھی ادھر حرکت دے رہی تھی جیسے نشے میں ہو۔

ماں بیٹی کی حالت دیکھ کر وہاں پر موجود سارے لوگ اپنی پریشانی بھول کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے عامل نے لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس سے پریشانی پوچھی لیکن لڑکی کی طرف سے خاموشی دیکھ کر عورت نے اپنے لب کو گویا پائی بخشی۔۔ "میرا نام نگہت ہے اور یہ میری بیٹی سلمٰی ہے۔۔ میری بیٹی کو کوئی ان دیکھا مرض ہے اور ہم تھک چکے ہیں اس مرض کی تشخیص کرتے کرتے، کئی نام نہاد پیروں، عاملوں کو دکھایا سب نے اپنے تئیں کوشش کی کئی جتن کر ڈالے لیکن ایک فیصد بھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔۔۔ انہوں نے رات کو کمرے میں بند ہو کر چلے بھی کاٹے، پر صبح ہوتے ہی وہ ایسے سرپٹ بھاگے کہ مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا سب کہتے ہیں کہ اس پر بھوت پریت کا سایہ ہے کچھ کیجئے شاہ صاحب آخری امید سمجھ کر ہم آپ کے در پر آئے ہیں اگر یہاں سے بھی ناامیدی ہوئی تو۔۔۔" اس عورت نے جس نے اپنا نام نگہت بتایا تھا سسکتے ہوئے اپنا جملہ ادھورا چھوڑا اور اپنا سر جھکا لیا۔۔۔

"ناامیدی گناہ ہے میری بہن، خدا کی ذات پر کامل بھروسہ رکھو میری کوشش ہوگی کہ تم بامراد لوٹو ں عامل نے عورت کو دلاسا دیا" لیکن اس کی یہ حالت کب سے ہوئی؟" عامل نے بات بڑھائی جیسے اس مسئلے کی جڑ ڈھونڈنا چاہتا ہو۔

"کچھ دن پہلے۔۔ یہ اپنی سہیلی کی شادی کی دعوت پر گئی تھی خوب بن سنور کر اس نے ہر طرح سے اپنا بناؤ سنگھار کیا تھا لیکن جب واپس آئی تو بدلی ہوئی تھی اس کے بعد اس کی حالت گرتی جا رہی ہے۔"

اب عامل لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔۔۔ "اب تم چپ چاپ اپنا مقصد بتاؤ گے یا پھر مجھے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔۔" عامل نے لڑکی کے لئے مذکر کا صیغہ استعمال کیا تو بقول میرے سبھی حیران رہ گئے۔۔۔ عامل کی آواز رعب دار تھی لیکن اس آواز کا لڑکی پر کوئی اثر نہ ہوا،

اس نے جیسے خاموش رہنے کی قسم کھالی تھی وہ بس خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی۔۔۔

اب عامل کو جیسے طیش آ گیا اس نے پاس پڑا پانی کا پیالہ اٹھایا اور پھر اس پر کچھ پڑھ کر پھونک مارتے ہوئے اس کے چند چھینٹے لڑکی کے چہرے کی طرف اچھال دیئے۔۔ قطروں کا پڑنا تھا کہ لڑکی کے منہ سے مردانہ چیخیں بلند ہونے لگیں پھر عامل نے اسے بالوں سے پکڑ کر اس کا منہ جھکایا اور پانی بھرے پیالے میں ڈبو دیا۔

لڑکی اب تڑپنے لگی۔۔۔ وہاں پر موجود سبھی لوگ ڈر کے مارے لرزنے لگے کچھ تو کمزور دل بھاگ کھڑے ہوئے باقی لوگوں کو عامل کے بیٹے نے تسلی کے ذریعے سنبھال لیا۔۔۔ ادھر ماں کے ممتا نے بیٹی کو تڑپتے دیکھا تو سنبھالنے کے لئے آگے بڑھی لیکن عامل کی غصیلی آواز سن کر وہ جیسے منجمد ہوگئی "خبردار اسے چھونے کی کوشش مت کرنا ورنہ نقصان کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔۔۔"

اب عامل نے لڑکی کو بالوں سے چھوڑا اور دوبارہ اس سے اس کا نام پوچھا لیکن جواب میں غوں غاں کی ولدوز آوازیں کانوں کے پردے پھاڑنے لگیں۔۔۔ مارے خوف کے سب کی زبانیں جیسے گنگ ہوچکی تھیں۔۔۔ خود لڑکی کی آنکھیں مثل انگارہ بن گئی تھیں۔۔۔ عامل کے کچھ پل تفکر کی نذر ہوئے اس دوران لڑکی کی حالت سنبھل چکی تھی۔۔۔

اب عامل صاحب لڑکی کی ماں کی طرف متوجہ ہوئے۔۔۔ "غور سے سنیے محترمہ آپ کی بیٹی پر ایک شریر جن کا سایہ ہے اور مجھے لگتا ہے کہ یہ جن گونگا ہے تبھی کچھ بول نہیں پا رہا میں آپ کو پانی پڑھ کر دیتا ہوں آپ اسے پلا دیجئے گا اور اسے میرے پاس کل اسی وقت دوبارہ لے کر آنا اس دوران اس کی حالت سنبھلی رہے گی آپ کی بیٹی کے مستقل علاج کے لئے مجھے اس جن کو قید کرنا ہوگا اور اس کام کے لئے مجھے آج کی رات درکار ہے تاکہ میں اس کا مکمل انتظام کرلوں۔ اور ہاں کل اسے میرے پاس لازمی لانا اب تم جاؤ" عامل نے اسے ایک شیشے کی بوتل میں پانی دم کرکے دیا تو وہ عورت عامل کو دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔ عورت لڑکی کو ساتھ لیے ہزاروں دعائیں دیتی رخصت ہوگئی اس کے جانے کے بعد عامل زیرلب مسکرائے۔ محفل میں بیٹھے تمام لوگ عامل کی طاقت پر عش عش کر اٹھے۔۔۔ مجلس برخاست ہوئی تو میں گھر چلا آیا۔۔۔ رات کانٹوں کے بستر پر گزری پہلو بدلتے ہوئے میں کل کا انتظار کرنے لگا وقت سست روی سے چلتا رہا پھر جیسے ہی رات کی تاریکی چھٹی اور دن کی پہلی کرن نمودار ہوئی میں عامل کے آستانے پر تھا۔۔۔ وقت مقررہ پر عورت لڑکی کو ساتھ لئے آئی آج لڑکی کی حالت کافی سنبھلی ہوئی تھی کیونکہ چہرے پر چھائی بشاشت نظروں سے پوشیدہ نہ تھی۔

عامل کے پاس تانبے کا ایک برتن تھا انہوں نے لڑکی کو پیار سے اپنے پاس بلایا اور پھر اچانک اسے اپنے گلے میں پہنا ایک تعویذ اتار کر لڑکی کے گلے میں ڈال دیا پھر کیا تھا لڑکی کی حالت بگڑنے لگی عامل نے اسے بازو سے پکڑ کر لٹا دیا اور اوپر کالا کپڑا ڈال کر منہ ہی میں کچھ ورد کرنے لگے۔ لڑکی کے منہ سے چیخوں کا ایک طوفان امڈ آیا ہر پھونک پر لڑکی کے جسم میں حرکت بڑھ جاتی آدھے گھنٹے کے عمل کے بعد عامل نے کپڑا ہٹا دیا لڑکی اٹھ بیٹھی۔

عامل نے پیشانی سے پسینے کے قطرے پونچھے

نصیحت

کوئی ملک اس وقت تک غلام نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے اپنے لوگ غداری نہ کریں کیونکہ اکیلا لوہا جنگل سے ایک لکڑی نہیں کاٹ سکتا، جب تک لکڑی اس سے مل کر کلہاڑی نہ بنے۔

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

اور عورت سے بولے "آپ کی بیٹی پر مسلط جن اب قید ہو چکا ہے خوشی سے جائیں اب یہ ہر خطرے سے باہر ہے۔۔۔"

عورت نے خوش ہوتے ہوئے نیاز کے طور پر کچھ پیسے دینے چاہے لیکن عامل نے اسے سختی سے منع کر دیا اور بولے "ہم لوگوں سے معاوضے کے طور پر صرف دعائیں لیتے ہیں۔"

عامل صاحب لوگوں کے سامنے خود اپنے منہ سے اپنی تعریف کے قلابے شروع کر دیئے پھر بولے "آپ لوگوں نے دیکھا میری طاقت کا کمال یہ تو ایک ادنیٰ معمولی جن تھا میرے لئے جنوں کو بھگانا معمولی بات ہے میں تو جنوں کے قبیلے کو جلا کر خاکستر کر دوں۔"

اسی شام دو عورتیں عامل کے آستانے میں داخل ہوئیں ان کے چہرے مکمل طور پر نقاب سے ڈھکے ہوئے تھے وہ عامل کے روبرو آ کر کھڑی ہو گئیں عامل نے انہیں بھرپور نظر سے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولے "تم میرے پاس قیدی جن کے سلسلے میں آئی ہو میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کیونکہ تم دونوں کی شکلیں اس جن سے کافی حد تک ملتی ہیں کیا میں اپنی بات میں صحیح ہوں" عامل نے اپنی بات کی جیسے تصدیق چاہی۔

میرا نام کلثوم ہے اور یہ میری چھوٹی بہن سائرہ ہے" اس نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" آپ کے پاس مقید جن ہمارا اکلوتا بھائی ہے ان دونوں میں سے بڑی عمر والی عورت نے اپنے لبوں کو جنبش دی۔

"ہم اس کی طرف سے آپ سے معذرت خواہ ہیں آپ مہربانی کر کے اسے رہا کر دیں وہ آئندہ انسانی دنیا میں آنے کی حماقت نہیں کرے گا اس کے لئے آپ سے ہمارا وعدہ ہے" چھوٹی عورت سائرہ نے روتے ہوئے کہا" دراصل وہ اس لڑکی پر فدا ہو گیا تھا کیونکہ وہ خوب بن سنور کر بے پردہ نکلی تھی آپ اسے معاف کر دیں اور اللہ کی نظر میں بہادر وہ ہے جو دوسروں کو معاف کر دیتا ہے۔"

"ہرگز نہیں" عامل غصے سے چیخا، "اس نے غلطی کی ہے جس کی سزا اسے ضرور ملے گی تم دونوں مجھ سے اس گونگے جن کے بارے میں رحم کی امید ہرگز مت کرنا۔۔"

"دیکھئے میں۔۔۔۔" دوسری عورت نے بات کرنا چاہی مگر عامل نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا" بس آپ خواہ مخواہ میرا اور اپنا وقت برباد کر رہی ہیں اسے سزا ضرور ملے گی یہ میرا پہلا اور آخری فیصلہ ہے اب آپ جا سکتی ہیں" عامل نے اٹل لہجے میں کہا۔

"ایسا کر کے آپ بہت بڑی مصیبت کا شکار ہو سکتے ہیں درگزر کیجئے" کلثوم کا لہجہ اب نرم کی بجائے سخت ہو گیا۔

"آپ مجھے دھمکا رہی ہیں" عامل نے پلکیں سکیڑیں "دھمکا نہیں سمجھا رہی ہوں کیونکہ ایسا قدم اٹھا کر آپ قبیلہ جنات سے دشمنی مول لیں گے" عورت کا لہجہ اب بھی سخت ہی تھا۔

"مجھے انجام کی پرواہ نہیں، آپ سے جو ہو سکے کر لینا لیکن وہ گونگا جن اپنے انجام کو ضرور پہنچے گا اب آپ مہربانی کر کے باہر جائیں" عامل نے ہاتھ کے اشارے سے دروازہ دکھایا تو وہ دونوں چہرے پر غصہ لیے لوٹ گئیں۔

☆.....☆.....☆

رات کو عامل نے برتن میں بند جن کو نذر آتش کر دیا، پورے گاؤں نے اس کی چیخیں سنیں کچھ ہی دیر بعد ان چیخوں میں بین کی آواز شامل ہو گئی یہ ان دونوں عورتوں کے رونے کی آوازیں تھیں جو کہ اس جن کی بہنیں تھیں۔ عامل نے جلد بازی میں آ کر یہ قدم تو اٹھا لیا لیکن اب اسے اپنی جان کا خوف لگنے لگا تھا کیونکہ ان عورتوں نے اسے مار ڈالنے کی دھمکی دے ڈالی تھی۔

اب عامل کو اپنے فعل پر ندامت تھی۔۔۔ فیصلہ جنات سے مقابلہ جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔۔۔ عامل جانتا تھا کہ وہ جنات سے مقابلے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اس دن کے بعد عامل نے خود کو

روزے نماز کا پابند کرلیا۔ دن کا اکثر حصہ اس کا اب عبادت میں گزرتا اور مخلوق خدا سے ملنا کم سے کم کردیا تھا۔ خود عامل ہونے کے باوجود اس نے کئی پیروں سے اپنی حفاظت کے عمل اور تعویذ لیے جو کہ اس کی گردن میں لٹکے رہتے، اب وہ حد سے زیادہ طہارت کا خیال رکھتا تاکہ کسی گندی جگہ پر جاکر تعویذ کے اثرات ختم نہ ہوجائیں وہ ایک طرح سے اپنی دانست میں موت سے محفوظ ہوچکا تھا لیکن ہونی کو کون ٹال سکتا ہے موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کوئی روگردانی نہیں کرسکتا۔

ہوا کچھ یوں کہ ایک شام آسمان پر کالے بادل امڈ آئے بارش اس زور سے برسی کہ گلیوں میں پانی کھڑا ہوگیا عامل اپنے کمرے میں لیٹا کسی سوچ میں غرق تھا کہ باہر اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا کیونکہ پانی میں چھپاک چھپاک کی آواز واضح سنائی دے رہی تھی عامل نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا کہ پانی میں چہل قدمی کرنے والا اس کا اپنا بیٹا تھا، عامل نے اسے آواز دے کر بلانا چاہا مگر تب تک وہ دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔

عامل نے آؤ دیکھا نہ تاؤ چھتری اٹھائی اور گھر سے باہر نکل آیا، یہ دیکھنے کی بھی زحمت نہ کی کہ یہ واقعی اس کا بیٹا ہے۔ وہ اپنا ہر قدم پھونک پھونک کر رکھ رہا تھا پانی کی زیادتی کے سبب گٹر کھل گئے تھے ایک بھی غلط قدم موت کا سبب بن سکتا تھا، عامل نے رفتار میں تیزی دکھائی اور بیٹے کے پاس پہنچ گیا اس نے کندھے سے پکڑ کر اپنی جانب متوجہ کیا تو ڈر کے مارے اس کے ہاتھ سے چھتری چھوٹ کر دور جاگری۔

یہ اس کو تنگے جن کی بڑی بہن کلثوم تھی ادھر اس چکر میں عامل کا وضو ٹوٹ چکا تھا اور یہی نہیں بلکہ اس کے پاس جو حفاظتی تعویذ تھا وہ کمرے میں تکیہ کے نیچے رہ گیا تھا، وہ حفاظتی چیزوں سے محروم ہوچکا تھا۔

عامل نے بھاگنا چاہا مگر وہ شاید اس کا ارادہ بھانپ چکی تھی، اس لئے اس نے عامل کے سینے پر ایسا زوردار ہاتھ مارا کہ وہ اچھل کر کئی فٹ دور جاگرا۔

کلثوم کی آنکھیں انتقام کے غصے میں خون کی طرح سرخ ہوچکی تھیں اب سائرہ بھی ظاہر ہوگئی ان دونوں نے مل کر عامل کی تمام ہڈیوں کو توڑ ڈالا۔ اور پھر غائب ہوگئیں۔ پل پل رات گزر گئی اور پھر صبح کا اجالا ہر سو پھیل گیا۔

صبح بیٹے نے باپ کو کمرے میں نہ پایا تو تلاش کرتا ہوا باہر نکل آیا، سامنے ایک دلدوز منظر تھا اس کے باپ کی پھولی ہوئی لاش پانی میں تیر رہی تھی وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا کافی لوگ جمع ہوگئے تکفین وتدفین کے بعد لوگ اسے دلاسا دینے آتے اور جاتے رہے، شام ہوتے ہی وہ اس گھر میں تنہا رہ گیا اس کو اس گھر سے خوف آنے لگا اسے ہر جگہ اپنے گرد موت منڈلاتی دکھائی دینے لگی اس کی حالت ابتر ہونے لگی ہوش سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔

لوگ اسے پاگل گرداننے لگے پھر ایک دن انہوں نے اسے شہر کے پاگل خانے میں داخل کروادیا تاکہ وہ کسی اور کا نقصان نہ کردے۔۔۔ لیکن ایک دن یہ روح فرسا خبر ملی کہ اس نے اپنی شہ رگ کاٹ لی ہے ڈاکٹروں نے اسے خودکشی کا نام دیا لیکن یہ کام ان دونوں جن عورتوں کا تھا۔

وہ گرمیوں کی رات تھی سب اپنے بستروں میں بجلی کے منتظر تھے کہ اچانک عامل کے گھر کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا فائر بریگیڈ کو فون کے ذریعے بلایا گیا کافی تگ ودو کے بعد آگ پر قابو پالیا گیا لیکن جب تک آگ بجھتی سب کچھ جل کر خاکستر ہوچکا تھا۔
اس دن کے بعد لوگوں نے اس گھر کے اندر جاکر دیکھنا چاہا لیکن جب وہ اندر جانے لگتے تو انجان ڈر کے سبب انہیں اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑتا، پھر لوگوں نے اس گھر کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور تب سے آج تک یہ گھر نشان عبرت بن چکا ہے، اکثر وبیشتر رات کے وقت اس گھر سے کسی کے رونے کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔

رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر: 145

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

رولوکا جب حکیم وقار کے کمرے میں پہنچا تو حکیم وقار اپنی کرسی سے کھڑے ہوگئے اور رولوکا سے مصافحہ کیا، اس کے بعد رولوکا سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ حکیم وقار کے سامنے ایک کتاب پڑی تھی جسے دیکھ کر رولوکا بولا۔ حکیم صاحب لگتا ہے کہ کوئی اہم کتاب ہے۔ جس کا آپ مطالعہ کررہے ہیں۔ یہ سن کر حکیم وقار بولے۔ ''ہاں اس کتاب کا نام ہے۔ ''روح کی بیداری'' اور مجھے یہ کہانی بہت اچھی لگی ہے اگر آپ سننا چاہیں تو میں سنا سکتا ہوں۔'' یہ سن کر رولوکا بولا۔ ''کیوں نہیں آپ بصد شوق کہانی سنائیں نام اور آپ کی پسند کے مطابق یقیناً یہ کہانی اچھی ہے۔ اور پھر حکیم وقار کہانی سنانے لگے۔ سورج ڈوب رہا تھا۔ سیاہ بادلوں نے پورے علاقے کو گھیر رکھا تھا اور پھر دفعتاً ہوا تیز چلنے لگی۔ کار چلاتے چلاتے مختار نے سوچا۔ مہر دلی کا علاقہ بہت مشہور و معروف ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ یہاں روحیں بھی آتی ہوں گی اور اس کی تصدیق کئی لوگ کرچکے ہیں اور یہ روح کیا ہے؟ خیر اپنی سوچوں میں مختار آگے ہی آگے بڑھتا رہا اور پھر مختار کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا اور وہ پرانے کھنڈرات میں پہنچ گیا تو اس نے دیکھا ایک زندہ وجود جو کہ خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے اس کے سامنے تھی، دونوں قریب ہوئے اور بہت قریب اور پھر مختار سوچ بچار سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔ جو دوشیزہ اسے نظر آئی تھی اس کا تعلق ہزاروں سال پہلے فرعون کے دور سے تھا اور اس حسین اپسرا کا نام انتانیہ تھا۔ جب اس بات کا علم مختار کے والد حسام الدین کو ہوا تو وہ بھی چکرا گئے۔ اور انہوں نے بھی اس کی تصدیق کردی کہ یہ حقیقت ہے کہ کھنڈرات میں یقیناً مختار کی ملاقات سیٹی اول کی بیٹی شہزادی انتانیہ سے ضرور ہوئی ہے اور پھر حسام الدین نے اس واقعہ کو حقیقی رنگ دینے کے لئے انہوں نے مصر جانے کا پروگرام بنالیا۔ ان کے ساتھ ان کے کئی دوست اور بھی تھے جو کہ مصریات سے دلچسپی رکھتے تھے۔'' خیر مطب کا ایک ملازم آیا اور بولا حکیم وقار سے حکیم صاحب چند مریض آپ کا انتظار گاہ میں انتظار کررہے ہیں۔ یہ سن کر رولوکا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ''حکیم صاحب کہانی بلکہ یہ حقیقی روداد ہے اور کہانی کے اختتام پر میں کوشش کروں گا کہ شہزادی انتانیہ کی روح سے میری ملاقات ہوجائے۔ اور رولوکا اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ (اب آگے پڑھیں)

رولوکا اپنے کمرے میں گردن جھکائے سوچ کی دنیا میں محو پرواز تھا کہ مطب کا ایک ملازم آیا۔

اور جب اس کی نظر رولوکا پر پڑی تو وہ ٹھٹھک گیا کیونکہ رولوکا گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ سمجھ تو گیا کہ رولوکا اس وقت بہت گہری سوچ میں ہے وہ چند منٹ دروازے پر کھڑا رولوکا کو بغور دیکھتا رہا...... پھر اس نے دروازے پر انگلی سے ٹھک ٹھک کیا...... تو رولوکا نے گردن اٹھا کر اس طرف دیکھا، دروازے پر ملازم کھڑا تھا، ''ہاں بھئی غلام رسول کیسے آنا ہوا...... کیا کوئی مریض آیا ہے؟ رولوکا نے پوچھا۔

''جی نہیں...... حکیم صاحب! دراصل حکیم وقار آپ کو یاد کررہے ہیں'' یہ سن کر رولوکا بولا ''چلو چلتے ہیں'' اور رولوکا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، وہ حکیم وقار کے کمرے میں پہنچا تو حکیم وقار اپنی کرسی سے اٹھے اور رولوکا سے مصافحہ کیا...... اور بولے ''حکیم صاحب تشریف رکھیں......'' اور ملازم سے گویا ہوئے ''غلام رسول دو کپ گرما گرم چائے لے آؤ''

''جی ابھی لایا''...... یہ بول کر غلام رسول چلا گیا۔

حکیم وقار بولے...... میں نے آپ کو تکلیف دی اس کے لئے معذرت...... میں نے سوچا کہ ابھی تھوڑا وقت ہے...... تو کیوں نہ جو کہانی شروع کی تھی...... اسے آپ کو سناؤں......''

آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ نے یاد کیا..... دراصل "روح کی بیداری" کہانی مجھے بھی بہت اچھی لگی..... کہانی سننے کے بعد بھی میں کچھ دیر تک اس پر غور کرتا رہا..... اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ حقیقی روداد ہے..... خیر اس کا پتہ تو تب چلے گا جب میں انتانیہ کی روح سے رابطہ کروں گا۔ خیر آپ کہانی سنائیں میں سننے کے لئے تیار ہوں"

پھر چائے پینے کے بعد حکیم وقار آگے کی کہانی سنانے لگے۔

"مقبرہ کی کھدائی کریں گے اور ہم سے ایک دن پہلے لکسر روانہ ہو جائیں گے....."

حسن اصغر نے سب کو باری باری سلام کیا اور اجازت لے کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا.....

طہرانی نے کہا..... "حسن اصغر اپنے علم کے اعتبار سے قدیم مصر اور اس کے کھنڈرات میں پھیلے ہوئے رازوں کا مخزن ہے..... پورا مصر اس سے واقف ہے اور مصر کے حکام تک اس کی عزت کرتے ہیں ان کی شرکت اس لئے اور بھی زیادہ مفید ہے کہ ہمیں کھدائی کا کام اپنا مقصد بتائے بغیر حکومت مصر کی نگاہوں سے چھپ کر کرنا ہے اور حسن اصغر اس پر راضی ہو گئے ہیں کہ وہ اس حیرت ناک مہم کے بارے میں حکومت مصر کو نہ صرف بالکل تاریکی میں رکھیں گے بلکہ اگر کوئی ناخوشگوار بات ہوئی تو تمام ذمہ داری اپنے سر لے لیں گے۔"

"خدا کی قسم..... طہرانی..... اس مہم کی کامیابی کے لئے ہمیں ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی..... کیونکہ اگر حکومت مصر کو ہمارے مقاصد یا اسکیم کی تفصیل کا علم ہو گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا....." حسام الدین نے شکریہ کے انداز میں کہا.....

"رازداری کے ساتھ ہی کامیابی ممکن ہے۔" احمد ریاضی نے کہا۔

"اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ شہزادی انتانیہ کے مقبرہ کی تلاش میں ہمیں زیادہ دقت نہیں اٹھانا پڑے گی کیونکہ حسام الدین صاحب کو ایک پراسرار بزرگ کے ذریعہ مقبرہ کی شناخت اور پورا پتہ معلوم ہو چکا ہے۔

ماسوا اس کے وادی فرعون میں بے شمار مقبرے ہیں کیونکہ اگر وہاں صرف شہزادی کا مقبرہ ہوتا تو ہماری آمد و رفت مشکوک سمجھی جاتی..... جہاں تک میرا اندازہ ہے یہ مقبرہ بیگمات کے مقبروں کے شمال میں اور مغربی گھاٹی کے کنارے پر بادشاہوں کے مقبروں سے نصف میل چلنے کے بعد ایک پہاڑی کی آڑ میں واقع ہے..... اور سیاح زیادہ سے زیادہ سیٹی اول کی محبوب ملکہ کے مقبروں تک جاتے ہیں اور اس کے بعد واپس لوٹ آتے ہیں....." طہرانی نے سفر پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا..... "اپنے سفر اور اپنی مجوزہ مہم کو چھپانے کے لئے میں نے یہ بھی بندوبست کر لیا ہے کہ کھدائی کرنے والے مزدور ہم سے وادی فرعون سے سات میل دور سڑک پر مل جائیں یہ میں نے اس لئے کیا کہ نزدیک ہی "خاران" نام کا ایک گاؤں ہے اور وہاں کا شیخ میرا دوست ہے۔"

"پھر اب روانگی میں کیا دیر ہے۔" مختار نے بے چینی سے پوچھا۔

"بس کل صبح ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے..... طہرانی نے فیصلہ کن انداز میں کہا..... اور سب کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

مختار سب سے زیادہ مسرور تھا..... قاہرہ کے قیام کے دوران میں وہ اہرام مصر اور ابوالہول دیکھ چکا تھا شہر کے جادو بھرے بازاروں اور گلیوں میں گھوم چکا تھا..... مصر کی فضاؤں سے اسے محبت ہو چکی تھی اور جب رات اپنے جوبن پر آتی تو وہ ایسا محسوس کرتا کہ یہ رات اس کے لئے اجنبی نہیں ہے..... جیسے ہزاروں برس قبل بھی وہ ان راتوں اور ان راہوں کی تاریکیوں کا لطف اٹھا چکا ہے..... قاہرہ میں آج اس کے قیام کا آخری دن تھا اس لئے وہ بہترین لباس پہن کر گھومنے نکل گیا اور اس وقت تک گھومتا رہا جب تک کہ وہ تھک کر نڈھال نہ ہو گیا.....

اور جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو قافلہ کا ہر شخص سفر

لئے تیار تھا..... مختار بھی چند منٹ کے اندر تیار ہو گیا۔

تمام دن کار میں سفر کر کے دریائے نیل کے کنارے والی سڑک پر چلتے چلتے اور نیل کی طغیانی پر آتی ہوئی موجوں کا لطف لیتے ہوئے وہ لوگ شام کے قریب لکسر پہنچ گئے..... ایک جگہ انہیں ریگستان کا ایک مختصر سا علاقہ جس کا نام مونیہ تھا عبور کرنا تھا لیکن جب لکسر پہنچ کر ایک پر فضا جھیل کے وسط میں انہوں نے ابوالہول کا ایک مجسمہ دیکھا تو جیسے ان کی ساری تھکان دور ہو گئی لکسر کو اب نیر آباد کہا جاتا تھا اور ہزاروں سال پرانے اس قصبہ نے دور جدید کی روشنی میں نہا کر بہت کافی ترقی کر لی تھی.....

مختار کے قافلہ نے ایک ہوٹل میں قیام کیا جس کی طرز تعمیر قدیم مصری انداز میں کی گئی تھی اور جو دور سے کسی مصری فرعون کے محل کا روندا ہوا حصہ معلوم ہوتا تھا..... ہوٹل کے چاروں طرف ایک خوب صورت باغ تھا جس کے خوب صورت پودوں اور جھومتے درختوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فراش قدرت نے ہی اس کی ترتیب اور تعمیر میں حصہ لیا ہے.....

مختار اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیر تک باغ کی دلفریبی کا لطف اُٹھاتا رہا اور پھولوں سے معطر ہوا اسے مسرت اور سکون بخشتی رہی لیکن دھیرے دھیرے اس کو یک عجیب دل گرفتگی اور پریشانی لاحق ہونے لگی..... اور وہ بے چین ہو کر کھانے کے کمرے میں چلا آیا جہاں لاتعداد مسافر رات کا کھانا کھا رہے تھے۔

کھانے کے بعد اس نے کپڑے بدلے اور بستر پر دراز ہو گیا..... تھکن کی وجہ سے اسے بہت نیند آ رہی تھی لیکن لیٹنے کے بعد جیسے نیند کوسوں دور ہو گئی اور وہ بڑی دیر تک کروٹیں بدلتا رہا..... حد یہ کہ اس نے اکتا کر کمرے کی تمام کھڑکیاں کھول دیں ہوا میں وہ شام کی سی فرحت بخش تازگی نہ تھی اور نہ باغ کے سبزہ میں حیات آفریں کشش..... پورے ماحول پر ایک عجیب قسم کی افسردگی چھائی ہوئی تھی آسمان پر جگمگاتے ہوئے تاروں کا رنگ بھی مدھم پڑ گیا تھا..... ہوا میں تمازت تھی اور فضا میں انتہا درجہ کی اداسی.....

مختار کافی دیر تک کھڑکی میں کھڑا ماحول کی اس اداسی کا مقابلہ کرتا رہا اور نظروں ہی نظروں میں انتانیہ کو تلاش کرتا رہا..... اس کو حیرت تھی کہ مصر کی سرزمین پر قدیم رکھنے کے بعد سے اب تک شہزادی نے حسب معمول اپنی جھلک کیوں نہیں دکھائی..... وہ ابھی انہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک اس نے دیکھا کہ ہالکونی میں ایک روشنی ابھر رہی ہے..... ایک عجیب طرح کی دھندلی روشنی جو نہ تو چاندنی سے مشابہ ہے اور نہ ہی صبح کاذب کے نور سے ملتی جلتی ہے..... بس روشنی..... ایک ایسی روشنی جو تاریکی کو دور کر رہی ہو.....

مختار کی نظریں اس پراسرار روشنی پر جم کر رہ گئیں..... کیونکہ انتانیہ..... اس کی خوابوں کی شہزادی اس روشنی میں موجود تھی اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی..... یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے انتانیہ کو اتنے قریب سے دیکھا اور خوف سے لرزے بغیر دیکھا..... کیونکہ ذہنی طور پر وہ خود انتانیہ کو دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ لیکن یہ منظر زیادہ دیر تک قائم نہ رہا روشنی کا یہ سایہ دھیرے دھیرے تاریکی میں ضم ہو گیا اور انتانیہ غائب ہو گئی۔

تمام رات مختار کو نیند نہ آئی کیونکہ جب اس کی آنکھ لگتی کوئی چٹکی لے کر اسے جگا دیتا..... اور مختار یہ کہہ کر اپنے دل کو تسکین دے لیتا کہ سب گرم ہوا کے اثرات کا نتیجہ ہے جس نے اس کے اعصاب میں برہمی پیدا کر دی ہے..... لیکن کاش مختار کو معلوم ہوتا کہ انتانیہ تمام رات اس کے کمرے میں موجود رہی اور اپنی لافانی نیلی آنکھوں سے اسی محبوب کو دیکھتی رہی.....

اپنے محبوب "احمس" کو..... جو اس کی خواب گاہ کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

موسم گرما کے خواب سے بیدار ہو کر نیر آباد (لکسر) نے ایک خمار آلود انگڑائی لی اور اس کے بیدار ہوتے ہی قصبہ کی پوری آبادی بیدار ہو گئی مختار بھی اٹھا اور حوائج ضروری سے فارغ ہونے کے بعد اس نے فیصلہ کیا

کہ وہ سب سے پہلے اپنے مصری رہبر حسن اصغر سے ملے گا نہ معلوم کیا بات تھی کہ صبح سے ہی وہ حسن اصغر کے بارے میں بالکل غیر ارادی طور پر سوچ رہا تھا..... اور ارادہ کر رہا تھا کہ وہ اس مصری نوجوان سے نہ صرف دوستی کرے گا بلکہ اپنے قیام کا زیادہ تر حصہ اسی کے ساتھ بسر کرے گا..... ایک لمحہ کے لئے اس کی نگاہوں کے سامنے حسن اصغر کی پراسرار شخصیت ایک مجسمہ کی طرح ابھری..... نازک خدوخال ملیح نظریں میٹھی آواز، آہستہ گوئی..... متین اور پراسرار چہرہ..... اور وہ آنکھیں جن سے ہر وقت ناقابل تسخیر قوت ارادی ابلتی رہتی تھی.....

چنانچہ ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی اس نے حسن اصغر کو بلوا بھیجا اور پھر اس سے پروگرام بنا کر لکسر کی سیر کرنے نکل گیا تمام دن وہ ساتھ گھومتے رہے باتیں کرتے رہے..... مسکراتے رہے..... اور جب شام ہوئی تو ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنوں نے ان دونوں کی محبت اور باہمی خلوص کو دیکھ کر یہ فیصلہ صادر کیا کہ یہ دونوں آج سے نہیں ہزاروں برس سے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

شام کے قریب وہ "قرناق" کے کھنڈرات دیکھنے گئے..... کافی گرمی تھی نیلا آسمان بہت خوب صورت دکھائی دے رہا تھا..... ناریل کے جھومتے ہوئے درخت پہرے داروں کی طرح چہل قدمی کرتے دکھائی دے رہے تھے، کھنڈرات سے پہلے آبادی کے مکانات چاندنی میں بالکل سفید دکھائی دے رہے تھے اور دور بہت دور سے شہنائی کی میٹھی آواز نیل کی لہروں کی طرح اونچی نیچی ہوتی طلسم زار معلوم ہوتی تھی.....

وہ جلد از جلد قدم بڑھا کر "قرناق" کے کھنڈروں میں پہنچ جانا چاہتا تھا کہ حسن اصغر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا..... "ایسی بھی کیا جلدی ہے..... ہم بہرحال قرناق ہی جا رہے ہیں..... اور اس لئے جا رہے ہیں کہ چاندنی رات میں وہاں کے پرسکون سناٹے کا لطف اٹھا سکیں....."

"میں کب جلدی کر رہا ہوں....." مختار نے مسکرا کر تردید کی۔

"نہیں مختار..... شاید تم ہمیشہ کے جلد باز ہو....." حسن اصغر نے پراسرار آواز میں کہا..... "جلد بازی کی کیا ضرورت ہے؟ ہم سب ایک ہی راستہ پر گامزن ہیں تو پھر ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کیوں کریں جبکہ ہر وہ چیز جو زندگی ہمیں دے سکتی ہے ہمارے پاس موجود ہے..... شام ابھی ختم ہو جائے گی اور رات آ جائے گی یقیناً گزری ہوئی ہر رات کی طرح یہ رات بھی ہماری ہی ہے اور ہمیں اس سے ہر ممکن لطف حاصل کرنا چاہئے کیونکہ جانے کے بعد یہ رات زندگی میں پھر کبھی واپس نہ آئے گی۔"

"تمہاری گفتگو میں عربی فلسفہ جھلک رہا ہے۔" مختار نے کہا۔

"نہیں..... قدیم مصری فلسفہ..... جو زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتا تھا۔" حسن اصغر نے ہلکی آواز میں جواب دیا اور اپنے قدم آہستہ کر دیئے۔

لب آبادی آ گئی..... بازار سے گزرتے وقت مختار نے محسوس کیا کہ آبادی میں حسن اصغر کو آتے دیکھ کر بیٹھے ہوئے لوگ ادب سے کھڑے ہو گئے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک کہ وہ ان کے قریب سے گزر نہ گیا..... دونوں انتہائی سکون سے چلتے رہے حتیٰ کہ "قرناق" کے کھنڈرات کو جانے والی قدیم سڑک پر پہنچ گئے.....

"یہ وہی سڑک ہے جو فرعون سیتی اول کی تعمیر کردہ ہیکل تک جاتی تھی..... قدیم زمانے میں اس سڑک پر اس سرے سے آخری سرے تک بت نصب تھے جن کا چہرہ نسوانی اور باقی حصہ شیر کا تھا....." حسن اصغر نے کہا۔

"تو گویا اس سڑک پر انتانیہ بھی گزری ہوگی....." مختار نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ہاں..... انتانیہ بھی..... اس کا محبوب "احمس" بھی احمس کا قریبی دوست گیتاری بھی اور انتانیہ کا منگیتر "اسپاتا" بھی، کون ہے جو اس سڑک سے نہیں گزرا..... اور سچ پوچھو مختار..... تو اس سڑک کے ذرہ ذرہ میں قدیم تاریخ بکھری ہوئی ہے..... حسن اصغر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا.....

"تو کیا....." احمس کا کوئی دوست گیتاری بھی

تھا؟"

"ہاں..... قدیم مصر کی تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے....."

جلد ہی وہ دونوں ہیکل کے کھنڈر کے نزدیک پہنچ گئے جہاں ہر طرف ایک پرہول خاموشی طاری تھی اس ہولناک خاموشی کے پیش نظر مختار نے مڑ کر حسن اصغر کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ چاند کی روپہلی روشنی میں اس کا چہرہ انتہائی پرنور ہوگیا ہے..... اس چاندنی میں اسے حسن اصغر کا وجود ایک مرمریں مجسمہ کی طرح نصب نظر آیا اور ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے دوست کی آنکھوں سے روشنی کی ایک کرن سی پھوٹ رہی ہے.....

"حسن اصغر..... مختار نے گھبرا کر کہا۔

"میں موجود ہوں....." حسن اصغر کے جواب نے اس کو مطمئن کردیا۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے وہ کھنڈروں میں داخل ہوئے..... جہاں ٹوٹے پھوٹے ستوں کی ایک لمبی قطار موجود تھی..... کسی بت کی آنکھوں سے نفرت جھلک رہی تھی اور کسی بت کی نگاہوں سے قہر....." یہ بت ہیکل کے پہرے دار سمجھے جاتے تھے ....." حسن اصغر نے کہا کہ اتنے میں کئی چمگادڑیں پروں کو پھڑپھڑاتی ہوئی ان کے سروں پر سے گزر گئیں۔

دونوں آگے بڑھتے رہے، مختار سنبھل کر قدم رکھتا تھا لیکن حسن اصغر اس طلسمی تاریکی میں اس لاپرواہی سے چل رہا تھا جیسے مختار نئی دہلی کی سڑکوں سے گزرا کرتا تھا..... چلتے چلتے دونوں ہیکل کے اس بڑے ہال میں پہنچ گئے جو مصری یادگاروں میں ایک پرجلال یادگار سمجھا جاتا تھا..... حسن اصغر اس جگہ کے گوشے گوشے سے واقف معلوم ہوتا تھا چنانچہ وہ ایک دیوار کے قریب پہنچا اور اپنی آبنوسی چھڑی دیوار پر لگا کر بولا..... "یہ تحریر اس عمارت کی تاریخ ہے..... اگر تم کہو تو میں اس کا ترجمہ سنادوں۔"

"ہاں لیکن کیا تم قدیم مصری زبان سے واقف ہو؟" مختار کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم ترجمہ سنو..... حسن اصغر نے کہا....." اس میں لکھا ہے..... بطور ایک خدا کے ایک معمار کی طرح۔"

میں سیٹی..... مصر کا فرعون.....

جو کچھ ایمن کے لئے کرسکتا تھا کرچکا ہوں۔

میں نے ہیکل میں ایسے چوکور ستون نصب کرادیئے ہیں جن کی اونچائی آسمان سے باتیں کرتی ہے جو میرالافانی گھر ہے۔

میں نے ایسی برجیاں بنوائی ہیں جن سے شہر تھیز دکھائی دیتا ہو۔

ایسے پھاٹک بنوادیئے ہیں جو کبھی گر نہیں سکتے۔

ایسے باغ لگوادیئے ہیں جن پر خزاں اثر نہیں کرسکتی۔

ایسے مرمریں حوض بنوادیئے ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوسکتے۔

میں سیٹی..... مصر کا فرعون اپنے لڑکے رامیس کو حکم دیتا ہے کہ وہ بھی فرعون بننے کے بعد ایمن دیوتا کی اسی طرح خدمت کرے۔"

ترجمہ کرنے کے بعد حسن اصغر ایک منٹ کے لئے خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر کہا..... "مختار ..... یہی وہ عبادت گاہ ہے جہاں کاہن اعظم کے سامنے سجدہ کرکے شہزادی انتانیہ نے زندہ ممی بنانے کے لئے اپنے جسم کی پیشکش کی..... یہی وہ ہال ہے جس کے وسط میں کھڑے ہوکر انتانیہ نے چیخ چیخ کر اپنے محبوب آمس کی موت پر آہ وبکار کی اور آنسو بہائے، یہی وہ جگہ ہے جہاں اس کی "ممیانا" کی منگنی کا اعلان کیا گیا اور یہی وہ جگہ ہے جس کے ایک بلند مینار پر کھڑے ہوکر آمس کا دوست "گیتاری" شہزادی انتانیہ کے زندہ جسم کے مقبرہ کی تعمیر دیکھتا رہا..... مختار میں سچ کہتا ہوں یہ جگہ بہت اہم ہے..... اتنی اہم کہ شہزادی انتانیہ کی روح ہر روز یہاں ضرور آئی ہوگی۔"

"لیکن کیوں؟....." مختار نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس لئے کہ اسی ہال کی پشت پر باغ کے ایک گوشے میں آمس اور انتانیہ نے جوانی اور محبت کے نشے میں چور ہوکر ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے کی قسم کھائی

تھی...... یہی وہ جگہ ہے جہاں جنگ میں ہلاک ہوجانے والے ''جمس'' کی لاش دیوتا کے آخری دیدار کے لئے لائی گئی تھی اور انسانیہ نے نم آنکھوں کے ساتھ اپنے محبوب کے مردہ لبوں کا پیار کیا تھا پھر میں کیسے یقین کروں کہ انسانیہ کی مضطرب روح یہاں نہ آتی ہوگی۔"

لیکن مختار نے حسن اصغر کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا...... وہ جیسے ماضی کی گمشدہ تاریخ میں کھو کر رہ گیا...... اور جب وہ ہیکل کے کھنڈرات کی سیر کر کے واپس ہوا تو جیسے مصر کا جادو اس کی رگ رگ میں سرائیت کر چکا تھا جیسے اس کا دل کہہ رہا تھا وہ مصر کا تھا مصر کا ہے اور مصر کا رہے گا......

ہوٹل آتے ہی اس نے اپنے والد حسام الدین سے پوچھا۔ "بابا ہم شہزادی کے مقبرہ کی کھدائی کے لئے کب یہاں سے روانہ ہوں گے؟......"

"کل صبح......" حسام الدین نے جواب دیا لیکن والد کو حیرت تھی کہ آج ان کے بیٹے کی آواز کیوں بدلی ہوئی ہے......

رات گئے تک حسن اصغر مختار کو قدیم مصر کی تاریخ بتاتا رہا...... اس نے کہا۔ "ہم اس وقت دنیا کے قدیم ترین علاقہ میں موجود ہیں جہاں کی تہذیب، تمدن اور سائنس اتنی ترقی کر چکی تھی کہ جب موجودہ دنیا پر اس کے راز منکشف ہوں گے تو آج کی دنیا انگشت بدنداں رہ جائے گی......"

تقریباً گیارہ بجے رات کو حسن اصغر اپنے کمرے میں چلا گیا......

صبح ہوئی تو حسام الدین روانگی کے لئے بالکل تیار تھے سب موجود تھے لیکن مختار اب تک اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا...... عاجز ہوکر حسام الدین نے مختار کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا اور جب کوئی آواز نہ آئی تو دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے ...... مختار وہاں نہیں تھا...... کمرہ بالکل خالی تھا۔

لمحہ بھر کے اندر پورے ہوٹل میں مختار کی ناکام تلاش کے بعد کھلبلی مچ گئی ہر شخص پریشان تھا...... لیکن حسن اصغر کے سکون میں کوئی کمی نہیں پائی جاتی تھی، ایک گھنٹے تک وہ ایک کھمبے سے لگا کچھ سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے حسام الدین اور طہرانی کو بلا کر کہا...... "میں جانتا ہوں مختار اس وقت کہاں سو رہا ہوگا۔"

"کہاں......؟" دونوں نے گھبرا کر کہا۔

"قرناق کے قدیم کھنڈرات میں ہیکل کے ہال کے پیچھے ایک ایسے گوشے میں جہاں سیٹی اول نے ایک باغ بنوایا تھا......"

اور واقعی جب کئی لوگ حسن اصغر کے ساتھ ہیکل کے پیچھے زمانہ ماضی کے باغ کے اس گوشے میں پہنچے مختار ایک بڑے پتھر پر بے خبر سو رہا تھا...... قدموں کی چاپ سنتے ہی مختار آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھا اس کے چہرے پر ناقابل بیان تازگی اور فرحت تھی...... اپنے چاروں طرف کئی افراد کو موجود پا کر اس نے کہا...... "رات گئے میری طبیعت گھبرائی اور میں آپ میں سے کسی کو کچھ بتائے بغیر یہاں چلا آیا...... بابا...... میں سچ کہتا ہوں ایک فرحت انگیز رات میری زندگی میں کبھی نہیں آئی ایسے سہانے خواب میں نے کبھی نہیں دیکھے...... ایسی میٹھی نیند میں کبھی نہیں سویا...... بس یوں سمجھ لیجئے کہ مصر کے آتے ہی ہوا اس نے مجھے لوریاں دے دے کر یہاں سلا دیا......"

مختار کی گفتگو نے ہر شخص کو متاثر کیا...... اور ہر شخص پریشان ہوگیا سب سوچنے لگے...... "انسانیہ...... بیدار ہونے سے قبل ہی مختار کو کہیں پاگل نہ بنا دے؟" لیکن طہرانی کچھ اور سوچ رہا تھا...... اور حسن اصغر وہ بالکل خالی الذہن ہو کر صرف اس نیلے گلاب کے پھول کو دیکھ رہا تھا جو مختار کے سرہانے پتھر پر رکھا ہوا تھا اور جس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی......

☆......☆......☆

سخت الجھنوں کے ساتھ قافلہ کے تمام افراد کھدائی کرنے والے مزدوروں کے ساتھ لکسر سے روانہ ہوگیا...... انہیں 22 میل چلنا تھا۔

راستہ میں حسن اصغر اور مختار میں کافی باتیں ہوئیں اور جب حسن اصغر نے انتہائی پراسرار انداز میں مختار سے دریافت کیا کہ اس نے قرناق کے کھنڈروں میں سونے کے بعد کیا خواب دیکھے تو مختار مسکرا دیا...... "مت پوچھو

وقت ...... یہ رات کتنی خوب صورت تھی، ہوٹل کے کمرے میں سونے کی نیت سے لیٹنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا کمرہ کسی خوشبو سے معطر ہوگیا ہے...... بس یہی خوشبو تھی جس نے مجھ پر ایک وارفتگی سی طاری کردی...... کچھ دیر تک میں نشے کے عالم میں ٹہلتا رہا اور اس کے بعد مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اس وقت قرناق کے کھنڈروں میں تنہا تفریح کروں...... بس...... حسن اصغر تم یوں سمجھ لو کہ ایک غیر محسوس ہونے والی قوت تھی جو مجھے قرناق کے ہیکل کی طرف گھسیٹ لے گئی اور وہاں جاتے ہی میں ایک پتھر پر سو گیا......

''پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک قسم کے دیوان خانے میں کھڑا ہوا ہوں جو خیموں کے قیمتی پردوں سے بنایا گیا ہے...... پرانے وضع کا ایک چراغ شمع دان میں جل رہا تھا اور ریشمی زمین پر صرف ایک قیمتی قالین بچھا ہوا تھا ...... دیوان خانے کے بعد ایک خیمہ نما پردہ تھا میں کسی کی اجازت لئے بغیر اس خیمہ کا پردہ اٹھا کر اس میں داخل ہوگیا...... اس خیمہ میں مینا کاری کئے پردے لٹکے ہوئے تھے ...... سونے کا بنا ہوا ایک شمع دان سے روشنی پھوٹ رہی تھی ...... ایک جڑاؤ مسند تھی اور اس مسند پر اپنے مرمریں بازو کو عریاں کئے ہوئے شہزادی اناتانیہ لیٹی ہوئی تھی۔

شہزادی کے جسم پر تقریباً ویسا ہی لباس تھا جس میں میں اسے کئی بار دیکھ چکا تھا اس کے خوب صورت ہاتھ شانوں تک کھلے ہوئے تھے...... گلے میں سونے کا ایک جڑاؤ سانپ تھا اور بالوں میں نیلے رنگ کا ایک پھول لگا ہوا تھا...... میرے آتے ہی اس نے اپنی بڑی بڑی بیضوی آنکھوں کو کھولا...... وہ آنکھیں جن پر اوپر اور نیچے نازک پلکوں کا جھالر لگا ہوا تھا...... بالکل ویسی ہی نیلی آنکھیں جو میرے والد کی لائبریری کی تصویر سے مجھے دیکھا کرتی تھیں...... وہ آنکھیں جو تغلق آباد میں مجھے دیکھ کر مسکرا دی تھیں......

میں اناتانیہ کو بالکل قریب سے دیکھ رہا تھا...... اس کا سفید رنگ نیلی اور نازک گردن سنہرے بال...... باریک ہونٹ ...... اور ایسی جادو بھری آنکھیں...... کہ میری قوت گویائی سلب ہوکر رہ گئی میں بولنا چاہتا تھا لیکن بول نہ سکا۔

حسن اصغر...... میں بیان ہی نہیں کرسکتا کہ وہ کتنی حسین تھی، اپنے جسم کو حرکت دیئے بغیر میں خاموش و ساکت چند منٹ تک اسے غور سے دیکھتا رہا...... کہ ایک خفیف سے تبسم کے ساتھ اس کے لب وا ہوئے موتیوں کے سے چمکدار دانتوں کی جھلک دکھائی دی...... اور پھر اس نے اپنا سر اونچا کرکے میری طرف غور سے دیکھا...... میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کہہ رہی ہے لیکن میں اس کی زبان نہ سمجھ سکا...... چنانچہ جب میں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تو اس نے اپنا ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا...... اب مجھ پر ایک دیوانگی سی طاری ہوگئی...... میں بالکل سحر زدہ ہوکر اس کے قریب پہنچ گیا......

شہزادی اناتانیہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنا نرم و نازک ہاتھ میرے سینے پر رکھ کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں......''

اور پھر اچانک میری آنکھ کھل گئی...... میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا...... اور حقیقت یہ ہے کہ ماحول اتنا ڈراؤنا اور ہیبت ناک تھا کہ مجھے ڈر کر بے ہوش ہوجانا چاہئے تھا لیکن میں اس خواب کی لذت میں ماحول سے بے نیاز ہوکر ایک مرتبہ پھر سو گیا......

اب میں نے دیکھا کہ میں دوبارہ اسی خیمے میں ہوں...... اور شہزادی اناتانیہ غصہ کے عالم میں ٹہل رہی ہے...... شہزادی کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے...... وہ بار بار اپنے سینے پر ہاتھ مارتی تھی...... اسی سینے پر جس میں ماضی بعید کے بے پناہ راز دفن تھے...... اس پریشانی میں بھی وہ دنیا کا حسین ترین مجسمہ معلوم ہوتی تھی...... اچانک اس نے اپنا چہرہ اپنے چاندنی جیسے لطیف اور نرم و گداز بازوؤں میں چھپا لیا...... اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی حور کے چہرے کو نور کی لہروں نے متاثر کرلیا۔

شہزادی اناتانیہ رو رہی تھی۔

وہ روتی رہی اور میں اسے دیکھتا رہا...... وہ بار بار خیمہ کا پردہ اٹھا کر باہر کی جانب خون خوار نظروں سے دیکھتی تھی لیکن جب میری طرف دیکھتی تو اس کی نظروں میں

غصہ اور نفرت کا شائبہ تک نہ ہوتا..... یقین جانو حسن اصغر اس وقت بھی اس کا چہرہ دیکھ کر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سارے جہان کا حسن سمیٹ کر اس میں سمو دیا گیا ہو.....

وہ بے چینی کے ساتھ خیمہ میں ٹہل رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ وہی شہزادی ہے جس نے آج سے ہزاروں برس قبل سورج کو نکلتے اور غروب ہوتے دیکھا تھا..... اور پھر اچانک اس نے کہا..... "احمس..... میرے محبوب تمہیں معلوم ہوا کہ فرعون میری شادی اپنے ایک رشتہ دار اسپاتا سے کرانا چاہتا ہے..... لیکن ایسا نہیں ہو سکتا رب دماع کی قسم ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے....."

اور حسن اصغر..... اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی..... کھنڈر بدستور خاموش تھے، ماحول میں جنگلی پھولوں کی مہک بدستور باقی تھی..... ہر طرف سناٹا تھا، دور بہت سے رات کے پرندوں کے چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں..... اور میں سوچ رہا تھا کہ انانیہ نے مجھے احمس کہہ کر کیوں مخاطب کیا؟"

"اس لئے کہ تم واقعی احمس ہو....." حسن اصغر نے کہا۔ "واقعات کا تسلسل بتا رہا ہے کہ انانیہ کی بے چین اور مجبور روح نے دنیا کے کروڑوں انسانوں میں سے صرف تمہیں اپنے دیدار کے لئے اس لئے منتخب کیا کہ تمہاری شکل وصورت احمس سے جو قرناق کے کسی گوشے میں ابدی نیند سو رہا ہوگا بالکل مشابہ ہے اور کیا عجب ہے کہ جسم کے علاوہ تمہاری روح بھی وہی ہو جو احمس کے بدن میں مقید تھی....."

"مجھے ساری بات بتاؤ حسن اصغر..... تم ادھوری باتیں کہہ کر میری الجھنیں بڑھا رہے ہو....." مختار نے اضطرابی لہجے میں کہا۔

"میں نے تمہارے آج کے حادثے کے بعد خود فیصلہ کیا تھا کہ میں تمہیں ساری کہانی سنا دوں..... جو ایک عرصہ سے میرے سینے میں گھٹ رہی ہے اور غالباً جس کے بیان اور جس کے خاتمہ کے لئے میں اب تک زندہ ہوں۔" حسن اصغر نے اپنے پراسرار لہجہ میں کہا..... سنو.....

میں تمہیں جو کچھ بتانے جا رہا ہوں وہ تہذیب سے پہلے کی بات ہے، یہ میری کسی عظیم تحقیق یا کسی شاندار دریافت کا نتیجہ نہیں..... لیکن اس میں گزرے ہوئے گمشدہ ماضی اور اپنے دامن میں ہزاروں الجھنیں لئے ہوئے حال کی تفصیل ضرور ہے کیونکہ ہم دراصل اس مہذب ماضی کے وارث ہیں جس کی تخلیق میں مصر کا بہت بڑا حصہ ہے ان مصریوں کا جنہوں نے سب سے پہلے روح کے غیر قانونی ہونے کا عقیدہ پیش کیا.....

آج کے ایٹمی دور کا مورخ قدیم مصر کی تاریخ کو وحشت اور بربریت کی داستان سے تعبیر کرتا رہتا ہے لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ وحشت اور بربریت کے اس عظیم الشان اور لافانی دور کا یہ مصری انسان بہت سی خوبیوں کا بھی مالک تھا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ موجودہ تہذیب کا اولین معمار بھی وہی تھا..... کیونکہ اگر آج کا مہذب اور تعلیم یافتہ انسان کسی دانش گاہ یا ایٹمی تحقیق گاہ کے بلند مینار پر کھڑا ہو کر پیچھے کی طرف دیکھے تو وہ مصر کے نہیں وحشی اور بربر انسانوں کو موجود علوم وفنون کی داغ بیل ڈالتے دیکھے گا۔

مختار میرے دوست..... میری اس غیر دلچسپ گفتگو سے اکتانا نہیں، کیونکہ دراصل تمہاری ہی کہانی بیان کرنے جا رہا ہوں..... ایک ایسی کہانی جس کا آغاز ہزاروں برس قبل ہو چکا ہے لیکن انجام کا کسی کو علم نہیں..... میں تمہیں یہ کہانی نہیں ایک پوری تاریخ سنا رہا ہوں.....

دور بربریت کا ایک قافلہ نیل کے سرسبز وشاداب کناروں پر رکا اور اچھی آب وہوا و نیز پانی کی فراوانی نے اس قافلے سے آگے بڑھنے کا ارادہ چھین لیا دھیرے دھیرے اہلکاروں کی تعداد بڑھنے لگی بستیاں آباد ہونے لگیں آس پاس کے بدو قبیلوں سے تجارت ہونے لگی..... اور نیل کا کنارہ انسانی تہذیب کا پہلا گہوارہ بن گیا چند صدیوں کے بعد نیل دو حصوں میں تقسیم ہو گیا..... ایک زیریں نیل اور دوسرا بالائی نیل..... دونوں علاقوں کے لوگ نیل کے پرسکون پانی کے تھے لیکن صدیوں کی علیحدگی نے ان میں اختلاف پیدا کر دیا فرزندان نیل کی یہ دو جماعتیں آپس میں لڑنے لگیں یہاں تک کہ بالائی مصر کے ایک

طرح ان نے دونوں مصریوں کو متحد کردیا..... اس حکمران کا نام "مینس" تھا..... مینس نے "منیس" شہر کی بنیاد ڈالی اور مصریوں کے لئے کچھ مذہبی رسوم بنائیں، اسی مینس کی اولاد نے جس کا نام "خوفو" تھا وہ اہرام بنایا جو آج مصر کا سب سے عظیم الشان اہرام سمجھا جاتا ہے.....

بالائی مصر کا خاندان پورے مصر پر طاقت اور جبر کے ساتھ حکومت کررہا تھا کہ زیریں مصر کے عوام نے بغاوت کردی..... زیریں مصر آزاد ہوگیا اور "توس مس اول" نام کے ایک سردار کی حکومت قائم ہوگئی.....

اسی "چتوس مینس اول" کا ایک جانشین سیٹی اول تھا مصر کے اس فرعون کو عمارتیں بنوانے اور نئی نئی ایجادوں کا بہت شوق تھا..... چنانچہ اس نے ایک زندہ انسان کی ممی بنانے کا فیصلہ کیا اور مصر کے قدیم تاریخ میں پہلی دفعہ انسانیہ داخل ہوگئی..... سیٹی اول کا مقبرہ "تھیبز" کے کھنڈروں میں مل چکا ہے اور اس کی ممی قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

"سیٹی اول" نے انتہائی طاقت حاصل کرنے کے بعد خود کو فرعون کی اور اپنی حکمت عملی سے مصری تہذیب میں ایک مرکزی حیثیت حاصل کرلی، مصر کے خوشحال و عرض میں فرعون کو سورج کا بیٹا سمجھا جانے لگا وہ دیوتا ہوگیا اور دوسرے دیوتاؤں کی طرح اس کی پرستش کے لئے بھی الگ مندر بنائے گئے، فرعون کی اطاعت ہر مصری پر فرض ہوگئی مندروں کی حفاظت اور قربانی کے لئے کاہن مقرر کئے گئے سورج کو سب سے بڑا دیوتا مان لیا گیا..... اور فرعون کی پرستش لازم قرار دے دی گئی.....

اہرام بننے لگے.....

اہرام کی تعمیر کا سبب صرف خوف تھا، مصر کے فرعون فنا ہوجانے سے بہت ڈرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ انسان مرنے کے بعد بھی اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک اس کا جسم باقی رہتا ہے لیکن انسانی جسم کے فنا ہوتے ہی روح بھی ہمیشہ کے لئے فنا ہوجاتی ہے مصر کے فرعون لافانی بننا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے مرنے کے بعد بھی اپنے جسم کی حفاظت کی..... اور وہ ایک بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوگئے..... لیکن فرعون مصر سیٹی اول سے آگے بھی کچھ سوچ رہا تھا.....

وہ سوچ رہا تھا جب روح فنا نہیں ہوتی جب جسم محفوظ رکھا جاسکتا ہے تو پھر آئندہ زندگی کا انتظار کیوں.....؟ ہم کیوں نہ موت پر قابو پالیں، روح کو جسم کا تابعدار بنالیں تاکہ روح جسم سے نکلنے نہ پائے اور اگر اپنی انتہائی طاقت کے بل پر جسم چھوڑ بھی دے تو اس کے لئے مجبور ہوجائے کہ وہ دوبارہ جسم میں واپس آئے..... اس نے سوچا..... ایک ایسا تجربہ کیوں نہ کیا جائے.....!!!

کسی انسان کو سلا کر اسے زندہ ممی کیوں نہ بنائی جائے جسم کی بھی ممی کیوں نہ بنائی جائے جسم کی بھی اور روح کی بھی ممی..... اور اس طرح روح کو ایک مخصوص مدت تک کے لئے قید کرلیا جائے..... اس نے اپنے اس فلسفہ پر اپنے حکیموں اور کاہنوں سے مشورہ کیا اور اس کے مشیر اس تجربہ کے لئے تیار ہوگئے روح جسم اور مسئلہ تناسخ پر بڑی زبردست بحثیں ہوئیں، مسئلہ کے ہر پہلو پر پوری سنجیدگی سے غور کیا گیا..... اور مصر کے ہر بڑے حکیم سے اس کی رائے مانگی گئی..... تمام حکماء نے سیٹی اول کی تجویز سے اتفاق کیا سوائے ایک کے..... جس کا نام قفیظان تھا..... اس حکیم نے سیٹی اول سے کہا..... "کسی جسم کے غیر متناہی ہونے کا خیال ہی بالکل خلاف عقل اور ناقابل یقین ہے..... بلکہ درحقیقت اس خیال کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے کیونکہ جسم جن اشیاء کا مرکب ہے وہ بہرحال فانی ہیں..... اب رہی روح..... اور اس کا جسم میں ہمیشہ رہنا..... تو انسانی جسم میں ایسی صفت ہے ہی نہیں کہ روح کو ہمیشہ کے لئے جسم میں باقی رکھا جائے۔

اس حکیم نے فرعون سے کہا..... "اگر تجربہ ہی کرنا ہے تو ایسا جسم تلاش کیا جائے جو تمام مادی صفتوں سے بالکل پاک ہو جو نہ خود مادہ ہو نہ مادہ میں ہو..... نہ اس پر موقوف ہوا اور نہ اس سے کوئی لگاؤ ہو..... لیکن اے فرعون..... اے سورج کے بیٹے..... ایسا کوئی جسم آج تک تخلیق ہی نہیں کیا گیا..... اس لئے میرا مشورہ ہے کہ ایسا کوئی تجربہ نہ کیا جائے اس لئے کہ بلاوجہ..... اس طرح

ایک انسان کی جان کا نقصان ہوگا....."

لیکن فرعون سیٹی اول اپنی ضد پر قائم رہا..... اور ایک ایسے زندہ انسان کی تلاش ہونے لگی جو اپنا زندہ جسم ممی بنانے کے لئے پیش کرے۔

یہی وہ زمانہ تھا جب شہزادی انتانیہ اپنے محبوب "احمس" کی جدائی پر رو رہی تھی اور اسپاتا کے ساتھ اس کی منگنی کا اعلان کر دیا گیا، انتانیہ ہر روز شام کے بعد قرناق کے باغ میں آتی اور گلاب کے اس کنج میں بیٹھ کر جہاں وہ احمس کے ساتھ مل کر محبت کے گیت گایا کرتی تھی آنسو بہاتی اور جب رات کی سیاہی پوری طرح پھیل جاتی تو اپنی نم آلود آنکھوں کے ساتھ واپس چلی جاتی.....

مختار..... میں تم سے کیا بیان کروں کہ اس زمانے میں انتانیہ کتنی پریشان تھی..... اس کی گلابی باہیں سفید ہوگئی تھیں، صحت مند گداز جسم گھل کر رہ گیا تھا حسین آنکھیں کسی تالاب کی طرح سوکھ کر رہ گئی تھیں دمکتا ہوا چہرہ مرجھا کر رہ گیا تھا..... اور وہ حزن و ملال اور افسردگی کے ایک زندہ مجسمے میں بدل کر رہ گئی تھی.....

انتانیہ..... مجبور اور نامراد انتانیہ..... ہر رات خواب دیکھتی کہ نیل کے سرسبز کنارے پر وہ احمس کے ساتھ ٹہل رہی ہے اور احمس نے اس کے جلتے ہوئے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ کر کہا..... "اے میرے دل کے ہر گوشے پر حکومت کرنے والی ملکہ..... ان مست و مدہوش ہواؤں کی قسم آسمان پر چمکنے والے چاند اور تاروں کی قسم..... میں تمہیں اپنا بنا کر رہوں گا خواہ اس کے لئے مجھے ہزاروں برس کیوں نہ انتظار کرنا پڑے....."

اور پھر جیسے فضا میں ایک نیا نغمہ بکھر جاتا..... نیل کی لہریں ان دونوں کی پاکیزہ محبت کا یہ منظر دیکھ کر ایک نیا گیت شروع کر دیتیں اور احمس کہتا..... انتانیہ..... تمہارے بغیر میری زندگی میں کبھی صبح آئے گی ہی نہیں اور میں ہمیشہ روشنی کی تلاش میں بھٹکتا رہوں گا..... سچ کہتا ہوں تمہاری آنکھوں میں شراب ہے، آواز میں موسیقی ہے..... تم عورت نہیں کلیوں کا تبسم اور پھولوں کی خوشبو ہو، تم میری زندگی کی آخری بہار ہو..... تم میرا سب سے حسین تخیل ہو اور فطرت کا سب سے خوب صورت تحفہ ہو..... جو میرے لئے اور صرف میرے لئے تخلیق کیا گیا ہے.....

اور یہ سن کر انتانیہ کہتی..... "احمس..... اپنی پیار محبت کو سیراب کرنے کے لئے میں بھی اپنی زندگی کے آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گی....."

انتانیہ..... کی ہر رات انہی محبت بھرے خوابوں میں کٹ جاتی اور دن..... احمس کے انتظار میں کہ وہ جنگ سے واپس نہیں آیا..... لیکن ایک دن بالکل اچانک انتانیہ کے تمام خواب منتشر ہو کر رہ گئے، خبر آ گئی کہ احمس جنگ میں مارا گیا..... خبر سنتے ہی انتانیہ سینہ پکڑ کر بیٹھ گئی اور اسپاتا کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی.....

اسپاتا یعنی اس کے منگیتر کو اب بالکل یقین ہو گیا کہ انتانیہ کی شادی اب اس سے ہو جائے گی..... لیکن انتانیہ کچھ اور فیصلہ کر چکی تھی..... اس نے اپنے محبوب کے دوست گیتاری سے مشورہ کیا اور..... پھر ایک رات خود فرعون سیٹی اول کے دربار میں حاضر ہو کر زندہ ممی کے لئے اپنا جسم پیش کر دیا.....

اور اس طرح میرے عزیز دوست مختار..... انتانیہ کی کہانی شروع ہو گئی وہ کہانی جس کا انجام ابھی باقی ہے.....؟

حسن اصغر اس کے بعد خاموش ہو گیا..... اور مختار نے اس کہانی پر اپنا ردعمل نہیں ظاہر کیا..... وہ صرف سوچ رہا..... آگے بڑھتا رہا..... ماضی کے تاریک پردوں کو چیر رہا اور پھر جیسے اس کے دل کے کسی گوشے سے آواز آئی..... "میں احمس ہوں..... انتانیہ کا محبوب..... جس کی جدائی میں اس نے زندہ ممی بننے کے لئے خود کو پیش کر دیا تھا....."

مختار انتہائی کشمکش و پیچ میں مبتلا رہا چنانچہ تمام راستے وہ کچھ نہ بولا.....

"حیرت ناک....." حسام الدین کے منہ سے بے تحاشہ نکل گیا۔

"یہی نہیں..... بلکہ میں نے یہاں آ کر یہ بھی دیکھا ہے کہ وہ اپنے مرحوم باپ کی شکل سے بالکل مشابہ ہے اور اس کا باپ اپنے باپ کی شکل سے بالکل مشابہ تھا یعنی اس کے

خاندان میں ہمیشہ ایک ہی لولاد نرینہ پیدا ہوئی اور اس نے ہمیشہ اپنے باپ کی شکل پائی..... گویا اس طرح حسن اصغر کی موجودہ شکل وصورت قدوقامت رنگ وروپ بالکل اپنے جد امجد کا سا ہے..... وہ جد امجد جو شاید یہیں کہیں کسی قبرستان کے زمین دوز تہہ خانے میں کسی تابوت میں سو رہا ہوگا....."

"یعنی آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہزاروں سال قبل اس کے مورث اعلیٰ کی جو شکل تھی وہی آج کے حسن اصغر کی بھی ہے..... چنانچہ حسام الدین نے بے چین لہجے میں کہا.....

"ہاں..... اور اسی لئے میرا اندازہ ہے کہ حسن اصغر ہمارے قافلہ کی سب سے پراسرار شخصیت ہے اور شاید کسی خاص مقصد اور کسی اسرار کے تحت ہی ہمارے قافلہ میں شامل ہوا ہے..... کیونکہ..... طہرانی کہتے کہتے خاموش ہوگیا.....

"ہاں ہاں..... کہو..... تم کیا کہنا چاہتے ہو طہرانی....." حسام الدین جلدی سے بولا۔

"کیونکہ حسن اصغر..... کو میں نے نہیں خود اس نے مجھے تلاش کیا تھا....."

قاہرہ کے بازاروں میں ازخود وہ مجھے تلاش کررہا تھا اور جب میں اس سے ملا تو اس نے انتہائی مودبانہ لیکن پراسرار لہجہ میں ایک گائیڈ کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کردیں جبکہ میں نے اس سے اپنی مہم کے بارے میں قطعی کوئی لفظ نہیں کہا تھا....." طہرانی نے دھیمے دھیمے کہا۔

"گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ حسن اصغر کو پہلے سے ہماری آمد اور ہماری مہم کی تفصیلات کا علم تھا....." حسام الدین نے گھبرا کر کہا۔

"پہلے میں نے مسئلہ کے اس پہلو کو نظر انداز کردیا تھا لیکن اب میرا یہ خیال ہے کہ وہ ہماری مہم کے بارے میں پہلے سے واقف تھا اور شاید وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہماری مہم کا انجام کیا ہوگا..... حسام الدین یہ ایک بے چین مضطرب اور محبت کی ماری ہوئی روح کا معاملہ ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم کسی اسرار سے دوچار ہو چکے ہیں۔"

☆.....☆.....☆

شام کے قریب دہلی کا یہ قافلہ تغلق آباد کے کھنڈروں والے بزرگ کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچ گیا..... اور خیمے نصب کردیئے گئے۔ قافلہ کا قیام سڑک سے ذرا ہٹ کر ایک وادی میں تھا۔

وادی اتنی پراسرار سنسان اور ویران تھی کہ غالباً ایک عرصہ سے یہاں کسی زندہ انسان نے قدیم نہ رکھا ہوگا، مضافات میں بھی کوئی آبادی نہ تھی، تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ضرور تھا جہاں صرف دو مزدور رہتے تھے جن کو کھدائی کے لئے حاصل کرلیا جاتا تھا، مختار کے اس قافلہ میں شامل مزدوروں کی اکثریت بھی اسی گاؤں کی رہنے والی تھی..... وادی تک پہنچنے کے لئے کسی انجان آدمی کو پہاڑ کی ناہموار چوٹیوں اور پیچیدہ راستوں کو عبور کرنا پڑتا تھا..... اس لئے طہرانی کو یہ مقام بہت پسند آیا..... اس کا کہنا تھا کہ اس طرح ہم ہر ایک کی نگاہ سے چھپ کر سکون اور اطمینان سے مقبرہ کی کھدائی کرسکیں گے۔

ابھی ڈوبتے ہوئے سورج کی سرخی باقی تھی کہ مختار وادی کی سیر کو نکل گیا، وہ ایک ٹیلہ پر چڑھ کر شفق میں نہائے ہوئے ان بوسیدہ مقبروں کو دیکھنے لگا جو حد نظر تک پھیلے ہوئے تھے..... قریب ہی دریائے نیل انتہائی غرور بھرے انداز میں بہہ رہا تھا ہر طرف ایک سکوت تھا، دل کو ہلا دینے والا سناٹا تھا، وادی میں اس کے قافلہ کے خیمے نصب تھے جس میں شام کے کھانے کی تیاری ہورہی تھی اور طہرانی اپنے احباب کو یہ بتا رہا تھا کہ اندھیرا ہوتے ہی وہ شہزادی کا مقبرہ تلاش کرنے نکل جائیں گے..... وہ تک مختار یہ منظر دیکھتا رہا اور جب اندھیرا پھیلنے لگا تو وہ بھی صبر وسکون کا انتظار کرنے والی ایک گہری سانس لے کر ٹیلہ سے نیچے اتر آیا....."

اپنے خیمے کی طرف جاتے ہوئے سب سے پہلے اس کی ملاقات حسن اصغر سے ہوئی جس نے اس سے کہا..... "یہ روحوں کی وادی ہے مختار یہاں اکیلے نہیں گھوما جاتا..... آج کے بعد اس کا خیال رکھنا....."

شام کا کھانا خیمے میں کھایا گیا..... خلاف معمول آقائے طہرانی بالکل خاموش رہا دن بھر کے سفر اور تھکان سے بوڑھے طہرانی کی سفید جلد سیاہ پڑگئی

تھی..... ڈاکٹر بیگ نے کھانے کے دوران میں ایک دو مذاق کیے بھی، لیکن مہم کے تصور میں ڈوبے ہوئے لوگوں نے کوئی خاص توجہ نہ کی..... اور اسی سکوت و جمود کے ماحول میں کھانا ختم ہوگیا.....

اب بھی سب خاموش تھے..... کہ اچانک دور بہت دور سے ایک میٹھی اور سریلی آواز سی سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی گھنٹیوں کی آوازیں بھی..... ہر شخص خیمے سے باہر نکل آیا.....

آبنوس کے درختوں کے لمبے سائے وادی میں پھیل گئے تھے اطراف کے کھنڈر چاند کی روپہلی روشنی میں چمک رہے تھے..... فضاء کا سکوت موسیقی کی لہروں سے ٹوٹ چکا تھا..... دراصل یہ آواز اس قافلہ کی طرف سے آرہی تھی جو لکسر کی طرف سے چلا آرہا تھا.....

حسن اصغر نے کہا..... گھبرانے کی کوئی بات نہیں یہ کارواں "تہوارہ" نام کے ایک قصبے سے آرہا ہے اور صرف تاجروں پر مشتمل ہے اگر ان لوگوں کی ہمارے خیمہ پر نگاہ پڑ گئی، تب بھی یہ ہمارے قیام کی نوعیت سے کوئی دلچسپی نہ لیں گے.....

چند منٹ تک بالکل خاموشی طاری رہی حد یہ کہ گزرتے ہوئے کارواں کی آواز فضا میں تحلیل ہوگئی..... اب گویا میدان صاف تھا طہرانی نے کہا۔ "میرے خیال میں اب شہزادی کے مقبرے کی تلاش شروع کرنے کا وقت آگیا ہے آیئے ہم سب لوگ تیار ہوجائیں....."

"کس میں ہمت تھی کہ وہ طہرانی کے پروگرام میں رد و بدل کرتا..... آدھ گھنٹہ کے اندر تمام لوگ تیار ہوگئے..... مہم کے شرکاء نے حسن اصغر کے مشورے پر وہ راستہ اختیار کیا جو عام راستوں سے بالکل مختلف تھا کیونکہ اس میں جگہ بہ جگہ گہرے غار دکھائی دیتے تھے..... پتھر کے ناہموار ٹیلے تھے اور چٹختی چٹانیں تھیں..... ایک گھنٹے کی جدوجہد کے بعد وہ ایک ایسے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے جس کے نیچے تاریکی کی آغوش میں شاہانہ تزک و احتشام سے خاندان فرعون کی بیگمات ابدی نیند سو رہی تھیں اور دور سے وہ قلعہ نما پہاڑ دکھائی دے رہا تھا جو کبھی "دیوی ہاتھرس" کی حیثیت سے مقدس خیال کیا جاتا تھا..... ہر شخص تھک ہ تھا سوائے حسن اصغر کے..... جس کے چہرے پر تھکن ا تھکان کے بجائے زندگی کا ایک نیا جوش اور ایک تا امنگ رقص کررہی تھی، آقائے طہرانی اور خان بہادر حسا الدین نے چور نظروں سے حسن اصغر کے چہرے کی طرف دیکھا..... اس کے چہرے کی تبدیلی کو محسوس کیا اور منزل طرف اپنے قدم بڑھادیئے، اب زمین کی ساخت۔ انہیں مجبور کردیا تھا کہ وہ ایک قطار بنا کر چلیں..... یقیناً اجنبی راہ گیر نقشے کے باوجود راستہ بھول جاتے اگر حس اصغر آگے بڑھ کر ان کی قیادت نہ کرنے لگتا.....

متعدد ویران مقبروں اور پیچیدہ راستوں سے گزرنے کے بعد تھکے ہوئے انسانوں کا یہ کارواں ایک بڑے ٹیلہ کے قریب پہنچ گیا..... حسن اصغر نے ہاتھ۔ اشارے سے سب کو رکنے کے لئے کہا اور پھر بہت آہ آواز میں جو جوش اور وارفتگی سے بھری ہوئی تھی کہا..... "اپنی منزل تک پہنچ گئے....."

"اور جیسے ہر شخص کی تھکان دور ہوگئی اب وہ پہاڑ سلسلہ سے منقطع ایک ایسی سیاہ چٹان کے سامنے کھڑ۔ تھے جس کی ناہموار سطح پر جگہ جگہ سوراخ اور شگاف تھے، سے بنے ہوئے ایک پشتہ کو حسن اصغر نے اپنی لکڑی کی سے کریدنا شروع کیا..... حسن اصغر کی اس والہانہ حرکت دیکھنے میں ہر شخص منہمک ہوگیا..... ہر ذہن میں اضطرا تھا سوائے مختار کے..... جس کو نہ معلوم کیوں اصغر کی ذا اور اس کے افعال پر پورا بھروسہ تھا..... انتہائی بے نیا کے ساتھ وہ اس پشتہ کو دیکھنے لگا ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سو رہا تھا کہ یہیں کسی چٹان کے گوشے میں فرعون سیتی اول کے دور کی ایک شہزادی اپنے زندہ جسم اور بے چین رو کے ساتھ سو رہی ہے..... اور اپنے جگانے والے کا انتظ کررہی ہے....." سوچتے سوچتے مختار کو طہرانی کی دستا پر بنی ہوئی شہزادی انعانیہ کی تصویر یاد آگئی..... پھر وہ آنکھیں یاد آگئیں جو اس نے تغلق آباد کے کھنڈروں میں دیکھی تھیں..... اور پھر وہ دوسرے خواب یاد آگئے جو نے شہزادی کے تصور میں دیکھے تھے..... "ان خوابوں

کوئی نہ کوئی ٹھوس حقیقت ضرور موجود ہے۔" مختار نے سوچا..... "لیکن کیا یہ خواب ایک زندہ اور ناقابل تردید حقیقت بن سکیں گے.....؟"

ابھی مختار نے اپنے دل سے اپنے اس سوال کا جواب نہیں پایا تھا کہ اچانک فضاء میں حسن اصغر کی تیز اور خوشی میں ڈوبی ہوئی آواز بلند ہوئی..... "یہ دیکھئے..... وہ عبارت جس کا دستاویز میں تذکرہ ہے۔"

طہرانی نے اپنی بیٹری کی روشنی چٹان پر ڈالی..... ہر شخص اس طرف جھک گیا..... پتھر کی سطح پر قدیم مصری تحریر میں ایک عبارت نقش تھی..... طہرانی نے عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا.....

"یہی ہے وہ پتھر۔" جس پر لکھا ہوا ہے..... "محو خواب جو بیدار کی جائے گی" اور گویا سب کے سب لرز گئے.....

ماسوا حسن اصغر کے..... ہر ایک کے لئے یہ تصور ہی سوہان روح بن گیا کہ ان کے بالکل قریب اس چٹان کے اندر کسی کمرے میں ایک سنگی تابوت میں دور گزشتہ کی ایک انتہائی حسین عورت گزشتہ ساڑھے تین ہزار سال سے سو رہی ہے..... اور صرف..... منتظر ہے کہ کوئی اس کو بیدار کردے.....

ڈاکٹر بیگ توہمات کا قائل نہ تھا لیکن اس وقت ٹیلہ کے قریب کھڑے کھڑے اس نے بھی سوچا کہ اگر واقعی انسانیہ زندہ ہے تو کیا عجب ہو کہ وہ بھوت بن چکی ہو اس طرح روح کسی خبیث روح میں تبدیل ہو چکی ہو..... اور جیسے ڈاکٹر بیگ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے از خود آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا اور وہ اپنی کیفیت چھپانے کے لئے ایک پتھر کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے..... خان بہادر حسام الدین، ارشد، طہرانی اور پارٹی کے دیگر تمام افراد..... سب کے سب انہی تاثرات سے دو چار تھے..... کسی انجانے ڈر اور خوف کی وجہ سے ہر شخص خاموش تھا آنے والے واقعات کے تاریک پہلو ان کے ذہنوں میں انگڑائیاں لے رہا تھا..... کیونکہ اگر کسی کو محسوس تھا وہ ضرور دیکھتا کہ..... حسن اصغر ٹیلے سے ذرا ہٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے کہہ رہا ہو۔

"اے مجبور و بے کس اور مظلوم شہزادی انسانیہ..... آخر کار تیری بیداری کا وقت آ ہی گیا..... اے میرے دوست کی لافانی محبوبہ قریب ہی ہے..... ہزاروں سال گزر گئے نہ تیرے محبوب کے خدوخال میں فرق آیا نہ تیرے محبوب کے دوست میں، متعدد دفعہ پیدا ہونے کے باوجود کوئی تبدیلی آئی.....

اے سونے والی شہزادی اگر تو سن سکتی ہے سن.....!! کہ اب وہ دن دور نہیں جب تیرا محبوب تو جوان جس تیرے تابوت کے بالکل قریب کھڑا ہوگا، تیری آخری رفیق گیتاری بھی تجھ سے باتیں کر رہا ہوگا اور تو..... جس نے اپنے محبوب کے حصول کے لئے اتنی بڑی قربانی دی تھی ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی ایک مرتبہ پھر جوانی زندگی اور مسرت سے بھرپور انگڑائی لے گی....."

حسن اصغر..... ابھی کچھ اور کہتا کہ اچانک آقائے طہرانی نے جو اس قسم کے کھنڈرات اور بعید از قیاس حوادث سے متعدد مرتبہ دوچار ہو چکا تھا اپنے ماتھے پسینہ پونچھا اور دھیمی لیکن مطمئن آواز میں کہا۔ "آخر کار اس مقبرہ کے پوشیدہ پھاٹک کے قریب بلا کسی جدوجہد پریشانی کے پہنچ ہی گئے جس کا قدیم دستاویز میں تذکرہ تھا..... اس لئے میرے دوستو اب ہراساں ہونے یا کسی خبیث روح کے تصور سے لرزاں ہونے کی ضرورت نہیں..... آج کا کام ختم ہوا آیئے اب واپس چلیں....."

قافلہ کے افراد جس راستے سے آئے تھے اسی راستے اپنی قیام گاہ واپس بھی لوٹ گئے لیکن اس رات کوئی فرد ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سو سکا.....

☆.....☆.....☆

اسی رات سوتے سوتے مختار کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنے خیمہ میں سونے کے بجائے داود بیگمات فرعون میں ایک چٹان کے قریب کھڑا ہوا ہے..... مختار نے سوچا کہ شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے لیکن جب اس نے خود کو اچھی طرح پرکھ لیا کہ وہ واقعی حالت بیداری میں ہے تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی..... اس نے سو

۔۔ وہ اپنے خیمے سے یہاں تک کیسے آ گیا...... اور پھر اپنے پراسرار دوست حسن اصغر کے یہ الفاظ بھی یاد آئے... ''مختار...... یہ ہزاروں سال پرانی روحوں کا مسکن ہے آج کے بعد یہاں رات کو تنہا کبھی نہ آنا......''

اور حسن اصغر کے یہ الفاظ یاد آتے ہی مختار سہم گیا ابھی وہ یہ ارادہ کر ہی رہا تھا کہ جلد از جلد اپنی قیام گاہ کی طرف واپس لوٹے کہ اچانک اس نے دیکھا کہ ستون کے قریب ایک سفید سایہ ابھر رہا ہے...... قریب تھا کہ خوفزدہ مختار کے منہ سے ایک دلدوز چیخ نکل جاتی کہ بالکل خلاف توقع اس کے کانوں میں آواز آئی......''

''احسن...... یہ میں ہوں تمہاری محبوبہ انسانیہ...... مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے......''

یہ جملہ قدیم مصری زبانوں میں ادا کیا گیا تھا اور مختار کو حیرت تھی کہ اس نے یہ زبان جانتے ہوئے بھی اس جملہ کا مطلب کیسے سمجھ لیا......؟

اور کاش کہ مختار کو معلوم ہو جاتا کہ ایسا سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ اب مختار یعنی احسن نے دیکھا کہ سفید پرچھائیں نے دھیرے دھیرے ایک انسان کی شکل اختیار کی...... خدوخال ابھرے...... لباس واضح ہوا نیلی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی سنہرے بال ہوا میں لہرائے...... اور پرچھائیں کی جگہ ایک مرمریں تراشیدہ جسم اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا......

مختار نے دیکھا...... انسانیہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ دیر تک حسن و خوبصورتی کے اس خاموش پیکر کو دیکھتا رہا...... اسے ایسا محسوس ہوا جیسے چاند کی کرنوں نے عورت کا روپ اختیار کر لیا ہے ایک ایسی عورت کا روپ جس کا لباس بھی چاند کی روپہلی کرنوں سے بنایا گیا ہے......

''احسن......'' ایک مرتبہ پھر فضا میں مترنم دلکش دلنشین آواز پھیلی آواز بالکل نزدیک سے آئی تھی لیکن اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ آواز دور بہت دور سے ماضی کے تمام پردوں کو چاک کرتی ہوئی ہزاروں لاکھوں میل کا فاصلہ چشم زدن میں طے کرتی ہوئی آ رہی ہے...... اور جیسے یہ آواز نہ ہو کھلے ہوئے شاداب پھولوں کی بارش ہو جس نے پورے پورے ماحول کو اپنی خوشبو سے معطر کر دیا ہو......

''احسن...... تم خاموش کیوں ہو...... آؤ...... میرے قریب آؤ......'' مصری زبان میں ایک مرتبہ پھر ایک نغمہ سا بکھرا...... لیکن مختار دم بخود رہا...... وہ مختار سے احسن میں تبدیل ضرور ہو چکا تھا لیکن اپنی شعوری کیفیات کی بیداری کی وجہ سے ابھی وہ یہ تحمتار کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ اس وقت وہ خان بہادر حسام الدین کے بیٹے مختار کے بجائے انسانیہ کے محبوب احسن میں تبدیل ہو چکا ہے......

لیکن اس کے یہ احساسات بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہے آہستہ آہستہ اس کی شعوری کیفیات ڈوبتی گئیں...... اور وہ انسانیہ کی آواز کی موسیقی میں اس طرح کھو گیا کہ اس گزرتے ہوئے وقت کی خبر نہ رہی...... انسانیہ کی نیلی آنکھیں بدستور اس کی طرف دیکھ رہی تھی...... وہ آنکھیں جن میں ہزاروں سال کا دم توڑتا ہوا انتظار جھلک رہا تھا...... اور پھر جیسے ان پاک اور معصوم آنکھوں کے سحر نے مختار کے ذہن کی تمام الجھنوں کو چاند کی نرم اور آفاقی کرنوں نے دھو دیا......

اب وہ بھی احسن تھا...... مختار کے بجائے احسن...... جس کے جسم پر موجودہ دور کے شب خوابی کے لباس کے بجائے قدیم مصری لباس بھی تھا...... اور انسانیہ کے ہونٹوں پر ایک میٹھی اور فاتحانہ مسکراہٹ ناچ اٹھی...... اس نے مسحور کن انداز میں ایک ہلکی سی انگڑائی لی اور پھر احسن کے بالکل قریب آ گئی......

وقت ہمیشہ آگے کی طرف بھاگتا ہے لیکن آج قدیم مصر کی اس ہولناک وادی میں جب ہزاروں سال سے بچھڑی ہوئی روحوں کا ملاپ ہوا تو وقت پیچھے کی طرف واپس ہو چکا تھا...... احسن اور انسانیہ ایک دوسرے کے بالکل نزدیک تھے...... اور ماضی حال اور مستقبل کا تمام فرق ختم ہو چکا تھا۔

ماحول کی رومان انگیزی...... گرد و پیش کی تنہائی اور جذبات کی وارفتگی کے تحت احسن نے چاہا کہ وہ انسانیہ کا ہاتھ

اپنے ہاتھ میں لے کر کہے کہ محبت سے خالی دل کے ساتھ و ہمیشہ پیدا ہوتا رہا اور اس کے انتظار میں موت کی وادی سے پرچھائیں کی طرح گزر کر ہمیشہ اس دنیا میں واپس آتا رہا لیکن اسے اناتانیہ نہ ملی...... لیکن خلاف توقع اناتانیہ نے اس سے کہا...... "میرا ہاتھ پکڑنے کی کوشش نہ کرو احمس...... تم اناتانیہ کے جس جسم کو دیکھ رہے ہو وہ میرا جسم نہیں بلکہ میری روح کا عکس ہے...... روح کو اس کی خاص قوت ارادی کے تحت دیکھا جاسکتا ہے لیکن چھوا نہیں جاسکتا......"

پھر مجھے بتاؤ کہ تمہاری روح کی پرچھائیں کب تک میری آنکھوں کو سوگوار بناتی رہے گی اور کب وہ وقت آئے گا جب ہماری روحوں کو اپنے اصل جسم میں واپس آنے اور ایک دوسرے سے ملنے میں کوئی مادی یا روحانی پابندی نہ ہوگی......" احمس نے اپنے جذبات پر قابو پا کر کہا۔

"احمس...... انتظار کے طویل لمحات اب ختم ہوچکے...... اور وہ دن دور نہیں جب تم میرے مقبرہ کا زمین دوز دروازہ توڑ کر میرے سنگی تابوت کا ڈھکن اٹھا رہے ہوگے بس...... یہی دن میری لمبی نیند کا آخری دن ہوگا...... میں بیدار ہوں گی اور اس کے بعد...... احمس...... صرف تم ہوگے اور میں ہوں گی، اس دنیا کی سرسبز شاداب اوسعتیں ہوں گی پھول کی خوشبو ہوگی زندگی کا رقص ہوگا میرے اور تمہارے دل کی دھڑکنوں کی یکجائی ہوگی اور مستقبل ایک نہ ختم ہونے والے قہقہے میں تبدیل ہوجائے گا۔

اس لئے احمس...... مقبرہ کا دروازہ توڑنے کے لئے جلدی کرو...... اب مجھ میں انتظار کی مزید قوت باقی نہیں رہی ہے...... میری روح کی بے چینی اپنی انتہائی معراج پر پہنچتی جارہی ہے اور مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے سنگی تابوت کے اندر میرا دم گھٹ کر رہ جائے گا۔

"اطمینان رکھو اناتانیہ...... تمہاری نیند کی مدت ختم ہوچکی......" احمس نے کہا...... اناتانیہ کا روحانی وجود چاند کی کرنوں میں ضم ہونے لگا...... اور جب دور بہت دور سے آواز آئی...... "میں جارہی ہوں، میں جارہی ہوں......"

اناتانیہ چلی گئی لیکن احمس دوبارہ مختار میں تبدیل نہ ہوا۔

اب ماحول تبدیل ہوگیا تھا سرد اور اداس ہوا نے فضا کو غمزدہ کردیا تھا اناتانیہ کے جاتے ہی چارو طرف ایک عجیب اداسی بکھر گئی تھی کھجور کے جھومتے ہو درخت چاند کی کرنوں کی لوریاں سن کر سوگئے تھے...... احمس بالکل خاموش کھڑا تھا...... نہ سو رہا تھا نہ جاگ تھا...... ماضی کے گمشدہ دن اور محبت میں ڈوبی ہوئی راتیں اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگیں...... حد یہ کہ چاند روشنی پھیکی پڑنے لگی...... اور پھر بالکل اچانک اس کے بالکل قریب ایک تیز بدبو پھیل گئی......"

"ابھی فضا میں خوشبو تھی، ہواؤں میں مہک تھ لیکن ابھی پلک جھپکنے میں یہ بدبو کیسی پھیلی......" احمس نے سوچا اور ابھی وہ کوئی فیصلہ نہ کرپایا تھا کہ اس نے دیکھا...... اس کے قریب ایک سایہ ابھر رہا ہے...... لیکن افسوس یہ سایہ اناتانیہ کے برعکس کتنا بھیانک...... کتنا ہیب ناک اور کتنا لرزہ خیز تھا...... مضبوط دل والا احمس بھ اس سایہ کو دیکھ کر ڈر گیا......

"میں اسپاتا ہوں...... اناتانیہ کا منگیتر...... جس سے شہزادی کو نفرت تھی...... وہ جو شہزادی کے حسن دیوانہ تھا...... اور وہ جس کی منگنی کا اعلان خود فرعون اول نے کیا تھا......"

"میں سمجھ گیا...... لیکن تم مجھ سے ملنے کیوں آ ہو......؟" احمس بولا۔

"اس لئے آیا ہوں کہ جہاں تم اناتانیہ کی بیداری انتظام کررہے ہو وہاں اس کے لئے بھی تیار رہو کہ تمہ مجھ سے مقابلہ کرنا ہے...... مجھ سے...... یعنی اسپ سے...... جو ہر حال میں اناتانیہ کو حاصل کرکے رہے گا اس لئے کہ وہ فرعون کے اعلان کا احترام کرے گا......"

احمس...... تم یہ نہ سمجھنا کہ اسپاتا مرچکا ہے...... اناتانیہ زندہ ہے اگر احمس زندہ ہے تو اسپاتا بھی باقی ہے۔ اس کا ارادہ بھی باقی ہے اور اس کی منگنی بھی باقی ہے......

بس یہی کہنے کے لئے میں یہاں وادی آیا تھا...... اور اب آخری انتباہ کے بعد دوبارہ اپنی لحد واپس جارہا ہوں......"

احمس کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ سایہ بھی فضا کی وسعتوں میں تحلیل ہوگیا...... اب وہ پھر تنہا تھا...... نرم ہوا کے جھونکے بدستور اس کے چاروں طرف رقص کررہے تھے......

دفعتاً احمس نے محسوس کیا کہ وہ ایک گہرے اور تاریک غار میں گرتا جارہا ہے...... دھند کی ایک دبیز چادر اس کو اپنی طرف لپیٹتی جارہی ہے...... اس کی آنکھیں بند ہوتی جارہی ہیں...... اور پھر جیسے کسی مضبوط ہاتھ نے اس کو سنبھال لیا ہو......

اور یہ ہاتھ اس کے دوست حسن اصغر کا تھا...... جو اس کو صبح ہونے کے بعد جگا رہا تھا...... مختار نے اپنے پلنگ پر لیٹے لیٹے آنکھیں کھولیں...... رات کے تمام واقعات اس کو اب تک یاد تھے اس نے چاہا کہ وہ حسن اصغر کو سب کچھ بتادے...... لیکن قبل اس کے کہ اس کی زبان سے ایک بھی لفظ نکلتا حسن اصغر خود ہی بول اٹھا......

''میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو...... اسی لئے تم اپنی زبان نہ کھولو...... تمہیں یہ سن کر واقعی حیرت ہوگی کہ رات کو جب تم مختار کے بجائے احمس تھے...... میں بھی تمہارے ساتھ تھا......''

''تم میرے ساتھ تھے......؟'' مختار نے ڈر اور خوف کی وجہ سے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... یقین کرو مختار...... جب سے تم نے سرزمین مصر پر قدم رکھا ہے ہر وقت تمہارے ساتھ رہتا ہوں...... تمہاری خبر گیری کرتا رہتا ہوں اس لئے کہ فوری طور پر ہم دونوں کا مقصد ایک ہے۔''

''کون سا مقصد......؟ حسن اصغر...... پچھلے کئی دن سے میں محسوس کررہا ہوں کہ تم ہر بات معمہ میں کرتے ہو......''

''اناتانیہ کی بیداری ہم دونوں کا مشترکہ مقصد ہے جہاں تک معمہ کا تعلق ہے اگر کل رات تم مجھے دیکھ لیتے تو شاید سمجھ جاتے کہ نہ میں کوئی معمہ ہوں اور نہ میری شخصیت میں کوئی معمہ ہے...... بہر حال جلد تیار ہوجانا آج ہم یہاں کے کھنڈرات کی سیر کرنے چلیں گے۔''

حسن اصغر یہ کہہ کر چلا گیا لیکن مختار کی الجھنیں بدستور باقی رہیں وہ سوچ رہا تھا...... ''زلیتھا کی بیداری ایک ہیبت ناک اسرار کیوں بنتی جارہی ہے، حسن اصغر میرے وجود میں اتنی غیر معمولی دلچسپی کیوں لے رہا ہے...... میں آواگون کا قائل نہیں...... پھر اناتانیہ مجھے احمق کیوں سمجھتی ہے...... جب سے میں مصر آیا ہوں مصر کی تاریخ اور اس کے کردار مجھے جانے پہچانے کیوں نظر آرہے ہیں۔''

ایسے ہزاروں سوال تھے جو ایک بھنور کی طرح مختار کے ذہن میں ابھرتے اور ڈوب جاتے...... لیکن مسئلہ پر ہر طرح سے روشنی ڈالنے کے باوجود مختار کو کنارہ نہ ملا......

ابھی مختار نہا دھو کر تیار ہی ہوا تھا کہ آقائے طہرانی، حسام الدین اور حسن اصغر پارٹی کے دیگر افراد کے ساتھ اس کے خیمے میں آگئے...... پروگرام یہ تھا کہ آج دن کی روشنی میں ہی مقبرہ کے اطراف کا معائنہ کرلیا جائے تاکہ بعد میں کھدائی کے وقت کسی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے......

پارٹی کے تمام افراد کا کہنا تھا کہ خلاف توقع پہلی ہی رات کو شہزادی کا مقبرہ مل جانا مہم کے لئے ایک نیک شگون ہے اس لئے اب آئندہ اقدامات کے سلسلے میں وقت برباد نہ کیا جائے...... طہرانی نے آج تین مزدور بھی ساتھ لے لئے تھے...... اور خلاف معمول آج وہ اپنے کاندھے پر ایک بندوق بھی لٹکائے ہوئے تھا......

ٹھیک ساڑھے دس گھنٹے کے بعد وہ لوگ ایک وسیع شاہی قبرستان کے کھنڈروں سے گزرے جہاں مصر قدیم کے شہنشاہ بیگمات، حکماء اور کاہن آبائے سلف کی تہذیب، تمدن اور تاریخ کو لئے ہوئے ابدی نیند سو رہے تھے ایک ایسی تہذیب جس کا دعویٰ آج کے ان ویرانوں نے ہزاروں سال پہلے اس وقت کیا تھا جب پوری دنیا پر جہالت کے تاریک پردے پڑے ہوئے تھے......

ہر طرف غضب کی خاموشی اور سناٹا طاری تھا......

دفعتاً حسام الدین نے طہرانی سے پوچھا......'' طہرانی...... تمہارے خیال میں شہزادی کے سنگی تابوت تک پہنچنے میں کتنے دن صرف ہوں گے۔''

''کچھ نہیں کہا جاسکتا...... کیونکہ اس کا انحصار

پتھروں کی کھدائی اور کٹائی پر ہوگا...... اگر پتھر مضبوط ہوئے اور مسالہ سخت ہوا تو ممکن ہے کہ ہمیں ایک ہفتہ لگ جائے۔ دوسری بات یہ کہ ہمیں مقبرہ کے اندر کی عمارت اور اس کی ساخت کا کوئی اندازہ نہیں...... ہمیں یہ تک نہیں معلوم کہ مقبرہ کے داخلی دروازے کے بعد راستہ صاف ہے یا نہیں...... اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ داخلی دروازہ کے بعد بھی اصل مدفن تک پہنچنے کے لئے کئی مضبوط دروازے توڑنا پڑتے ہیں...... ایسی صورت میں دشواریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں......"

حسن اصغر نے بھی طہرانی کی بات سنی تھی...... اس نے چاہا کہ وہ بات کو آگے بڑھائے اور پارٹی کے تمام افراد کو یقین دلائے کہ مقبرہ کا داخلی دروازہ توڑنے کے بعد شہزادی کے سنگی تابوت تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی لیکن نہ معلوم کیا سوچ کر وہ خاموش رہا...... البتہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر ضرور پھیل گئی......

اب دھوپ بڑھ گئی تھی اور گرمی کی شدت نے سب کو پریشان کردیا تھا چنانچہ طہرانی کے مشورہ پر یہ قافلہ ایک جگہ آرام کرنے کے لئے ٹھہر گیا...... اس جگہ سے ایک مسمار شدہ مقبرہ کے کھنڈر بالکل صاف نظر آرہے تھے...... طہرانی نے ان کھنڈروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا...... "فرعون کا نام لیتے ہی ہمارے ذہن میں ایک ظالم، جابر، سنگدل اور طمع کردار ابھر آتا ہے لیکن غالباً بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ متعدد فرعون بہت ہی نیک دل اور مثالی کردار کے حامل تھے...... مثلاً...... یہ سامنے والے کھنڈر جس فرعون کے مقبرے کے ہیں وہ دیانت، صداقت، انصاف، سادگی، اخلاص اور انسانیت نوازی کا زندہ مجسمہ تھا۔"

طہرانی نے سگریٹ کا ایک طویل کش لے کر اپنی بات دوبارہ شروع کی......"اس فرعون کا نام اخناتون تھا اور قدیم تاریخ کے اندازے کے مطابق حضرت موسیٰ کی پیدائش سے تقریباً اسی برس قبل اس کا انتقال ہوا تھا...... عام فراعنہ کے بالکل برعکس اخناتون موحد تھا...... یہ فرعون قدیم تاریخ کا پہلا شہنشاہ ہے جس نے حکومت کی پالیسی اور اپنے آباؤ اجداد کی روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے خود کو خدا کہلوانے کے بجائے مصر کی اصنام پرستی کی زبردست مخالفت کی اور توحید کا نعرہ بلند کرکے مصری عوام کو ایک نیا فلسفہ اور ایک نیا انداز فکر دیا......

"اخناتون صرف 17 سال حکومت کرنے کے بعد محض 38 سال کی عمر میں مرگیا لیکن اس کے دور حکومت میں دنیا کی تاریخ میں جو اہمیت حاصل ہے وہ دنیا کے چند ہی حکمرانوں کے ادوار کو نصیب ہوگی ہے اس موحد فرعون سے قبل ہر فرعون کو 'را' یعنی سورج دیوتا کا ارضی بیٹا سمجھ کر پوجا جاتا تھا اور مصریوں کے مذہب پر لاتعداد دیوتا مسلط تھے...... چنانچہ جب "اخناتون" بھی تخت پر بیٹھا تو اس کی بھی پرستش کی گئی......

میں اخناتون کا یہ قصہ محض وقت گزاری کے لئے نہیں سنا رہا ہوں بلکہ اس لئے سنا رہا ہوں کہ اس کا تعلق شہزادی انانیہ سے بھی ہے۔

بچپن ہی سے "اخناتون" کا معصوم ذہن مصر کے ان گنت خود ساختہ خداؤں سے بھٹک کر خالق حقیقی کی تلاش میں رہتا تھا...... کمسن فرعون زادہ مہکتے چمن زاروں میں گھنٹوں پرندوں کے نغمے سنتا سورج کو نکلتے اور ڈوبتے دیکھتا اور پھر دل ہی دل میں سوچتا کہ ان تمام چیزوں کی تخلیق کسی انسان کی قوت میں ممکن نہیں......

"اخناتون" کا باپ فرعون امنحوطپ سوئم نے جو یہ خبریں سنیں تو اس نے گوتم بدھ کے باپ کی طرح بھی حل نکالا کہ کمسنی ہی میں بیٹے کی شادی کردی جائے...... چنانچہ اس نے "متانی" کے آرائی حکمران "دشرتا" کو پیغام دیا کہ وہ اپنی بیٹی "تادوخیپا" کی شادی اس کے لڑکے سے کردے، دشرتا نے فوراً یہ رشتہ قبول کرلیا...... اور اپنی دس سالہ لڑکی 'تادوخیپا' مصر روانہ کردی جہاں سب سے پہلے اس کا مذہب تبدیل کرکے اس کا نام "نفرتی" رکھا گیا اور پھر اخناتون سے اس کی شادی کردی گئی...... ابھی اس ایشیائی مصر و بیاہ کے شادیانے فضا میں گونج رہے تھے کہ اخناتون کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ پجاریوں کے متفقہ فیصلہ کے بعد اسے فرعون بنا کر تخت پر بٹھا دیا گیا...... لیکن

مصر کے طاقتور کاہنوں کو محسوس ہو گیا کہ ان کا نیا
ان کی نظریاتی اور مذہبی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا......
"اخناتون"...... گیارہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا
سال کے بعد ایک دن میں خداوندی سے متعلق
مری نظریے ٹھکرا کر ایک ان دیکھے خدا کا نظریہ پیش
اور اپنے اس خدا کی تبلیغ کے لئے اس نے اپنی
قوت صرف کر دی پورے ملک میں "آٹن" کی
بہ جبر ختم کر دی گئی پجاریوں کے تمام اختیارات
مال اور قاف اور وظائف ضبط کر لئے اور "شیبہ" میں
اس ان دیکھے خدا کی عبادت کے لئے ایک عظیم
مندر بنوائی جو آج بھی تاریخ میں "جم آٹن ام پرتن"
نام سے مشہور ہے۔

پجاریوں کی قوت اور رہی سہی طاقت کو ختم کرنے
لئے اس نے موجودہ قاہرہ سے 160 میل دور ایک
راجدھانی تعمیر کرائی اور اس کا نام "چاخت اتن"
...... آفتاب پرستوں کے اس فرعون نے اپنی نئی
راجدھانی میں آ کر اعلان کر دیا کہ آفتاب بھی ڈوبتا نکلتا ہے
اس لئے وہ خدا نہیں ہو سکتا...... اس نے کہا کہ سورج
خدائے برحق کی ایک عظیم تخلیق کے سوا اور کچھ نہیں ہے......
ہم سب کا خالق تمام مادی خواص سے مبرا ہے......

اخناتون نے اپنے اس خدا کی مزید وضاحت کی
کہا کہ میرا خدا زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہے مادی
اور خواہشات سے آلودہ نہیں ہے وہ کسی خاص ملک
یا قوم کے لئے مخصوص نہیں اور نہ اس کا جسم انسانی
انی اعضاء سے مرکب ہے۔" اس نے ایک دن تمام
پجاریوں کو بلا کر کہا کہ "میرا خدا دنیا کی تمام بڑی قوتوں
سے بالاتر اور رب العالمین ہے...... وہ آفرینش کائنات
سے پہلے بھی تھا اور ہمیشہ لاشریک اور تنہا رہے گا...... اس کی
نعمتیں ہمیشہ سے جاری ہیں اور ہمیشہ جاری رہیں گی......
گورے کالے...... خطا کار اور معصوم، مصری، اور غیر
مصری میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا"...... ہر ذی حیات کی تمام
ضروریات وہ بلا کسی تفریق کے ہی پوری کرتا ہے...... اور
سب اس کے لطف و کرم میں برابر کے شریک ہیں۔

طہرانی نے گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے قبل تاریخ انسان کے کسی مفکر نے ایسے معبود کا نظریہ نہیں پیش کیا تھا...... چنانچہ طاقتور کاہنوں نے اس کے اس خدا کو تسلیم نہیں کیا اور اندر ہی اندر بغاوت کی چنگاریاں سلگنے لگیں...... تمام سردار اور امراء اس سے برگشتہ ہو گئے...... خاندان کے تمام افراد کی آنکھوں میں اس کے خلاف نفرت کی آگ ابل پڑی...... اور اخناتون بالکل تنہا رہ گیا...... صرف اس کی وفادار اور محبوب بیوی نفرتتی تھی جو اپنی چھ لڑکیوں کے ساتھ آخر وقت تک اپنے شوہر کی غمگسار اور سہارا بنی رہی......"

اور ایک دن اچانک اخناتون پر مرگی کا شدید دورہ پڑا اور وہ مر گیا......

اخناتون کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی...... تمام بیٹیوں کی شادی اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی نے کر دی...... البتہ اس کی ایک لڑکی "میاتن" کی شادی نہ ہو سکی...... ماں کے مرنے کے بعد میاتن نے اپنی شادی ایک شامی تاجر سے کر لی...... اور اس طرح ایک نئے خاندان کی بنیاد پڑ گئی...... جس کا تعلق مصر کی شہنشاہیت سے بالکل نہ تھا......

شہزادی انانیہ اسی "میاتن" کی نسل سے تھی اور اسی لئے بے حد خوب صورت تھی کہ اس میں شامی خون بھی شامل تھا...... سیتی اول کے دور میں بھی انانیہ شاہی خاندان کے ہوتے ہوئے بھی شاہی خاندان کی نہیں سمجھی جاتی تھی...... بظاہر اس کا کوئی ہمدرد نہ تھا...... فرعون کا میر عمارت اور مجسمہ ساز "حورم حب" چونکہ دل ہی دل میں باطنی طور پر اخناتون کے مذہب کا پیرو تھا اس لئے وہ انانیہ سے ہمدردی رکھتا تھا...... اسی "حورم حب" نے شہزادی کے مقبرہ کا نقشہ بنایا اور بذات خود مقبرہ کی تعمیر میں حصہ لیا...... اس لئے میرے اندازے کے بموجب مقبرہ بے حد مضبوط اور ناقابل شکن ہو گا...... اور اس کی کھدائی میں زیادہ وقت ضرور صرف ہو گا......"

طہرانی یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

حسن اصغر نے چاہا کہ وہ طہرانی سے کہے کہ ایک

مرتبہ داخلی دروازہ کی کھدائی کے بعد وہ ایک بہترین رہبری حیثیت سے پوری پارٹی کو شہزادی کے سنگی تابوت تک بہ آسانی پہنچادے گا..... لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے اپنی زبان خاموش رکھی وہ جانتا تھا کہ پارٹی کے تمام افراد کو مافوق الفطرت سمجھ کر اس کی طرف سے مشکوک ہیں اور اس کا یہ جملہ اس کو اور بھی زیادہ مشکوک بنا سکتا ہو اس لئے وہ خاموش ہی رہا.....

تھوڑی دیر آرام رکنے کے بعد وہ قافلہ پھر روانہ ہوا اور تقریباً آدھ گھنٹے کی مسافت کے بعد پھر اسی جگہ پہنچ گیا جہاں دو ہزار برس سے ایک پتھر پر یہ تحریر نقش تھی.....

"محو خواب جو بیدار کی جائے گی....."

طہرانی کے حکم پر مزدوروں نے ایک پتھر پر کھدائی کے لئے اپنا پہلا بیلچہ مارا اور کھدائی شروع ہوگئی..... حسن اصفر کے جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ خود بھی کدال کے ذریعہ پتھر ہٹا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

دوپہر کا کھانا کھائے بغیر پارٹی کے تمام افراد ٹیلے کے پتھروں کو ہٹاتے رہے اور تقریباً تین بجے انہیں ایک سنگی دروازہ نظر آ گیا..... اور ہر شخص کی ہمت بڑھ گئی.....

"بس..... یہی وہ دروازہ ہے جس کو توڑ کر ہم مقبرہ کی اصل اندرونی عمارت میں داخل ہو جائیں گے....." حسن اصفر نے چیخ کر کہا۔

"کیا تم یہ بات بالکل یقین سے کہہ رہے ہو۔" طہرانی نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"ہاں..... بالکل یقین کے ساتھ....." حسن اصفر نے فوراً جواب دیا۔

"کس بنیاد پر....." طہرانی کا شک بدستور باقی تھا۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے..... فی الحال میں یہی التجا کروں گا کہ میری ہر بات پر یقین کیا جائے اس لئے کہ انتانیہ کی زندہ لاش تک پہنچنا صرف آپ سب کا ہی نہیں میرا بھی مقصد ہے....."

"لیکن کیوں.....؟" حسام الدین نے پوچھا۔

"اس کا جواب آنے والا وقت ہی دے گا....."

اس مرتبہ حسن اصفر کی آواز میں لوچ اور نرمی تھی..... بدلی ہوئی گرجدار آواز اس کی سختی نے حسام الدین اور طہرانی دونوں کو خاموش کر دیا اور دروازہ توڑنے کے لئے مزدوروں کو اشارہ کر دیا گیا۔

شام تک کوشش ہوتی رہی لیکن حد درجہ کوشش کے باوجود دروازہ کا ایک بھی پتھر نہ توڑا جا سکا..... اور کام کل تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ دوسرے دن مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ کام دوبارہ شروع ہوا..... لیکن اس مرتبہ کھدائی کی نوعیت بدل دی گئی..... آج مزدوروں کی ایک جماعت داخلی دروازے کے توڑنے پر اور دوسری جماعت کوئی دوسرا دروازہ تلاش کرنے کے لئے متعین کر دی گئی..... پہلی ٹولی کا نگران طہرانی تھا اور دوسری کا حسن اصفر..... کام بڑی مستعدی سے ہو رہا تھا.....

حسن اصفر جس ٹولی سے کام لے رہا تھا اس نے ٹیلہ کے مغربی جانب کھدائی شروع کی تھی..... سب سے پہلے منتشر پتھر ہٹائے گئے اور پھر ان پتھروں کو توڑا گیا جو ہزاروں برس سے ایک جگہ پڑے رہنے کی وجہ سے بالکل جم کر رہ گئے تھے..... اور جب ان پتھروں کو توڑ کر ملبہ ہٹایا گیا تو چٹان میں ایک جگہ ایک بڑا شگاف نظر آیا..... حسن اصفر کے چہرے پر شگاف کو دیکھتے ہی مسرت کی لہریں پھیل گئیں..... اس نے مصری زبان میں مزدوروں کو خاموش رہنے اور اپنی جگہ کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور خود شگاف میں داخل ہو گیا.....

طہرانی اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو جو داخلی دروازہ کو توڑنے کی جدوجہد کر رہے تھے معلوم ہی نہ تھا کہ حسن اصفر مقبرہ کے کی چہار دیواری میں داخل ہو چکا ہے..... وہ اپنے کام میں مشغول رہے اور حسن اصفر شگاف کے اندر اپنے قدم بڑھاتا رہا..... تنہا دل میں حوصلوں اور امنگوں کا ایک طوفان سا چھپائے ہوئے.....

لیکن تقریباً بیس فٹ چلنے کے بعد راستہ مسدود ہو گیا..... آگے پتھر کا ایک اور بڑا دروازہ تھا اور شگاف جو سرنگ نما راستہ میں ہوا تھا اس کی چھت بیٹھ گئی تھی..... کافی دیر تک حسن اصفر اس جگہ کھڑے ہو کر کھدائی کی نوعیت پر

غور کرتا رہا..... اور اس کے بعد واپس آ گیا۔

"اگر جا بجا اسی طرح عمارت کا اندرونی حصہ بیٹھ گیا ہے تو سنگی تابوت تک پہنچنا بے حد دشوار ہے....."

حسن اصغر نے سوچا اور پھر جیسے اس کا دل تھرا گیا.....

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ جس کمرے میں انتانیہ کا تابوت رکھا ہوا ہے اس کی بھی چھت گر گئی ہو..... اور حسن اصغر شگاف سے باہر نکل آیا..... اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا.....

اسی طرح کئی دن کام ہوتا رہا۔ سخت محنت اور مشقت کی ساعتیں گزرتی رہیں..... گرمی سے دہکتے ہوئے دن اور خاموش ٹھنڈی راتیں ختم ہوتی رہیں، روشنی کی کمی اور گھٹن کے اندر کی خرابی کی وجہ سے حالت بد سے بدتر ہوتی گئی..... مزدوروں کو آرام نہیں ملا اس لئے کھدائی کے کام کی رفتار بھی سست پڑ گئی..... حسن اصغر مزدوروں کی ایک قلیل جماعت کے ساتھ اسی راستہ کو صاف کرتا رہا جہاں سرنگ کی چھت بیٹھ گئی تھی اور طہرانی پتھر کے اسی بڑے دروازے کو منہدم کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن مسلسل ایک ہفتہ کی جدوجہد کے بعد بھی کسی کو کامیابی نہ ہوئی، سیٹی اول کے معمار "حورم حب" کے اس تعمیری شاہکار کو شکست نہ دی جا سکی اور سخت محنت و جفاکشی کے بعد بھی کوئی حوصلہ افزا بات نہ ہو سکی۔

پارٹی کا ہر شخص پریشان تھا لیکن سب سے زیادہ پریشانی حسن اصغر کو تھی اور مختار..... اس کی یہ حالت تھی کہ وہ گھنٹوں محویت کے عالم میں مقبرہ کے قریب کھڑا رہتا، مزدوروں کی کدالیں چلتی رہتیں، بیلچوں کی آواز بلند ہوتی رہتیں، پھاوڑے پتھروں سے ٹکراتے رہتے..... فضاء میں ایک ہنگامہ سا برپا رہتا..... سورج نکلتا..... پھر شباب پر آتا..... زوال پر آتا اور تاریکی کی آغوش میں چھپ جاتا..... لیکن کسی کو اس کا ہوش نہ رہتا۔ ہر ایک کی نگاہ کے سامنے صرف انتانیہ تھی۔ اس کا سنگی تابوت تھا، اس کی ہزاروں سال پرانی نیند تھی، اس کی بیداری تھی اور وہ تجربہ تھا جس کا ارمان لے کر خاندان فراعنہ کا آخری فرعون تک اپنے تابوت میں سو گیا تھا۔

تمام رات حسن اصغر بے چین رہتا، اپنے خیمے میں ٹہلتا رہتا، سوچتا رہتا، الجھن سے الجھتا رہتا..... اور پھر اپنے خیمے سے باہر آ کر خلاء میں گھورتا رہتا، جیسے فضا کی بلندیوں میں آسمان کی وسعتوں میں، ستاروں کی جھرمٹ میں، چاند کی رقص کرتی ہوئی کرنوں میں کسی کو تلاش کر رہا ہو، کچھ پوچھنے کے لئے، کچھ دریافت کرنے کے لئے۔

اور اسی طرح صبح ہو جاتی۔

طہرانی حسام الدین سے کہتا..... "خان بہادر صاحب..... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اگر دستاویز سچی ہے، اگر مصر کی تاریخ دیانتداری کی بنیاد پر لکھی گئی ہے اگر سیٹی اول واقعی وہ فرعون تھا جس کا تذکرہ ماضی کے گمشدہ اوراق میں ملتا ہے، اگر اس وادی میں بکھرے ہوئے پتھروں کے آنسو سچے ہیں تو ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی ضرور ہوگی اور ہم نہ صرف انتانیہ کے سنگی تابوت تک پہنچیں گے بلکہ اس کو بیدار بھی کر لیں گے۔ حسام الدین میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ مقبرہ اور اس کی آہنی دیواریں ہمارے ہاتھوں سے ٹوٹیں گی۔

ڈاکٹر بیگ تھک گیا تھا اور اس کے حوصلے تقریباً پست ہو گئے تھے لیکن پھر بھی وہ پرامید تھا..... وہ کہتا "مقبرہ کے اندر انتانیہ ضرور سو رہی ہے میں سب کچھ مان سکتا ہوں لیکن یہ نہیں مان سکتا کہ ہم غلط راستہ پر چل رہے ہیں یا ماضی کی کسی گمشدہ پرچھائیں نے ہمیں دھوکا دیا ہو۔"

اور بوڑھا حسام الدین ٹھنڈی سانس لے کر کہتا..... "جب تک میرے سرمائے میں آخری پائی بھی باقی ہے یا جب تک میرے جسم میں زندگی کی آخری سانس بھی باقی ہے انتانیہ کو بیدار کر کے رہوں گا اس لئے کہ اگر انتانیہ بیدار نہ ہوئی تو میرا مختار دیوانہ ہو جائے گا..... خدا کی قسم میں دن میں کئی بار مختار کی آنکھوں میں انتانیہ کی تصویر دیکھتا ہوں اور پھر ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے مختار تمام رات شہزادی کی نیلی آنکھوں کے طلسم میں گرفتار رہا ہے۔"

ایک دن شام تک ناکام کھدائی کے بعد ڈاکٹر بیگ نے طہرانی سے کہا۔ "میرا قیاس ہے کہ مقبرہ میں ایک کے بعد ایک کئی چہار دیواریاں ہوں گی پہلی چار

دیواری کا مغربی حصہ جس طرف حسن اصغر کھدائی کر رہا ہے گر چکی ہے...... جس کے ملبہ نے ہمارا راستہ بند کردیا ہے اور دوسری چہار دیواری کے پتھر اتنے بڑے ہیں کہ ہم ان کو نہیں کاٹ سکتے......"

"پھر کیا کیا جائے...... پتھروں کو بہر حال کاٹنا ہے......" طہرانی نے کہا۔

"کیوں نہ ہم دوسری چہار دیواری کا ایک حصہ بارود سے اڑادیں......" ڈاکٹر بیگ نے اچانک رائے دی۔

"لیکن اس طرح اس کا بھی تو امکان ہے کہ پورا مقبرہ گر جائے اور سوتی ہوئی شہزادی دب کر ہلاک ہو جائے......"

"نہیں ڈاکٹر صاحب...... ہم شہزادی کے تابوت تک پہنچنے کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور تلاش کرلیں گے...... ہمیں ناامید ہونے کی ضرورت نہیں......" طہرانی نے پوری سنجیدگی اور متانت سے کہا۔

حسن اصغر نے اس گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا...... اس پر جیسے سکوت سا طاری تھا...... لیکن جب طہرانی نے اس سے بھی رائے مانگی تو اس نے خیمے سے باہر جاتے ہوئے کہا...... "آج رات آپ اطمینان سے سوئیے...... حسن اصغر آپ سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ کل دوپہر تک مقبرہ کا کوئی نہ کوئی دروازہ کھلوادے گا۔"

حسن اصغر یہ ڈرامائی جملہ کہہ کر خیمے سے باہر چلا گیا اور تمام لوگ ایک عالم وجود میں دیر تک حسن اصغر کے تھکے قدموں کی آواز سنتے رہے......"

رات کے کھانے پر بھی اصغر موجود نہیں تھا ہر شخص نے کسی کی عدم موجودگی پوری شدت کے ساتھ محسوس کی لیکن کسی نے بھی ایک انجانے خوف کے تحت کے اس بارے میں عملہ کے کسی فرد سے کچھ بھی دریافت نہ کیا......

سب سو گئے لیکن مختار جاگتا رہا اور صرف یہ سوچتا رہا کہ آخر اس کا اجنبی مصری دوست کہاں گیا ہے...... حسن اصغر اس کا دوست اجنبی ہونے کے باوجود...... مدتوں کا ساتھی تھا...... چنانچہ اس کی بے چینی بڑھتی گئی حد یہ کہ وہ بھی خیمہ سے باہر نکل آیا۔

رات تاریک تھی لیکن مدھم چاند کی روشنی نے اندھیرے اجالے کی امتزاجی کیفیت پیدا کر رکھی تھی......

چند لمحات مختار اپنے خیمہ کے باہر کھڑا وادی کے پر ہول سناٹے کی طرف دیکھتا رہا اور اس کے بعد غیر ارادی طور پر ایک طرف روانہ ہو گیا مختار جس راستہ پر چل رہا تھا وہ کبھی اوپر کی طرف جاتا تھا اور کبھی نیچے کی طرف انتہائی پیچ در پیچ اور ناہموار راستے سے گزرتا ہوا وہ آخر کار اس درہ میں داخل ہو گیا جو وادی میں مقبرہ سے کچھ فاصلہ پر ایک بلند چٹان پر ختم ہوتا تھا...... رات کی اس وادی میں یہ چٹان کسی دیو کی کھوپڑی کی طرح بالکل بے ہموار تھی......

مختار نے چٹان کی چوٹی پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ چاند کی مدھم روشنی میں دور دور تک حسن اصغر کا کوئی پتہ نہ تھا۔

حد نظر تک چاندنی رات کا منظر بے حد دلکش تھا راستہ رات کی تاریکی میں غائب ہو چکا تھا ابھری ہوئی چٹانیں پہرے داروں کی طرح سر اٹھائے کھڑی تھیں تیز ہوا سائیں سائیں کرتی آتی ہوئی اس طرح چل رہی تھیں گویا بھوتوں کا کوئی رقص کر رہا ہو کھجور کے درخت مستانہ وار جھوم رہے تھے ہزاروں برس پرانی اس قدیم مقبرے میں جہاں کبھی شامی، یونانی، بابلی اور ایشیائی غلاموں نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے موت کی آخری ہچکی تک کام کیا تھا اور عالیشان عمارتوں کی بنیاد رکھی تھی...... دور دور تک کسی ذی روح کا پتہ نہ تھا۔ مختار دیر تک زمانے کے اس بدلے ہوئے روپ کا عکس دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس میں اور اس مختار میں کتنا فرق ہے جو نئی دہلی کی بارونق سڑکوں پر تنہائی کا تصور تک نہ کرتا تھا...... لیکن یہاں...... اس سحر زدہ وادی میں نہ تو وہ تنہائی سے ڈر رہا تھا اور نہ موت کی طرح بھیانک سناٹے سے......

"حسن اصغر کہاں ہوگا"...... سگریٹ سلگاتے سلگاتے اس نے ایک لمحہ کے لئے سوچا اور ایک مرتبہ پھر بلندی سے پستی کی گہرائیوں کی طرف نظر دوڑائی اچانک اس نے دیکھا کہ ایک پہاڑی پشتہ پر جو چاندنی میں چمک رہا تھا کوئی چیز رینگ رہی ہے...... اور پھر ایک لمحہ بعد ہی

نظروں سے اوجھل ہوگئی..... یقیناً یہ کوئی بے ضرر جنگلی جانور تھا..... مختار نے یہ سوچ کر اپنی الجھنوں کو تسکین دی..... اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا.....

وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ حسن اصغر کو تلاش کر کے رہے گا چنانچہ نئے فیصلہ اور ارادے کے تحت اس نے اپنے دوست کی تلاش کے لئے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا..... یہ راستہ سابقہ راستے کے مقابلے میں بالکل مختلف تھا اس میں جگہ بہ جگہ گہرے غاروں کا امکان تھا..... کہیں زبردست ڈھلوان تھی اور کہیں ناقابل تسخیر چڑھائی..... لیکن مختار چلتا ہی رہا..... اور ایک ایسے پشتہ پر سے جو اوپر سے کافی کشادہ تھا چل کر ایک ناہموار غار نما وادی میں آ گیا..... جس میں جا بجا پتھر کی جھونپڑیوں کے ویران آثار موجود تھے۔

یہاں بھی بالکل سناٹا تھا.....

اب مختار کو خیال ہوا کہ اگر حسن اصغر نہ ملا اور واپسی کے لئے راستہ بھول گیا تو اس کا کیا انجام ہوگا..... وہ یہ بھی تو بھول گیا تھا کہ وہ کس راستے سے یہاں آیا تھا..... چنانچہ اس نے چاہا کہ واپس جا کر مقبرہ کے نزدیک والی بلند چٹان پر کھڑے ہو کر حسن اصغر کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تلاش کرے..... لیکن ابھی اس نے واپسی کے لئے اپنا پہلا قدم اٹھایا ہی تھا کہ اس نے ایک ایسی جھلک دیکھی کہ اس کے تعجب میں تیزی پیدا ہوگئی.....

مختار کی ڈری ڈری نظروں سے دیکھا کہ وادی کے بالکل وسط میں ایک انسانی سایہ حرکت کر رہا ہے..... ایک ایسا انسانی سایہ جو اس تنہا اور بھیانک مقام پر یقیناً اپنا خوفناک عکس ڈال رہا تھا سایہ کے ساتھ ایک روشنی بھی بار بار نیچے اوپر حرکت کر رہی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے اس کو اس سایہ پر حسن اصغر کا شبہ ہوا لیکن سایہ کی غیر معمولی جسامت دیکھ کر اس کا یہ شبہ کافور ہو گیا۔ یقیناً یہ کوئی غیر بشری قوت کا عکس ہے۔ مختار نے سوچا اور جیسے اس کے قدم اس چٹان پر جم کے رہ گئے۔ اس نے سوچا کہ وہ واپس بھاگ جائے لیکن خود اعتمادی ختم ہو چکی تھی اور تمام شعوری احساسات پر ایک انجانا خوف مسلط ہو چکا تھا..... اس کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ سایہ غائب ہو گیا۔

اور پھر اس کے عقب میں بہت دور سے ایک آواز سی آئی، جیسے انسانیہ کے مقبرہ کے بالکل قریب کسی وجود کے چلنے سے کوئی آواز پیدا ہو رہی ہو۔ مختار نے اپنی سہمی ہوئی نظریں مقبرہ پر جما دیں۔ مختار کی نگاہوں کے سامنے پتھر اور ریت کا ایک بہت بڑا انبار تھا..... دائیں طرف چاند کی سبک کرنیں پھیلی ہوئی تھیں اور بائیں جانب آبنوس اور کھجور کے درختوں کا سایہ پڑ رہا تھا..... اور بڑھتے ہوئے قدموں کی آواز قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔

مختار کے دماغ میں بہت سے خیالات پیدا ہوئے اور جیسے اسے پھریری سی آ گئی، ڈر اور خوف کے تحت اس کے قدموں کی آواز قریب آ گئی..... بس تین چار منٹ کے بعد یہ سایہ چاند کی روشنی میں ہوگا۔

"اور جب چاند کی روپہلی روشنی میں اس سایہ نے اپنا پہلا قدم رکھا تو مختار کے منہ سے خوشی کی ایک آہ سی نکل گئی....."

چاندنی میں نہایا ہوا یہ سایہ حسن اصغر کا تھا.....

مختار نے دیکھا کہ حسن اصغر ماحول سے بالکل بے پروا ہو کر انسانیہ کے مقبرہ کی طرف جا رہا ہے..... چٹان سے آہستہ آہستہ اتر کر مختار بھی وہاں پہنچا اور اپنے دوست سے تقریباً پانچ گز کے فاصلہ پر ایک پتھر کی آڑ میں کھڑا ہو گیا..... وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ حسن اصغر یہاں کی تنہائی میں کیا کرنے آیا ہے..... لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا..... حسن اصغر نے انسانیہ کے مقبرے کی طرف منہ کر کے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اور کہا.....

"اے اختاتون کی آخری وارث..... اے احمس کی محبوبہ..... اے ہزاروں سال سے سونے والی مصری شہزادی..... دیکھ..... کہ آج تیرے دروازہ پر وہ آیا ہے جو آخری وقت تک تیرا سچا ہمدرد تھا۔"

اب حسن اصغر کی آواز بلند ہوئی..... اس نے تیز آواز میں کہا..... "شہزادی انسانیہ..... تیرا آخری دوست گیتاری تیرے دروازہ پر کھڑا تجھے پکار رہا ہے..... مجھے پہچان..... میں گیتاری ہوں تیرا رفیق اور تیرے محبوب کا

دوست..... رب حقیقی کی قسم..... تو ہزاروں سال سے سو رہی ہے اور میں ہزاروں سال سے جاگ رہا ہوں..... اس لئے میری برسوں کی ریاضت کو خاک میں نہ ملا..... باہر آ..... مجھے تجھ سے کچھ باتیں کرنا ہیں.....

انتانیہ..... تو خوب جانتی ہے کہ ماضی میں..... گیتاری نے خواہ اس کا کوئی بھی نام رہا ہو تجھے کبھی نہیں پکارا..... تو بھی اپنے نجات دہندہ کا انتظار کرتی رہی اور میں بھی..... لیکن آج مجھے تیری مدد کی ضرورت ہے..... اب حقیقی خدا کی قسم میری عقل حیران ہے کہ اس مقبرہ کے جن اندرونی راستوں سے میں سینکڑوں مرتبہ گزر چکا ہوں..... وہ میرے لئے نئے کیسے بن گئے..... وہ راستے جو ہمیشہ میرے لئے کھلے رہے آج بند کیسے ہو گئے.....

اس لئے انتانیہ..... باہر آ..... اور مجھے بتا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے دیوار کے نہ ٹوٹنے کا سبب کیا ہے..... کدالوں کی ناکامی کا راز کیا ہے.....؟

انتانیہ..... تجھے آسمان پر چمکنے والی محبت کی دیوی عشاری کی قسم تجھے رب السموات آنو کی قسم..... تجھے دیوتا ابلیس کی قسم..... تجھے طاقت کے دیوتا آیا کی قسم..... تجھے "شرگم" کا واسطہ..... باہر آ..... اس لئے کہ مسلسل ناکامی میرا دل توڑے دے رہی ہے۔

انتانیہ..... تاریخ کے صفحات میں لکھا ہو یا نہ لکھا ہو..... لیکن میں جانتا ہوں کہ یا تو خدائے آفتاب کی بیٹی عشتار "اوز پرس" محبت کی اور یا پھر تو نے احمس سے..... میں تیری دوشیزگی اور اس کی پاکیزگی کی قسم کھا سکتا ہوں..... اس لئے اپنے اس پرانے رفیق کی مدد کر اور مجھے بتا کہ میں تیرے تابوت تک پہنچنے میں کیوں ناکام ہو رہا ہوں.....

انتانیہ..... تجھے دیوی آرئس کا واسطہ..... باہر آ..... اس لئے کہ میں تجھے پکار رہا ہوں..... میں گیتاری..... احمس کا دوست.....

اور پھر مختار نے دیکھا کہ مقبرہ کی باہری دیوار پر ایک سفید دھبہ ابھرا اور اس دھبہ نے دھیرے دھیرے ایک انسانی شکل اختیار کر لی..... اب انتانیہ حسن اصغر کے بالکل سامنے کھڑی تھی وہی نیلی آنکھیں..... ویسا ہی سفید لباس..... مرمریں گلے میں سونے کا ویسا ہی سانپ.....

"میں آ گئی گیتاری..... میں آ گئی....."

"میں جانتا تھا کہ تم ضرور آؤ گی..... جس طرح مجھے یہ یقین ہے کہ تم اپنی ہزاروں سال کی نیند سے بیدار ضرور ہو گی۔"

"گیتاری..... اے میرے مونس و ہمدرد مجھے معلوم ہے کہ آج تم کتنا پریشان ہو اور یہاں آنے سے قبل تم نے کس طرح اختاتون کے بنائے ہوئے ایک خدا کی پوجا والے مندر میں کس طرح اپنی کامیابی کی دعا مانگی تھی..... کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی اس لئے کہ اسپاتا کی خبیث روح ہمارے راستہ میں حائل ہے اس نے اپنی خباثت کے بل پر مقبرہ کی دیواروں کو لوہا پلا دیا ہے..... کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ میں بیدار ہو کر احمس سے ملوں....."

"پھر میں کیا کروں شہزادی....."

"اسپاتا کا جسم برباد کر دو..... اس کے بعد وہ حشر تک کے لئے ہمارے راستہ سے ہٹ جائے گا..... اور گیتاری تمہیں اچھی طرح معلوم ہو کہ اس کی ممیائی شدہ لاش کہاں رکھی ہوئی ہے۔"

"میں سمجھ گیا انتانیہ..... اے کاش یہ راز مجھے پہلے ہی دن معلوم ہو جاتا تو اتنی بھی تاخیر کیوں ہوتی....."

"پھر میں جا رہی ہوں گیتاری..... اختاتون کی قسم میں تھک چکی ہوں ہزار ہا برس کی نیند نے میرا جسم توڑ کے رکھ دیا ہے....."

"اور پھر مختار کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی محبوبہ کی پرچھائیں غائب ہو گئی۔ حسن اصغر چند منٹ تک محویت کے عالم میں کھڑا رہا اور اس کے بعد تیز تیز قدموں کے ساتھ ایک انجانی سمت کی طرف روانہ ہو گیا.....

مختار بھی اس کا تعاقب کرتا رہا۔

متعدد پیچ در پیچ راستوں اور کھنڈروں سے گزرنے کے بعد حسن اصغر ایک بوسیدہ عمارت کے کھنڈروں کے پاس جا کر رک گیا..... مختار نے دیکھا کہ کھنڈر کے مسمار شدہ پھاٹک کے ملبے پر ایک اور سایہ موجود تھا..... اچانک

فضاء میں ایک نیم انسانی آواز بلند ہوئی.....

''گیتاری..... وہیں رک جاؤ..... یہ میں ہوں اسپاتا۔''

''لیکن کیوں رک جاؤں.....'' گیتاری کی آواز میں بالکل نیا عزم تھا۔

''اس لئے کہ میں اپنے جسم کی بربادی نہیں چاہتا..... مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ شہزادی نے تمہیں میرا راز بتادیا ہے کہ میں اس کے مقبرہ کے چاروں طرف ایک آہنی حصار کھینچ چکا ہوں اور وہ اسی صورت میں ٹوٹ سکتا ہے جب میرا جسم برباد کردیا جائے.....''

''ہاں..... اور تم جانتے ہو کہ تمہارا جسم برباد کرنے کی قوت مجھ میں موجود ہے.....'' گیتاری نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا۔

''معلوم ہے..... لیکن گیتاری..... کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم دونوں صلح کرلیں.....''

''میں کمزور خبیث اور شیطان روحوں سے صلح کا قائل نہیں.....''

''لیکن گیتاری..... ذرا سوچو..... انتانیہ میری قانونی منگیتر ہے سیٹی اول نے فرعون کی حیثیت سے میری اور اس کی منگنی کردی تھی قانوناً اور اخلاقاً وہ میری ہوچکی تھی اور آج بھی ہے..... پھر میں اس کو کیسے کسی دوسرے کے حوالے کردوں۔''

''میں بحث میں اپنا وقت برباد کرنا نہیں چاہتا اسپاتا..... انتانیہ کی بیداری میری زندگی کا مقصد ہے اور میں اس مقصد کو حاصل کرکے دم لوں گا.....''

''یعنی میرا جسم ضرور برباد کروگے.....'' اب اسپاتا کے لہجے میں لجاجت تھی۔

''ہاں..... یہ میرا فیصلہ ہے..... کیونکہ مجھے یہ راز معلوم ہوچکا ہے.....

''نہیں گیتاری..... نہیں..... رب راع کی قسم.....'' اسپاتا کی روح بھیک مانگنے کے انداز میں چیخ اٹھی۔

''رب راع کی قسم بیکار ہے اسپاتا..... تمہارا رب ضلالت کی تاریکیوں میں گم ہوچکا ہے اور دنیا جان چکی ہے کہ ماضی میں جو تمہارا رب تھا وہ صرف سورج ہے آسمان کا ایک طاقتور ستارہ..... بس چند منٹ کی مہلت اور ہے اس کے بعد میں تمہاری ممی کے نزدیک پہنچ جاؤں گا اور..... پھر.....''

''نہیں..... تم ایسا نہیں کرسکتے..... میں اس کے لئے تیار ہوں کہ تمہیں اپنا منصف بنا کر انصاف کرلوں.....''

''لیکن میں تمہارا منصف بننے کے لئے تیار نہیں ہوں.....''

''نہ ہو..... لیکن ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ قانوناً اور اخلاقاً انتانیہ میری ہے یا نہیں.....''

''محبت اور محبت کے جذبات قانون اور اخلاق کے ترازو میں نہیں تولے جاتے اسپاتا اس کے سودے کا تعلق دل سے ہے اور دل جس کا ایک کسی کا ہوجاتا ہے پھر دوسرے کا نہیں ہوتا..... میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہاری منگنی سے قبل انتانیہ..... احمس کی نہیں تھی؟''

''خیر..... تم رفاقت اور دوستی کے جذبہ میں ڈوب کر اخلاق اور قانون تک کی قدروں تک کو بھولے جارہے ہو گیتاری..... لیکن یاد رکھو اس دنیا کا نظام اسی وقت تک چلے گا جب تک لوگ قانون اور اخلاق کی حدوں کا احترام کریں گے..... آج تمہیں محض اس لئے کہ تم میری روح سے زیادہ طاقتور ہو اس کا پورا حق حاصل ہے کہ تم میرے جسم کو برباد کرنے کی دھمکی دے کر مجھ سے میری منگیتر چھین لو..... لیکن میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم ایسا ضرور کرو..... میرا نام بھی اسپاتا ہے گیتاری..... جاؤ اپنا جسم بچانے کی خاطر میں اپنا سحر ختم کررہا ہوں..... انتانیہ کے مقبرہ کے چاروں طرف میں نے جو آہنی حصار کھینچ دیا تھا وہ کل صبح تک موم کی طرح پگھل جائے گا..... اور تم مقبرہ کا دروازہ توڑنے میں کامیاب ہوجاؤ گے..... میں جانتا ہوں کہ تم شہزادی انتانیہ کو بیدار بھی کرلو گے..... لیکن اس کے بعد مجھے دیکھنا ہے کہ تم انتانیہ کو احمس کے حوالے کیسے کرو گے.....؟ اور یہ کہہ کر اسپاتا کی روح نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا..... دیر تک اس لرزا دینے والے قہقہے کی صدائے بازگشت فضا میں گونجتی رہی..... حسن اصغر دم بخود

کھڑا رہا اور اس کے بعد وہ ٹھیک اسی جگہ آ گیا جہاں مختار پتھر کی آڑ میں کھڑا ہوا یہ ساری گفتگو سن رہا تھا.....

مختار اور حسن اصغر کی نظریں چار ہوئیں..... ایک مشفقانہ مسکراہٹ حسن اصغر کے لبوں پر پھیلی اور اس نے مختار کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا..... کہانی ختم ہونے والی ہے مختار اس لئے میں نے خود چاہا تھا کہ تم میری اور اسپاتا کی تمام گفتگو اپنے کانوں سے سن لو..... میں اب کوئی بات راز رکھنا نہیں چاہتا..... میں واقعی گیتاری ہوں..... تمہاری مصری زندگی کا آخری رفیق..... مجھ میں اور تمہارے وجود میں فرق صرف اتنا ہے کہ تم نہیں جانتے تھے کہ تم خان بہادر حسام الدین کے بیٹے کے علاوہ اجنس بھی ہو اور میں اپنی پیدائش کے وقت بھی جانتا تھا کہ میں گیتاری ہوں..... اس لئے میں انتانیہ کی بے مثال قربانی سے متاثر ہو کر عین اس وقت جبکہ وہ زندہ ممی بنا کر اپنے تابوت میں لٹائی جا رہی تھی قسم کھائی تھی کہ میں نہ صرف انتانیہ کو بیدار کر کے رہوں گا بلکہ اس کو اس کے محبوب سے بھی ملاؤں گا.....

"تین ہزار سال گزر گئے میری اس قسم کو..... میں پیدا ہوتا رہا اور مرتا رہا..... اور مختار..... تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ سینکڑوں دفعہ پیدا ہونے اور مرنے کے بعد بھی میری شکل وصورت خدوخال اور قد وقامت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی..... اور میں آج بھی بالکل وہی ہوں جو آج سے تین ہزار سال قبل فرعون سیٹی کے دور حکومت میں تھا..... میں جانتا ہوں تمہیں میری بات سن کر حیرت ہو رہی ہوگی لیکن مختار یہ عالم ارواح، موت نہ ماضی ہے نہ مستقبل..... نہ زمین ہے نہ آسمان..... نہ اس پر گزرتے ہوئے وقت کا کوئی اثر پڑتا ہے....."

تم یوں سمجھ لو کہ دنیا کے نزدیک سیٹی اول کے دور حکومت کو تین ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن چشم باطنی کے نزدیک یہ طویل مدت ایک لمحہ سے بھی کم ہے..... بہرحال یہ ایک الجھا ہوا فلسفہ ہے جو میں یہاں چند منٹ میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا اس فلسفہ کا زندہ ثبوت میں تمہیں دکھا ضرور رہا ہوں..... اور یہ ثبوت خود میرا وجود ہے..... جو تمہاری نگاہ میں حسن اصغر تھا..... لیکن ہے وہ گیتاری....."

"مختار..... تمہیں یاد ہوگا کہ جب تم نے تعلق آباد کے کھنڈروں کی ایک برجی پر سب سے پہلے انتانیہ کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی تھی تو راستہ میں تم کو ایک ایسا انسان بھی ملا تھا جو مصری لباس میں ملبوس تھا..... تم جانتے ہو انسان کون تھا..... وہ میں تھا مختار..... آج کا حسن اصغر اور گزرے ہوئے ماضی کا گیتاری..... جس کے نزدیک نہ وقت کی کوئی مدت ہے اور نہ نام کے کوئی معنی وقت کم ہے مختار ورنہ میں تمہیں تفصیل سے بتاتا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا..... قاہرہ کی سڑکوں پر پھرنے والا حسن اصغر تعلق آباد کے کھنڈروں میں کیسے پہنچا اور انتانیہ نے تمہیں اپنی جھلک دکھا کر تمہیں اپنی طرف راغب کیسے کیا.....؟

"مختار..... میرے دوست..... وہ وقت بہرحال آ گیا جس کیلئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا..... اطمینان رکھو کل دوپہر تک انتانیہ کے مقبرہ کا ہر دروازہ کھل جائے گا ہم دونوں اس کے تابوت کے پاس ضرور موجود ہوں گے..... اور پھر آج کا مصری اپنی آنکھ سے دیکھ لے گا کہ اگر ایک طرف محبت کی ماری ہوئی عورت کا جسم حکمت کے اصولوں پر ہزاروں سال تک زندہ رہا تو دوسری جانب ایک انسان کی روح بھی محض اپنی قوت ارادی کے بل پر عالم ارواح کے سیارے ہزاروں سال تک ایک ہی جسم کو اپنا مسکن بنائے رہی....."

تم اسپاتا کی خباثت سے بھی مطمئن رہو..... وہ مجھے چیلنج دے کر گیا ہے کہ انتانیہ بیداری کے بعد بھی احنس یعنی مختار کی نہیں ہو سکتی لیکن وہ یہ بھول گیا ہے کہ اس کے مقاصد برے اور میرے مقاصد نیک ہیں..... اور ظاہر ہے کہ نیکی اور بدی کی اس لڑائی میں فتح بہرحال نیکی کی ہی ہوگی..... یہ ٹھیک ہے کہ میں اسپاتا کو منع نہیں کر سکتا لیکن میں اسپاتا کو اس قابل بھی نہیں رہنے دوں گا کہ وہ تمہیں یا شہزادی کو کوئی نقصان پہنچا سکے....."

حسن اصغر ابھی کچھ اور کہنا کہ اسے دور سے روشنی نظر آئی..... چنانچہ اس نے اپنی گفتگو نامکمل ہی ختم کر دی اور حیران بہوت مختار سے کہا.....

(جاری ہے)

تاریک رات

مہتاب خان-کراچی

اچانک نوجوان پر دہشت سوار ہوگئی، جب اسے معلوم ہوا کہ ابھی تک وہ ایک روح کے برابر میں بیٹھا اس سے باتیں کررہا تھا اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور سر بری طرح چکرانے لگا تھا کہ اتنے میں.....

دل و دماغ کو ہلا دینے والا اندھیر اہر سو مسلط تھا، اسی گھٹا ٹوپ اندھیرے کی خوفناک کہانی

اس کا تبادلہ محکمہ صحت کی طرف سے ضلع تھرپارکر کے ایک گاؤں مٹھی میں ہوگیا تھا۔ ٹرین کی رفتار کم ہوئی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس ویران سے اسٹیشن کے سنسان سے پلیٹ فارم پر آ کر رک گئی۔ اس کا اسٹیشن آ گیا تھا۔ سامان کے نام پر اس کے پاس ایک چھوٹا سا سوٹ کیس تھا۔ جس میں اس کے ذاتی استعمال کا مختصر سا سامان تھا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اس وقت وہ یہاں اترنے والا واحد مسافر تھا۔ اس مختصر سے پلیٹ فارم پر گہری تاریکی اور خاموشی چھائی ہوئی تھی دور کچھ فاصلے پر ایک کیبن میں لگا بلب اس تاریکی کو توڑنے کی ناکام سی کوشش کررہا تھا۔ یہ غالباً چائے کا کیبن تھا۔

دسمبر کی ایک یخ بستہ رات تھی سرد ہواؤں سے اسے اپنا لہو رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہورہا تھا۔ اسپتال

تک جانے کے لئے سواری کا انتظام ازحد ضروری تھا اور اس وقت کوئی سواری اسے دور دور تک نظر نہیں آرہی تھی... وہ ٹہلتا ہوا چائے کے اس کیبن تک چلا آیا۔ کیبن والا شاید کیبن بند کرنے کی تیاری کررہا تھا۔

''السلام وعلیکم۔'' کیبن کے قریب پہنچ کر وہ ذرا بلند آواز سے بولا۔

''وعلیکم السلام۔'' چائے والے نے کہا۔

''بھائی یہاں اس وقت کوئی سواری ملے گی مجھے سرکاری اسپتال جانا ہے؟'' اس نے مدعا بیان کیا۔

''وہ تو یہاں سے چار پانچ کلومیٹر دور ہے اور اس وقت سواری کا ملنا ناممکن ہے۔ گاؤں کے لوگ اندھیرا پھیلنے کے بعد گھروں سے نکلنا پسند نہیں کرتے۔''

''اوہ!'' اس نے تشویش زدہ لہجے میں کہا پھر پاس ہی پڑی ہوئی بینچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''چلو ایک پیالی چائے ہی پلادو پھر کچھ سوچتے ہیں۔''

''آپ بابو جی کہاں سے آئے ہیں اور سرکاری اسپتال کیوں جانا چاہتے ہیں؟'' اس نے ایک سانس میں کئی سوال پوچھ ڈالے۔

''میں ڈاکٹر ہوں۔ کراچی سے آیا ہوں۔ اس علاقے میں میرا تبادلہ ہوگیا ہے۔''

''یہ تو بہت اچھا ہوا ڈاکٹر صاحب۔ آپ کو پتہ ہوگا کہ یہاں کیا آفت آئی ہوئی ہے۔ روزانہ کتنے بچے مررہے ہیں ہمارا یہ پورا علاقہ قحط سالی کا شکار ہے۔'' وہ باتوں کے ساتھ چائے بنانے میں بھی مصروف تھا۔

اپنی باتوں سے وہ پڑھا لکھا نوجوان لگتا تھا۔

کچھ دیر کی گفتگو کے بعد پتہ چلا کہ وہ واقعی پڑھا لکھا تھا۔ بی اے پاس نوجوان، بیروزگاری سے تنگ آکر یہاں اسٹیشن پر چائے کا کیبن لگالیا تھا۔

رات کے تقریباً دو بج گئے تھے اس یخ بستہ ماحول میں گرما گرم چائے بڑا لطف دے رہی تھی اسے فکر بھی سوار تھی کہ اسپتال تک کیسے جائے گا؟

''اچھا جناب میں چلتا ہوں، سوری میں نے تمہیں اس وقت تکلیف دی، تم شاید کیبن بند کررہے تھے۔'' چائے ختم کرکے اس نے جیب سے پیسے نکالتے ہوئے کہا۔

''نہیں ڈاکٹر صاحب تکلیف کیسی اور پیسے آپ رہنے دیں آپ ہمارے مہمان ہیں اور محسن بھی ورنہ اس دور دراز جگہ کوئی نہیں آتا۔'' اس نے چائے کے پیسے لینے سے صاف انکار کردیا۔

''میں تو کہتا ہوں ڈاکٹر صاحب آپ اس وقت سفر نہ کریں تو بہتر ہے۔ یہاں سے قریب ہی میرا غریب خانہ ہے آپ کے شایان شان تو نہیں مگر آپ رات تسلی سے گزار کر صبح سویرے روانہ ہوجائیں۔ راستہ میں ایک قبرستان بھی ہے، وہاں سنا ہے کہ بدروح کا بسیرا ہے وہ اکثر مسافروں کو نظر آتی ہے۔''

''نہیں یار مجھے ہر حال میں ڈیوٹی سنبھالنی ہے اور بدروحوں وغیرہ پر میں بالکل یقین نہیں رکھتا۔'' اسپتال جانے والے راستے کی سمت کی ہدایت لیتا وہ پیدل ہی روانہ ہوگیا۔

یہ چاند کی روشن تاریخیں تھیں اس لئے وہ باآسانی پیدل چلا جارہا تھا۔ فضاء میں ایک وحشت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ دور دور تک کوئی ذی روح دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس کچے راستے کے دونوں طرف ٹنڈ منڈ درخت اور گھنی جھاڑیاں تھیں تیز اور ٹھنڈی ہوا جب ان درختوں کی ٹہنیوں سے ہوکر گزرتی تو ایک عجیب سی سنسناتی ہوئی آواز پیدا ہورہی تھی جو جنگلی گھاس اور جھاڑیوں کے ساتھ مل کر بڑا خوف ناک تاثر پیدا کرتی تھی۔ کوئی عام شخص ہوتا تو رات کے اس پہر ایسے راستے پر کبھی تنہا سفر نہ کرتا لیکن وہ شہباز تھا نہایت نڈر اور دلیر۔

شہباز دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا، اس کے والد محکمہ ریلوے سے وابستہ تھے اور والدہ ایک سرکاری اسکول میں ٹیچر تھیں، وہ گھر بھر کا لاڈلہ اور ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا۔ وہ تھا بھی شہزادوں جیسا سرخ وسفید رنگت، چوڑی پیشانی اونچا لمبا قد اور کسرتی جسم کا مالک

تھا۔ عموماً لاڈ پیار میں پلے بڑھے لوگ تعلیم میں زیادہ کامیاب نہیں ہوتے۔ مگر شہباز کا معاملہ الگ تھا۔ تعلیم کے معاملے میں بھی وہ اپنے ہم جماعتوں میں سب سے لائق تھا وہ شروع سے ہی ہر کلاس میں اول پوزیشن حاصل کرتا رہا تھا، اس کے علاوہ وہ ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی آگے آگے رہتا تھا۔ الغرض اس میں زندگی کی تمام سرگرمیاں پائی جاتی تھیں۔

متوسط طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود شہباز کے والدین نے اسے کبھی کسی چیز کی کمی محسوس ہونے نہیں دی تھی۔ اس کی ہر خواہش بنا مانگے پوری ہوجاتی تھی۔ پڑھائی کے میدان میں بھی کامیابیوں نے اس کے قدم چومے تھے اور ایم بی بی ایس اس نے نمایاں پوزیشن سے کرلیا تھا۔ ماں باپ کی دعاؤں اور اس کی انتھک محنت رنگ لائی تھی اور ہاؤس جاب کے بعد اسے جاب بھی مل گئی تھی۔ اس کی پوسٹنگ سندھ کے اس پسماندہ علاقے کے اسپتال میں ہوگئی تھی، ماں باپ اور بہنوں نے ڈھیر ساری دعاؤں میں روتی آنکھوں کے ساتھ اسے رخصت کیا تھا، پہلی بار وہ گھر والوں سے اتنی دور جا رہا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ ان سے جدا ہوتے وقت بہت غمگین اور اداس تھا۔

وہ اپنی منزل کی جانب گامزن تھا۔ اسے چلتے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ ہوچکا تھا لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ وہیں کا وہیں کھڑا ہے جہاں سے اس نے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس کے چاروں طرف راستے سنسان اور گہری تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے چاند کی روشنی اسے ناکافی محسوس ہو رہی تھی زرد اور سوکھے ہوئے پتے اس کے قدموں کے نیچے کڑکڑاتے تو تاریکی اور خاموشی میں ایک عجیب اور پراسرار قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ وہ منزل کی طرف قدم اٹھا تو رہا تھا، مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ چلنے کے باوجود ایک قدم بھی نہ چلا ہو۔ وہ خود اپنی اس کیفیت پر حد سے زیادہ حیران اور منتشر تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

کچھ دیر کے لئے وہ رک گیا اور چاروں طرف دیکھا۔

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

دل کی بیماریاں

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں، دل کی دھڑکن، خون کے دباؤ کی زیادتی، شریانوں کی سختی و ہائی بلڈ پریشر، غذائی 5 تبدیلیاں جو آپ کی زندگی بدل دیں گی، دل کی جڑیں دماغ میں ہیں، بچپن کی تلخیاں اور ہارٹ اٹیک، مرض دل کا سن کر اوسان خطا نہ کریں، دل کا دورہ زندگی بچائے، خواتین میں ہارٹ اٹیک کی علامات، غصے سے بچیں دل کے دورے سے بچیں، بچوں میں دل کی بیماریاں، بائی پاس سرجری اور فرائیڈ چکن، ایمرجنسی تدابیر، صحت مند دل کے لئے دس قیمتی مشورے، امراض قلب کا نباتاتی علاج، پیدل چلنے کے فوائد، دل کی دھڑکن بڑھنے کا غذا سے علاج، دل کی جلن کا غذا سے علاج، دل کے غلاف کی سوجن، ورم غلاف القلب پیری کارڈائیٹس، دل کی سوجن، ورم قلب، دل کی عضلہ کی سوجن کارڈائیٹس۔ اور بہت سی دل کی بیماریوں کے بارے میں جانئے اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

اچانک اسے محسوس ہوا کہ وہ راستہ بھٹک گیا ہے وہ اس وقت ایک چٹیل میدان میں تھا کچھ دیر ٹھہر کر منزل کا تعین کرنے لگا اس کے ایک ہاتھ میں سوٹ کیس تھا اور اب وہ تھکن محسوس کررہا تھا تھوڑی دیر وہ ماحول کا جائزہ لیتا تھا پھر مشرق کی سمت چل پڑا۔ میدان ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ پھر اسے محسوس ہوا کہ اس کے پاؤں زمین میں دھنس رہے ہیں اب جس چیز کا اس پر انکشاف ہوا وہ بڑا روح فرسا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

جسے وہ چٹیل میدان سمجھ رہا تھا درحقیقت وہ میدان نہیں تھا بلکہ ایک پرانا قبرستان تھا بہت زیادہ پرانا ہونے کی وجہ سے قبریں زمین میں دھنس گئی تھیں اور کتبے گر چکے تھے کتبوں پر مٹی کی اتنی تہیں جم چکی تھیں کے وہ مٹی کا ہی حصہ معلوم ہوتے تھے اس پر خوف کی کیفیت طاری ہونے لگی۔

اس نے اندھا دھند بھاگنا شروع کردیا اس بھاگم دوڑ میں اچانک کسی کتبے سے اسے زوردار ٹھوکر لگی تو وہ اس ٹوٹی ہوئی قبر کے اندر گر گیا۔ جس میں گوشت پوست سے بے نیاز ایک انسانی ڈھانچہ پڑا تھا۔

شہباز کو خوف سے ٹھنڈے پسینے آنے لگے اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا وہ سنبھلا اور باہر نکلنے کی تگ ودو کرنے لگا۔

اچانک ہی اس ڈھانچے میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے شہباز کو دبوچ لیا تو وہ خود کو چھڑانے کے لئے زور لگانے لگا۔

ڈھانچے نے اپنے استخوانی ہاتھوں سے اس کی گردن کے گرد گرفت مضبوط کرلی اور پھر ڈھانچے کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی تھی۔

شہباز خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی ناکام کوشش کررہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بے ہوش ہوگیا تھا۔

اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ کوئی انسانی ہیولہ قبر میں جھانک رہا تھا اور اسے آوازیں دے رہا تھا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اس ہیولے نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کو سہارا دے کر قبر سے نکال لیا شہباز نے قبر کے اندر دیکھا تو وہاں کوئی ڈھانچہ نہیں تھا قبر خالی تھی وہ حیران رہ گیا وہ مضبوط اعصاب کا مالک سہی مگر اپنے ساتھ پیش آنے والے اس واقعہ سے وہ حد سے زیادہ خوف زدہ تھا اس نے اجنبی کی طرف دیکھا اور اسے اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بتانے لگا اجنبی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ سب آپ کا وہم ہے۔ دراصل آپ زیادہ ہی خوف زدہ ہوگئے تھے۔''

''اچھا یہ تو بتائیں آپ ہیں کون؟ اور میرا نام کیسے جانتے ہیں آپ نے کچھ دیر پہلے مجھے میرا نام لے کر آواز دی تھی۔''

شہباز ابھی تک حیران تھا۔ پے در پے پیش آنے والے واقعات نے اسے گھن چکر بنا دیا تھا۔

''میں نے اسٹیشن پر ہی آپ کو دیکھا تھا۔ آپ چائے کی کیبن پر کچھ دیر ٹھہرے تھے اور چائے پی تھی میں وہیں تھا۔''

''لیکن میں نے تو تمہیں نہیں دیکھا۔'' شہباز بولا۔

''آپ کی نظر نہیں پڑی ہوگی۔ آپ کو اسپتال جانا ہے نا چلیں میں آپ کو پہنچا دیتا ہوں۔'' اس نے پیش کش کی۔

شہباز بھی اب مطمئن ہوگیا تھا اس وقت خالی ہاتھ تھا اس کا بیگ بھی نہ جانے کدھر گر گیا تھا وہ دونوں اندھیرے میں باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتے رہے۔ شہباز کا خوف کافی حد تک دور ہو چکا تھا۔ اجنبی نے بتایا کہ وہ اسی گاؤں کا رہنے والا ہے کسی کام سے شہر گیا تھا آتے آتے رات ہوگئی۔ شہباز بہت تھک چکا تھا اس سے قدم اٹھانا دوبھر ہو رہے تھے اس نے اجنبی سے پوچھا کہ۔ ''گاؤں اور کتنی دور ہے؟''

اجنبی نے کہا۔ ''لگتا ہے آپ تھک گئے ہیں۔ میرا ہاتھ تھام لیں ہم جلدی پہنچ جائیں گے۔''

شہباز نے کچھ تذبذب کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس لمحے اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اس نے

کسی لافانی قوت کو تھام لیا ہے۔ اچانک ہی قبرستان ختم ہو گیا اور اب وہ ایک حویلی کے سامنے کھڑے تھے۔

"یہ ہم کہاں آ گئے؟ یہ کون سی جگہ ہے؟" شہباز حیران و پریشان تھا اجنبی نے ہنس کر کہا۔

"آپ نے اتنے سوال ایک ساتھ کر دیئے یہ میری حویلی ہے میں یہاں رہتا ہوں آپ تھکے ہوئے ہیں کچھ دیر یہاں کھانا کھا کر آرام کر لیں پھر میں آپ کو چھوڑ آؤں گا۔"

وہ اسے حویلی کے اندر لے آیا تھا حویلی کا یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جہاں اس وقت یہ لوگ موجود تھے کمرے میں ایک طرف آرام دہ مسہری تھی اور دوسرے کونے میں لکڑی کی کرسیاں رکھی تھیں۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آپ یہاں بالکل محفوظ ہیں آپ آرام کریں میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں۔" اجنبی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور کھانا لینے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شہباز دوبارہ کمرے کا جائزہ لینے لگا ایک دم اسے خیال آیا کہ یہاں سے بھاگ جانا چاہئے نہ جانے یہ کیا گورکھ دھندہ ہے، ابھی اس نیت سے وہ اٹھا ہی تھا کہ اجنبی کھانے کی ٹرے تھامے کمرے میں آ گیا۔

"آپ اطمینان سے کھانا کھائیں۔" اجنبی نے ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آپ نہیں کھائیں گے؟" شہباز نے اس سے پوچھا۔

"نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔" کھانے کے دوران خاموشی طاری رہی۔

ابھی شہباز نے کھانا ختم ہی کیا تھا کہ اچانک اس کے کانوں سے کسی عورت کے رونے کی آواز ٹکرائی اس نے سوالیہ نظروں سے اجنبی کی طرف دیکھا۔

اجنبی نے ٹرے اٹھا کر پاس پڑی میز پر رکھی اور خود اسی مسہری کے کنارے پر بیٹھ گیا جس پر شہباز بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ میری بیٹی کی آواز ہے۔ حویلی کے مالک نے اسے قید کیا ہوا ہے۔"

"مالک؟ آپ نے تو بتایا تھا یہ آپ کی حویلی ہے۔"

"نہیں میں تو یہاں رہتا ہوں۔ مالک تو ایک وڈیرہ ہے جس نے میری بیٹی کو اغوا کر کے اپنی قید میں رکھا ہے۔"

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" شہباز نے اپنا سر تھام لیا۔

"میں شروع سے آپ کو اپنی کہانی سناتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میں اسی لئے تو آپ کو اس حویلی میں ساتھ لایا ہوں۔"

"مجھے نہیں سننی تمہاری کہانی مجھے جانے دو۔" شہباز اٹھ کھڑا ہوا۔

"میری کہانی سنے بغیر آپ نہیں جا سکتے۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔

شہباز نے جیسے ہی قدم آگے بڑھانا چاہا اسے ایسا لگا جیسے اسے زنجیروں سے جکڑ دیا گیا ہو۔ وہ دوبارہ مسہری پر بیٹھ گیا۔

اجنبی نے کہنا شروع کیا۔ "میں اس گاؤں کا غریب کسان تھا۔ اس دن میں کھیتوں میں کام کر رہا تھا کہ ہمیشہ کی طرح میری بیٹی میرے لئے کھانا لے کر کھیت میں آئی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں درخت کے سائے میں کچھ دیر آرام کرنے کے خیال سے بیٹھا ہی تھا کہ مجھے اپنی بیٹی کی چیخ سنائی دی جو کچھ دیر پہلے کھانے کے خالی برتن لے کر گھر کی طرف گئی تھی۔

وہ مجھے مدد کے لئے پکار رہی تھی۔ میں دوڑتا ہوا اس کی آواز کی سمت بھاگا تو دیکھا کچھ نوجوان اسے زبردستی گاڑی میں بیٹھا کر رفو چکر ہو رہے تھے میں گاڑی کو پہچان چکا تھا یہ وڈیرے کی گاڑی تھی میں اس کے پیچھے بہت دور تک بھاگا مگر وہ نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔"

شہباز سکون سے اس کی باتیں سن رہا تھا کچھ دیر ٹھہر کر اس نے بات جاری رکھی۔

''میں وڈیرے کے پاس اس کی حویلی پہنچا تو اس کے کارندوں نے مجھے حویلی میں گھسنے نہیں دیا لیکن میں ٹھان کر آیا تھا کہ ہر حال میں اپنی بیٹی کو اس درندہ صفت انسان سے بچاؤں گا، ورانتی میرے پاس تھی میں کسی طرح ان کارندوں کی نظروں میں آئے بغیر حویلی کی پچھلی دیوار پھاند کر بڑی مشکل سے وڈیرے کے کمرے تک پہنچا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا میں نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا، نشے میں جھومتے وڈیرے نے جھنجھلا کر جیسے ہی دروازہ کھولا، میں نے ورانتی سے اس کی گردن پر وار کر دیا اور اسے جہنم واصل کر دیا۔

لیکن ابھی میں بیٹی کو آزاد کروانے کے لئے آگے بڑھا ہی تھا کہ وڈیرے کے ملازم آ گئے شاید وہ شور کی آواز سن کر آئے تھے انہوں نے وہیں مجھے اور میری بیٹی کو مار ڈالا۔ نہ کہیں پرچہ کٹا نہ عدالت ہوئی ہم دونوں بے گناہ باپ بیٹی مارے گئے اور الٹا ہم پر ہی الزام لگا کہ وڈیرے کو لوٹنے آ گئے تھے۔

''یہ سارا قصہ آپ کو سنانے کا میرا مقصد یہ تھا کہ آپ سب کو بتائیں کہ ہم جیسے لوگوں کے ساتھ یہاں کے طاقتور لوگ کیا سلوک کرتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

شہباز خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا وہ ابھی تک ایک روح کے ساتھ تھا جو اس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

شہباز کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا پھر اسے ہوش نہ رہا کہ وہ کہاں ہے۔

''ڈاکٹر صاحب! ڈاکٹر صاحب۔'' کوئی اسے پکار رہا تھا اس نے آنکھیں کھولیں۔ چائے والا اس پر جھکا ہوا اسے پکار رہا تھا۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں وہ کسی اسپتال کے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی، اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو چائے والا جو اسے اسٹیشن پر ملا تھا بولا۔

''لیٹے رہئے، میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ آپ کو ہوش آ گیا ہے۔''

''ایک منٹ پہلے یہ بتاؤ کہ میں یہاں کیسے پہنچا۔ میں تو حویلی میں تھا۔'' شہباز نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''کون سی حویلی؟ اچھا آپ اس کھنڈر حویلی کی بات کر رہے ہیں جو قبرستان کے قریب ہے؟''

''ہاں۔'' اس نے فوراً کہا۔

''لیکن آپ تو مجھے ایک قبر میں پڑے ہوئے ملے تھے۔''

''کیا؟'' شہباز حیران رہ گیا۔

''جی۔ میں گھر جانے کے لئے روزانہ اسی قبرستان سے گزرتا ہوں میں نے قبر کے پاس آپ کا بیگ پڑا ہوا دیکھا تو سمجھ گیا تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی انہونی ہوئی ہے، میں نے آپ کو کئی آوازیں دی تھیں پھر جگہ جگہ تلاش کیا بالآخر آپ مجھے اس قبر میں گرے ہوئے مل گئے۔ میں نے بہت مشکل سے آپ کو اس قبر سے نکالا اور لوگوں کو مدد کے لئے بلایا پھر ہم آپ کو یہاں لے آئے۔

جس اسپتال میں شہباز کو بطور ڈاکٹر تعینات کیا گیا تھا اسی میں وہ بطور مریض لایا گیا تھا۔ کئی دن اس کا علاج ہوتا رہا بعد میں چائے والے کی زبانی اسے پتہ چلا کہ کئی سال پہلے اس قسم کا ایک واقعہ ہوا تھا اور حویلی کے وڈیرے کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔

شہباز اگر اتنا نڈر نہ ہوتا تو کبھی کا یہاں سے اپنا ٹرانسفر کروا چکا ہوتا، وہ یہاں کئی سال تک ڈیوٹی انجام دیتا رہا اس کے ساتھ ساتھ اس نے ایک NGO کو بھی یہاں کام کے لئے آمادہ کر لیا تھا یہاں اس نے بڑے ترقیاتی کام کئے، اس انوکھی رات نے اسے یکسر بدل دیا تھا، اس غریب کسان کی بھٹکی ہوئی روح نے اس علاقے کی قسمت بدل دی۔

انجام

احسان سحر۔میانوالی

اپنے قرب و جوار سے بے خبر دوشیزہ چرچ میں بیٹھی تھی کہ اچانک اس کے قریب ایک ہیولہ نمودار ہوا اور پھر وہ دوشیزہ کی طرف بڑھا تو چشم زدن میں دوشیزہ کے وجود سے بھی ایک ہیولہ نمودار ہوا.....

چاہت وخلوص کی دل گریفتہ اور دل فریفتہ فرحت بخش اپنی نوعیت کی خوبصورت کہانی

رالف کے پرانے دوست ایڈی نے محسوس کرلیا تھا کہ جب وہ دونوں دوست تھے پینے پلانے اور گپ شپ کے لئے کبھی کبھار اکٹھے ہوتے تھے تو رالف پہلے کی طرح صحیح معنوں میں خوش دکھائی نہیں دیتا تھا اندر ہی اندر جیسے کوئی چیز اسے پریشان کئے رکھتی تھی۔ یہ تبدیلی زیادہ پرانی نہیں تھی۔۔۔ کچھ عرصے سے آئی تھی، آخر ایک روز ایڈی پوچھے بنا نہیں رہ سکا بات کیا ہے تھوڑی سی پینے پلانے کے بعد تم کچھ ناخوش دکھائی دینے لگتے ہو اس قسم کی تبدیلیاں پرانے دوستوں سے چھپی نہیں رہ سکتیں تمہارا کہنا ہے کہ تمہارا کاروبار بھی ٹھیک چل رہا ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے۔۔؟

اب تو گویا رالف بھی دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے آمادہ نظر آنے لگا تھا، وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا، میں اصل میں ڈورتھی کی وجہ سے پریشان ہوں، ڈورتھی اس

کی بیوی کا نام تھا گیا ہوا ڈورتھی کو کیا اس کی طبعیت ٹھیک نہیں رہتی؟ ایڈی نے ویٹر کو مزید ڈرنکس لانے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ وہ تو ہمیشہ ٹھیک ٹھاک رہتی ہے شاید ہی کبھی بیمار ہوتی ہو، دراصل اس نے ایک عجیب وغریب اور احمقانہ سا کاروبار شروع کیا ہوا ہے میں اس کی وجہ سے پریشان ہوں۔تم خود ہی سوچو۔۔۔انسان دن بھر کی مصروفیات کے بعد گھر پہنچے تو اسے میز پر کفن دفن کرنے والے اداروں کے برد شمر اور تابوت فروخت کرنے والی دکانوں کے رنگین اشتہار بکھرے دکھائی دیں تو وہ کیا محسوس کرے گا، ہنسو مت۔۔۔ڈورتھی نے کچھ عرصے سے یہی کام شروع کر رکھا ہے جن گھروں میں کسی کا انتقال ہو جاتا ہے، ان سے ڈورتھی کچھ معاوضے پر سارے انتظامات اپنے ذمے لے لیتی ہے لواحقین کی خواہش اور استطاعت کے مطابق۔۔۔کفن دفن قبر کا انتظام۔۔۔قبر کے لئے پھولوں کی فراہمی۔۔۔تابوت کی خریداری۔۔۔پادری سے معاملات۔۔۔مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام۔۔۔ یہ سب کچھ ڈورتھی کرتی ہے وہ اپنے اس کام کو سوگواروں کا ہاتھ بٹانا کہتی ہے مگر میں اسے مردوں کے لئے شاپنگ کا نام دیتا ہوں۔ مجھے تو اس کام کے بارے میں سوچنا بھی برا محسوس ہوتا ہے۔گھن سی آتی ہے۔یہ تو واقعی عجیب سا کام ہے، ایڈی مسکرایا، اس سے پہلے میں نے کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ وہ یہ کام کرتا ہو۔

اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ کام اچھا خاصا چل گیا ہے وہ مقامی اخبار میں اپنا اشتہار دیتی ہے اور اچھے خاصے لوگ اس کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ خود زحمت سے بچنے کے لئے لوگ جنازے کے سلسلے کے تمام انتظامات اس کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض لاوارث افراد کی موت کے بعد ان کے وکیل یا متعلقہ ادارے وغیرہ بھی ڈورتھی سے رابطہ کرتے ہیں اور اس سے رجوع کرنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔۔۔لیکن مجھے یہ کام بڑا شرمناک لگتا ہے یہ کوئی باعزت کام تو نہیں ہے کلبوں کی میٹنگز میں میری جاننے والے مجھے دیکھ کر ایک دوسرے کو کہنیاں مارتے ہیں اور کھسر پھسر کرتے ہیں مجھے بڑی خفت سی محسوس ہوتی ہے۔

ایڈی گویا اس کی حالت سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا اور مسکراتے ہوئے بولا کیا ڈورتھی اس سلسلے میں تمہارے احساسات سے واقف ہے؟

ہاں۔۔۔میں کئی بار اپنی ناگواری اور ناپسندگی کا اظہار کر چکا ہوں مگر وہ اس کے جواب میں حقارت سے ہنس دیتی ہے اور کہتی ہے میرے کام میں کم از کم کوئی ہیرا پھیری اور بددیانتی یا جھوٹ تو شامل نہیں ہے اس کا اشارہ ان چھوٹی چھوٹی بے ایمانیوں اور چالاکیوں کی طرف ہوتا ہے جو مجھ جیسے اور تجھ جیسے تقریباً ہر شخص کو اپنے کاروبار میں کرنی پڑتی ہے ہر کاروبار میں اتنا سخت مقابلہ ہے اور اتنے مسائل درپیش رہتے ہیں کہ چھوٹی موٹی بے ایمانیوں اور چالاکیوں کے بغیر تو گزارا ہی نہیں۔

بہرحال ڈورتھی اپنے کام سے خوش ہے تو تم بھلا اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہو، ایڈی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

اس کی ہمت شکنی اور اسے کام سے باز رکھنے کا کوئی راستہ ہونا چاہئے رالف پرامید لہجے میں بولا، تم تو اس قسم کے معاملات میں بڑے عقل مند اور تیز ہو کوئی مشورہ دو نا۔ایڈی نے مدبرانہ انداز میں سر ہلایا اور عقل مند نظر آنے کی پوری کوشش کی تاہم وہ فوری طور پر کوئی مشورہ نہ دے سکا۔

ڈورتھی ایک میانہ قامت خوش مزاج اور خوش اخلاق عورت تھی اپنے کام کے سلسلے میں وہ اپنے شوہر سے ذرا بھی متفق نہیں تھی اس کے خیال میں وہ ایک اچھا اور باعزت کام کر رہی تھی جس سے نہ صرف معقول آمدنی ہو رہی تھی بلکہ اس میں سماجی خدمت کا پہلو بھی تھا۔

موسم خزاں کے ایک سہ پہر کو نئی نئی بیوہ ہونے والی ایک خاتون سیاہ ماتمی لباس میں اس سے ملنے گھر آئی اس سے پہلے فون کر کے ملاقات کے لئے وقت لے لیا

تھا۔ اس کا روایتی ماتمی لباس ہر لحاظ سے مکمل تھا، اس کا چہرہ زرد اور میک اپ سے بے نیاز تھا ناک پر خاصے موٹے شیشوں اور گول فریم کی عینک لگی ہوئی تھی۔ وہ مصافحے کے لئے دستانہ پوش ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی مسز ڈورتھی میں جولیا ووڈ ہوں۔

میں سمجھ گئی، ڈورتھی نے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے آئی۔

آپ کا گھر تو بہت اچھے انداز میں سجا ہوا ہے، جولیا ووڈ ستائش بھرے انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی، اس سے آپ کے عمدہ ذوق کا پتہ چلتا ہے مجھے دیکھ کر اطمینان ہوا ہے کہ یقیناً تدفین کے انتظامات سے بھی آپ عمدہ ذوق کا اظہار ہوتا ہوگا۔

آپ نے فون پر بتایا تھا کہ آپ کے شوہر کا انتقال کار کے حادثے میں ہوا ہے ڈورتھی نے مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

مسز ووڈ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی حادثہ میکسیکو میں پیش آیا ہے جو اپنی یونیورسٹی کی طرف سے آثار قدیمہ کے بارے میں کچھ تحقیقی کام کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے ہمارا گھر تو ایل کارٹ میں ہے لیکن ووڈ کی وصیت تھی کہ جب بھی اس کا انتقال ہو اس کی تدفین یہیں کی جائے وہ اپنے بچپن کو اپنی زندگی کا سب سے حسین اور پرمسرت دور قرار دیتا تھا اور اس کا بچپن اسی علاقے میں کہیں گزرا تھا اس لئے وہ یہیں دفن ہونا چاہتا تھا ہم دونوں کے کوئی خاص قریبی عزیز بھی نہیں ہیں جو ایسے موقعوں پر کام آتے ہیں اگر تدفین کے انتظامات آپ سنبھال لیں گی تو میرے کندھوں پر سے بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ ڈورتھی اس سے پوچھ کر اس کے لئے ڈرنک تیار کرتے ہوئے بولی آپ نے فون پر بتایا تھا کہ کسی ڈاکٹر نے آپ کو مجھ سے رابطہ کرنے کے لئے کہا تھا۔

جی ہاں ڈاکٹر گریگ نے۔۔۔ ووڈ بولی، وہ بھی ایل کارٹ میں ہی رہتے ہیں لیکن کچھ دن پیشتر وہ کسی کام کے سلسلے میں یہاں آئے ہوئے تھے جو انہوں نے اخبار میں آپ کا اشتہار دیکھا جو اتفاق سے انہیں یاد رہ گیا تھا۔

ڈورتھی اب ہمدردانہ اور تعزیتی گفتگو کرنے میں خاصی ماہر ہو چکی تھی چند لمحے اسی قسم کی باتیں کرنے کے بعد اس نے نہایت مخلصانہ لہجے میں کہا مجھے آپ کی ہر ممکن مدد کر کے بے حد خوشی ہوگی۔

جولیا ووڈ ایک نفیس رومال پرس سے نکال کر آنکھوں کے گوشے خشک کرتے ہوئے بولی، آپ اخراج کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کریں میں چاہتی ہوں کہ ووڈ کی تدفین کے تمام انتظامات نہایت شاندار اور اعلیٰ درجے کے ہوں۔ گو کہ جنازہ میں صرف چند ہی افراد شریک ہوں گے لیکن تابوت سے لے کر پھولوں کی چادروں تک اور تمام چیزیں نہایت شاندار ہونی چاہئے۔ اس دوران میں ووڈ کی جائیداد کی منتقلی اور انشورنس کے معاملات بھی طے پا جائیں گے میں تدفین کے فوراً بعد آپ کو تمام ادائیگی کروں گی اس میں آپ کے لئے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟

نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔ لیکن آپ نے میری فیس نہیں پوچھی، ڈورتھی بولی۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی فیس بھی مناسب ہوگی مجھے تمام ادائیگی کرتے ہوئے مشکلات نہیں ہوں گی ووڈ نے میرے لیے بہت کچھ چھوڑا ہے۔

ڈورتھی نے جولیا ووڈ سے ایک فارم سائن کرایا اور تفصیل سے معلوم کیا کہ تدفین کے لئے وہ کس معیار کی چیزیں اور کیسے انتظامات چاہتی ہے۔

سب کچھ طے پا جانے کے بعد جولیا بولی تدفین کے فوراً بعد میں فوراً واپس ایل کارٹ چلی جاؤں گی فی الحال میں اپنی ایک دوست کے پاس ٹھہری ہوئی ہوں اس کا فون نمبر لکھ لیں اگر کوئی ضرورت پڑے تو آپ اس نمبر پر مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں۔

ڈورتھی کو ملنے والے تازہ ترین کام کے بارے میں سن کر رالف نے وہی ردعمل ظاہر کیا جس کی ڈورتھی کو توقع تھی انسانوں میں اب جذبات اور پرانی قدروں کا احترام تو اب نام کا بھی نہیں رہا۔ وہ اپنے لیے ڈرنک تیار کرتے ہوئے بولا، جن لوگوں کو وہ اپنی زندگی میں اپنی

عزیز ترین ہستیاں قرار دیتا ہے اور ان کی تدفین تک کی زحمت خود نہیں کرتا اس کے لئے بھی دوسروں کی خدمات حاصل کرتا تھا پہلے تو ہم صرف اسی المیے پر روتے تھے کہ لوگ اپنے بزرگوں کو نرسنگ ہوم میں چھوڑ آتے ہیں، ڈورتھی نے اس بات میں الجھنے کی کوشش کی نہیں اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ صرف منافقت کی باتیں ہیں رالف خود بھی دوسروں سے مختلف نہیں تھا اس کے دل میں تو جذبات نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں تھی ڈورتھی کو یقین تھا کہ اور رالف سے پہلے بوڑھی یا بیمار نظر آنے لگی تو وہ پہلی فرصت میں اٹھا کر اسے کسی نرسنگ ہوم میں پھینک آئے گا مگر ڈورتھی کے کام کے بارے میں بات شروع ہوتے ہی وہ حساس اور پرانی قدروں کا بہت بڑا قدردان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا ڈورتھی کے خیال میں سارا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اسے آزادانہ طور پر کوئی کام معاشی طور پر اپنے پیروں ہوتے دیکھ کر لاشعوری طور پر حسد اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا تھا وہ تو ڈورتھی کو کسی بھی کام کا اہل ہی نہیں سمجھتا تھا۔

بعض لوگ اتنے غمزدہ اور دل برداشتہ ہوتے ہیں کہ ان میں تدفین کے انتظامات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی میں ان کی مدد کرتی ہوں۔ ڈورتھی نے ایک بار پھر رالف کو نرم لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا لیکن مجھے تمہارے اس کام پر بڑی شرم آتی ہے رالف نے بھی اپنا پرانا موقف دہراتے ہوئے کہا مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میری بیوی نے لوگوں کے گھر جا کر ان کے میلے کپڑے دھونے کا کام شروع کر دیا ہے۔ میری حلقہ احباب جن نظروں سے میری طرف دیکھتا ہے اس سے مجھے شرم آنے لگتی ہے تم نے محض وہم اپنے دل میں بیٹھا لیا ہے ورنہ یہ بھی دوسرے کاموں کی طرح ایک کام ہے اور پھر میں اس میں اچھا خاصا کما رہی ہوں تمہیں اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے ڈورتھی بدستور نرمی سے بولی پر رالف نے حقارت سے دہرایا، بھی کبھار سو دو سو ڈالر کو کمال لینے پر بہت بڑی آمدنی سمجھتی ہو تم پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا اور وہ چونکتے ہوئے بولا پر۔۔۔ یہ جو خاتون آج آئی تھیں کیا نام تھا ان کا۔۔۔ انہوں نے تدفین کے سلسلے میں کتنا ایڈوانس جمع کروایا ہے۔

تمہیں معلوم ہے میں ایڈوانس کسی سے نہیں لیتی۔۔۔ میں کوئی کار تو نہیں بیچ رہی یا ایسی دوسری چیزوں کا شوروم تو کھولے نہیں بیٹھی۔

لیکن وہ تمہارے لیے ایک اجنبی عورت تھی دوسرے شہر کی رہنے والی تھی تم نے آنکھیں بند کر کے اس کی مرضی کی ہر چیز کا آرڈر بک کر لیا، کاروبار اس طرح تھوڑی ہوتا ہے، کاروبار کے بارے میں ابھی تمہیں بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد رالف رات بھر ناگواری انداز میں خاموش ہی رہا، ڈورتھی محسوس کر رہی تھی کہ ان کے درمیان خلیج بڑھتی جا رہی ہے خلیج شاید ان کے درمیان شروع سے ہی موجود تھی لیکن ڈورتھی نے اپنی رومانویت پسندی میں اسے محسوس نہیں کیا تھا اور ایک ادھیڑ عمری میں ڈورتھی کو اس خلیج کی پرواہ نہیں رہی تھی اب یہ سوال اسے خوفزدہ نہیں کرتا تھا کہ اگر رالف سے اس کی علیحدگی ہو گئی تو اس کا کیا بنے گا؟ اس کو اب اعتماد تھا کہ وہ رالف کے بغیر بھی زندگی اطمینان سے گزار سکتی ہے۔

☆.....☆.....☆

جولیا کے شوہر کے لئے ڈورتھی نے سب سے پہلے مسٹر بلائے کے شوروم جا کر ایک نہایت خوبصورت اور مہنگا تابوت منتخب کیا۔ ڈورتھی نے اب تک زیادہ تر تابوت مسٹر بلائے کے شوروم سے ہی خریدے تھے تابوت کے دیگر لوازمات بھی اس نے اعلیٰ قسم کے منتخب کر کے رکھ دیئے تھے اور مسٹر بلائے کو بتایا کہ وہ میکسیکو سے میت آنے کے بارے میں انہیں اطلاع دے دے گی۔

وہاں سے وہ قبرستان پہنچی اور قبرستان کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر فیدر کی رہنمائی میں اس نے قبر کے لئے اچھی سی جگہ بک کرا دی۔ قبرستان کے سامنے ہی کتبے تیار کرنے والی کمپنی کی ورکشاپ تھی وہاں جا کر ڈورتھی نے اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر کی ایک سل قبر کے سرہانے نصب کرانے کے لئے منتخب کی کافی دنوں سے یہ کام کرنے کے

۔۔۔ ڈورتھی کو بھی حیرت ہو رہی تھی کہ اعلیٰ طریقے سے
۔۔۔ بھی کتنی مہنگی پڑتی ہے۔

دوسرے روز ڈورتھی نے مقامی چرچ کے پادری
۔۔۔ ڈانل سے آدھے گھنٹے کی ملاقات کی اور آخری
رسومات کی تفصیلات طے کیں گو کہ وہ آنجہانی کے بارے
میں فادر کو کچھ زیادہ معلومات فراہم نہ کرسکی لیکن اسے
معلوم تھا کہ فادر اس کے باوجود اپنی تقریر سے سماں باندھ
دیں گے۔ وہ اپنے کام میں بہت ماہر تھے۔ فیس بھی
مناسب لیتے تھے ان سے بات چیت ہوجانے کے بعد
ڈورتھی پھول والوں کی طرف روانہ ہوگئی۔

☆......☆......☆

میں ایک بار پھر تمہیں بتا رہا ہوں ڈورتھی۔۔۔
اگر تم نے یہ کام جاری رکھا تو ہم اپنے طبقے میں کسی کو منہ
دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ رالف نے باہر جانے
کی تیاری کرتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا بقول اس کے وہ
کلب کی میٹنگ میں جارہا تھا لیکن جس اہتمام سے وہ
تیار ہوکر جارہا تھا اس سے ڈورتھی کو شبہ ہوتا تھا کہ وہ کہیں
اور جاتا تھا۔

"خدا کی پناہ رالف۔۔۔ ڈورتھی بولی تم تو یوں
میرے کام کا ذکر کرتے ہوئے جیسے میں نے قبریں کھودنی
شروع کردی ہیں۔۔۔ گورکن ہوگئی ہوں میں۔۔۔"

مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اپنے ہاتھوں تم اپنی قبر کھود
رہی ہو۔ کیا مطلب۔۔۔ کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ اگر
میں نے کام جاری رکھا تو تم مجھے چھوڑ دو گے تم جو مطلب
چاہو۔۔۔ اخذ کرو، رالف نے کہا اور رخصت ہوگیا۔

☆......☆......☆

پیر کی صبح جولیا ووڈ کا فون آیا وہ ذرا تاخیر سے فون
کرنے پر معذرت کرتے ہوئے بولی دراصل میرے
ذہن پر بے شمار کام سوار تھے جو مجھے کرنے میں وکیلوں
سے رابطے میں سب سے زیادہ وقت صرف ہوتا رہا
بہرحال۔۔۔ میں نے یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ
ووڈ کی میت کل یہاں پہنچے گی کیا اس دوران میں تمام
انتظامات مکمل ہوجائیں گے۔

یوں سمجھیں کہ انتظامات تو مکمل ہو ہی چکے ہیں
صرف میت کا انتظار ہے، ڈورتھی نے کہا کیا آپ بھی
میت کے ساتھ آئیں گی۔۔۔؟

ہاں میں بھی ہوں گی، اور ووڈ کے دو عمر رسیدہ کزن
بھی ہوں گے جولیا نے جواب دیا۔ پھر وہ اسے ٹرین کی
آمد کا وقت بتاتے ہوئے بولی، مجھے یوں لگتا ہے جیسے خدا
نے میری رہنمائی کی جو میں آپ جیسی مہربان کے پاس
پہنچ گئی جس نے میرا اتنا بڑا کام اپنے ذمے لے لیا۔

ڈورتھی کے دل میں طمانیت کی لہر دوڑ گئی اب اس
کی خدمات حاصل کرنے والے زیادہ تر لوگوں کے اس
کے بارے میں یہی جذبات ہوتے تھے۔ اس کی ساکھ بنتی
جارہی تھی وہ محسوس کرنے لگی تھی کہ جلد ہی اسے ایک
باقاعدہ دفتر اور ایک اسسٹنٹ کی ضرورت پڑے گی۔ جولیا
سے بات ہونے کے بعد ڈورتھی نے تمام متعلقہ جگہوں پر
فون کرکے اطلاع دی کہ میت بدھ کی صبح پہنچ رہی تھی تاکہ
وہ لوگ اس مناسبت سے تمام چیزیں تیار رکھیں۔ پھر اس
نے جین کو فون کرکے دوپہر کا کھانا باہر ایک ریستوران
میں کھانے کا پروگرام طے کیا جین اس کے اسکول کے
زمانے کی دوست تھی اب وہ ایک متلعقہ تھی کسی اور عورت
کی خاطر اس کے شوہر نے اسے چھوڑ دیا تھا ڈورتھی کبھی کبھی
گپ شپ کے لئے اس کے گھر یا باہر کہیں بلالیتی تھی تم تو
ایک بڑی اور کامیاب عملی عورت نظر آنے لگی ہو ڈورتھی،
جین نے کھانے کے دوران کہا اسکول میں تو تم بڑی بزدل
اور شرمیلی سی لڑکی ہوا کرتی تھی۔

وقت اور حالات کبھی کبھی چوہے کو بھی شیر
بنادیتے ہیں۔

"رالف تو تم پر شیر کی طرح نہیں غراتا؟"

غرانے سے زیادہ وہ چیں چیں کرتا ہے یا منہ
پھیلائے رکھتا ہے ڈورتھی نے جواب دیا، یہ جو مجھے تازہ
کام ملا ہے اس پر تو اس کا موڈ بہت ہی خراب ہے اس
نے یہاں تک کہہ دیا کہ تم اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود
رہی ہو۔

رالف سے یہی امید تھی، جین منہ چلاتے ہوئے

بولی اصل میں جس طرح روز بہ روز تمہارے پاؤں مضبوط ہوتے جارہے ہیں۔۔۔ وہ اس سے برداشت نہیں ہورہا ہوگا۔ میرا کام تو اتنا بڑھ رہا ہے کہ میں ایک اسسٹنٹ رکھنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں ڈورتھی نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے پوچھا تم اس آسامی کے لئے درخواست دینا پسند کروگی۔ جب تم کہو گی میں دوڑی چلی آؤں گی۔ جین نے بلا تامل جواب دیا۔

ڈورتھی گھر میں داخل ہوئی تو فون کی گھنٹی بج رہی تھی وہ ڈرائی کلینر کے ہاں سے اپنا سادہ لباس لے آئی تھی جو وہ خاص طور پر جنازوں میں شرکت کے وقت پہنتی تھی، فون پر دوسری طرف مسٹر بلائے تھے وہ ناگوار آمیز لہجے میں بولے میں نے سوچا کہ تمہیں فوری طور پر فون کرکے اطلاع دے دوں۔۔۔ ٹرین تو اپنے صحیح وقت پر آئی تھی لیکن ٹرین میں نہ تو مسٹر ووڈ کی میت تھی اور نہ ہی مسز ووڈ تھیں کیا انہوں نے تمہیں فون کرکے کوئی اطلاع دی؟

نہیں۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔ نا جانے کیا گڑبڑ ہوگئی، ڈورتھی نے جواب دیا۔ اگر تم ان سے رابطہ کرسکتی ہو تو کرلو۔۔۔ اور مجھے ان سے پوچھ کر بتاؤ کہ کہیں تابوت وغیرہ کا آرڈر کینسل تو نہیں کرنا پڑے گا۔

انہوں نے مجھے ایک دوست کا نمبر دیا تھا اور بتایا تھا کہ وہ ان کے پاس ٹھہری ہوئی ہیں میں اس نمبر پر فون کرکے معلوم کرتی ہوں۔

اس نمبر پر کسی عورت نے فون اٹھایا، ڈورتھی نے اپنے فون کرنے کا مقصد بتایا تو وہ عورت بولی "سوری۔۔۔ اس خاتون نے آپ کو شاید غلط نمبر لکھوایا ہے، میں تو جولیا ووڈ نامی کسی خاتون کو نہیں جانتی۔"

ڈورتھی چکرا کر رہ گئی اس سارے مسئلے کا کوئی نہ کوئی جواز ہر حال ہونا چاہئے تھا جولیا ووڈ بہر حال کوئی فرضی کردار نہیں تھا۔۔۔ وہ عورت خود آکر ڈورتھی سے ملی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے ڈورتھی کو یہی ایک جواز ممکن نظر آیا کہ شاید اس سے ٹرین کا ٹائم وغیرہ سننے میں کوئی غلطی ہوگئی تھی۔

اس نے ایل کارٹ کے فون انکوائری کے شعبے کو فون کیا تو پتہ چلا کہ وہاں کسی مسٹر ووڈ جولیا ووڈ یا ڈاکٹر گریگ نامی افراد کے فون نمبر موجود نہیں تھے۔

ڈورتھی نے فون رکھا تو اس کے اعصاب مرتعش تھے اسے اب بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ کسی نے اس کے ساتھ ایسا گھٹیا مذاق کیا ہے اور ایک ایسے معاملے میں اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تھی جو انسانی زندگی کا ایک بہت ہی احساس پہلو تھا۔ اپنی کسی عزیز کے انتقال اور کفن دفن کا بہانہ بنا کر بھی بھلا کوئی کسی کو بے وقوف بنانے کی جرأت کرسکتا تھا لیکن اب اس کے علاوہ اس معاملے کی وضاحت بھی کیا ہوسکتی تھی۔

پھر اسے رالف کے الفاظ یاد آئے اس نے جو ووڈ سے اس کی ملاقات کا احوال سن کر پوچھا تھا کہ وہ کو ایڈوانس دے گئی ہے اور پھر ڈورتھی کا نفی میں جواب سن کر اس نے کہا تھا۔۔۔ کہ ابھی اسے کاروبار کے بارے میں بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے اس تصور سے ڈورتھی کا دل ڈوب رہا تھا کہ جب وہ حقیقت حال رالف کو بتائے گی تو وہ اسے کس قدر ذلیل کرے گا وہ اتنی بڑی بات اس سے چھپ بھی نہیں سکتی دل کو دھارس دینے کے لئے اس نے اپنی دوست جین کو فون کیا اور رو دینے والی آواز میں اسے سارا واقعہ سنا ڈالا وہ یہ سب سن کر تسلی دینے والے انداز میں بولی بہر حال تمہیں کوئی مالی نقصان تو نہیں ہوگا۔۔۔ آرڈر کینسل کرنے پر تمہیں ہرجانہ تو نہیں دینا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے کہ دینا ہی پڑے۔۔۔ ڈورتھی غمزدہ لہجے میں بولی اس سے سب سے بڑا نقصان تو یہ ہے کہ لوگوں کو اگر اس بات کا پتہ چل گیا تو۔۔۔ کاروبار پر کتنا برا اثر پڑے گا اب تو میں سوچ رہی ہوں کہ رالف کی بات پر کان دھر ہی لیتی تو اچھا تھا۔

خیر اب ایسا بھی مت سوچو۔۔۔ زندگی میں تجربے اسی طرح ہی ہوتے ہیں بس آئندہ کسی پر اعتبار مت کرنا۔

میں تو یہی سوچ رہی ہوں کہ کسی کو اتنی بڑی کمینگی کا مظاہرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

☆.....☆.....☆

ڈورتھی کو اس سوال کا جواب حاصل کرنے

زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا اس شام رالف گھر آیا تو اس کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کافی پیئے ہوئے تھا عام طور پر یہ اس بات کی نشانی ہوتی تھی کہ اسے کوئی بھاری کامیابی حاصل ہوئی ہے جس کے بارے میں وہ ڈینگیں مارنے کے لئے بے تاب ہے، وہ ڈورتھی کو دل گرفتگی اور پریشانی پر توجہ دیئے بغیر بولا "جلدی سے اوپر جا کر تیار ہو جاؤ لباس اور میک اپ کے سلسلے میں خوب اہتمام کرنا، ایڈی نے ہمیں ڈنر پر مدعو کیا ہے"، وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا ڈورتھی نیچے کھڑی تھی وہ اسے جولیا والے واقعے کے بارے میں بتائے بغیر نہیں رہ سکی، اس کے دل پر اتنا بوجھ تھا کہ وہ خود چاہ رہی تھی کہ رالف اس پر لب زہریلے لفظوں کے تیر برسائے وہ خود کو اس سزا کا حق محسوس کر رہی تھی۔ رالف سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے رک گیا اور لوٹ آیا، خلاف توقع اس نے غصے یا تضحیک کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا اور اپنے لیے ڈرنک تیار کرنے لگا حالانکہ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اسے مزید نہیں چاہیے تھی اپنی کہانی ختم کرتے وقت ڈورتھی کی آنکھوں میں آنسو تھے رالف گویا اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا بھئی تمہیں کسی نہ کسی طرح سبق تو ملنا چاہیے تھا افسوس کہ سبق دینے کا بندوبست مجھ کو ہی کرنا پڑا۔

کیا مطلب ڈورتھی ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

یہ میرا سوچا سمجھا منصوبہ تھا تمہیں عقل کی بات سمجھانے کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا وہ فاتحانہ لہجے میں بولا۔

ڈورتھی کے آنسو گویا منجمد ہو گئے رالف نے بات جاری رکھی جولیا ووڈ نام کی عورت کا کوئی وجود نہیں ہے یہ کردار میری ایک جاننے والی نے ادا کیا تھا جو اسٹیج وغیرہ پر تھوڑی بہت اداکاری کرتی رہتی ہے تم کتنی آسانی سے بے وقوف بن گئیں، اب تمہاری سمجھ میں آیا کہ تمہیں درحقیقت صرف ایک گھریلو بیوی بن کر ہی رہنا چاہیے۔

ڈورتھی ایک لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی رالف بوتل اٹھائے اس کے پیچھے چل پڑا، اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی اوپر پہنچ کر ڈورتھی تیزی سے گھومی اور نفرت سے بولی، مجھ سے دور رہو رالف۔۔۔ میں کہہ رہی ہوں مجھ سے دور رہو۔

اب خواہ مخواہ خوشی کے موقع پر بدمزگی نہ کرو رالف غرایا، میں نے جو کچھ کیا تمہاری بھلائی کے لئے کیا۔۔۔ یہ کہتے ہی وہ لڑکھڑا گیا اور سہارا لینے کے لئے اس نے جنگلے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس لمحے ڈورتھی کے دل میں غم و غصے کی ایسی لہر اٹھی جس کا اسے بھی گمان تک نہ تھا اس نے رالف کے ہاتھ سے بوتل چھین لی اور پوری قوت سے رالف کے سر پر رسید کی رالف کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اس عالم میں وہ لڑکھڑایا اور سیڑھیوں سے لڑھکتا نیچے چلا گیا۔

☆......☆......☆

قبرستان میں ڈورتھی اپنی دوست جین کا سہارا لیے رالف کی تدفین کے بعد اس کی قبر کے پاس سے ہٹی اور واپسی کے لئے روانہ ہوئی تو ایڈی اس کے قریب آیا اور ہمدردانہ لہجے میں بولا، ڈورتھی یہ بلاشبہ افسوسناک حادثہ تھا لیکن امید ہے تم اپنے آپ کو سنبھال لو گی۔

ہاں۔۔۔ میں اپنی سی کوشش کر رہی ہوں۔۔۔ ہمدردی کا شکریہ، ڈورتھی کمزور سے لہجے میں بولی لوگ کہتے ہیں کہ حادثے زیادہ تر گھروں میں پیش آتے ہیں، ایڈی اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا، ویسے رالف کچھ دنوں سے پینے بھی زیادہ لگا تھا پچھلی ملاقات پر میں نے اسے خبردار بھی کیا تھا ڈورتھی نے پلٹ کر اداس نظروں سے رالف کی قبر کو دیکھا اس نے رالف کی تدفین پر وہ تمام سامان استعمال کیا تھا جس کا آرڈر اس نے فرضی مسز ووڈ کے لئے دیا تھا۔ حتیٰ کہ کتبے کی سیل بھی کام آ گئی تھی کیونکہ اس وقت تک آنجہانی مسٹر ووڈ کا نام کندہ نہیں کیا گیا تھا ایک عورت سوگواری کے عالم میں ابھی تک قبر کے پاس کھڑی تھی گو کہ وہ اس جولیا ووڈ سے کافی مختلف نظر آ رہی تھی جس سے ڈورتھی کو واسطہ پڑا تھا لیکن ڈورتھی کو شبہ ہو رہا تھا کہ وہ جولیا ووڈ ہی تھی اس کا اصل نام خواہ کچھ بھی رہا ہو تاہم ڈورتھی اس بات کی تصدیق نہیں کر سکی اس نے اس

عورت سے بات کرنے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اب تصدیق یا تردید کی ضرورت بھی محسوس نہیں کررہی تھی اب تو بات ہی ختم ہوگئی تھی ویسے بھی اب اس کا جنازہ تکفین اور تدفین سے دل بھر گیا تھا قبر پر پھیلی ہوئی رنگ برنگی پھولوں کی چادریں دیکھ کر اسے خیال آرہا تھا کہ پھول تو شادیوں کے موقع پر بھی استعمال ہوتے ہیں وہاں ان کا تاثر کسی قدر بدل جاتا ہے۔ ڈورتھی نے اس لمحے فیصلہ کرلیا کہ اب وہ تکفین وتدفین کے انتظامات کی بجائے شادی کے انتظامات اور شادیوں کے لئے کیٹرنگ سروس کا کام شروع کرے گی آخر لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہونے میں کیا حرج ہے؟

☆.....☆.....☆

رالف کی تدفین کے بعد جب چوتھی رات آئی تو رالف کی جدائی ڈورتھی کے لئے ناقابل برداشت ہوگئی رات آدھی گزر چکی تھی نیند ڈورتھی کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی ڈورتھی کی آنکھوں سے آنسوں رواں ہوگئے پھر وہ سسکنے اور بلکنے لگی رالف تم چلے گئے اب تمہاری جدائی مجھ سے ناقابل برداشت ہے اب مجھے پتہ چلا کہ تم واقعی مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اس وجہ سے تم مجھے پریشان ہونے ہلکان ہونے اور دوڑ بھاگ سے روکتے تھے تاکہ میں تھکوں نہیں پریشان نہ ہوں مگر میں نے اس کا مطلب غلط لیا رالف اب میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی اور وہ زار وقطار رونے لگی۔ کہ اتنے میں ڈورتھی نے محسوس کیا کہ کوئی اور اس کے سر کو سہلا رہا ہے وہ اچنبھے میں پڑ گئی اور جب اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اپنے پاس رالف کو دیکھا۔

ڈورتھی کے پاس رالف کی روح تھی جو کہ ڈورتھی کے سر کو سہلا رہی تھی۔ ڈورتھی نے جب اوپر کو دیکھا تو اس کے منہ سے نکلا "رالف تم۔۔۔"

ہاں ڈورتھی میں تمہیں بے چین اور بے قرار دیکھ کر چلا آیا تمہارے بے قراری مجھ سے برداشت نہ ہوئی ارے پگلی۔۔۔ میں تو صرف تمہیں بھاگ دوڑ اور پریشانیوں سے روکنے کے لئے ٹوکتا تھا خیر جو ہونا تھا ہوگیا غلط فہمی اور جذبات میں، میں تم سے ناراض نہیں ابھی بھی خواہش ہے، کہ تم کھاؤ پیو، ہنس کھیلو اور خوشیاں مناؤ تمہاری خوشی میں میری خوشی ہے۔

ڈورتھی بولی "رالف اب مجھ سے تمہاری جدائی برداشت نہیں ہورہی ہے یسوع سے دعا کرو کہ میں تمہارے پاس چلی آؤں۔" ڈورتھی بولتی رہی بولتی رہی پھر وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ اب واقعی ڈورتھی کے لئے رالف کی جدائی ناقابل برداشت ہوگئی تھی دن میں تو تنہائی میں بھی اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے تھے اور رات میں تو اس کی آنکھیں ساون بھادوں بن جاتی تھیں۔ ایسے میں رالف کی روح آتی اور اسے ڈھیروں تسلیاں دیتی اس کی دل جوئی کرتی سمجھاتی بجھاتی اور چلی جاتی۔ جوں جوں وقت گزرتا رہا تھا ڈورتھی کی بے چینی بڑھتی ہی رہیں رالف کی جدائی میں ایک روز مغرب کے بعد ڈورتھی چرچ میں گئی اور خاموشی سی بیٹھ گئی لوگ چرچ آتے رہے اور جاتے رہے ایک وقت آیا کہ لوگوں کا آنا بند ہوگیا مگر ڈورتھی اپنی جگہ پر آہٹ اور کھٹکے سے بے خبر بیٹھی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے چرچ میں اس وقت صرف ایک بلب روشن تھا فادر بھی کونے میں بیٹھے تھے ان کی نظریں ڈورتھی پر مرکوز تھیں ڈورتھی کے غم کو فادر دیکھ رہے تھے کہ اچانک فادر کی نظر چرچ کے دروازے پر پڑی تو وہ چونک گئے کیونکہ فادر نے دیکھا کہ ایک روشن ہیولہ ہوا میں جیسے تیرتے ہوئے آرہا ہے وہ ہیولہ ڈورتھی کے قریب آیا بلکہ بہت ہی قریب آکر ٹھہر گیا وہ ڈورتھی کو بغور دیکھتا رہا کہ اتنے میں ڈورتھی کے جسم سے بھی ایک روشن ہیولہ باہر نکلا پھر وہ دونوں نے ایک دوسری کا ہاتھ تھام لیا دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے پھر ہوا میں تیرتے ہوئے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے چرچ کے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے چلے گئے۔ فادر اپنی جگہ سے اٹھے اور ڈورتھی کے پاس آکر انہوں نے ڈورتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھا ڈورتھی کا بے جان وجود ایک طرف کو ڈھے گیا ڈورتھی کی روح رالف کی روح کے ساتھ جاچکی تھی۔

شناخت پریڈ

عامر زمان عامر۔ بورے والا

اچانک برسوں سے کمائی ہوئی دولت اور شہرت سب کچھ مٹی میں مل کر خاک ہوگیا اور وہ پائی پائی کا محتاج ہوکر زندگی گزارنے لگا۔ اسے وقت کچوکے لگاتا رہتا کہ اور پھر اللہ کی رحمت جوش میں آئی تو......

حقیقت کے لبادے میں لپٹی......ذہن سے محو نہ ہونے والی......سبق آموز کہانی

اتفاق لاری اڈے کے بالکل سامنے قیام استان کے زمانے کی پرانی مخدوش عمارت میں تھانہ مدر قائم تھا جس کی پختہ بنیادوں میں شہر کی تاریخ اور رفتہ کے کتنے اہم باب دفن تھے۔ تھانے کی ایک دیوار پیٹرول پمپ جبکہ دوسری دیوار اسے شہر کے سب سے اہم مین بازار سے ملاتی تھی اتفاق لاری اڈا ٹرانسپورٹ کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ محل وقوع کے لحاظ سے شہر کا زیرو پوائنٹ بھی کہلاتا تھا کیونکہ اڈے سے چند فرلانگ کے فاصلے پر سنگ مرمر سے مزین سٹی گیٹ واقع تھا جس میں داخل ہوتے ہی اندرون شہر کی حدود کا آغاز ہوتا تھا۔ یہی مین بازار مل بازار ریشمی گلی دھاڑی بازار اور جوئیہ روڈ سے ہوتا ہوا بازار کو پورے شہر سے ملاتا تھا سٹی گیٹ سے چند قدم پہلے انتظامیہ اور سٹی ٹریفک پولیس کے باہمی تعاون سے سفید ماربل سے گول چوک

تعمیر کیا گیا تھا۔ جس پر دوسرے اہم شہروں کی ٹریفک کی روانی کو کنٹرول کرنے کے لئے سگنل نصب کیے گئے تھے ان پر عوام الناس کم اور ٹریفک پولیس کے اہلکار زیادہ عمل کرتے دکھائی دیتے تھے۔ عید' شب برأت پر دیسی لو پر ٹمٹماتے مدہم اور کبھی بند پڑے اشارے اکثر ٹریفک پولیس اور انتظامیہ کا منہ چڑھا رہے ہوتے تھے۔

بیک وقت فیصل آباد زرعی یونیورسٹی روڈ' لاہور اور ملتان سے آنے والی ٹریفک کا شدید طوفان اسی گول چوک پر قابو کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی چوتھی طرف سٹی گیٹ سے داخل اور خارج ہونے والی رکشہ پارٹی نے ٹریفک پولیس کے اہلکاروں کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ یہ بطور خاص صبح سویرے اور اسکول کالج سے چھٹی کے وقت بے تحاشہ ٹریفک شور شرابے خلق خدا کے سمندر کے ساتھ گاڑیوں کی ہاہیں ہاہیں کھیں کھیں سے پورا شہر گونج اٹھتا تھا۔ اسسٹنٹ کمشنر بورے والا میاں امتیاز اپنے لاؤ لشکر سمیت اتفاق اڈے کے بالکل سامنے لاہور روڈ کے کنارے پورے جاہ و جلال کے ساتھ اپنی عدالت لگائے کرسی پر براجمان تھا تھانہ صدر کا کوتوال اپنے درجن بھر محافظوں کی فوج کے ہمراہ میاں صاحب کے پروٹوکول افسر کے طور پر کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے اور نیکسٹ آرڈر کرتے ہائی الرٹ کھڑا تھا اتفاق لاری اڈے کے داخلی اور خارجی راستوں پر اسسٹنٹ کمشنر کے کارندے اور رائفل بردار پولیس کے جوان چوکس کھڑے تھے اسسٹنٹ کمشنر مسلسل تیسرے روز بھی لاری اڈے اور اس سے جڑے ہر چھوٹے بڑے کاروبار پر عذاب بن کر نازل تھا شہر کے سیاہ سفید کا مالک روزانہ کی بنیاد پر تھانہ صدر کی دیوار سے لے کر پیٹرول پمپ کے آخری کونے تک دونوں طرف اڈے کو اس طرح اپنے گھیرے میں لے لیتا جیسے وہ شہر کی تمام جرائم پیشہ سرگرمیوں کا مرکز وہی اڈا ہو۔

صبح سے شام تک شناخت پریڈ اور پکڑ دھکڑ کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا حاکم شہر کے آگے کس کی مجال تھی جو بات کرے یا سر اٹھائے' روڈ کی دونوں جانب پھل فروش' ریڑھی بان اور ناشتے والے اسسٹنٹ کمشنر
نازل ہوتے ہی زیر لب گندی گالیاں بکتے ہوئے
مکانی کر کے اس ڈر سے ایک ایک کر کے غائب ہو
جا رہے تھے کہ گاہک تو کوئی آتا نہیں ہے خواہ
تجاوزات کی پاداش میں جرمانے کے ساتھ حوالات
ہوا نہ کھانا پڑ جائے۔ جیدے یار سگریٹ ہی سلگا لے
دھندا تو ہے کوئی نہیں چل کش لگا کے غم ہی کم کرتے
استاد سگریٹ تو نہیں ہے میرے پاس غریب کا
حاضر ہے وہ پینا ہے تو پی سکتے ہو۔

جیدے نے اندر سے جل بھن کر بظاہر با
کھولتے ہوئے اپنے پیلے دانتوں کی بھرپور نمائش
اس نے شرمندہ ہو کر پہلے غلیظ صافی چاولوں کے پتیلے
بیٹھی مکھیوں پہ ماری پھر اسے مخاطب کیا۔

"یار کنجوسی کی بھی حد ہوتی ہے' دھیلے کی سگر
نہیں ہے تیرے پاس۔۔۔ چھڈ یار۔۔۔"

"اچھا میری ریڑھی کا دھیان رکھنا میں سا
کھوکھے سے سگریٹ پکڑ کر ابھی آیا۔۔۔ نظر رکھنا اچھا

اس نے بوسیدہ لال رنگ کی پلاسٹک شیٹ
نیچے پڑی ریزگاری سے پانچ روپے کا سکہ اٹھایا اور ا
قدم جلدی سے کھوکھے کی جانب بڑھا دیئے۔

"لئے پھڑ لا سوٹا موجاں کر (یہ لو لگاؤ
انجوائے کرو) کیا یاد کرو گے کنگلے؟"

"مہربانی استاد۔۔۔ سچ پوچھو تو کنگلے ہم او
نہیں ہیں وہ صدر تھانے کی دیوار کے ساتھ
اسسٹنٹ کمشنر کنگلا ہے شہر کے سیاہ سفید کا مالک ہو
کے باوجود سب سے زیادہ بھوکا ہے کہ کم بخت پچھلے
دنوں سے خوب مال کما رہا ہوگا اڈے والوں اور گاڑ
والوں سے۔

"ہاں یار جیدے بات تو تیری بالکل ٹھیک
شہر کی سب سے بڑی نوٹ چھاپنے والی مشین تھانید
بھی اس نے ساتھ رکھا ہوا ہے مال کیسے نہیں بنورے
جس دن سے دربار لگا کر شناخت پریڈ کا سلسلہ شروع
ہے لگتا ہے اڈے کو سانپ سونگھ گیا ہے کوئی سواری آ

نہ ہی کوئی بھولا بھٹکا گاہک ادھر رخ کرتا ہے ہر
اب ویرانی اور مایوسی کے ڈیرے ڈال رکھے ہیں
اڈے کے نظام درہم برہم ہونے کی وجہ سے ہمارا دھندا
بھی چوپٹ ہوگیا ہے مگر اسے کیا فرق پڑتا ہے کسی
غریب کے گھر کا چولہا جلے یا ٹھنڈا رہے ان کی نظریں ہم
غریب انسان پر کہاں ہیں بس ان کے قدموں تلے
کیڑے مکوڑے ہیں وہ جب چاہیں اپنے پاؤں
تلے کچل دیں۔"

"ہاں استاد دیکھ تو میں بھی رہا ہوں' مگر اسسٹنٹ
کمشنر کا دورہ کچھ زیادہ لمبا نہیں ہوگیا پہلے تو کبھی ایسا نہیں
ہوا کسی افسر نے اس طرح اڈے پہ اودھم مچایا ہے میرا
خیال ہے بس میں اور تم رہ گئے ہیں ورنہ ہمارے ساتھی تو
ایک ایک کر کے سب کوچ کر گئے ہیں دوسرا دن ہے بڑی
مشکل سے سودے کے پیسے پورے ہوتے ہیں ایک ٹکا
نفع نہیں کمایا کوئی گاہک آئے گا تو ہی ہماری دال روٹی
چلے گی مگر ہم تو گاہک کی شکل کو ترس گئے ہیں ایسے لگتا ہے
اسسٹنٹ کمشنر نہیں کوئی موت کا فرشتہ کیمپ لگا کر بیٹھا
ہے جس کے ڈر سے سب روپوش ہوگئے ہیں۔"

"اس نے جی بھر کے دل کا ابال نکالا پھر معصوم
صورت بناتے ہوئے دم توڑتے باسی پھلوں پر پانی
چھڑکا اور خالی پڑے بینچ پر بیٹھ گیا۔"

"جیدے تم نفع کا رونا رو رہے ہو استاد میں تو
کئی دنوں سے روز گھاٹے میں جا رہا ہوں سودے کے
پیسے بھی پورے نہیں ہوتے میں تو کل سے اڈے پر نہیں
آؤں گا یہاں تو دھوئیں اور فاقے کے سوا کچھ نہیں بچا
میں نے تو فیصلہ کرلیا ہے کل سے سول اسپتال کے
باہر یا پھر اسٹیڈیم روڈ پر ریڑھی لگاؤں گا۔"

"بات تو تیری بالکل ٹھیک ہے یہاں تو
افراتفری کا عالم ہے ایسے میں کسی کو کھانا خاک یاد آئے
گا اڈے پہ تو بس اندھے قانون کا راج ہے میں بھی کل
سے ٹھکانہ تبدیل کرتا ہوں خدا اس افسر کو کسی اور شہر بھیج
دے تو ہی نظام بحال ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔"

"گویا اس نے بھی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے
وہاں سے بوریا بستر گول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"استاد میں تو دعا کرتا ہوں اس سرپھرے کو خدا
اس شہر سے تو کیا اس دنیا سے ہی اٹھالے تو اچھا ہے
سب کی جان چھوٹ جائے لاہور روڈ سے آتا ہوا کوئی
تیز رفتار ٹرک بے قابو ہو کر اس کے اوپر چڑھ جائے تو
سب سکھ کا سانس لیں گے۔"

"بددعا کے ساتھ جتنی گندی گالیاں اس کے منہ
میں آئیں اس نے بک دیں چھوٹے روٹ کی کوچز اور
ویگنوں کے اکثر مالکان اپنی گاڑیاں گھر پر کھڑی کردیں
گویا آدھے سے زیادہ اڈا ویرانی کا منظر پیش کرنے لگا۔
لاری اڈے کے حکومتی محاصرے کا تیسرا اور آخری دن تھا
اڈے سے نکل کر آدھی بھری اور آدھی خالی گاڑی لاہور یا
ملتان کے لئے لمبی اڑان بھرنے کے لئے یوٹرن کو پنچ
کرتی اہلکاروں کی طرف سے پیٹرول پمپ کے ساتھ لمبی
قطار میں کھڑی کر کے ڈرائیور کنڈیکٹر کو صاحب کی سلامی
کا حکم مل جاتا اسسٹنٹ کمشنر کے اسکواڈ میں شامل
سارجنٹ کاغذات کی چھان بین کرتا کوتوال تھانہ صدر
پوری شناخت پریڈ کے بعد معنی خیز نظروں سے اسسٹنٹ
کمشنر کی طرف دیکھتا وہ اشارے سے چھوڑنے کا حکم دیتا
تو یہی مرحلہ دوسری گاڑی کے ساتھ دہرایا جاتا۔"

صورتحال انتہائی تکلیف دہ تھی' شناخت پریڈ اور
انتہائی سخت انویسٹی گیشن کے بعد پانچ گاڑیاں کلیئر
ہوئیں تو اتنی دیر پندرہ گاڑیاں اور آکے اپنی باری کے
انتظار میں قطار کے پیچھے آکر کھڑی ہوجاتیں اور یہ
سلسلہ چلتا رہتا۔ اسسٹنٹ کمشنر اور پولیس کے فوکس
سے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اڈے والوں کے ساتھ
اس کی کوئی خاص دشمنی ہو اڈا انچارج' منیجر منشی اور
ہاکروں سمیت تمام قبضے پر اسرار انتقامی کارروائی سے
تنگ آچکے تھے مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ
اسسٹنٹ کمشنر کے خلاف آواز اٹھائے سواریوں کی
تعداد نہ ہونے کے برابر ہوئی تو ان کے صبر کے پیمانے
لبریز ہوگئے اڈا منیجر نے اپنے کیبن میں اپنی کابینہ کا
اجلاس طلب کرلیا۔"

''حاجی صاحب یہ مصیبت تو پکی گلے پڑ گئی ہے اس کا کچھ بندوبست کرنا پڑے گا تین دن میں اسسٹنٹ کمشنر نے دھندے کی ایسی تیسی کردی ہے آج تو ہر گاڑی اللہ کے آسرے پہ بالکل خالی نکل رہی ہے اس بلا کو کیسے سر سے ٹالا جائے۔''

''اس نے سب کی رائے جاننے کے لئے انہیں اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔''

''بھٹی صاحب کرنا کیا ہے بس کوئی میل ملاپ کر کے اس کو کوئی چائے پانی لگاؤ یہی ہمارے دھندے کا اصول ہے شناخت پریڈ کا تو بہانہ ہے اصل میں مال بٹورنے کے لئے اس نے تین دنوں سے اڈے پر ڈیرے ڈال رکھے ہیں اس کا منہ بند کرنا پڑے گا ورنہ ہمارے اڈے کا حقہ پانی بند سمجھو۔''

''اڈا انچارج نے چھنکارے کی تجویز دیتے ہوئے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔''

''ہاں ہاں تم سب کو بلانے کا مقصد تو یہی ہے یہ تو میں بھی جانتا ہوں یہ بلا صدقے کے بغیر نہیں ٹلے گی مگر اس کے ساتھ مک مکا کیسے کر کے دامن چھڑایا جائے نیا افسر ہے بھئی میری تو جان پہچان بالکل نہیں ہے کہیں خواہ مخواہ لینے کے دینے نہ پڑ جائیں کوئی حل بتاؤ۔''

''منیجر نے سب کی رائے کو حتمی قرار دیتے ہوئے فائنل سوال کیا۔''

''بھٹی صاحب آپ بھی پتہ نہیں کس زمانے کی بات کر رہے ہیں ارے افسر ہو اور کھانے پینے والا نہ ہو یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے ہاں سب کے کھانے کے طریقے الگ الگ ہیں اور اگر آپ اس سے اتنا ہی کترا رہے ہیں تو تھانیدار صدر تو نیا نہیں ہے وہ کس مرض کی دوا ہے وہ ضرور درمیانی راستہ نکال لے گا۔''

''درمیانی عمر کے ہاکر نے اپنے تجربے کا نچوڑ ان کے سامنے رکھ دیا۔''

''یار بوٹے نے بات تو پتے کی کی ہے لو جی مسئلہ ہی حل ہو گیا میں اور حاجی صاحب اسے تھانے میں بلا کر ابھی بات کر لیتے ہیں۔''

''بوٹے کی رائے سب کو پسند آئی فیصلہ انچارج دونوں تھانے پہنچ گئے۔''

ایس ایچ او آفس میں ان دونوں کے ساتھ ہی محرر بھی داخل ہوا اس نے تعارف اور سفارش ایک ساتھ کرتے ہوئے کہا سر! یہ حاجی صاحب ہیں اتفاق اڈے کے انچارج بڑے تعاون کرنے والے جی دار بندے ہیں ذرا خیال کیجئے گا ایک گزارش لے کر حاضر ہوئے ہیں۔''

''جی حاجی صاحب کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی کریں۔''

تھانیدار نے بلا تمہید کہا۔

''وہ جناب حکم نہیں عرض ہے آپ کو بھی علم ہے تین روز سے اڈے پر شناخت پریڈ کے نام پر کیا ہو رہا ہے اس محاصرے اور شناخت پریڈ کے حل کے لئے ہماری مدد کریں صاحب سے بات کریں کچھ دے دلا کر جان چھڑائیں ہماری آپ کو بھی خوش کریں گے آپ بس صاحب کو راضی کریں مہربانی ہوگی آپ کی۔''

''دیکھیں صاحب کو شہر میں آئے سات دن ہوئے ہیں ہے گوشت مارکیٹ سے لے کر کمیٹی تک میں اس کے ساتھ ہوں میں زیادہ تو اسے نہیں جانتا مگر اس کی فیس ریڈنگ سے نہیں لگتا کہ وہ مال پانی والا افسر ہے بہرحال یہ تو میں اپنے پیشہ وارانہ تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں ہو سکتا ہے نیا افسر ہے اپنے عہدے کی دھاک بیٹھانے کے لئے اس کا یہ ردعمل عارضی ہو آپ فکر نہ کریں میں ابھی بات کر لیتا ہوں اگر اس نے آمادگی ظاہر کی گرین سگنل ملتے ہی آپ کو بلوا لیتا ہوں۔''

''سر وہ اتفاق اڈے کا وفد آپ سے ملنا چاہتا ہے کیا حکم ہے۔''

''اچھا۔۔۔تو یہ ایمرجنسی تھی۔''

اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''جی میاں صاحب اڈا انچارج درخواست لے کر آیا ہے میرے پاس وہ دراصل براہ راست ملنے سے ڈر رہے تھے۔''

''تھانیدار نے اپنا روایتی کردار نبھاتے ہوئے

۔۔۔رازداری میں آہستگی سے کہا۔"

"اوکے تو بلایئے اڈے کی انتظامیہ کو ابھی ۔۔قات ہو جاتی ہے۔"

"سر وہ تو آپ کے حکم کے منتظر ہیں مگر ابھی اور ۔۔ں جگہ۔۔"

"اس نے معنی خیز انداز میں سوالیہ فقرہ ادا کیا۔

"ہاں ہاں بھئی ابھی اور اسی وقت۔۔۔ کیوں یہاں ملنے میں کیا برائی ہے۔"

"اوکے سر! میں انہیں ابھی خبر کرتا ہوں۔"

"انہیں اسسٹنٹ کمشنر کے روبرو کر کے وہ اپنے ۔۔خانے چلا گیا، اڈے کے وفد کے لئے کرسیاں رکھ کر ۔۔سسٹنٹ کمشنر کا عملہ اور پولیس اہلکار اشارہ پا کر کیمپ کے ۔۔باہر کھڑے ہو گئے۔"

"ہاں تو جناب جو کچھ کہنا ہے بلاتکلف کھل کر ۔۔کہیں۔"

"سر آپ کے کیمپ اور پولیس کی بھاری نفری ۔۔یکھ کر سواری اڈے کی حدود میں قدم رکھنے سے بھی ۔۔کتراتی ہے کاروبار بہت متاثر ہو رہا ہے ڈرائیور کنڈیکٹر ۔۔اڈے کا تمام عملہ پریشان ہے آپ کو پتہ ہے اڈے کے ساتھ غریب لوگوں کا روزگار وابستہ ہے آپ موقع کے ۔۔افسر ہیں شہر کے مالک ہیں ہمارے بال بچوں کے رزق ۔۔کمانے دیں کچھ مہربانی کریں تین دن میں اڈا ویران ہو گیا ہے آپ حکم کریں آپ کی کیا خدمت کریں۔"

"ہونہہ تم بندے سمجھدار لگتے ہو کس طرح کی خدمت میرا مطلب ہے کیا قیمت لگاتے ہو ایک تحصیل کے اے سی کی۔"

"میاں صاحب آپ حکم کریں ہفتے کا نذرانہ ۔۔طے کریں تو ہر ہفتے آپ کی خدمت میں پیش ہوگا منتھلی ۔۔مقرر کریں تو پہلی کے پہلی بندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔"

"پہلے کیا سسٹم چل رہا تھا۔"

"جی پہلے تو منتھلی سسٹم چلتا تھا اسی میں تھانے ۔۔اور ڈی ایس پی آفس کا بھی حصہ ہوتا تھا۔"

یہ بیویاں

☆عورت کی آدھی زندگی خاوند کی تلاش میں اور آدھی خاوند کی تلاشی میں گزر جاتی ہے۔

☆اپنے ہر فیصلے پر الزام مقدر کو نہ دو، قبول ہے، قبول ہے، قبول ہے، کس نے کہا تھا۔

☆اچھی بیوی دنیا کے ہر کونے سے مل جاتی ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ دنیا گول ہے اور کونا نہیں ملتا۔

☆پسند کی شادی کیلئے اپنی امی کے پاؤں دبائیں۔ دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی کا گلا دبائیں۔

☆صدقہ ہر بلا ٹال سکتا ہے سوائے اس کے جس سے آپ کا نکاح ہو چکا ہو۔

☆ایک بات یاد رکھیں، جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں مگر ذلیل زمین پر ہوتے ہیں۔

(شرف الدین جیلانی-ٹنڈوالہ یار)

"ہونہہ ٹھیک ہے آپ سب سے پہلا کام تو یہ کرو بورے والا سے فیصل آباد براستہ کمالیہ جانے والی جتنی بھی اے سی نان اے سی بسیں کوچز اور ویگنیں چلتی ہیں ان کے ڈرائیور کنڈیکٹر منشی اور ہاکروں سمیت جتنا عملہ اڈے پر موجود ہے ان کو بلاؤ اڈا منیجر اور انچارج بیٹھ جاؤ باقی سب چلے جاؤ پھر کوئی فیصلہ کرتے ہیں دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔"

"تمام عملہ حاضر ہو گیا ایک ایک بندے کی شناخت پریڈ ہوئی ضروری سوال جواب کے بعد انہیں بھیج دیا گیا۔"

"جی میاں صاحب حکم کریں آپ چاہتے کیا ہیں آپ کی ہر ڈیمانڈ پوری ہوگی۔"

"غور سے سنو آج کے بعد آپ کے اڈے میں سے یا کوئی بھی ٹرانسپورٹر ہفتے یا منتھلی کی صورت کوئی کسی کو

بھتہ نہیں دے گا ٹریفک پولیس یا تھانے والے آپ کو کہیں بھی تنگ کرتے ہیں میرا نام استعمال کر کے کوئی بھی ڈیمانڈ کرتے ہیں تو آپ ایک روپیہ بھی نہیں دو گے آپ کو جہاں بھی پریشانی ہوتی ہے میرے آفس اور گھر کے دروازے آپ لوگوں کے لئے چوبیس گھنٹے کھلے ہیں رہی بات میری ڈیمانڈ کی تو مجھے حرام کا ایک پیسہ بھی نہیں چاہئے خدا کا دیا سب کچھ میرے پاس ہے میری ڈیمانڈ یہ ہے کہ چند سال پہلے آپ کے اڈے پر ایک بندہ تھا ''اکبر بادشاہ'' مجھے وہ بندہ چاہئے آپ لوگ اسے کہیں سے بھی پیدا کرو مجھے ہر قیمت پر اکبر چاہئے وہ انچارج تھا منشی کیا بلا تھا مجھے علم نہیں ہے بس مجھے وہ چاہئے۔''

''دونوں کے ماتھے کے بل گہرے ہوگئے وہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اسسٹنٹ کمشنر نے اپنی ڈیمانڈ سے آگاہ کر کے انہیں گہری سوچ میں مبتلا کر دیا گویا گیند ان کے کورٹ میں ڈال دیا گیا تھا ایک لمحے کے لئے تو انہیں سانپ سونگھ گیا انہیں حیرت کے ساتھ پریشانی بھی کھائے جارہی تھی کہ صاحب کے لئے برسوں پرانے کردار کو کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں جس کے وہ فرشتوں سے بھی لاعلم تھے۔''

''سر آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اس نام کا بندہ پورے اڈے میں موجود نہیں ہے۔''

''غلط فہمی کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا رہی بات ڈھونڈنے کی تو ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے مجھے وہ چاہئے اگر تم لوگ اپنی خیر چاہتے ہو تو اسے ڈھونڈ کر لاؤ کہیں سے بھی اگر مر گیا ہے تو مجھے اس کی قبر پر لے چلو ورنہ اس شناخت پریڈ کا سلسلہ یونہی جاری رہے گا یہ اڈا بند تو ہوسکتا ہے اس کی تلاش ختم نہیں ہوسکتی اس لیے تم سب کی بھلائی اسی میں ہے کہ اسے ڈھونڈ کر لاؤ جہاں سے مرضی فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

''سر آپ کو پکا یقین ہے اکبر ہمارے اڈے کا بندہ تھا۔''

''بے یقینی یا غلط فہمی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں بات کچھ پرانی ضرور ہے مگر اتنی بھی پرانی نہیں ہے۔''

''اس کے حتمی لہجے کی تصدیق نے گویا پتھر لکیر کر دیا۔''

''ٹھیک ہے میاں صاحب اگر اکبر ہمارے اڈے کا بندہ تھا تو کل شام تک ہمیں مہلت دیدیں کل شام ہونے سے پہلے آپ کے بنگلے پر ہم اکبر کے سا حاضر ہوں گے۔''

''بلآخر انچارج نے حامی بھرتے ہوئے یقین دہانی کرائی تو منیجر اسے غصے سے گھورنے لگا جیسے اس نے بے تکی بات کی ہو۔''

''اسسٹنٹ کمشنر کی سفید گاڑی کا لال ہوٹر آ ہوگیا ایک لمحے میں کیمپ اور رکاوٹیں ہٹا کر اڈے ساتھ ٹریفک کا نظام بھی بحال کر دیا گیا منیجر اور ا انچارج پھر آ کر کیبن میں سر جوڑ کے بیٹھ گئے۔''

''بولے بلاؤ ذرا اندر سب کو۔''

''اڈا منیجر نے غصے سے دھاڑتے ہوئے ہاکر مخاطب کیا۔''

''بھئی صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں ہمیں جب علم ہی نہیں ہے کون ہے اکبر کہاں رہتا ہے اڈے کیا کرتا تھا پھر اس کم بخت کو ہم کہاں سے ڈھونڈیں گے ہم نمازیں بخشوانے گئے تھے آپ روزے بھی ساتھ لے آئے۔''

''اس نے کھل کر ناراضگی کا اظہار کیا۔''

''آپ ہر معاملے میں گھبرا جاتے ہیں دنیا میں کوئی بھی کام مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں ہے۔''

''سب سے پوچھ گچھ ہوئی مگر سب اس کردار سے لاعلم تھے۔''

''چاچا بوٹا یار تو سب سے پرانا ہاکر ہے تجھے تو پتہ ہونا چاہئے بڑھکیں تو ایسے مارتے ہو جیسے سارے اڈے کو تم نے اپنے کندھوں پہ اٹھا رکھا ہے یار کچھ اپنے ذہن پہ زور دو کون تھا وہ اکبر جنجال۔''

بھئی صاحب جہاں تک میری معلومات ہے اس نام کا کوئی بندہ بشر میں نے اڈے پہ نہیں دیکھا ہاں

اب بات ضرور میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے پرویز
وہ اس اڈے کا سب سے پرانا ہاکر ہے وہ کوئی کھوج
لگا سکتا ہے۔"
"تو کچھ پھوٹو اپنے منہ سے وہ موٹا ہے یا پتلا وہ
کہاں ملے گا وہ کون ہے پہلے کیوں نہیں منہ کھولا۔"
"منہ کیسے کھولتا بات شروع ہونے سے پہلے ہی
اسسٹنٹ کمشنر نے ہم سب کو وہاں سے اٹھا دیا بہرحال
آپ پریشان مت ہوں میں موٹے کو جانتا ہوں وہ تو
بورے والا کی تاریخ بھی بتائے گا پچھلے پانچ سال سے
ہمارے اڈے پر نہیں آرہا ہے۔"
"بوٹے کے اشارے سے ایک امید کی کرن
سب کی آنکھوں میں جاگ اٹھی۔"
"چلو اٹھو جلدی کرو گاڑی میں بیٹھو۔"
"بوٹے کی نشاندہی میں اڈے کا قافلہ پرویز
کے گھر اتر گیا' شعبہ زندگی کا کوئی محکمہ ہو اس سے ریٹائر
ہونے کے بعد بھی وہ جہاں رہے جو بھی کام کرے وہ کسی
نہ کسی زاویے سے اپنے شعبے اور ٹریڈ کے ساتھ رابطے
میں ضرور رہتا ہے۔ پرویز سے مل کر وہ اکبر کا نہ صرف
کھوج لگانے میں کامیاب ہوگئے بلکہ انہیں پرویز سے
اس کا تمام بائیو ڈیٹا مل گیا۔"
"اڈے سے اڑتی ہوئی اکبر کی تلاش کی خبر اس
کے کانوں تک بھی جا پہنچی اکبر کو شروع سے ہی
ٹرانسپورٹ کے شعبے میں خاصی دلچسپی تھی اپنی گاڑی
خریدنے کی تو اس کی اوقات نہیں تھی اس لیے اس نے
اڈے پر منشی کی نوکری کر لی وہ اونچے لمبے قد کاٹھ اور
پُررعب شخصیت کا مالک تھا بڑی بڑی لمبی بھاری مونچھیں'
مہندی سے رنگے ریشمی بال اس کے رعب میں مزید
اضافہ کرتے تھے' وجیہ شکل وصورت اور توانا جسم ہونے
کے باوجود اس کے اخلاق کا پرچہ فیل تھا اس قدر اکھڑ
مزاج تھا کہ اکثر اوقات وہ اپنی انتظامیہ اور گاڑیوں کے
مالکان سے بھی الجھ پڑتا منہ پھٹ اور بداخلاق ہونے
کے باوجود وہ سب کی کمزوری بھی تھا تھانے' کچہری میں
کوئی مسئلہ ہو پولیس ناکے یا کسی حادثے کی صورت میں
اڈے کی کوئی بھی گاڑی پکڑی جاتی تو معاملہ تھانے
کچہری جانے سے پہلے ہی رفع دفع ہوجاتا اس لیے
شدید اختلافات کے باوجود اس کے ساتھ بنا کر رکھنا
اس کی بداخلاقی برداشت کرنا سب کی مجبوری تھی۔
اکثر خوشامدی طرز کے لوگ اسے اکبر بادشاہ کا
خطاب دیتے کہتے تم اتفاق لاری اڈے کے بادشاہ ہو
اس لیے بورے والا کے ٹرانسپورٹرز میں اکبر بادشاہ کے
نام سے مشہور ہوگیا وہ مجبوروں کی مجبوریاں خریدتا اور
اپنی مرضی کے داموں پولیس والوں کو بیچتا' وہ پولیس کے
نام پر لی ہوئی رقم میں سے آدھے سے زیادہ حصہ اپنی
جیب میں ٹھونستا باقی تھانے والوں کی نذر کرتا اس نے
دونوں ہاتھوں سے دولت خوب سمیٹی تھوڑے عرصے میں
اس نے اپنی دو ذاتی ویگن اڈے پر ڈال کر سب کو حیرت
میں ڈال دیا۔"
"اکبر کی اڈے میں واہ واہ ہوگئی ذاتی گاڑیوں
کی بدولت اس کی مقبولیت اور رعب میں چار گنا اور
اضافہ ہوگیا کاروبار میں کشادگی کے باوجود اس کے غرور
اور تکبر میں کچھ کمی نہ آئی اس کی گردن میں تکبر کے سریے
میں کچھ لچک نہ پیدا ہوئی بلکہ اس کے غرور میں روز بروز
اضافہ ہوتا گیا ہر عروج کو زوال آتا ہے غرور کی رسی حد
سے تجاوز کر جائے تو قدرت کا قانون اسے کھینچ لیتا ہے
ایک ٹریفک حادثے میں اکبر بادشاہ کے گھمنڈ کا سورج
ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔"
"برسوں سے کمائی ہوئی شہرت اور دولت سب
کچھ مٹی میں مل کر خاک ہوگیا' اکبر اپنے ایک دوست کی
شادی میں شرکت کے لئے بورے والا سے ساہیوال
جا رہا تھا اس کی گاڑی بے قابو ہو کر تیز رفتار ٹریلر سے
ٹکرا گئی اس ہولناک حادثے میں اکبر کا جواں سال بیٹا
اس کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ گیا اس کی جان تو بچ
گئی مگر قدرت نے اس کا ایک بازو چھین کر اسے اتفاق
لاری اڈے کے اکبر بادشاہ سے اکو ٹنڈا بنا دیا' شاید
قدرت نے اسے نشان عبرت کے لئے زندہ رکھا اسے
حادثے کے فوراً بعد جنرل اسپتال لاہور پہنچا دیا گیا

جہاں ایک ماہ رہنے کے بعد وہ اپنے ایک ہاتھ سے معذور ہوکر ڈسچارج ہوگیا بعد میں پتہ چلا دونوں گاڑیوں میں سے ایک گاڑی کی اس نے پے منٹ فل کی تھی جبکہ دوسری قسطوں پر تھی بالآخر اسے اکلوتی گاڑی بھی بیچ کر دوسری کی قسطیں ادا کرنا پڑی جمع پونجی پہلے ہی علاج کی نذر ہوچکی تھی۔"

"وہ مستقل اپاہج بن کر چارپائی پہ پڑا تو نوبت فاقہ کشی پر آ گئی اکو کی بیوی نے کچھ عرصے تک لوگوں کے گھروں میں کام کرکے گھر کا ٹھنڈا چولہا جلایا اس کا چھوٹا بیٹا بڑا ہوا تو اس نے زندگی کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا دیتے ہوئے محنت مزدوری سے کفالت کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھالیا۔"

"مدثر نے دن بھر بسوں میں پکوڑے سموسے بیچ کر خلاف معمول لٹکے ہوئے چہرے کے ساتھ شام ہونے سے پہلے ہی گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تو ماں کی ساتھ اکو کو بھی تشویش ہوئی۔"

"مدثر خیر تو ہے آج اتنی جلدی کیسے آ گیا تیرا چہرہ بھی مرجھایا ہوا ہے۔"

"ماں خیر نہیں ہے بہت بری خبر ہے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے میں نے سنا تو فوراً کام چھوڑ کے گھر آ گیا پتہ نہیں اب کیا ہوگا؟"

"مدثر ادھر آ میرے پاس یہ تو کیا بول کے اپنی ماں کو ڈرا رہا ہے ادھر آ میرے پاس۔"

"ابا شہر میں کوئی افسر آیا ہے وہ پولیس کے ساتھ آپ کو ڈھونڈ رہا ہے تین دنوں سے اس نے اڈا بند کیا ہوا ہے بڑی سختی کی ہوئی ہے اس نے اڈے پہ میں نے سنا تھا گھر کی طرف دوڑ لگادی۔"

"سنا ہے۔۔کس سے سنا ہے۔"

اس کے ماتھے کے بل گہرے ہوگئے جسم میں خوف کی لہر سرایت کرگئی۔"

"وہ شفیق نہیں ہے چاچے ارشد کا بیٹا جو میرے ساتھ سموسے بیچتا ہے اس نے بتایا کہ تمہارے ابے کو ڈھونڈ رہے ہیں فوراً گھر بھاگ جاؤ اور اپنے ابے کو بتاؤ۔"

"اچھا تو یہ شوشہ شفیق والے ارشدی نے چھوڑا ہے تو بھی کتنا بھولا ہے ایک نمبر کا لفنگا ہے وہ اس محلے میں باپ کو بھی جانتا ہوں ارے بورے والا میں اکبر کے نام کے ہزاروں لوگ ہیں صرف تیرے ابے کا نام ہی نام نہیں ہے کسی افسر کے ساتھ ہمارا کیا جوڑ مجھے تو لگتا ہے چھوڑے مدت ہوگئی اس کم بخت نے اپنا سودا بیچنے کے لئے تجھے گولی دی اور تم نے گھر دوڑ لگادی چل جا ہاتھ دھو کے روٹی کھا اور فکر چھوڑ دے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"جی اکبر کا یہی گھر ہے۔"

"جی۔۔۔جی یہی گھر ہے۔"

☆.....☆.....☆

"اکبر کی بیوی نے دروازہ کھول کے جونہی تصدیق کی اڈے کا انچارج اپنی فوج کے ساتھ بن بلائے مہمان کی طرح اندر گھس آیا' شیشم کے گھنے درخت کے پھیلتے ہوئے سائے شام ہونے کا اعلان کررہے تھے اکبر درخت کے نیچے لیٹا حقہ گڑگڑا رہا تھا دروازے پہ دستک ہوئی تو اس کے کان بھی کھڑے ہوگئے اس نے صحن میں اترتے دھندلکے میں حیرت سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے نظر دوڑائی پھر زیر لب بیوی کو مخاطب کرکے بڑبڑاتے ہوئے چارپائی پہ بیٹھ گیا۔"

"لو آج پھر تیرا کماؤ پتر شام ہونے سے پہلے ہی تیرا مار کے آ گیا ہے۔"

"اکبر چلو ہمارے ساتھ ہم لینے آئے ہیں تمہیں۔"

وہ اکبر کی چارپائی کے اردگرد ایسے تن کر کھڑے ہوگئے جیسے کوئی چور رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو۔"

"دعا' نہ سلام' جان نہ پہچان' کہاں چلوں تمہارے ساتھ بھئی کون ہو تم لوگ اور تم اندر کیسے آ گئے؟"

"ہم اتفاق لاری اڈے سے آئے ہیں تم دنوں سے اسسٹنٹ کمشنر نے ہمیں خوار کررکھا ہے اسی کا حکم ہے اسی کے پاس تمہیں لے کر جانا ہے کیا کام ہے کیوں ہے یہ تو وہی جانتا ہے شرافت سے اٹھو اور چلو

... ساتھ ہم نے وعدہ کیا تھا آج شام تک ہر ... میں تجھے پیش کریں گے اس لئے زیادہ سوال ... اٹھو اور چپ چاپ چلو ہمارے ساتھ ہماری بھی ... ہونے اور خود کو بھی کسی مشکل میں مت ڈالو اس ... زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے' بڑی مشکل سے تمہارا ... ملا ہے لہٰذا ہمارا وقت برباد مت کرو۔"

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے اڈے اور ٹرانسپورٹ ... دھندے کو چھوڑے مجھے مدت ہوگئی ہے میرا ... اسسٹنٹ کمشنر کے ساتھ کیا لینا دینا میں کیوں جاؤں تم ... ساتھ بدمعاشی نہیں کرسکتے جاؤ اپنا کام کرو۔"

اس نے بظاہر بڑی ہمت سے دوٹوک جواب دیا مگر وہ اندر سے بالکل ڈر چکا تھا اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ خطرہ اس کے سر پہ منڈلا رہا تھا۔"

"تیری وجہ سے ہمارا کاروبار بند پڑا ہے اڈے کا ٹھیکہ کینسل ہو رہا ہے جائے گا کیسے نہیں تیرا تو باپ بھی جائے گا' ارے تمہیں تو ہم آسمان پہ ڈھونڈ رہے تھے شکر ہے تو زمین پر مل گیا کھڑے کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو اٹھاؤ ٹنڈے کو اور ڈالو گاڑی میں جائے گا کیسے نہیں۔"

"اس کی بیوی اپنے شوہر اور اجنبی لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سے خوفزدہ ہو کر تھر تھر کانپنے لگی وہ زبردستی اٹھانے لگے تو ہاتھ جوڑ کے ان کے سامنے گڑگڑانے لگی۔"

"کچھ تو خدا کا خوف کرو ایک معذور کے ساتھ بدمعاشی کر رہے ہو دیکھو آپ لوگوں کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اکبر نے کسی کا کیا بگاڑا ہے' یہ بے چارہ تو پچھلے دس سالوں سے چارپائی پر پڑا اپنی قسمت کو رو رہا ہے اس طرح زیادتی مت کرو' مجھے لے چلو اپنے ساتھ کہاں لے جانا ہے۔"

"یہ تو چل بھی نہیں سکتا ہے' یہ صرف ہاتھ سے ہی معذور نہیں ہے اس کے جسم کا نیچے والا دھڑ بالکل کام نہیں کرسکتا ہے کس صاحب کا حکم ہے مجھے لے چلو اس کے پاس۔"

"وہ ان کے سامنے روتی چلائی' ہاتھ جوڑے مگر انہوں نے ایک نہ سنی اس کی آہ و بکا کے باوجود انہوں نے گاڑی میں ڈالا اور پھر گاڑی اسسٹنٹ کمشنر کے بنگلے پر آ کر رکی ٹرانسپورٹر کے وفد کو گیسٹ روم میں بٹھا کر ملازم راہداری سے بنگلے کی اندرونی جانب بڑھ گیا اکو کو عادی مجرم کی طرح عالیشان مہمان خانے کے فرش پر بے دردی سے پٹخ کر اڈے کا عملہ فخریہ انداز میں گداز صوفوں پر اسسٹنٹ کمشنر کے انتظار میں بیٹھ گیا۔"

"اکبر کی بیوی کی چیخ وپکار کچے گھر کی خستہ در و دیوار میں دب کر رہ گئی وہ دروازے کے قریب زمین پر بے بسی سے بیٹھ گئی' پریشانی سے اس کے ہاتھ پاؤں سن ہوچکے تھے اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہاں جائے کس کے سامنے فریاد کرے' تاریک آنگن سے کئی گنا زیادہ اندھیرا بوڑھی آنکھوں میں اتر چکا تھا ویران گھر کی اذیت ناک تنہائی لمحہ بہ لمحہ اس کے اعصاب کو شل کرنے لگی وہ کچھ دیر سپاٹ اندھیرے کا حصہ بن کر زمین پر گم سم بیٹھی بے بسی کی تصویر بنی رہی زندگی بھی کیسے کیسے کرب آمیز امتحان لیتی ہے دینے والا کیسے کیسے سزا دیتا ہے۔"

دینے والا یوں زندگی کی سزا دیتا ہے
انسان کو بے بس و مجبور بنا دیتا ہے
انسان پہ خودمختاری کا الزام ہی تو ہے
وہ جسے چاہے جب چاہے مٹا دیتا ہے

اس کا بیٹا مدثر عموماً اس وقت تک کام سے لوٹ آیا کرتا تھا مگر آج نہ جانے وہ بھی کہاں رہ گیا تھا اس کی تشویش اور مایوسی سے دل ڈوب رہا تھا اس کے ذہن کے تاریک گوشے میں اچانک اجالے کی ایک کرن پھوٹی اس نے سوچا کیوں نہ اس بے نیاز ذات سے فریاد کی جائے جو امیر غریب کی بلاامتیاز سنتا ہے اس کے انصاف کے سامنے جہاں بھر کے عادل بے بس ہیں' یہ خیال دل میں آتے ہی وہ اپنی توانائی بحال کرکے اٹھ کھڑی ہوئی اس نے وضو کرکے مصلی بچھایا اور اپنی فریاد لے کر خدا کے حضور پیش ہوگئی۔"

"ادھر اکبر کی بیوی نے سلام پھیر کے خداوند کریم کی عدالت میں اپنی فریاد کے لئے ہاتھ بلند کیے ادھر

اسسٹنٹ کمشنر کی تعظیم میں ان کی آمد پر سب ہاتھ باندھے کھڑے ہوگئے' اس کا اشارہ ملتے ہی سب اپنی اپنی جگہ تعجب سے بیٹھ گئے الجھے بال' داڑھی کی بڑھتی ہوئی لمبی تاثیں چہرے پہ خوف میں لپٹی بڑھاپے کی گہری جھریاں' اندھر دھنسی ہوئی آنکھیں پیوند لگے کپڑے فقیروں جیسی حالت دیکھ کر ایک لمحے کے لئے کمشنر صاحب کی آنکھیں دھوکہ کھا گئیں' اس نے دل میں سوچا اڈے والے جان چھڑانے کے لئے دباؤ میں آکر شاید کسی اور کو قربانی کا بکرا بنا کے پکڑ لائے ہیں منیجر نے اکو کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے منع کر دیا۔

"ہاں بھئی کیا نام ہے تمہارا؟"

"اسسٹنٹ کمشنر نے اندر اٹھنے والے خدشے کی تصدیق کے لئے اسے براہ راست مخاطب کیا۔

"جی۔۔۔جی۔۔۔اکبر۔۔۔اکو اکو کہتے ہیں۔"

"اس پر رعب کے ساتھ ساتھ انجانا خوف بھی طاری ہونے لگا اس نے نام بتا کے آنکھیں جھکا لیں اس کی آواز سنتے ہی اکو کا وہ روپ جسے لوگ اکبر بادشاہ کا نام دیتے تھے اسسٹنٹ کمشنر کی آنکھوں میں پھیل گیا وہ آواز' وہ کردار وہ چہرہ میاں امتیاز کیسے بھول سکتا تھا ماضی کا ایک ایک لمحہ اسے یاد آنے لگا۔"

"ہونہہ۔۔۔خوشی محمد جاؤ اور کچھ مہمانوں کے لئے چائے پانی کا بندوبست کرو۔۔۔اور ہاں بیگم صاحبہ کو بتاؤ وہ بھی آجائے۔"

"ملازم اثبات میں سر ہلا کے اندر چلا گیا' لال رنگ کی ریشمی ساڑھی میں ملبوس بیگم اسسٹنٹ کمشنر کی برابر والی نشست پر آکر بیٹھ گئی' مہمان خانے میں موجود ہر شخص کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا' وہ سب نظریں ٹکائے اسسٹنٹ کمشنر کے چہرے کو بڑے انہماک سے تک رہے تھے۔"

"اکبر مجھے جانتے ہو۔"

"جی مائی باپ آپ شہر کے مالک ہیں' آپ کے سامنے میری کیا اوقات بھلا آپ اور مجھ جیسے غریب کی کیا جان پہچان۔"

"اکبر کے چہرے سے ہوائیاں اڑنے لگیں وہ جھکائے حیرت و خوف کے صحرا میں اترتا چلا جا رہا تھا۔"

"اچھا اس عورت کو پہچانتے ہو۔۔۔ مطلب ہے اسے پہلے کہیں دیکھا ہے۔"

"اکبر کے سانس اور آواز حلق میں اٹک چکی اس کی کیفیت سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اسے یاد آرہا تھا نہ کچھ بھی سمجھ آرہا تھا' اکبر کے ساتھ وہاں بیٹھے ہر شخص کا سسپنس عروج پر پہنچا تو اسسٹنٹ کمشنر نے بولنا شروع کیا۔"

"اکبر تمہیں یاد نہیں مگر میں کیسے بھول سکتا ہوں کچھ سال پہلے ہماری ملاقات اتفاق لاری اڈے پر ہوئی میں گورنمنٹ کالج بورے والا میں لیکچرار تھا گھر دور ہونے کی وجہ سے اپنی بیوی کے ساتھ میں نے رہائش بھی بورے والا میں ہی رکھی ہوئی تھی ویک اینڈ پر اپنے شہر کمالیہ جانے کے لئے اتفاق اڈے سے ٹکٹ خرید رہا میں اور میری بیگم بورے والا سے فیصل آباد براستہ کمالیہ جانے والی کوسٹر کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے پولیس کے ایک سپاہی کو فرنٹ پر بیٹھانے کے لئے تم نے ہمیں سیٹ خالی کرنے کا کہا انکار کرنے پر تم نے بھرے اڈے کے سامنے میری بیوی کو ہاتھ سے پکڑ کر نیچے اتارنے کی جسارت کرنے پر تم نے کس کر میرے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا میں شرمندگی کا بوجھ اپنے کندھوں پر لاد کر دوسری گاڑی سے اپنے گھر تو پہنچ گیا مگر میری بیوی کے الفاظ میری مردانگی کے لئے اس ہتک اور تمہارے تھپڑ سے کہیں زیادہ بھاری ثابت ہوئے میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام تھا یہ کہتے ہوئے اس نے میرے اندر کے انسان کے سات میرے ضمیر کو بھی جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔"

"امتیاز تمہارے لئے شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے آج ایک ٹوٹل کے سپاہی کے لئے اڈے والے نے نہ صرف ہمیں گاڑی سے اتار دیا بلکہ سب کے سامنے تمہاری بیوی کا ہاتھ پکڑ کر تمہارے منہ پر تھپڑ بھی دے مارا کیا فائدہ تمہاری ان ڈگریوں اور اعلیٰ تعلیم کا جس کی بدولت تمہاری معاشرے میں ذرا عزت نہیں' تمہاری

ڈاکٹر ارشپ کو پبلک پیلس پر تمہیں اور تمہاری بیوی کو ہزاروں لوگوں کے سامنے تماشا بنا کر رسوا کیا گیا اور تم ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے خود کو تمہاری بیوی کہتے ہوئے بھی شرم آرہی ہے آج اگر تم پولیس کے افسر یا کم از کم اے ایس آئی یا پھر حوالدار بھی ہوتے تو یوں سرعام تمہیں اور تمہاری بیوی کو بے عزت کرنے کی کسی میں ہمت نہ ہوتی یہی لوگ تمہیں جھک جھک کر سیلوٹ کرتے۔"

"دنیا میں غصہ وہ واحد منفرد حرام چیز ہے جسے پی لینا حلال ہے مگر الفاظ کے بے شک دانت نہیں ہوتے مگر الفاظ کاٹ لیں تو ان کا زخم کبھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا سب سے پہلے ڈاکٹر ارشپ کو خیرآباد کہتے ہوئے استعفیٰ لکھا اور پرنسپل کے نام پوسٹ کردیا بیوی کے ساتھ اسی شام علیحدگی ہوگئی میں نے کتابیں خریدیں اور پبلک کمیشن کی تیاری شروع کردی امتحان دیا مگر میں فیل ہوگیا میرا اپنا خود پر سے اعتماد اٹھ چکا تھا دوسری بار تیاری کے ساتھ میں نے دل میں پکا تہیہ کرلیا کہ اس بار بھی ناکامی کا سامنا ہوا تو اس ذلت بھری زندگی سے خودکشی کرلینا زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نے ہمت اور لگن سے محنت جاری رکھی۔"

"آخر ایک دن میری محنت رنگ لے آئی پبلک کمیشن کا رزلٹ آیا میں پاس ہوگیا زندگی کے کڑے امتحان سے گزر کر میں افسر بن چکا تھا سب کے ساتھ میں خود بھی حیران تھا جب دو سال کی طویل علیحدگی کے بعد میری بیوی نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا اس نے مبارکباد دیتے ہوئے اپنے رویے اور الفاظ پہ مجھ سے معافی مانگی اسسٹنٹ کمشنر بورے والا کا لیٹر موصول ہوا تو میری خوشی کی انتہا نہ تھی۔"

"یاد کرو اکبر میں وہی لیکچرار ہوں اور میرے برابر میں بیٹھی میری بیگم وہی عورت ہے جس کا ہاتھ پکڑ کر تم نے ذلیل کیا تھا۔"

"اسسٹنٹ کمشنر کی گفتگو ختم ہوئی تو سب ایسے چونک اٹھے جیسے جاگتی آنکھوں سے کوئی خواب دیکھ رہے تھے خاموشی کے بت ٹوٹ کر زمین پہ گر پڑے اکبر کے چودہ طبق روشن ہوگئے ماضی کا تمام واقعہ آنکھوں کے راستے اس کے ذہن کے بند دریچے کھول چکا تھا وہ زمین پر رینگتے ہوئے کیڑے کی طرح نیم مردہ دھڑ کو فرش پر گھسیٹتا ہوا ان کے قدموں پر گر کے گڑگڑانے لگا۔"

"صاحب جی مجھے یاد آگیا۔۔۔ سب کچھ یاد آگیا مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی تھی جو شاید معافی کے قابل بھی نہیں، مگر صاحب قدرت میرے برے کاموں کی سزا تو دنیا میں ہی دے چکی ہے مگر آج تو وہ ہاتھ ہی نہیں رہا خدا نے طاقت کے ساتھ وہ ہاتھ بھی چھین لیا لیکن اگر وہ ہاتھ سلامت بھی ہوتا تو میں خود کاٹ کر آپ اور بیگم صاحبہ کے قدموں میں رکھ دیتا' میں واقعی آپ اور بیگم صاحبہ کا مجرم ہوں چاہے مجھے پھانسی پر لٹکا دیں مگر خدا کے لئے مجھے ایک بار کہہ دیں کہ آپ نے مجھے معاف کیا۔"

"نہیں اکبر نہیں۔۔۔ سزا تو گدھے اور گھوڑے کو دی جاتی ہے انسانوں کو تو سبق سکھایا جاتا ہے اور وقت سے بڑا کوئی استاد نہیں۔"

"اس نے اسے قدموں سے اٹھا کر اپنے ساتھ صوبے پر بیٹھا لیا۔"

"قدرت نے تمہیں سبق سکھا دیا ہے میں تو تمہارا احسان مند ہوں تم نے مجھے ایک لیکچرار سے اتنا بڑا افسر بنا دیا۔"

"اکبر آج تمہاری تذلیل نہیں کرنا مقصود تھی بلکہ اس کردار کی نفی کرنا ضروری تھا جس کا نام اکبر بادشاہ تھا جس نے گھمنڈ کے نشے میں انسانیت کے سر کو جھکایا تھا۔"

"تم میرے محسن ہو میں نے تمہیں نہ صرف دل سے معاف کیا بلکہ تمہارے اکلوتے بیٹے کے لئے میں سرکاری ملازمت کا بھی بندوبست کروں گا کل تمہارے گھر میں گاڑی بھجواؤں گا اپنے بیٹے کو لے کر دفتر پہنچ جانا۔"

"اسسٹنٹ کمشنر کی فراخدلی اور اعلان سن کر سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے' انسانیت کی عظمت سربلندی اور معراج دیکھ کر خدا کے فرشتے بھی جھوم اٹھے۔"

خونی جزیرہ

ایم الیاس

قسط نمبر:3

خوفناک حیرت ناک اور دہشت ناک وادی میں جنم لینے والی عجیب و غریب خوف کی وجہ سے دل کو سہماتی اور رگوں میں خون کو منجمد کرتی، قدم قدم پر لرزاتی اور پورے جسم میں ارتعاش پیدا کرتی نادیدہ قوتوں کی ناقابل فراموش اور ناقابل یقین، ڈرائونی کہانیوں کی فہرست میں سب سے آگے حقیقت پر مبنی خونی کہانی۔

مشہور و معروف رائٹر کے زور قلم کی شاہکار کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو حیران کردے گی

میرا خیال تھا کہ میں صبح تک اس طرح سوتا رہوں گا جیسے گھوڑے بیچ کر سو رہا ہوں۔

تھوڑی ہی دیر میں کسی آہٹ سے بیدار ہوگیا تھا۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے کسی نے میرا شانہ بری طرح جھنجھوڑ کر جگایا ہے۔ لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا..... لیکن ایسی سوندھی سوندھی مست کردینے والی خوشبو جو کسی دوشیزہ کے جسم اور بالوں سے نہانے پر پھوٹتی ہے نہ صرف میرے جسم بلکہ کپڑوں سے بھی پھوٹ رہی تھی۔ ایسا محسوس ہوا کہ شاید وہ لڑکی میرے پاس آکر دراز ہوگئی تھی اور مجھے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ ایک نہایت ہی حسین بھی تھی اور اس کے جذبات تند ہوگئے تھے جس پر قابو پانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

لیکن ایک بات سمجھ سے بالاتر تھی کہ وہ مجھے بیدار کر کے کیوں غائب ہوگئی.....؟

میں کوئی ایسا بدصورت اور مکروہ اور خوف ناک شکل کا نہ تھا کہ کوئی لڑکی یا عورت میرے قریب نہ آئے۔ لیکن حیرت کی بات تھی کہ پاس آکر اور مجھے بیدار کر کے کیوں چلی گئی.....؟ عجیب سا اسرار تھا اور اس کی یہ حرکت میرے لئے معمہ بن گئی تھی۔

اگلے لمحے جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ کہیں وہ لڑکی جو بظاہر حسین عورت کے روپ میں ہے کہیں کوئی چڑیل نہ ہو.....! شاید وہ اس خیال سے نظروں سے غائب ہوگئی کہ نشاط انگیزی میں وہ اپنے اصل روپ میں نہ آجائے..... میں اس کی کوئی خواہش، آرزو اور تمنا نہ پوری کرسکوں جو وہ چاہتی تھی..... شاید وہ مجھے امیر بنانے کے بعد میرا خون پی جانا چاہتی ہوگی۔ شاید کسی بات نے اسے باز رکھا ہوگا۔

لیکن یہ خوشبو ایسی تھی کہ اس نے میری نیند اڑا دی تھی۔ میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ جس نے مجھے بیدار کیا وہ چڑیل نہیں تھی.....؟ اگر وہ ہوتی تو مجھ پر کوئی سحر طاری کر کے یقیناً میرا خون پی جاتی.....؟ وہ لڑکی ہی تھی جو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئی تھی اور کسی وجہ سے شاید یہاں رنگ رلیاں منانا نہیں چاہتی ہے۔

پھر میں نے چشم تصور میں اسے دیکھا وہ انتہائی حسین، دلکش اور پرکشش اور ایسی جاذبیت سے بھری دکھائی دیتی تھی کہ کوئی مرد اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکے۔ اس کے پرشکوہ نشیب و فراز نظروں میں جذب ہو رہے تھے..... دل کے کسی کونے میں اس کے حصول کی خواہش کسی سانپ کے پھن کی طرح سر اٹھانے لگی..... یہ خواہش جیسے کہہ رہی تھی کہ اس جزیرے پر وہ

اکیلی ہے..... تم اسے آسانی سے قابو میں کر کے بے بس کر سکتے ہو..... اول تو وہ تمہاری کسی بات سے انکار نہ کرے گی..... اگر اس نے مدد کے لئے شور مچایا تو وہاں کوئی نہیں ہے جو کہ اسے بچانے کے لئے آجائے..... تمہاری راہ میں نہ تو کوئی رکاوٹ ہے..... نہ دیوار ہے۔

لیکن میں نے اپنی اس خواہش کو اس طرح ذہن سے جھٹک دیا جیسے وہ کوئی زہریلا بچھو ہو جو میرے وجود پر رینگ رہا ہو..... وہ جتنی حسین ہو..... اور جوانی سے بھرپور ہو میں اپنی خواہش کا غلام نہیں بن سکتا تھا..... میری زندگی میں نجانے کتنی حسین لڑکیاں آئیں اور ان سے واسطہ پڑا لیکن میں نے انہیں کبھی میلی نظروں سے نہ دیکھا..... پھر میں اس لڑکی کو کیسے زیر کر کے رات رنگین اور حسین بنا سکتا تھا۔

پھر میں نے سونے کی کوشش کی..... نیند کہاں سے آتی..... اس کا خیال اور ہیجان خیز تصور تھا کہ بار بار میرے ذہن اور تصور میں آ کر مجھے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ میرے بس میں نہیں تھا کہ میں اس سے چھٹکارا پاؤں.....

تھوڑی دیر تک میں اس کشمکش میں مبتلا رہا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ مجھے اپنے آپ پر اختیار نہیں رہا ہے..... میں کمرے میں چھائی ہوئی خوشبو کے زیر اثر کمرے سے باہر جا رہا ہوں۔ وہ خوشبو مجھے کشاں کشاں اپنے طلسم میں جکڑ کر کھینچ رہی ہے۔ وہ کچے دھاگے سے بندھا چلا جا رہا ہوں۔ میری رفاقت میں تیزی ہے اور وہ قابو میں نہیں آ رہی ہے..... میں نے کتنی کوشش کی کہ ایک قدم بھی نہ چلوں.....؟ یہ میرے بس میں نہیں رہا تھا۔

باہر دودھیا چاندنی کا دریا مچلتا تھا۔ اس چاندنی میں یہ جزیرہ خوب صورت نظر آنے کے بجائے نہایت خوف ناک اور کسی وحشی قاتل کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ وہ ہر سمت تھی جو مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ ہوا بازگشت کر رہی تھی۔ اور میرے کانوں میں ایک مترنم، رسیلی اور دلکش آواز سرگوشی کی طرح گونج رہی تھی۔

''راہی.....! میرے راہی.....! یہ تم کہاں جا رہے ہو.....؟ شمال کی سمت آؤ..... میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں..... ''حیرت کی بات ہے کہ میری اتنی ناقدری.....؟ کیا میں حسین نہیں ہوں.....؟ جوانی سے بھرپور نہیں ہوں.....! تم مجھے اکیلی پا کر بھی مجھ سے دور رہے..... میرے قریب نہیں آئے..... اب تو آجاؤ..... اب اس سے بھی میں اکیلی ہوں..... یہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہوگا.....''

اب مجھے خیال آیا کہ وہ لڑکی جادوگرنی ہے..... اپنے سحر کے زور سے مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے..... وہ چڑیل بھی ہو سکتی ہے جس نے ایک حسین لڑکی کا بہروپ بھر رکھا ہے۔ وہ مجھے ہر طرح سے سرفراز کر کے میرا خون پی لینا چاہتی ہے..... میں کیا کروں.....؟ کہاں جاؤں.....؟ اس جزیرے سے نکل کر جا بھی تو نہیں سکتا.....؟

میں بہت دور اور اتنی دور نکل آیا تھا کہ مجھے احساس ہی نہیں ہو سکا تھا..... میں نے ایک جگہ رک کر اور پلٹ کر دیکھا تو وہ مکان اور جگہ دکھائی نہیں دی جہاں سے میں چلا تھا..... ہر شے، درخت اور ذرہ ذرہ چاندنی میں نہا رہا تھا..... میں نے سوچا کہ پلٹ جاؤں لیکن میں اپنے ارادے پر عمل نہ کر سکا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے آپ کو جھیل کے کنارے پایا جو درختوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔

یہ بہت ہی خوب صورت جگہ تھی اور اس کا ماحول بڑا خواب ناک تھا۔ رومان پرور تھا۔ درختوں اور جھیل کے درمیان جو جگہ تھی وہاں چاندنی چمک رہی تھی۔ میں وہاں مسحور سا ہو کر کھڑے ہو کر دیکھتا رہا۔

معاً میری نگاہ جھیل پر پڑی۔ وہاں وہ لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ میں حیران تھا کہ وہ رات بسر کرنے کے لئے اتنی دور آئی ہے.....! کیا اتنے بڑے جزیرے پر اسے کوئی جگہ نہیں ملی۔ اور پھر میں نے ایک اور بات جو محسوس کی وہ یہ تھی کہ وہ اس چاندنی کی آغوش میں نہایت حسین اور دلکش دکھائی دیتی تھی اور اس کے چہرے پر ایسا نکھار اور ہونٹوں پر دلآویزی تھی کہ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ میں ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا

ہوا تھا۔ میں اسے دیکھ سکتا تھا وہ مجھے نہیں..... میں بے آواز سایہ یہاں پہنچا تھا اس لئے لڑکی کو میری آمد کی مطلق خبر نہ ہوسکی..... وہ شب بسری کے بجائے جھیل پر کیا کررہی ہے.....؟ میں نے سوچا۔ اور پھر اس نے اپنے جادو کے زور پر جھیل پر کس لئے بلایا.....؟ کیا وہ میرے ساتھ جھیل میں تیرنا اور نہانا چاہتی ہے.....؟ پھر صبح تک وقت گزارنا..... میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

''اجنبی مسافر.....!'' اس نے میری طرف گھوم کر کہا۔ ''وہاں کیوں کھڑے ہوگئے ہو.....؟ ادھر آؤ..... میرے پاس آؤ.....''

پھر میں درخت کی اوٹ سے نکل کر اس کی طرف بڑھا۔ وہ میرے قریب آنے کا انتظار کرنے لگی۔ جب میں اس کے پاس جارہا تھا تب میں نے جھیل کو جو دیکھا تو نظروں کو یقین نہیں آیا۔ اس کا پانی خون کی طرح ہورہا تھا۔

''تم یہاں کیا کررہی ہو.....؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں اس خونی جھیل میں اشنان کرنے آئی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''خونی جھیل.....؟ کیا اس جھیل کا پانی خون جیسا سرخ ہے اس لئے تم خونی جھیل کہہ رہی ہو.....؟''

''جھیل میں سرخ پانی نہیں ہے بلکہ یہ خون ہے.....'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

''خون.....؟'' مجھے اس کی بات کا یقین نہیں آیا۔ ''یہ کیسے ہوسکتا ہے.....؟ اتنا سارا خون.....؟''

''کیوں.....؟ کیا کچھ نہیں ہوسکتا.....؟'' وہ بولی۔ ''کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں آرہا.....؟''

''یہ کوئی تھوڑا بہت خون نہیں ہے.....؟ جھیل میں اتنا سارا پانی کئی سالوں کی بارش سے ہی ہوسکتا ہے؟''

''یہ خون..... اس جھیل میں ہفتوں اور مہینوں سے نہیں بلکہ برسوں اور صدیوں سے جمع ہوا ہے.....''

''یہ کس نے اور کیوں خون کی جھیل بنائی ہے.....؟ کیا یہاں خون کی بارشیں ہوتی ہیں؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔ ''کہیں یہ جانوروں کا خون تو نہیں ہے.....؟''

''یہ خون بارشوں کی بدولت ہے اور نہ ہی جانوروں کا خون ہے.....'' اس نے جواب دیا۔

''کیا یہ خون پانی میں رنگ یا کیمیکل سے بنایا گیا ہے.....؟''

''نہیں.....'' اس نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔ ''یہ انسانوں کا خون ہے..... سونگھ کر دیکھو۔ اس میں انسان کی بو آئے گی..... کیا تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہورہا ہے.....؟''

''یہ انسانوں کا خون ہے.....؟'' میں ایک دم سے اچھل پڑا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے.....؟ کہاں سے اتنا خون آیا؟''

''یہ نہ صرف اس جزیرے کے انسانوں کا خون ہے بلکہ ساری دنیا میں جو انسانوں کا خون پانی کی طرح بہتا ہے اسے یہاں لاکر جمع کردیا جاتا ہے..... دنیا میں درندوں کے مقابلے میں انسان زیادہ دستیاب ہیں۔''

''لیکن خون تو خشک ہوجاتا ہے.....؟'' میں نے کہا۔ ''یہ پانی کی طرح کیوں ہے؟''

''جادو کے زور سے اس خون کو خشک ہونے نہیں دیا گیا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''وہ کس لئے.....؟'' میں نے ششدر ہوکر سوال کیا۔ ''ایسا انسانی خون تو کسی کام کا نہیں ہوتا؟''

''اس انسانی خون کے یوں تو فوائد بہت سارے ہیں..... لیکن دو ایک تو بہت زیادہ فائدہ دیتے ہیں۔''

''کیا فوائد ہوتے ہیں.....؟ کیا تم بتانا پسند کروگی.....؟''

''ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس خون میں اشنان کرنے سے انسان کی عمر ہزار برس کی ہوجاتی ہے۔'' وہ بتانے لگی۔ ''اس کی صحت بھی قابل رشک رہتی ہے..... بوڑھی عورت ہو یا بوڑھا مرد..... انتہائی طاقتور اور جوان ہوجاتے ہیں پھر کبھی کوئی بیماری، کمزوری اور بڑھاپا چھو کر بھی نہیں گزرتا ہے..... اس کے علاوہ وہ اس قدر خوب

صورت اور پرکشش ہوجاتے ہیں کہ دل میں اتر جاتے ہیں..... جو بدصورت اور بے کشش ہوتے ہیں ان کا نام ونشان نہیں ہوتا ہے..... تم مجھے دیکھ لو..... میں دو برس قبل اس خونی جھیل میں نہانے سے پہلے نہایت بدصورت اور بے کشش تھی..... لڑکے اور مرد مجھے چھونا اور مجھ سے محبت کرنا تو درکنار میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے..... اب وہ میرے دیوانے ہیں..... اس لئے کہ میں آج دنیا کی حسین ترین لڑکی ہوں۔"

"اس خون میں یہ خوبیاں کیسے پیدا ہوگئیں.....؟ جب کہ یہ عام انسانوں کا خون ہے.....؟"

"ایک دیوتا ہے جسے خون کا ایشور کہا جاتا ہے..... اس نے کوئی منتر پھونکا ہے..... اس جھیل میں چالیس لاکھ انسانوں کا خون چار صدی پہلے ڈال دیا گیا اور ہر برس اس میں چالیس ہزار انسانوں کا خون شامل کردیا جاتا ہے۔"

"اس جھیل کے خون میں اور کیا خاص بات ہے؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"اس خون میں جو لذت اور ذائقہ ہے وہ دنیا کی کسی چیز میں موجود نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "شراب میں بھی نہیں ہے..... جو ایک بار پی لے..... پھر وہ کسی اور چیز کو منہ نہیں لگاتا ہے۔"

"نہیں..... میں اس بات کو نہیں مانتا..... خون کوئی پینے کی چیز ہوتی ہے؟" میں نے تکرار کی۔

"کیا دنیا میں لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہیں ہیں.....؟ وہ ایک دوسرے کا خون اس لئے پیتے ہیں کہ اس سے زیادہ مزے دار کوئی نہیں ہوتا ہے....."

"اچھا..... میں واپس جارہا ہوں..... اس لئے کہ تمہاری باتیں بڑی خوف ناک ہیں۔" میں نے کہا۔

"میں تمہیں خون پیئے بغیر جانے نہیں دوں گی اور نہ ہی اشنان کئے بغیر....." اس نے کہا۔

"تم ایسا کیوں چاہتی ہو.....؟ جب کہ مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"اس لئے میرا دل تم پر آگیا ہے.....؟" وہ دلکش انداز سے مسکرائی۔ "میں تمہیں جھیل میں اشنان کرانے جارہی ہوں..... تم اشنان کرتے کرتے خون پی لینا..... پھر ہم جشن منائیں گے۔"

"میں کسی قیمت پر جھیل میں اشنان کروں گا اور نہ خون پیوں گا۔ نہ ہی جشن مناؤں گا۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"انکار اور میری بات نہ ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... تمہاری کیا مجال کہ حکم عدولی کرو....."

اگلے لمحے میری نظروں کے سامنے کوندا سا لپکا۔ وہ میرے قریب آگئی تھی اور اس نے اپنی عریاں بانہیں میرے گلے میں حمائل کردیں اور میرے چہرے پر جھکنے لگی۔ میں مسحور سا ہوگیا۔ بے بس اور بے حس و حرکت..... اس سے پہلے کہ اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں میں جذب ہوتے اس نے ایک چیخ ماری..... اسے جیسے کسی نادیدہ طاقت نے کھینچ کر مجھ سے الگ کیا۔ اس کے بالوں کو پکڑ کے زوردار جھٹکا دیا تھا۔

میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر دوسرے لمحے میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ انتہائی خوف ناک اور مکروہ ہوگیا۔ وہ کسی چڑیل کے بہروپ میں آگئی..... اس کے چہرے پر دو آنکھیں..... ماتھے پر ایک بہت ہی بڑی آنکھ..... موٹی اور لمبی ناک جس کے بڑے بڑے نتھنوں میں پورا ہاتھ گھس سکتا تھا..... موٹے، بھدے اور کالے کالے ہونٹ..... دانت جو باہر نکل آئے تھے کافی لمبے تھے..... اس کے ہاتھ اور پیر مڑے ہوئے تھے۔ ناخن بھی لمبے اور زہریلے لگتے تھے۔

اگر میں مضبوط اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو غش کھا جاتا..... خود کو سنبھال لیا۔ چڑیل مجھے دبوچنے کے لئے بڑھ رہی تھی کہ نادیدہ طاقت نے اسے فضا میں اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اس بری طرح اسے پٹخا تھا کہ اس چڑیل کے بجائے کوئی لڑکی عورت تو کیا کیسا ہی توانا اور مضبوط جسم کا مالک ہی کیوں نہ ہوتا اس کی ہڈیاں پسلیاں ریزہ ریزہ ہوجاتیں..... چڑیل جلد ہی سنبھل کر اٹھ

کھڑی ہوئی۔ اسے شاید وہ نادیدہ اور پراسرار ہستی نظر آ گئی تھی وہ غرائی۔

"تم کون ہو.....؟ جانتی نہیں ہو کہ میں کون ہوں.....؟ تم نے مجھ سے ٹکر لے کر اچھا نہیں کیا.....؟"

"میں جو بھی ہوں لیکن میں تمہیں اس معصوم شخص کو اپنا شکار بنانے نہیں دوں گی۔"

اس چڑیل کے جواب میں ایک دلکش مترنم نسوانی آواز گونجی تھی۔

"میری ایک بات سنو....." چڑیل نے مفاہمانہ لہجے میں کہا۔ "میں نہیں چاہتی کہ ہم دونوں بلاوجہ اس آدمی کے لئے آپس میں فساد اور خون خرابہ کریں..... یہ آدمی بہت خوب صورت ہے..... ایسا مرد ایک صدی کے بعد اس جزیرے پر آیا ہے..... کیوں نہ ہم دونوں اس سے جی بھر کے دل بہلائیں.....؟"

"یہ تمہاری خوف ناک صورت اور حلیہ دیکھ کر تم سے خاک دل بہلائے گا۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

میں ایک حسین اور پرشباب لڑکی کا بہروپ بھرلوں گی اور اس پر اپنا منتر پڑھ کر پھونکوں گی تو وہ نہ صرف مجھ پر مرمٹے گا بلکہ مجھے ہر طرح سے خوش کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"نہیں..... ہرگز نہیں..... میں تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی..... اپنے ارمان دل سے نکال دو....." اس دلکش آواز نے کہا۔ "میں تمہاری ہر حرکت اور منتر اور تمہیں بھی خاک میں ملا دوں گی۔"

"میری زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ میں نے جس مرد کو چاہا اور پسند کیا اور وقت گزارا محروم رہی ہوں۔" وہ بولی۔ "جب میں آتما بننے کے بعد پرلوک سے اس سنسار میں آئی تو کالے دیوتا نے مجھے ایسی شکتی اور منتر دان کئے ہیں میں جس روپ میں چاہوں آ کر مرد کو کٹھ پتلی بنالوں....."

"تم میری راہ کا پتھر بنو گی تو میں تمہیں بھسم کردوں گی تاکہ تم اس سنسار میں خاک اور راکھ بن جاؤ....." چڑیل نے نفرت اور حقارت سے کہا۔ "تم آتما ہو کر بھی بدصورت اور خوف ناک اور میرے بہروپ کی طرح نہیں ہو..... تم میری مانو..... اس قدر پارسائی سے کام نہ لو..... اس دنیا میں کیسے کیسے لڑکے مرد ہیں..... بہتی گنگا ہے۔ ہم دونوں بہتی بہتی..... مگر مگر..... سارا سنسار گھومیں گے..... کسی کی پتنی..... محبوبہ اور نوجوان اور حسین لڑکیاں بن کر برسوں رہ سکتی ہیں..... کسی کو ہم پر ذرہ برابر بھی شک نہیں ہوگا کہ ہم کون ہیں اور ہمارا اصل روپ کیا ہے....."

"تم اپنی بکواس بند کرو....." وہ پھنکاری۔ "تم دفع ہو جاؤ..... تم جو چاہ رہی ہو..... ایسا کبھی نہیں ہوگا..... تم مجھے کیا بھسم کرو گی.....؟ میں تمہیں بھسم کروں گی....."

پھر میں نے جو کچھ دیکھا وہ نہ صرف حیرت انگیز بلکہ خوف ناک اور حد سے زیادہ بھیانک ہی نہیں بلکہ لرزہ خیز بھی تھا..... میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ایک سنسناہٹ بجلی کی رو کی طرح میرے رگ و پے میں اتر گئی۔

ایک سمت سے ایک شعلہ آیا اور اس چڑیل کے سینے میں کسی تیر کی مانند پیوست ہو گیا۔ پھر اگلے لمحے ایک تیز اور خوفناک آگ نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کا سارا جسم جلنے لگا۔ وہ چیخیں مار کر جھیل کی طرف بھاگی تو ایک کوندا لپکا اور اس کے پیروں میں زنجیر کی طرح پڑ کے اس کا راستہ روک لیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے جل کر وہ بھسم سی ہو گئی۔ اب مٹی میں اس کی خاک بکھری ہوئی تھی۔ پھر وہ دھول کی شکل میں ہوا میں اڑ گئی۔

میں نے سکون و اطمینان کا گہرا سانس لیا کہ اس عفریت سے نجات مل گئی۔ پھر میں نے ایک اور منظر دیکھا۔ جھیل جس کا پانی خون تھا اب وہ خون نہیں بلکہ کسی آئینے کی طرح صاف و شفاف اور موتیوں کی مانند چمک رہا تھا..... میں نے اپنی زندگی میں کسی تالاب، جھیل، دریا اور سمندر کا پانی اس قدر اجلا اجلا سا نہیں دیکھا تھا..... گو میں جھیل کے قدرے قریب کھڑا ہوا تھا۔ لیکن پانی میں سے اس کی گہرائی میں تہہ دکھائی دیتی تھی۔

یہ کوئی نادیدہ ہستی تھی جس نے بروقت نمودار ہو کر

مجھے اس چڑیل سے نجات دلائی تھی...... میں نے حیرت اور خوشی سے سوچا...... اگر یہ ہستی میری مدد نہ کرتی تو میں اس چڑیل کا شکار بن جاتا...... وہ مجھ پر فیاضی سے مہربان ہو کر میرے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر پی جاتی......

مجھے اس نادیدہ نسوانی ہستی کی آواز نہ صرف بہت ہی دلکش لگی بلکہ مانوس سی بھی...... میری سمجھ میں نہیں آئی کہ میں کس طرح اور کیسے اس نادیدہ ہستی کا معمہ حل کروں......؟ یہ میری محسن بھی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو میرے انیل راج......!'' عقب سے دلکش آواز نے مجھے مخاطب کیا۔

میں نے گھوم کر دیکھا تو نظروں کو یقین نہیں آیا۔ ایسا لگا کہ کوئی سندر سا سپنا دیکھ رہا ہوں۔

میری نظروں کے سامنے رانی پونم کھڑی ہوئی تھی اور اس کے ہونٹوں پر دل آویز تبسم بکھرا ہوا تھا۔

''رانی تم......؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں کہا ''کیا تم ہی یہ نادیدہ ہستی تھیں جس نے مجھے چڑیل کا شکار ہونے سے بچایا......؟''

''ہاں......'' اس نے میرے قریب آکر اپنا سر اثباتی انداز میں ہلایا۔

''لیکن تمہیں اس بات کی کیسے اور کیوں کر خبر ہوئی کہ میں اس چڑیل کے فریب اور جال میں شکار ہونے والا ہوں۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم بروقت نہ آتیں تو......؟''

''بات یہ ہے کہ آتماؤں کو کسی نہ کسی طرح خبر ہو جاتی ہے......'' اس نے جواب دیا۔

''وہ کیسے......؟'' میں نے پوچھا۔ ''کیا جادو منتر سے یا......؟''

''وہ ایسے کہ......'' رانی میری بات کے جواب میں بتانے لگی۔ ''پرلوک میں آتماؤں کی بستیاں ہیں...... ہر ایک کی کرتوتوں...... حرکتوں...... پاپوں...... دردناک ہلاکتوں اور المناک واقعات سے جو دنیا میں سدھار جاتے ہیں...... وہ اس دنیا میں کئی کئی بہروپ بھر کے آتی ہیں...... کوئی بھوت پلید اور چڑیلیں بن کر...... جو بدروحیں ہوتی ہیں وہ انسانی خون کی بھوکی پیاسی ہوتی ہیں...... ان میں بدکار اور ہوس پرست بھی...... بھوت اور راکھشش بھی...... چڑیلیں انسانی خون جانوروں کی طرح اس لئے پیتی ہیں کہ ان میں لذت اور کیف کا سا نشہ ہوتا ہے...... بھوت پریت اور راکھشش...... یہ وہ برے لوگ ہوتے ہیں جو دنیا میں پاپی اور کئی بہروپ میں...... پنڈت، پجاری...... سادھو اور سنیاسی بھی جو مندروں کا تقدس پامال کر کے اسے مجروح کرتے ہیں...... اتفاق کی بات ہے کہ مجھے تمہاری یاد بے اختیار آئی تھی...... اس لئے کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے...... تم جو میرے دل سے قریب ہو...... مجھے ایک چڑیل نے بتایا کہ چڑیلوں کی ایک کالی رانی ہے...... اسے خوفناک چڑیل کہا جاتا ہے...... وہ انسانوں کی آبادی میں ایک صدی سے بڑے گل کھلا رہی ہے...... وہ حسین بن کر لڑکوں، مردوں کو اسیر بنالیتی ہے اور نشاط انگیز لمحات میں انہیں دنیا و مافیہا سے بے خبر کر کے ان پر خمار طاری کر دیتی ہے اور ان کا خون پی جاتی ہے...... پرلوک میں سینکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں دیوتا ہیں۔ وہ ہر طرح اور قسم کے ہیں...... ان کے پاس اپنی ایک شکتی ہے...... یہ دیوتا ایک دوسرے کے معاملات میں دخل نہیں دیتے ہیں...... اس کالی رانی چڑیل کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک جزیرے پر گئی ہے...... اتنے بڑے جزیرے میں صرف ایک لڑکی اور ایک مرد ہے...... میرے علم میں یہ بات آئی تھی کہ تم اس جزیرے پر پہنچے ہو جسے خونی جزیرہ کہا جاتا ہے...... میں وہاں پہنچی تو دیکھا کہ کالی چڑیل تمہارے خون اور قرب کی بھوکی پیاسی ہے...... میرے دیوتا نے مجھے نہ صرف ہر قسم کی شکتی بلکہ ہر طرح کے جادو منتروں کا مالک بنایا ہوا ہے۔ اس لئے میں نے بڑی آسانی سے اس کالی چڑیل پر قابو پا کر اسے بھسم کر دیا۔''

''لیکن یہ کیا اسرار ہے کہ اس جھیل میں خون ہی خون تھا...... اب یہ صاف و شفاف پانی میں تبدیل ہو گیا؟''

''یہ صرف نظروں کا واہمہ اور اس کالی چڑیل کا جادو اور فریب تھا۔'' وہ بولی۔

''اب میں کیا کروں.....؟ کیا تم مجھے اس جزیرے سے نکال سکتی ہو؟''

''تم اب اپنی جگہ جا کر سو جاؤ..... جزیرے پر وہ حسین اور نوجوان لڑکی موجود ہے۔ اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی..... اس لئے ایشور نے جو لکھا اور چاہتا ہے اسے پورا ہونا ہے..... تم اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دو..... میں ابھی اور اس وقت بنارس جا رہی ہوں تاکہ ان تین لڑکیوں کی آبرو بچاؤں جو ایک مندر میں ایک پنڈت و پجاری اور سنیاسی کی اسیر ہیں۔ تھوڑی دیر کی تاخیر بھی ان لڑکیوں کو برباد کر دے گی.....'' پھر رانی پونم اک دم سے نظروں سے اس طرح غائب ہوگئی جیسے اس کا وجود وہی نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ صبح ہو چکی تھی۔ دن کا اجالا میرے کمرے میں جھانک رہا تھا۔ چند لمحوں تک میرا ذہن کسی کورے کاغذ کی طرح تھا۔ دوسرے لمحے رات کا واقعہ ذہن میں تازہ ہوا تو اب لگا کہ وہ کوئی سپنا تھا جو میں نے گہری نیند کی حالت میں دیکھا تھا..... بعض اوقات گہری نیند میں ایسے ڈراؤنے سپنے دکھائی دے جاتے ہیں۔

کمرے میں حبس اور گرمی تھی جس سے گھٹن محسوس ہونے لگی۔ مجھے پھر چھت پر کچھ شور سا سنائی دیا۔ میں ایک دم سے ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا اور پریشان سا ہوگیا۔ میں نے فوراً ہی باہر جھانکا۔ ساون کا مہینہ برس رہا تھا۔ پھر میں دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی جس کے باعث زیادہ دور تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ اس وجہ سے بھی حبس اور گرمی ہوگئی تھی۔

ایک دم سے اس لڑکی کا خیال آیا تو میں نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

وہ کیا اس کا سایہ تک دکھائی نہیں دیا۔ پھر میں نے سوچا کہ وہ کہاں گئی.....! رات اس نے کہا تھا کہ میری فکر نہ کرو۔ میں کہیں نہ کہیں جا کر سو جاؤں گی..... وہ کہاں گئی.....! میں اسے دیکھنا چاہ رہا تھا۔ اس کی صورت ہی ایسی پیاری تھی جو دل پر نقش سی ہوگئی تھی اور اب اس وقت وہ یاد آ رہی تھی..... معاً میری نگاہ نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ گھر کا برآمدہ قدرے ہٹ کر تھا۔ وہ برآمدے کے ستون کے پاس دوزانو بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے سینے پر دونوں ہاتھ اس طرح مودبانہ انداز سے باندھ رکھے تھے جیسے وہ کسی دیوی کی مورتی کے آگے پرارتھنا کر رہی ہو۔ میں اس کی طرف بڑے انہماک اور توجہ سے دیکھنے لگا۔ سفید براق، دوپٹے کی محراب میں اس کا کسی دیوی کا جیسا پرنور چہرہ آنکھوں سے دل میں نقش ہو رہا تھا..... اس کے حسین چہرے پر ایک تقدس سا تھا۔

چند لمحوں کے بعد لڑکی کو جیسے احساس ہوگیا تھا کہ میں ایک طرف کھڑا ہوا اس کی طرف محویت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم ابھر آیا تھا اور گوشوں میں اتر گیا تھا۔

چند ساعتوں کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور دوسری طرف کے دروازے میں سے ہوتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ اس کے گورے گورے خوب صورت گداز ہاتھوں میں ناریل تھے جو اس نے میری طرف بڑھا دیئے۔

میری پتلون کی جیب میں چھری تھی جو میں نے بندرگاہ کے قریب والے مکان سے اٹھائی تھی۔ میں نے جیب سے چھری نکالی..... پہلے تو ناریل کے اوپر جو چھلکا تھا اسے اتارا..... وہ کمرے کے ایک کونے میں رکھا ہوا پیالا اٹھا لائی جو ناریل کا پانی پینے کے کام آیا۔ میں نے ناریل کا منہ توڑ کر اس میں سے پانی نکالا اور ناریل کو برآمدے کے فرش پر پوری قوت سے دے مارا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے..... میں نے اندر کے ٹکڑے چھری کی مدد سے نکالے..... اور پھر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

اب میرے دل میں وہم اور شک و شبہ دور ہوگیا کہ یہ کوئی آتما نہیں بلکہ انسان ہے..... ایک جیتی جاگتی

لڑکی ہے..... اس قدر حسین اور معصوم صورت کی تھی۔ جیسی آکاش سے آئی دیوی ہو..... اگر یہ کوئی آتما یا بدروح ہوتی تو رانی پونم یقیناً بتا دیتی..... میرا تعلق ایک جرائم پیشہ تنظیم سے تھا۔ میرا واسطہ اس قدر حسین اور معصوم اور پرکشش لڑکیوں سے پڑتا تھا لیکن میں کبھی ان سے بات کرتے ہوئے جھجکا اور مرعوب نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کسی احساس کمتری میں مبتلا ہوا۔ ان سے بہت ہی بے تکلف ہو کر بات کرتا تھا۔

مگر اس لڑکی نے مجھ پر ایک راج کماری جیسا رعب طاری کر دیا تھا..... اس میں دبدبہ..... وقار اور تمکنت تھی کہ میں اس کی شخصیت سے مرعوب سا ہو گیا تھا۔

بارش برسنے اور ہوا بند ہونے کی وجہ سے کمرے میں گرمی اور حبس بڑھنے لگا۔

میں بارش میں نہانے کے خیال سے دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو اس نے میرے بشرے سے بھانپ کر حیرت سے پوچھا۔

''تم کہاں جا رہے ہو.....؟ دیکھ نہیں رہے کہ کیسی تیز بارش ہو رہی ہے.....؟''

''بارش میں نہانے کے لئے.....'' میں نے جواب دیا۔ ''مجھ سے گرمی برداشت نہیں ہو پا رہی ہے۔ نہانے سے آرام اور سکون تو مل جائے گا..... دیکھ نہیں رہی ہو کہ کس قدر حبس ہو رہا ہے۔''

''نہیں..... نہیں..... بارش میں ہرگز نہیں جانا.....'' اس نے مجھے اشارے سے منع کر دیا۔

''کیوں.....؟ بارش میں نہانے میں کیا حرج ہے.....؟'' میں نے متعجب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اس لئے کہ بخار بھی ہو سکتا ہے.....'' کیوں کہ ساون کا مہینہ بہت خطرناک ہوتا ہے..... اس لئے تمہیں احتیاط کرنی چاہئے..... تم نہ نہاؤ تو تمہارے لئے بھی اچھا ہے اور میں تمہارے بھلے کے لئے کہہ رہی ہوں..... ادھر آ کر بیٹھ جاؤ..... گرمی لگے گی اور نہ ہی حبس محسوس ہوگا۔''

میں نے فوراً ہی ایک سپاہی کی طرح بات مان لی..... وہ جیسے میرے افسر اعلیٰ ہو..... وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔

''کیا تم مجھے یہ بات بتانا پسند کرو گے کہ پیشہ ور قاتل تمہاری جان کے دشمن کس لئے ہو گئے.....؟'' اس نے پوچھا۔

''اس لئے کہ میں نے سرغنہ کے حکم پر عمل نہیں کیا..... حکم عدولی پر اس نے میری موت کا حکم صادر کر دیا..... اس کے نزدیک اس کی نافرمانی غداری ہے..... وہ غداروں کو ایسی ہی خوفناک سزا دیتا ہے۔''

''آخر اس نے ایسا کون سا خوفناک حکم صادر کر دیا جو تم نے حکم عدولی کی.....؟'' وہ بولی۔

''اس نے ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی جو شریف صفت تھا..... اپنی ساری زندگی انسانیت کے لئے وقف کر دی تھی اور وہ اسی کے لئے جی رہا تھا اور ان لوگوں سے لڑتا اور ان کا دشمن تھا جو انسانیت کے درپے رہتے تھے..... ویسے لوگ بار بار پیدا نہیں ہوتے ہیں..... بنگلہ دیش اور آسام ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے بھی نہ صرف ہندو اور مسلمان اور دیگر مذہب کے لوگ بھی اسے دیوتا اور فرشتہ سمجھتے اور دل میں اس کی پوجا کرتے ہیں۔''

''تم نے اس کا نام نہیں بتایا.....؟'' اس نے مجھے ساکت پلکوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا وہ کوئی مشہور شخصیت ہے؟ شاید میں اس کے نام سے واقف ہوں؟''

''اس کا نام آنند پرکاش ہے..... کیا تم نے اس کا نام سنا ہے.....؟'' میں نے اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکا۔

''آنند پرکاش.....؟'' وہ بڑے زور سے چونکی اور اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ گیا۔ ''اس عظیم اور مثالی آدمی کو کون نہیں جانتا ہے۔ میرے خیال میں بچہ بچہ بھی اس کے گن گاتا ہے..... اور شاعروں نے اس کی تعریف میں بہت سارے گیت اور نغمے لکھے ہیں..... مجھے بھی دو ایک گیت اور نغمے یاد ہیں..... اس کی جنتی بھی

تعریف کی جائے کم ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ تمہارے سرغنہ نے اسے قتل کرنے کے لئے کیوں کہا تھا.....؟"

"اس نے کہا تھا کہ میں اسے ذبح کردوں..... کیسا خوف ناک اور درندگی کا حکم تھا..... کیا انسان ایسا جانور یا پرندہ ہوتا ہے کہ اسے ذبح کردیا جائے.....؟ اس کا تصور بھی کیسا بھیانک اور خوفناک اور لرزہ خیز ہے..... جب کہ میں نے اپنی زندگی میں کسی معصوم اور بے گناہ کے خون سے اپنے ہاتھ تک نہیں رنگے..... ایک مرغی تک ذبح نہیں کی..... پھر میں کیسے اس کو ذبح کرتا۔ میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ فرار ہوجاؤں..... پھر میں بندرگاہ پر آیا تھا کہ کوئی موٹر بوٹ لے کر فرار ہوجاؤں۔ میں نے موٹر بوٹ کا رخ ہندوستان کی طرف کردیا۔ کیوں کہ وہ میرے لئے محفوظ ترین ملک تھا..... لیکن سمندر میں طوفان آیا تو اس نے مجھے یہاں پہنچادیا۔ میری موٹر بوٹ الٹ کے سمندر میں غرق ہوگئی..... یہ ہے میری الم نام بپتا....."

میں نے توقف کرکے گہرا سانس لیا اور اس کی طرف دیکھا کہ وہ کیا تبصرہ کرتی ہے؟ کیا وہ متاثر ہوئی ہے.....؟ کیا اسے میری بپتا کا یقین آیا کہ نہیں.....؟ کیوں کہ وہ اس وقت جذباتی تو نہیں بلکہ بے حد سنجیدہ لگی۔

"تمہاری کہانی بڑی درد ناک ہے....." وہ بکھرے لہجے میں کہنے لگی تو اس کے بشرے سے ایسا محسوس ہوا کہ وہ متاثر تو ہوئی ہے۔ "لیکن تم نے انسانیت کے لئے واقعی بڑی جرأت اور بہادری دکھائی ہے..... اور اپنی جان خطرے میں ڈال دی۔ تمہارے اس انسانی جذبے کی تعریف نہ کرنا بڑی بدذوقی ہوگی..... میں تمہیں نمسکار کرتی ہوں....."

اس نے اتنے خلوص، اپنائیت اور ادا سے مجھے نمسکار کیا کہ میرے دل میں آیا کہ اس کے خوب صورت اور پیارے اور گداز ہاتھوں کو آنکھوں کا عنوان بنا کر چوم لوں۔ لیکن میں سوچتا رہ گیا۔ ہمت نہ ہوئی اس لئے کہ وہ اس کا غلط مطلب نہ لے۔

"میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے دکھ سہے ہیں اور درد اٹھاتا رہا ہوں۔ جو ناقابل برداشت رہے۔" میں نے ایک سرد آہ بھری اور دل گرفتہ لہجے میں کہنے لگا۔ "جب کبھی بھی مجھے میرا ماضی یاد آتا ہے تو میرے دل کو بڑی تکلیف اور اذیت سی ہوتی ہے..... میں کیا کروں میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟"

"دکھ اور ماضی کی باتیں نہ کرو اور اسے بھول جانے کی کوشش کرو۔" اس نے دلاسا دیتے ہوئے مشورہ دیا۔ "اور اس سے دل کو اور صدمہ پہنچے گا..... اس کے سوا کوئی اور صورت اور چارہ نہیں....."

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا..... میں خاموش ہوگیا۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ اس سے بہت ساری باتیں کروں۔ میرے وجود میں جو ایک وحشت اور اضطراب تھا وہ باتیں کرنے سے ہی دور ہوسکتا تھا۔ قلب کی طمانیت اور سکون نہایت ضروری تھا۔ میرے دل کے کسی کونے میں ایک انجانی خواہش جنم لے رہی تھی کہ اسے بازوؤں میں بھر کے سینے میں جذب کرلوں..... لیکن اس خواہش میں کوئی میلا پن نہیں تھا۔ وہ دودھ کی طرح اجلی اور آئینے کی طرح صاف وشفاف تھی۔ ایک جذبہ تھا لیکن میری مجبوری یہ تھی کہ میں اس سے کہہ نہیں سکتا اور زبان پر نہیں لاسکتا تھا..... وہ اس بات کا غلط مطلب اخذ کرتی کہ میں اس بہانے تنہائی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں..... اگر میں اسے دبوچ کر سینے سے لگالیتا تو وہ مزاحمت کرتی اور کسمساتی..... اس کا قرب، جذبہ اور محبت نفرت میں بدل جاتا۔

پھر ایک خیال آیا کہ اس خواہش پر عمل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس کے باتیں کرنے اور اس کی مترنم اور رسیلی آواز سے بھی دل کو طمانیت ہوسکتی ہے..... میں چاہتا تھا کہ لڑکی بھی بولے..... پھر میں نے اس خاموشی کے طلسم کو توڑا تھا کہ کسی بھی موضوع پر ہم دونوں باتیں کرتے رہیں۔ موضوعات کی کوئی کمی نہیں تھی۔

میں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کرکے پوچھا۔

"تم اس ویران اور خوفناک جزیرے پر کب سے ہو؟"

''میں اس جزیرے پر بہت دنوں سے رہ رہی ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''جب تم یہاں آئی تھیں اس وقت اس جزیرے پر تمہیں لوگ دکھائی دیئے تھے.....؟'' میں نے دریافت کیا۔ اگر وہ تھے تو کہاں اور کیوں چلے گئے.....؟ کیا تم جانتی ہو؟ بتا سکتی ہو.....؟''

''جی نہیں..... میں نے اس جزیرے پر کسی ذی روح کو نہیں دیکھا.....'' اس نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ جزیرے پر میرے سوا کوئی اور آدمی نہیں ہے.....؟'' میں نے کہا۔

''جی ہاں.....'' اس نے اپنا خوش نما سر ہلایا۔

''اس وقت یہاں صرف ہم دونوں ہیں.....''

''تم نے اس جزیرے پر آنے کے بعد کیا سوچا.....! تمہارے کیا محسوسات تھے.....؟ یہ جزیرہ کیسا لگا.....؟''

''مجھے لگا کہ یہ جزیرہ نہ صرف پراسرار ہے بلکہ خونی اور خوف ناک بھی ہے۔'' وہ بولی۔

جزیرہ پراسرار اور خوفناک تو کہا جاسکتا ہے.....؟ لیکن خونی سے تمہاری کیا مراد ہے.....؟ کیا قتل و غارت گری دیکھی تھی؟''

''مجھے یہاں مکانات اور بستی دیکھ کر ایسا محسوس ہوا تھا کہ یہاں جو کسی انسان کا وجود نہیں ہے وہ اس لئے کہ یہاں کے باشندوں کو قتل کردیا گیا..... اور شاید قتل و غارت گری سے لوگ دہشت زدہ ہوکر کوچ کر گئے..... یہ محض میرا خیال اور اندازہ ہے..... اسے تم سچ نہ سمجھ لینا۔''

''کیا عجیب اتفاق ہے کہ سمندر کی لہروں نے مجھے اس جزیرے پر لاکر ڈال دیا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں..... یہ عجیب و غریب اتفاق نہیں ہے..... تم اسے اتفاق کا نام نہیں دے سکتے.....؟'' لڑکی نے تکرار کی۔

''یہ ایک عجیب اتفاق نہیں ہے تو اور کیا ہے.....؟'' میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا..... ''یہ لہریں مجھے بھی میری موٹر بوٹ کی طرح ڈبو سکتی تھیں..... یا کسی اور ساحل جزیرے پر پھینک دیتیں.....''

''اصل بات یہ ہے کہ ایشور نے تمہیں یہاں میری مدد کے لئے بھیجا ہے..... اس کی باتیں کسی مصلحت سے خالی نہیں ہوتی ہیں؟'' میری حیرت دو چند ہوگئی۔ میں نے کسی نوجوان لڑکی کے منہ سے ایسی باتیں نہیں سنی تھیں..... اس عمر میں صرف تجربہ کار اور چالیس پچاس برس کی عمر کی عورتیں کیا کرتی تھیں۔ یوں اس کی عمر بھی کیا تھی اور اس نے ابھی دنیا کہاں دیکھی تھی۔ مجھ سے رہا نہ گیا تو میں نے بڑی صاف گوئی سے کہہ ہی دیا۔

''میں خواب و خیال میں بھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ اس ویران، سنسان اور خونی جزیرے پر مجھے کسی عجیب و غریب مخلوق سے واسطہ پڑسکتا ہے۔ جو شاید کسی سیارے سے آئی ہو۔''

لڑکی کے سرخ اور گداز ہونٹوں پر تبسم کی کلیاں کھل اٹھیں جس نے اس کے چہرے کے حسن کو اور نکھار دیا۔ اس کی یہ دلکش مسکراہٹ مصنوعی نہ تھی..... رسمی اور کاروباری انداز کی مسکراہٹ سے یکسر مختلف..... اسے میری بات ناگوار نہیں لگی تھی..... یہ دل میں اتر جانے والی مسکراہٹ تھی۔

''دنیا اور سیاروں میں جو بھی مخلوق ہے وہ ایشور کی ہی بنائی ہوئی ہے۔'' وہ فلسفیانہ انداز سے بولی۔

''کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ یہ مخلوق کہاں سے آئی ہے اور اس جزیرے پر کیسے پہنچی ہے.....؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''میں کھلنا شہر میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی تھی..... وہاں ایک سماجی بہبود کا ادارہ تھا۔ اس پر رضا کارانہ طور پر ہائی اسکول اور یونیورسٹی کی نہ صرف لڑکیاں بلکہ استانیاں اور نرسیں بھی اپنی خدمات پیش کرتی رہتی تھیں..... جب بھی بنگلہ دیش میں طوفان اور سیلاب سے تباہی مچ جاتی اور وہ تاخت و تاراج ہوجاتا..... یہ اس دیش کا مقدر آج سے نہیں صدیوں سے ہے..... کوئی برس ایسا نہیں جاتا کہ طوفان اور سیلاب نہ آتا ہو..... ان کا چولی دامن کا سا ساتھ ہوتا ہے..... ہمیں کسی ایسے

ملاقے میں بھیج دیا جاتا تھا جہاں غریب اور پس ماندہ لوگ ہوتے تھے اور حد سے زیادہ متاثر ..... اس مرتبہ ہمیں چانگام بھیج دیا گیا۔ چانگام کو چٹا گانگ بھی کہا جاتا ہے.....؟ اس لئے کہ کاکس بازار اور رنگا مائی میں بہت زیادہ ایسی تباہی ہوئی تھی کہ کہیں اور نہ ہوئی تھی۔ وہاں ہمارا قیام وہاں کسی وجہ سے زیادہ ہی ہوگیا..... میں نے دیکھا کہ وہاں لوگ بہت سارے ادویات اور کچھ امدادی سامان لے کر پہنچے ہیں..... وہ مجھے اور میری ساتھی لڑکیوں کو مشکوک قسم کے لگے۔ کیوں کہ ان کی امدادی کارروائیاں صرف عورتوں تک محدود تھیں۔ خصوصاً ایسی لڑکیاں جو خوب صورت اور نوجوان تھیں۔

ہمارے گروپ میں جو لڑکیاں شامل تھیں ان میں نوجوان اور بہت حسین اور بے پناہ پرکشش بھی تھیں۔ ایک روز ہمارے کیمپ کے انچارج نے ہم سے کہا کہ سری لنکا میں طوفان سے بڑی کوفناک تباہی پھیلی ہے..... حکومت..... سری لنکا کی حکومت کی درخواست پر ایک امدادی ٹیم بھیجنا چاہتی ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کی کچھ پناہ گزین لڑکیاں عورتیں اور بچے بھی ہیں۔ انہیں بھی ایک بحری جہاز میں بھیجا جارہا ہے۔ وہاں کون جانا چاہتا ہے۔ ہم میں سے کل پانچ لڑکیاں وہاں انسانی جذبے اور سیاحت کے خیال سے جانے کے لئے تیار ہوگئیں۔ تین دن کے بعد ہم بحری جہاز میں جارہی تھیں۔ ایک نامعلوم چھوٹے طیارے نے وائرلیس پر جہاز کے کپتان کو جہاز روکنے کا تحکمانہ انداز سے حکم دیا۔ ایک طرح سے دھمکی سی تھی۔ یہ طیارہ بردہ فروش مافیا والوں کا تھا جو بنگلہ دیش سے حسین و جمیل اور نوجوان لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر..... سبز باغ دکھا کر..... اور اعلیٰ ملازمتوں کا فریب دے کر..... غیر ممالک میں فروخت کردیا کرتا تھا۔ اس جہاز میں اس مافیا کے کچھ لوگ بھی تھے۔ جہاز کے کپتان کو اس مافیا کے بارے میں علم تھا۔ اس نے یہ حکم ماننے سے صاف انکار کردیا۔ وہ دن میری زندگی کا سب سے زیادہ بھیانک اور بدترین دن تھا.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔ اس کا چہرہ دھلی چادر

نمک پارے.....

☆ اب پچھتائے کیا ہووت، جب کڑیاں کرگئیں چوٹ۔

☆ بغل میں کلاشنکوف، منہ میں امتحان امتحان۔

☆ الیکشن کا ہارا..... نہ اسمبلی کا نہ گھر کا۔

☆ شوہر کی جیب کب تک خیر منائے گی۔

☆ تیس دن شوہر کے، ایک دن بیوی کا۔

☆ بہرا کیا جانے، بیوی کی ڈانٹ

☆ جہاں ویڈیو گیم، وہاں بچے۔

☆ پاکستانیوں کو گرین کارڈ کے خواب۔

☆ آج کل کے دوست اظہار ضرورت پر فوراً پلٹ جاتے ہیں۔

☆ جو آدمی جلدی سے ہر ایک کا جواب دے دیتا ہے، وہ ٹھیک ٹھیک جواب نہیں دے سکتا۔

☆ اگر تم طویل زندگی گزارنا چاہے ہو تو غصے کی آگ سے بچو۔

☆ لکڑیاں ایک ایک کرکے جلاؤ تو دھواں دیتی ہیں اور اگر اکٹھی جلاؤ تو روشنی پیدا ہوتی ہے یعنی اتحاد میں برکت ہوتی ہے۔

☆ دوسروں کی بدقسمتی سے احتیاط کا درس لو۔

☆ احمق لوگ عالموں سے جتنا سیکھتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ عالم لوگ احمقوں سے سیکھتے ہیں۔

(ایس امتیاز احمد۔ کراچی)

کی طرح سفید پڑ گیا اور آنکھوں سے وحشت سی جھانکنے لگی۔ اس کی سانس سینے میں ہچکولے کھانے لگیں۔ سانس اعتدال پر آنے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئی۔

''اس جہاز سے ہمارے جہاز کے عرشے پر دو بم گرائے گئے۔ انہوں نے ہمارے جہاز پر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ بم جہاز کے باہر دھماکے اور ڈرانے کے خیال سے گرائے گئے تھے۔ پھر کیا تھا۔ جہاز کو آگ لگ گئی۔ جہاز کے عملے نے دو تین کشتیوں میں عورتوں اور بچوں کو سوار کرادیا۔ ایک کشتی میں ہم پانچ لڑکیوں کو بٹھادیا گیا۔ ہم ان لڑکیوں اور عورتوں میں سب سے زیادہ حسین اور دلکش تھیں۔ دو آدمی ساتھ بیٹھ گئے۔ یہ دونوں آدمی مافیا کے تھے۔ چوں کہ رات کا وقت ہے۔ گھپ اندھیرا تھا۔ جہاز میں جو آگ لگی ہوئی تھی اس کی روشنی میں کشتیاں چل پڑیں۔ کچھ دور جانے کے بعد ہماری کشتی نے رخ بدل دیا۔ ہماری کشتی سب سے پیچھے تھی۔ ایک لڑکی جو مشکوک ہوگئی تھی اس نے اس کا سبب دریافت کیا تو ایک بدمعاش نے ریوالور نکال کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لڑکیاں خوف سے کانپنے اور رونے لگیں۔ وہ دونوں بدمعاش رات بھر چپو چلاتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو ہم اس جزیرے پر پہنچے۔ ہمیں ساحل پر ایک چھوٹی کشتی نظر آئی جس میں پانچ چھ آدمی بمشکل سفر کرسکتے تھے۔ ہم جس کشتی میں یہاں پہنچے اس میں بارہ افراد آسانی سے بیٹھ سکتے تھے۔

یہ جزیرہ سنسان اور ویران پڑا تھا۔ اس جزیرے پر کچھ آبادی تھی جو ایک روز پہلے ہی بھاگ گئی تھی۔ اس لئے کہ یہاں ہیضہ پھوٹ پڑا تھا۔

بھگوان جانے یہ بات سچ تھی یا غلط..... ہیضہ پھوٹ پڑنے کے بارے میں ان بدمعاشوں نے بتایا تھا۔ پھر ہم اس مکان میں آکر ٹھہرے ایک لڑکی کے پوچھنے پر ایک بدمعاش نے بڑے استہزائیہ لہجے میں کہا کہ..... اب تم اپنے گھر اور اپنے دیش کو بھول جاؤ..... کیوں کہ اب ایک ایسی خواب ناک زندگی کا آغاز ہونے والا جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتی..... تم لوگ ساری زندگی ایک ایک پل..... ایک ایک گھڑی اور ایک ایک دن عیش کروگی..... ایسا عیش جو سورگ میں ہوتا ہے..... کسی شاہی محل میں رانی مہارانی اور راج کماری بن کر ہوتا ہے..... وہ ایسے کہ دنیا کے بڑے بڑے رئیس زادے تمہارے حسن اور جسم کے تناسب اور بے پناہ کشش کے خزانے کے قدردان ہوں گے..... تم سب کا نیلام یورپ میں ہوگا..... وہاں ساری دنیا کے دولت مند تمہاری بولی دیں گے..... وہاں اس طرح سے نیلام ہوگا جس طرح قصہ کہانیوں میں لڑکیوں کا ہوتا تھا..... تمہارے بدن بے نیام تلوار کی طرح دکھائے جائیں گے تاکہ زیادہ سے زیادہ قیمت لگے..... پھر تم خریداروں کی بیوی بن جاؤ گی..... اس زندگی پر ناز کرو گی..... ہم تمہیں یہاں سے ہندوستان لے جائیں گے..... تم سب کو ہم سے ہر طرح کا تعاون کرنا ہوگا..... تمہیں فائیو اسٹارز ہوٹل میں ٹھہرایا جائے گا تاکہ تمہارے پاسپورٹ بنائے جائیں۔''

اتنا کہہ کر سانس لینے رکا تو ایک لڑکی نے ہمت کرکے بے خوفی سے کہا۔

''ہم لعنت بھیجتی ہیں تم پر اور تمہاری ذہنیت اور اس زندگی پر جس کا تم سپنا دکھا رہے ہو؟ ہماری جو زندگی ہے وہ بڑی اچھی، پرسکون اور خوش گوار ہے۔''

احمق لڑکی.....! ایسی حسین زندگی تو سپنے میں کیا کسی راجہ مہاراجہ کے محل میں بھی نہ ہوگی..... ایک نشاط انگیز زندگی جو لذت سے بھری ہوگی..... حسین اور رنگین آخری سانس تک مزے کی ہوگی۔''

''اگر ایسی بات ہے تو پھر ایسا کرو اپنی ماں، بہن اور بیٹیوں کو لے جاکر نیلام کرو.....'' دوسری لڑکی نے بھی نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''وہ دولت لے کر تم بھی عیش کرو.....''

پھر اس خبیث شخص کا چہرہ انگارہ بن گیا تو تیسری لڑکی نے بھی غصے سے کہا۔

''ہم مرجائیں گی لیکن تمہاری کوئی بات نہیں مانیں گی..... کیوں کہ اس زندگی سے عزت کی موت

بہتر ہوتی ہے....."

"عزت..... عزت..... عزت....." وہ نفرت سے دہاڑا۔ "آج بنگلہ دیش میں غربت و افلاس..... طوفان اور سیلاب سے تباہی و بربادی سے کتنی لڑکیوں، عورتوں کی عزت کوڑیوں کے دام لوگ خریدتے ہیں..... اس دیش میں کوئی لڑکی عورت عزت دار نہیں ہے....."

"تمہارے گھر کی عورت نہ ہوگی..... وہ اپنی آبرو بیچتی پھرتی ہوں گی..... لیکن ہم سب باعزت لڑکیاں ہیں..... اگر تم نے ہماری عزت کو نیلام کرنے کی کوشش کی تو تمہاری آنکھیں پھوڑ دیں گے....."

وہ اس لڑکی کی بات سن کر چراغ پا ہوگیا۔ کرخت لہجے میں بولا۔

اگر تم نے ہماری عورتوں کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔"

دوسرا بدمعاش جو خاموشی سے اپنے ساتھی اور لڑکیوں کی باتیں سن رہا تھا اس نے اپنی جیب سے ایک بوتل نکال کر دکھائی۔

"جانتی ہو تم لوگ.....! اس میں کیا بھرا ہوا ہے.....!" اس نے تمسخر سے کہا۔

ہم میں سے کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو اس نے بوتل ہماری نظروں کے سامنے لہرائی۔

"اس میں تیزاب بھرا ہوا ہے۔ حکم عدولی کی سزا جانتی ہو کیا ہوگی..... تم لوگوں کے کپڑے اتار کر نہ صرف چہروں بلکہ جسموں پر بھی پھینک دوں گا..... ڈال دوں گا..... پھر تم لوگ دنیا کی بدترین مخلوق بن جاؤ گی۔"

اس کی خوف ناک اور ہوش اڑا دینے والی دھمکی سن کر وہ سب رونے لگیں اور بری طرح دہشت زدہ ہوگئیں۔

تب میرے دل نے کہا کہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہوتا ہے۔ پھر میں نے اپنی سہیلیوں کو دلاسا دیا۔

"رونے اور خوف زدہ اور ہراساں ہونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا..... ہم کیوں نہ دل میں بھگوان سے پرارتھنا کریں کہ ہمیں اس مصیبت سے چھٹکارا دلا دے..... ایشور.....! ہماری عزت و آبرو اور جان کی حفاظت کر....."

پھر ہم دل میں گڑگڑا کر ایشور سے فریاد کرنے لگیں تو قلب کو بڑا سکون اور اطمینان ہوا۔

دوسرے دن صبح ساحل پر آئے تو میں نے دیکھا کہ بڑی کشتی غائب ہے۔ صرف ایک چھوٹی کشتی موجود ہے۔ قدموں کے نشانات سے پتا چلا کہ جزیرے میں کچھ لوگ چھپے ہوئے تھے کہ وہ ہماری کشتی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ چوں کہ اس چھوٹی کشتی میں سات افراد نہیں آسکتے تھے۔ اس لئے مجھے چھوڑ دیا گیا۔ ایک بدمعاش نے کہا کہ وہ ایک دن میں آکر تمہیں لے جائیں گے۔ تم انتظار کرنا۔ پھر وہ چلے گئے۔ اب تو بہت دن ہوگئے ہیں وہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے..... لیکن وہ ایک دن آئیں گے ضرور تاکہ مجھے نیلام کرنے کے لئے لے جائیں..... میں اس روز سے اکیلی ہوں اگر کوئی رکھوالا ہے تو وہ ایشور ہے..... اور پھر تم آگئے....."

اس کی آواز بھرا گئی اور اس کی بڑی بڑی جھیل جیسی سیاہ آنکھیں صاف و شفاف موتیوں سے بھر گئیں۔

میں سوچنے لگا کہ یہ دور مافیا کا ہے۔ میں اس بردہ فروش مافیا سے واقف تھا..... وہ صرف غربت و افلاس کی چکی میں پستی ہوئی حسین اور نوجوان لڑکیوں کو شکار نہیں کرتے تھے بلکہ شہروں کی تعلیم یافتہ لڑکیاں بھی ان کے جال میں پھنس جاتی تھیں۔ اب اس دنیا میں ہر قسم کی مافیا تھی۔ پہلے ملکوں کے درمیان جنگ ہوتی تھی اور اب مافیاؤں کے درمیان..... ان کے پاس کیا کچھ نہیں ہوتا..... انسان کی ہوس گیری اور فتنہ پروری بڑھتی جارہی تھی۔

یہ لڑکی یہاں بہت دنوں سے تھی۔ اسے اب تک لینے کے لئے کوئی نہیں آیا تھا۔ یہ بات اس لئے سمجھ سے بالاتر تھی کہ اتنی حسین اور دلکش اور پرکشش لڑکی کا خیال انہیں کیوں نہیں آیا.....؟ کوئی عام قسم کی لڑکی ہوتی اور وہ پرواہ نہ کرتے حیرت کی بات نہ تھی۔ مجھے ایسا لگا کہ اب ان کے آنے کی توقع نہیں ہے۔ وہ شاید اسے بھول چکے ہوں گے۔

☆.....☆.....☆

اس روز کے بعد سے ہم دونوں اکٹھے رہنے لگے۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ میں ایک جوان تھا اور وہ بھی ایک نوجوان لڑکی تھی۔ اس کی جگہ اگر بڑی عمر کی عورت بھی ہوتی تو وہ عورت ہی کہلاتی۔ اس کا قرب سنسنی خیز اور بہکا دینے والا ہوتا۔ جذبات پر بند باندھا نہیں جاسکتا۔

اس ویران جزیرے پر ہم دونوں ہی مافیا کے ستم کے شکار تھے۔ اب یہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ گو کہ ہم نے پراسرار اور غیر یقینی حالات میں رہنا سیکھ لیا تھا۔ پھر بھی دل و دماغ کی ایک عجیب سی کیفیت تھی..... ہماری مثال آگ اور برف کے تودے کی سی تھی جسے سنگ سنگ کردیا گیا ہو۔

میں ایک جرم پیشہ تنظیم کا ایک فعال رکن تھا..... مجھے ہر قسم کی تربیت کے علاوہ جنگ کی بھی تربیت دی ہوئی تھی۔ اسمگلنگ کے دوران ہر قسم کے حالات اور خطرات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جس سے میں جواں مردی اور بے خوفی سے نمٹ لیتا تھا..... اس کے علاوہ میں ایک زندہ دل اور اسمارٹ شخص بھی تھا..... اس گروہ میں میری حقیقت پسندی اور آزاد خیالی مشہور تھی۔ کیوں کہ میں نے خوش باش رہ کر زندگی گزارنا سیکھ لیا تھا..... کبھی میں نے آنے والے دن اور مستقبل کے اندیشوں کو دل میں جگہ نہیں دی تھی۔ میرے اپنے وضع کردہ کچھ اصول تھے جس پر میں چلتا تھا۔

میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس حسین لڑکی کی ہر طرح حفاظت کروں گا اس طرح جس طرح ایک کسان اپنی زمین کی حفاظت کرتا ہے۔ میں اپنی زندگی اور جان کی بھی پرواہ نہیں کروں گا۔ ایک لحاظ سے یہ لڑکی اب میری ملکیت تھی۔ ملکیت کی ہی تو ہر طرح سے حفاظت کی جاتی ہے۔

لیکن میں نے اس لڑکی کو اپنے خیالات اور احساسات کے برعکس پایا۔

اس کا نام نیتا تھا۔ وہ اپنے نام کی طرح سندر تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ جیسے اسے اپنے اوپر حد سے زیادہ اعتماد ہے۔ ایک مرد کی موجودگی کی کوئی پرواہ اور خوف بالکل بھی نہ تھا کہ اس جزیرے کی ویرانی، تنہائی اور آزاد فضا میں، میں فائدہ اٹھا سکتا ہوں..... جب کہ میں ایک توانا اور طاقت ور مرد ہوں۔

ایک تو اس میں پندار حسن نہ تھا جو میرے لئے تعجب خیز بات تھی۔ شاید اس لئے کہ اس نے کبھی سنجیدگی سے اپنے حسن و جمال کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ یا پھر اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت اور ناز کی بات تھی۔ یہ ایک عجیب سی بات تھی۔ کیوں کہ ایک واجبی صورت اور معمولی سی اور عام قسم کی حسین بھی ہو تو وہ اپنے آپ کو دنیا کی حسین ترین لڑکی سمجھ لیتی ہے اور اس کا دماغ آسمان پر ہوتا ہے..... میں خوب صورت، جوان اور دراز قد ہی نہیں بلکہ بے حد وجیہہ تھا کسی تصوراتی محبوب کی طرح لیکن اس نے مجھے بھولے سے بھی ایک عورت کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ مجھے سر راہ، بازاروں اور پارکوں میں لڑکیاں عورتیں دیکھ کر سرد آہ بھرتی تھیں۔ ان کے بشرے اور آنکھوں میں دلی تاثرات ابھر آتے تھے..... اچھا لگتا تھا کہ اس لڑکی کے سینے میں جو دل ہے وہ گوشت پوست کا نہیں پتھر کا ہے۔

میں نے زمین پر تربیت حاصل کی مگر اسے دنیا سے کوئی دلچسپی قطعی نہیں تھی۔

اس کا خیال تھا کہ ایشور نے اس کی انجانے طور پر تربیت کی ہے۔ اس نے ایک کٹر رجعت پسند گھرانے میں پرورش پائی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے مجھ میں کوئی کشش محسوس کی اور نہ ہی میری وجاہت سے متاثر ہوئی..... حالاں کہ لڑکیاں جو حسین سے حسین اور بے پناہ پرکشش ہوتی تھیں مجھے دیکھ کر متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہتی تھیں..... عجیب قسم کی لڑکی تھی..... استانی بھی تھی..... اور نرسنگ کی تربیت حاصل کی ہوئی تھی۔

میں نے ان دنوں اس کے قریب رہ کر محسوس کیا تھا کہ نیتا ایک صاف و شفاف آئینہ ہے جس پر نہ کوئی خراش ہے اور نہ ہی اس میں کوئی بال ہے..... میں نے اسے اپنی طرف ملتفت بھی نہیں پایا مگر اس کے باوجود میرے دل میں اس کے خلاف بے زاری کے کئی

جذبات تھے اور نہ ہی غصہ آتا تھا کہ وہ اس قدر پاس رہ کر بھی ایسی دور ہے جیسے آکاش پر ہے اور میں اس کو چھو بھی نہیں سکتا..... میری جگہ کوئی اور ہوتا تو یہ بے قدری اپنی توہین سمجھتا اور اسے توہین پر محمول نہیں کرتا بلکہ ذلالت..... میں نے جو خود اس کی ذمے داری قبول کی تھی اس سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس لئے اس پر آنچ کیسے آتی..... لیکن میں یہ سوچے بغیر نہیں رہتا تھا کہ بنانے والے نے آخر اسے کس مٹی سے بنایا ہے.....؟

ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سوتے تھے..... ہمارے بستروں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ بھی نہیں ہوتا تھا..... جب وہ سونے کے لئے بستر پر دراز ہوتی تھی تو اس کی آنکھ فوراً لگ جاتی تو جیسے اسے کوئی فکر اور پریشانی لاحق نہ ہو..... پھر میں اسے اس طرح دیکھتا جیسے پونم کا چاند دیکھ رہا ہوں اسے محویت سے دیکھتے دیکھتے اس کے متعلق سوچے بغیر نہیں رہتا تھا کہ یہ انوکھی لڑکی قدرت کے ایسے اسرار میں سے ہے کہ جسے میں بے نقاب نہیں کرسکتا..... آخر وہ میرے ساتھ بے تکلفی سے بات کیوں نہیں کرتی ہے۔ جس کی مجھے بڑی تمنا ہے..... کون سی بات مانع ہے.....؟ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس طرح قریب آجاتی جیسے جنم جنم کے ساتھی ہوں..... کیوں کہ آج کے دور کی لڑکیوں میں جھجک نام کو نہیں ہوتی..... لیکن یہ تین صدیوں پہلے کی دقیانوسی لڑکی معلوم ہوتی تھی جس نے پھر سے آج کے دور میں جنم لیا ہو.....

میں نے زیادہ تر اسے پوجا پاٹ میں مصروف دیکھا..... اس طرح مشغول شاید مندر میں پنڈت اور پجاری بھی نہ ہوتے ہوں۔ جب کبھی بھی ہم بات کرتے تو وہ بولتی کم تھی لیکن میری بڑی خاموشی اور دھیان سے سنتی تھی..... اس نے مجھ سے یہ تک نہ کہا کہ ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں..... ایک ہی مصیبت کے حصار میں ہیں..... ایک طرف خوف و دہشت دل و دماغ پر طاری رہتی ہے کہ وہ لوگ کبھی اور کسی دن ہماری تلاش میں آسکتے ہیں..... اس لئے کہ تمہارا جرم ناقابل معافی ہے..... انہیں میری ضرورت اس لئے ہے کہ وہ مجھے کسی غیر ملک میں لے جا کر نیلام کردیں گے..... میں ان کے لئے ایک نایاب اور انمول ہیرا ہوں..... میری جسمانی کشش مردوں کو پاگل کردینے والی ہے..... مجھ جیسی لڑکیاں آٹے میں نمک کے برابر ہیں جوڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی ہیں..... کیا تمہیں اس بات کا کوئی احساس نہیں ہے کہ کوئی افتاد یا مصیبت آتی ہے تو کہہ کر نہیں آتی..... آخر تم اس بلا سے نجات پانے کے لئے پرارتھنا کیوں نہیں کرتے.....؟

مجھے اس بات سے سخت الجھن اور بڑی کوفت ہوتی تھی کہ وہ میرے ساتھ کسی اور موضوع پر بات کیوں نہیں کرتی..... ؟ بھلا عورتوں کے لئے موضوعات کی کیا کمی ہے.....؟ پھر کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ کوئی جیتی جاگتی عورت نہیں بلکہ کوئی ذی روح ہے اور میں اس جزیرے پر بالکل تنہا ہوں.....

میرے لئے یہ بھی حیران کن امر تھا کہ یہ حسین اور جوان لڑکی میری ہر وقت کی موجودگی سے خوف کیوں نہیں کھاتی..... اس کے رویے سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں غیریت بالکل بھی نہیں ہے بلکہ وہ میرا بڑا ادب و احترام کرتی تھی اس لئے کہ میں نے اسے نہ تو چھوا تھا اور میلی نظروں سے نہیں دیکھا تھا.....

کبھی کبھی میں محسوس کرتا کہ برف کا تودہ پگھلنے لگا ہے اور وہ میری ذات میں دلچسپی لینے لگی ہے..... لیکن ہمارے درمیان کوئی دیوار سی کھڑی ہوجاتی.....

لیکن ہم دونوں کے درمیان اس دیوار کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ زندہ رہنے کا تھا.....

☆.....☆.....☆

یہ جزیرہ ایک لحاظ سے ہم دونوں کے لئے کسی خونی جزیرے سے کم نہیں تھا۔ کیوں کہ خون آشام بھیڑیے کسی لمحہ..... کسی گھڑی..... اور کسی بھی دن ہمارے لئے فرشتہ اجل بن کر آسکتے تھے اور آنے والے بھی تھے۔

جزیرہ دوسری طرف بہت خوب صورت اور نہ

صرف بہت بڑا بلکہ چاروں سمتوں میں پھیلا ہوا اور سرسبز و شاداب بھی تھا۔ بھگوان کو صناعی کی صناعی کا نمونہ ہی نہیں تھا بلکہ اسے ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال کیا ہوا تھا اور اس نے بڑی فیاضی سے نوازا ہوا تھا جس کا میں کیا کوئی اور بھی تصور نہیں کرسکتا تھا۔

جزیرے پر شہد جیسے پانی کی کوئی کمی نہ تھی۔ اس میں جو جھیلیں تھیں ان میں پانی پینے کے قابل تھا۔ ناریل کے درختوں کی بہتات تھی۔ چاروں طرف وہ سپاہیوں کی طرح ایستادہ دکھائی دیتے تھے..... اس علاقے میں ایک پھل بھی تھا جو ہم دونوں نے ہی اسے کہیں بھی نہیں دیکھا اور پایا تھا۔ صرف اس جزیرے پر بدکثرت پایا تھا۔ اس پر سیب کا گمان ہوتا تھا اور رسیلا بھی تھا۔ لیکن اس کے رس اور اس میں کوئی ذائقہ نہ تھا..... اس کے باوجود وہ ایسا گیا گزرا بھی نہیں تھا کہ حلق سے نہ اترے۔ اسے بدمزہ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اس سے پیٹ بھر جاتا تھا۔ شکم سیری ہونے کے بعد بھوک ستاتی نہیں تھی۔ زندہ رہنے کے لئے آدمی کیا کچھ نہیں کھالیتا ہے۔ بھوک میں بدمزہ چیزیں بھی کسی نعمت سے کم نہیں معلوم ہوتیں۔

آدمی گوشت کے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ جس طرح وحشی درندے..... آدمی کی سب سے بڑی کمزوری گوشت ہوتی ہے..... اور پیٹ ایک طرح سے اس کی طلب شدت سے محسوس کرتا ہے اور اس کی بھوک خون آشام بھیڑیا بن جاتی ہے..... گوشت کی کمی کو پورا کرنے کے لئے یہاں طرح طرح کے پرندے موجود تھے اور جانور بھی دکھائی دیتے تھے۔ مشکل یہ تھی کہ انہیں شکار کرنے کی کوئی سہولت اور ہتھیار نہ تھا..... نہ تیر کمان..... اگر انہیں کسی طرح شکار کر بھی لیا جائے تو پھر سوال اٹھتا تھا کہ انہیں کس طرح اور کیسے پکایا جائے.....؟ کیوں کہ آگ جلانے کے لئے ماچس نہ تھی اور نہ ہی ایسے پتھر موجود تھے کہ جن کی رگڑ سے گھاس پھونس جلائی جاسکے..... ہم دونوں نے ماچس کی تلاش میں جزیرے کا ایک گھر بھی نہ چھوڑا اور اس کا چپہ چپہ تک چھان مارا۔ اگر ماچس اور ایک تیلی بھی مل جاتی تو اس سے آگ روشن کرکے اسے کسی نہ کسی طرح روشن کرکے محفوظ کرلیتے..... یہ حیرت کی بات تھی کہ یہاں کے باشندے ماچس کی ڈبیا کو بھی اس طرح لے گئے جیسے وہ کوئی قیمتی اور نایاب ہیرا ہو..... اس لئے ہم نے ان مچھلیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جو ندی میں تیرتی پھرتی اور سطح پر نظر آتی تھیں۔ ان مچھلیوں کو دیکھ کر منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ کیوں کہ کسی بھی مویشی کے گوشت کے مقابلے میں مچھلی نہایت لذیذ اور مزے دار ہوتی ہے..... اور ہم دونوں ٹھنڈی سانس بھر کے رہ جاتے تھے۔

یہ جزیرہ میرے اندازے کے مطابق ایک ڈیڑھ میل چوڑا اور تین میل لمبا تھا۔ نیتا نے تنہا ہونے کے باعث پورا جزیرہ اس لئے نہیں دیکھا تھا کہ..... کیا معلوم کوئی کہیں چھپا ہوا ہو اور اسے دبوچ کر اس کی بے حرمتی کردے۔ اور کسی کھلونے کی طرح جی بھر کے دن رات کھیلتا رہے۔ یہ جو خوف دامن گیر ہوا تھا۔ اس لئے کہ اسے جو بدمعاش اس جزیرے پر چھوڑ گئے تھے کہ..... کیا معلوم ان میں سے کوئی اس جزیرے پر اس سے دل بہلانے اور اس کا شکار کرنے آجائے۔ کیوں کہ وہ نہ صرف بلا کی حسین اور جسمانی طور پر نہایت پرکشش ہے..... بدمعاش چوں کہ ہوس پرست ہوتے ہیں ان سے بعید نہیں..... نیتا کا یہ خیال، اندیشہ اور خوف اپنی جگہ بجا تھا۔

لیکن اس نے میرے کہنے اور ہمت دلانے پر میرے سنگ سنگ پورے جزیرے کو دیکھ لیا تھا۔ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی کام بھی کیا تھا۔ اس میں اونچی نیچی پہاڑیاں اور ٹیکریاں بھی تھیں..... جنگل کا کچھ علاقہ گھنا اور تاریک بھی تھا۔ جو ٹیکریاں جنگل میں تھیں وہ گھنے اور بوڑھے درختوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ کچھ جگہوں پر درخت نہ ہونے کے برابر تھے۔ ہم دونوں نے کسی پناہ کی تلاش میں پورا ایک دن صرف کردیا۔ پھر ہمیں تلاش بسیار کے بعد ایک ایسی پہاڑی دکھائی جو بڑی محفوظ تھی۔ روپوش ہونے کے لئے اس سے بہتر جگہ نہیں ہوسکتی تھی۔ ہم نے اس وقت یہاں روپوش ہونے کا فیصلہ کیا تھا جب

رالی امڈ رہ ہو اور دشمن ہماری تلاش میں آئے۔
ایک زور میں نے کولمبس کی طرح جزیرے میں اس گاؤں تلاش کرلیا۔
بیشتر جھونپڑی نما مکانات آگ کی نذر ہو چکے تھے۔ کچھ اندازہ نہ ہوسکا تھا کہ ان جھونپڑیوں میں آگ لگنے کی وجہ کیا تھی......؟ کیا اسے کسی دشمن نے نذر آتش کردیا ہو......؟ یہ آبادی کھنڈر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ میں نے اس کا کونہ کونہ چھان مارا اور ہر جگہ دیکھا تھا کہ شاید ماچس یا کام کی کوئی چیز مل جائے...... وہاں ہر چیز خاکستر تھی۔ پھر میں ان مکانوں کی طرف گیا جو آگ سے محفوظ تھے۔ ان کا بچنا کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ یہاں سے جانے والوں نے ایک برتن کیا ایک چمچہ تک نہیں چھوڑا تھا۔ ایک چوڑا کپڑا تو درکنار ایک گز کپڑا بھی موجود نہ تھا۔

جب میں نے اچھی طرح اور اطمینان سے جائزہ لیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ لوگ یہاں سے عجلت اور سراسیمگی کی حالت میں نہیں گئے بلکہ بڑے سکون واطمینان سے نقل مکانی ہوئی ہے۔ یہ لوگ بڑی لانچوں سے اپنا سارا سامان لے کر گئے ہیں۔ ایک ماچس، برتن اور چمچہ تک بھی چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔ یہ بات نہ صرف بڑی عجیب وغریب بلکہ پراسرار بھی لگی۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ کیا یہاں بدروحوں کا رین بسیرا تھا......؟ جو کہ ان مکانات سے ہر چیز غائب ہوگئی اور اسے نذر آتش بھی کرگئے۔

میں دوبارہ اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد ایک قریبی پہاڑی کی طرف بڑھا...... پہاڑی پر چڑھ کر میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں...... یہاں سے چاروں طرف افق نما سمندر دکھائی دیا...... ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر...... میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ یہ لوگ کہاں چلے گئے......؟ بنگلہ دیش اور آسام میں کوئی نہ کوئی وبا پھوٹتی رہتی تھی...... یہ لوگ کہاں جاسکتے ہیں......؟ کیوں کہ سری لنکا کی حکومت بغیر ویزا پاسپورٹ انہیں اپنے ملک میں گھسنے دینے سے رہی یوں بھی اس ملک میں بھی غربت وافلاس تھا جس طرح بنگلہ دیش میں اور پھر

کس نے کیا کہا

پہاڑوں نے کہا ہم تمہارے حاکموں سے زیادہ بردبار ہیں۔

زمین نے کہا ہم میں متقیوں سے زیادہ عجز ہے۔

آسمان نے تاروں کی ہم نشینی میں کہا۔ میرا دامن تمہارے علما سے زیادہ پاک ہے۔

سمندر بولا۔ میں تمہارے فقیہوں سے زیادہ گہرا ہوں۔

سورج نے کہا مجھے شب زندہ داروں نے، اپنے اعمال پر ہنسنے کی دعوت دی۔

تاریک رات نے بات سمیٹتے ہوئے کہا لیکن میرا چہرہ سیاست دانوں کے ضمیر سے زیادہ سیاہ نہیں۔

(مضامین شورش صفحہ 390)

(ریاض حسین قمر)

ہندوستان جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... یہ کون سا جزیرہ ہے مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا اور نہ ہی اس جزیرے کے بارے میں سنا تھا۔ لیکن یہ اندازہ تھا کہ یہ جزیرہ بہرحال بنگلہ دیش ہی میں تھا۔

میں بہت دیر تک اپنے سامنے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو دیکھتا رہا مجھے اس بات کے آثار نظر نہیں آئے تھے کہ باس کے پاس خون خوار کتے میری تلاش میں نکل آئیں گے اور نہ ہی نیتا کو لینے وہ بدمعاش آئے تھے جس کا وہ کہہ گئے تھے۔ ان کے آنے کا بھی امکان رہا تھا۔ ان کے ساتھ شاید کوئی حادثہ پیش آگیا تھا۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ راستہ بھول گئے ہوں گے اور انہوں نے نیتا کی ساتھی لڑکیوں پر اکتفا کیا ہوگا۔ نیتا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ لڑکیاں بے انتہا حسین ہی نہیں بلکہ بے پناہ پرکشش تھیں۔ ان کے جسمانی نشیب وفراز جاذبیت سے بھرپور تھے۔

لیکن چند لمحوں کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ یہ میں اپنے آپ کو فریب دے رہا ہوں۔

پھر میں نریندرا کے گروہ کے بارے میں سوچنے سے میرے اعصاب ہلکے پھلکے نہیں ہوئے تھے اور سینے میں ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا..... یہ بات بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ نریندرا کبھی میرا جرم معاف نہیں کرے گا کیوں کہ وہ جتنا خوف ناک تھا اتنا ہی خطرناک و بے رحم اور سفاک تھا۔ میں نے اسے جو چوٹ دی تھی وہ اس کی جلن محسوس کر رہا ہوگا اور انگاروں پر لوٹ رہا ہوگا اور ایک دن ایک رات بھی چین و سکون سے سو نہیں سکا ہوگا۔

اس کا کوئی ہیلی کاپٹر یا چھوٹا طیارہ لانچ وغیرہ بھی آسکتی تھی..... ایک حملہ آور فوج کی طرح اس جزیرے پر قدم رکھ سکتے تھے۔ بالفرض محال لانچ میں اس کے آدمی آگئے تو یہ جزیرہ ان کے قبضے میں آجائے گا۔ مجھے ان کی آمد کا خطرہ پریشان کیے دے رہا تھا کہ ان کے آنے کی صورت میں کس طرح جان بچائی جائے.....؟ کیا ہم ان کی نظروں سے بچ کر رہ سکتے ہیں.....؟

اگر نریندرا کے آدمی نہ آئیں تو نیتا کو لینے بدمعاش آجائیں تو کیا ہوگا.....؟ وہ ایک بہت ہی حسین، نازک اور معصوم سی لڑکی ہے..... اگر وہ ان بردہ فروشوں کے ہتھے چڑھ گئی تو میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔ یہ تصور میرے لئے روح فرسا تھا کہ بردہ فروش نیتا کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔ میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں اس طرح پہاڑی سے اتر آیا جیسے مجھے دھکا دے دیا گیا ہو..... میں مکان کی طرف اس طرح دوڑتا ہوا گیا جیسے وہ بردہ فروشوں کو نرغے میں ہوا اور اس کی بے حرمتی کی جارہی ہو..... جب میں نے مکان میں پہنچ کر نیتا کو خیریت سے دیکھا تو میری جان میں جان آئی۔

دوسرے دن شام کے وقت جب دن ڈوب گیا تھا اور آسمان پر چودھویں کا چاند مسکرا رہا تھا تب میں نے نیتا کو دیکھا جو برآمدے سے نکل کر گاؤں کی سمت جارہی تھی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی نیتا اس وقت اکیلی گاؤں کیوں جارہی ہے۔ اسے کہیں بھی جانا ہوتا تو وہ میرے بغیر کہیں نہیں جاتی اور نہ نکلتی تھی۔ کیوں کہ اسے ایک دھڑکا سا لگا ہوا تھا کہ شاید بردہ فروش کسی بھی سمت سے نہ آجائیں۔ اس کے جانے کا انداز بڑا پراسرار سا تھا۔ جانے کیوں اس وقت مجھے ایسا لگا کہ نیتا واقعی کوئی ذی روح ہے۔ وہ مجھے اپنی اداکاری اور معصومیت سے بے وقوف بناتی رہی ہے..... اور پھر اس نے مجھے ایک سحر میں مبتلا کردیا ہے کہ اسے نہ تو میں چھو سکوں اور ایک کمرے میں سوتے ہوئے بھی اس کے پاس جاؤں اور ایک جاؤں..... اگر میں نے قابو میں کرکے بے بس کرنے کی کوشش کی تو اس کا راز کھل جائے گا۔ میں برف کا سا تودہ بنا رہا۔ ایک ایسی نوجوان لڑکی جس کے انگ انگ سے مستی ابلی پڑتی ہو اور حسن و شباب کی کرشمہ سازیاں واضح ہوں وہ کیسے اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکتا ہو۔ سحر ہو یا نہ ہو لیکن میں بہرحال برف کا تودہ بنا ہوا تھا۔ جانے کیا میرے دل میں آیا کہ میں نے خاصا فاصلہ برقرار رکھا اور اس کا غیر محسوس انداز سے تعاقب کرنے لگا۔ ایک تجسس تھا جس نے مجھے تعاقب پر اکسایا تھا۔ میں اسے صرف آواز دے کر مخاطب کرسکتا تھا بلکہ لپک کر اس کے پاس بھی جاسکتا تھا۔

ایک دم سے میرا سر چکرایا تو میری آنکھوں کے سامنے ایک دھند سی چھا گئی۔ مجھے کوئی چیز نظر نہیں آئی اور نہ ہی نیتا..... ایسا لگا جیسے گھپ اندھیرے کی آغوش میں ہوں اور ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دیتا ہے۔ یہ کیفیت چند لمحوں تک طاری رہی..... پھر ایک دم سے آنکھوں کے سامنے سے دھند چھٹ گئی۔ ہر چیز اس طرح دکھائی دینے لگی جیسے دن کے اجالے میں نظر آئی ہے..... پھر نیتا بھی..... وہ بڑی مستانہ خرامی سے چل رہی تھی۔ اس کا نازک گداز اور سڈول اور مرمریں بدن رقص کے انداز میں تھرک رہا تھا..... بل کھا رہا اور لچک رہا تھا جس سے اس کے سراپا میں جیسے بجلیاں کوند رہی تھیں..... تناسب کسی زہریلی ناگن کی طرح پھنکارتے لگ رہے تھے.....

پھر میں نے اس میں اور اپنے آپ میں ایک عجیب سی تبدیلی اور خوف ناک قسم کا تغیر محسوس کیا۔

اس کے بدن پر جو لباس تھا اس کی جگہ ایک بھڑکیلا لباس لگا جو جالی دار اور گہرا جامنی رنگ کا تھا..... وہ انتہائی مختصر سا تھا۔ اس کا گریبان آگے اور پیچھے سے خطرناک حد تک نیچی تراش کا تھا جس کا نظارہ ہیجان انگیز تھا۔ فراک کی جالی میں اس کا گورا گورا بدن اور انگ انگ جھانک رہا تھا۔

اس سے میں اسے خواب کی سی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے اپنے دائیں ہاتھ میں ایک خوف ناک قسم کا خنجر سا پایا۔ جس کی دھار اس قدر تیز تھی کہ اس سے کسی انسان کی گردن کیا کسی بھی درندے کی گردن گاجر مولی کی طرح کٹ سکتی تھی۔ میں نے کبھی اپنی زندگی میں ایسی تیز دھار کا خوف ناک خنجر نہیں دیکھا تھا۔

پھر دوسرے ہاتھ میں میں نے ایک بڑی سی ماچس کی بڑی ڈبیا دیکھی۔ اس میں تیلیاں بہ کثرت بھری ہوئی تھیں۔ ایک ایک تیلی نہ صرف بہت موٹی بلکہ تین تین انچ لمبی تھی جو کسی موم بتی کی طرح دیر تک جل سکتی تھی۔

میں ششدر سا تھا کہ یہ دونوں چیزیں میرے ہاتھ میں آپ ہی آپ کیسے اور کیوں کر آ گئیں.....؟ ایسا لگا جیسے کسی نے تھما دی ہوں..... لیکن کس نے.....؟ میں اس خنجر سے کیا کام لوں.....؟ پھر مجھے خیال آیا کہ میرے پاس جو چھری ہے اس کا پھل ناریل کا چھلکا اتارتے ہوئے ناکارہ اور کند سا ہو گیا ہے..... مرغی یا کسی اور پرندے اور مچھلی کو ذبح کر کے اس کا گوشت اور قتلے نہیں بنا سکتا.....؟ لیکن اس خنجر سے نہ صرف چرند پرند بلکہ کسی بھی مویشی کو ذبح کر کے اس کا گوشت بنا سکتا ہوں..... لیکن دوسرے لمحے مجھے خیال آیا کہ میں نے آج تک ایک مرغی بھی ذبح نہیں کی..... اور پھر میں کوئی قصاب تو ہوں نہیں جو کسی بھی پرند چرند کو اور مویشی کو ذبح کر کے اس کی کھال اتار کے اس کے گوشت کے پارچے بنا لوں..... اصل مسئلہ تو کھال اتارنا ہوتا ہے جس سے میں ناواقف ہو۔

پھر اگلے لمحے میں نے نیتا کو دیکھا جس کا پرشکوہ سراپا اور اس کے نشیب و فراز قیامت ڈھانے لگے تھے۔ اور میں اسے کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح گھورتا ہوا دیکھنے لگا۔

پھر ایک نادیدہ نسوانی آواز میرے کانوں میں سرگوشی کی۔

''تم اس کا کومل بدن دیکھ رہے ہو نا.....؟ کیسا دل فریب اور دلکش ہے.....؟ کیا تم نے کبھی کسی لڑکی یا عورت کا گوشت کھایا اور اس کا خون پیا ہے.....؟''

''نہیں.....'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نے پرندوں، مویشیوں کا گوشت اور مچھلی کھائی ہے..... آدمی کیسے کسی آدمی کا گوشت کھا سکتا ہے.....؟ اس کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا ہے.....؟''

''تم نہیں جانتے کیا انسان کے گوشت سے زیادہ لذیذ اور مزے دار گوشت جانوروں اور پرندوں کے گوشت سے کہیں لذیذ اور مزے دار ہوتا ہے۔ اس کے خون میں جو لذت، کیف و سرور ہوتا ہے وہ صدیوں پرانی شراب میں بھی نہیں ہوتا ہے..... ایک بار پی لو تو بار بار پینے کو جی کرے گا.....''

اس نادیدہ آواز نے میرے دل میں نہ صرف تجسس کو جنم دے دیا تھا۔ بلکہ آتش شوق کو بھڑکا دیا تھا۔ میں نے کہا۔

''لیکن میں کس انسان کا خون پیوں..... گوشت کھاؤں.....؟''

''تمہاری اس محبوبہ نیتا کا.....'' اس نادیدہ آواز نے مجھے جیسے اکسایا۔ ''پہلے تو تم اسے دبوچ لو..... وہ آسانی سے تمہارے قابو میں آ جائے گی..... پھر تم جی بھر کے اس کھلونے سے کھیلو..... وہ مست اور مدہوش ہو جائے گی..... دنیا و مافیہا سے بے نیاز..... اس سے فائدہ اٹھا کر اس خنجر سے اس کی گردن کاٹ دو..... یہ خنجر اس کی گردن ایک ہی وار میں مولی کی طرح کاٹ کر الگ کر دے گی..... پھر اس کے نرخرے سے ابلتے خون کی سیر ہو کر پیو..... پھر بعد میں اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کا گوشت بھون کر مزے لے کر کھاؤ..... تم بھی کیا یاد کرو گے.....؟''

اس کی بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ نہ جانے کیوں میں خوش ہو گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ اس نادیدہ آواز

نے مجھ پر جیسے کوئی جادو کردیا ہو۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا..... واقعی نیتا جتنی حسین ہے اس کا گوشت بھی بڑا لذیذ اور مزے دار ہوگا..... اور خون بھی..... ٹھیک ہے..... میں نیتا سے نہ صرف دل بہلاؤں گا بلکہ اسے ذبح بھی کردوں گا..... واقعی اس سے دل بہلانے میں بڑی لذتیت محسوس ہوگی..... اب تک میں نے اس سے وقت گزاری کے بارے میں سوچا اور نہ چاہا..... نہ ہی اسے بھوکی اور ندیدی نظروں سے دیکھا..... نہ ہی کسی ہوس پرست کی طرح للچایا..... اس کے جسمانی نشیب و فراز میں کشش کے خزانے چھپے ہوئے تھے..... تناسب بھی کیسے قیامت خیز ہیں.....

اس نادیدہ آواز نے پھر مجھے مشورہ دیا۔ ''تم دائیں ہاتھ کی سب سے بڑی انگلی سے اشارہ کرو تو نیتا کے بدن پر لباس نہیں رہے گا.....

میں نے اس کے کہنے پر انگلی سے نیتا کے لباس کی طرف اشارہ کیا تو وہ فراک اس کے بدن پر سے گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہوگئی۔ اب وہ حیوان کی سی حالت میں تھی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ لپک کر اسے جالوں اور گود میں اٹھالوں.....

ایک پل کے ہزارویں حصے میں، میں نے سوچا کہ..... یہ مجھے کیا ہورہا ہے.....؟ میں یہ سب کچھ کیوں سوچ رہا ہوں.....؟ میں نیتا کی عزت تباہ کرنے پر کس لئے آمادہ ہوگیا ہوں.....؟ میں کوئی آدم خور تو ہوں نہیں جو نیتا سے دل بہلانے کے بعد اسے ذبح کرکے نہ صرف اس کا خون کسی چڑیل کی طرح پی جاؤں اور اس کے جسم کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے بھون کر کھا جاؤں.....؟ کیوں اور کس لئے..... اس حسین اور معصوم لڑکی نے میرا کیا بگاڑا ہے؟..... نہیں..... نہیں..... میں انسان ہوں..... کوئی آدم خور نہیں.....؟

اور پھر یہ نادیدہ آواز کس کی ہے جو میرے کان میں سرگوشی کرکے اس خوف ناک اور لرزہ خیز اقدام پر مجبور کررہی ہے..... یہ میرے سامنے کیوں نہیں آرہی ہے.....؟ شاید اس لئے کہ اس کا چہرہ کسی چڑیل کی طرح خوف ناک اور لرزہ خیز ہوگا.....؟ اس لئے وہ پس پردہ ہے.....

پھر اس نادیدہ آواز نے کہا۔ ''تم کسی تذبذب اور شش و پنج میں نہ پڑو..... میں نیتا سے کہیں حسین ہوں..... جب تم نیتا کو ذبح کرکے اس کا خون پی جاؤ گے..... اس کا گوشت کھالو گے تب میں ظاہر ہوجاؤں گی.....''

''تم یہ صرف کیوں چاہتی ہو کہ میں نیتا کو ذبح کردوں.....؟'' میں نے کہا۔

''یہ تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی.....؟ اس راز پر سے اب پردہ اٹھانا قبل از وقت ہے۔''

''میں اس بات کا کیسے یقین کروں کہ تم نیتا سے کہیں حسین ہو.....؟'' میں نے تکرار کی۔

''تم میرے قرب اور لمس سے اندازہ کرسکتے ہو.....؟'' وہ ہنس کر بولی۔

اگلے لمحے میں نے اپنے آپ کو ایک نادیدہ عورت کی آغوش میں پایا..... اس کے گداز جسم کا لمس سوندھی سوندھی مست کردینے والی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ وہ جذباتی سی ہوکر میرے چہرے پر جھک گئی تھی..... چند لمحوں تک میں اس کے شہد آگیں لبوں کو اپنے ہونٹوں پر محسوس کرتا رہا۔ پھر وہ الگ ہوکر بولی۔

''کیا تمہیں میرے لمس اور قرب سے محسوس ہوا کہ میں کتنی حسین اور گداز جسم کی ہوں۔''

''ہاں.....'' میں نے جواب دیا۔ ''میرا دل پھر سے چاہ رہا ہے کہ تمہیں اپنے بازوؤں میں بھرلوں۔''

''پہلے تم نیتا کو ذبح کردو۔'' وہ بولی۔ ''تاکہ راستے کا کانٹا نکل جائے گا..... پھر میں تمہاری پتنی کی طرح جب تک کہو رہوں گی..... ہر طرح سے خوش کرتی رہوں گی..... دن رات سیوا کروں گی۔''

''معلوم نہیں کیوں..... میرا دل اسے ذبح کرنے کو نہیں چاہ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا..... اب تم اسے ذرا غور سے دیکھو.....'' وہ بولی۔

''میں اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھنے لگا تو میرے دل کی عجیب سی حالت ہوگئی۔ میرے دل میں آیا

ا ا ے ذبح کر دوں۔ خون پی جاؤں...... گوشت بھون کھا جاؤں...... اب میرے دل کے کسی کونے میں ے لئے محبت اور ہمدردی کے جذبات بالکل نہ تھے۔ وہ سامنے والے ایک ایسے مکان میں گھس گئی تھی جس میں پانچ چھ کمرے میں دکھائی دیئے۔ علوم نہیں وہ کس کمرے میں گھسی تھی۔ میں بھی گھس گیا ایک کمرے کے سامنے ٹھٹک کر رک گیا۔

اس کمرے میں نیتا ہوش ربا عالم میں کھڑی ہوئی ...موت پاپ دے رہی تھی۔

"آؤ انیل راج......! میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ رسیلی آواز میں بولی۔

میں نے کمرے میں گھستے سے فیصلہ کرلیا تھا کہ نیتا کی عزت سے کھیلوں گا...... پھر اسے ذبح کر دوں گا۔

"نیتا......! اب ہم دونوں کے درمیان کوئی فاصلہ، دیوار اور حجاب نہیں ہونا چاہئے۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں......" وہ بولی۔ "لیکن پھر تمہارے ہاتھ میں کیوں ہے......؟"

"یہ تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا......" میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنی گداز مرمریں عریاں بانہیں فضا میں پھیلا دیں۔ "مجھے اپنے بازوؤں میں لے لو......"

میں اس کے قریب پہنچا تھا کہ اسے اپنی آغوش میں لے لوں میں نے دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھ خالی ہو گئے ہیں...... خنجر اور ماچس غائب ہے پھر نیتا لباس میں ملبوس کھڑی ہے۔

پھر فرش پر ایک دھواں سا اٹھا۔ میری نظروں کے سامنے وہ دھواں رانی پونم میں تبدیل ہو گیا۔

مجھے ایک دم سے ہوش آ گیا۔ میں نے ششدر ہو کر کہا۔ "رانی پونم......! تم......؟ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں!"

"ہاں انیل راج......! اگر مجھے علم نہ ہو جاتا تو تم اس لڑکی کی عزت سے کھیل کر اسے ذبح کر چکے ہوتے......"

"مجھے نہ جانے کیا ہو گیا تھا کہ میں نیتا کی عزت تباہ کر کے اسے ذبح کر کے اسے بھون کر کھانے والا تھا......" میں نے کہا۔

"میں آدم خور کے بہروپ میں آ گیا...... تم نے کچھ دیر کی ہوتی تو میں آدم خور بن چکا ہوتا۔"

"لیکن یہ لڑکی نیتا نہیں ہے......" رانی پونم بولی۔

"اس کا نام شاردا ہے...... اسے جادوگر نے نیتا کا ہم شکل بنا دیا تھا...... اگر تم اس کی عزت سے کھیل کر اسے ذبح کرتے اور اس کا گوشت بھون کر کھاتے تو نیتا اس لڑکی کی جگہ لے لیتی...... یہ لڑکی بچ جاتی اور نیتا نشانہ بن جاتی......"

"یہ نیتا نہیں ہے تو پھر کون ہے......؟" میں نے حیرت سے اس کی لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ ایک دم سے نظروں کے سامنے گدھے کے سر کی طرح غائب ہو چکی تھی۔ اس کا نام و نشان نہ تھا۔ "اسے کس جادوگر نے نیتا بنا دیا؟"

"جادوگر لالو...... جو ایک سو دس برس کی عمر کا ہے اور رنگا ماٹی کے جنگل میں رہتا ہے...... اس نے اپنے جادو کے علم سے معلوم کر کے نریندرا کو بتایا کہ تم ایک نوجوان اور حسین لڑکی کے ساتھ جزیرے پر رہ رہے ہو...... پھر نریندرا نے اس جادوگر سے کہا کہ نیتا کو تمہارے ہاتھوں قتل کرا دے...... اسے آدم خور بنا دو...... کیوں کہ وہ انیل راج کے ہاتھوں سے اپنے ہر دشمن کو ذبح کرا جانا چاہتا ہے...... نیتا چوں کہ اس کی محبوبہ ہے۔ وہ اپنی محبوبہ کو ذبح کر سکتا ہے۔ تو اپنے باپ کو بھی...... قتل کر سکتا ہے...... دراصل جادوگر نے اپنے جادو کے علم سے معلوم کر کے بتایا تھا کہ جزیرے پر تم نیتا کے ساتھ ہو...... اس نے اپنی موکلہ کو جزیرے پر بھیجا تھا۔ اس کا یہ کھیل میری وجہ سے عین وقت پر بگڑ گیا۔"

"اس جادوگر کو میں جانتا ہوں" میں نے کہا۔ "وہ دوبارہ ایسی کوئی حرکت کر سکتا ہے کہ میں نیتا، مافیاؤں کے ہاتھوں چڑھ جائیں......" میں نے یہ کہا تو میرے لہجے میں تشویش تھی۔

"تم اس بات کی چنتا نہ کرو۔" رانی پونم بولی۔

''میں ابھی اور اسی وقت جا کر اس کا دماغ اور جادو ناکارہ کردوں گی۔ وہ اپنا سارا علم بھول جائے گا......''

''کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ تم مجھے اور نیتا کو یہاں سے نکال دوں؟'' میں نے کہا۔

''نہیں...... اس لئے کہ میں صرف ایک آتما ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں ہر مصیبت سے نجات دلاسکتی ہوں لیکن تم دونوں کو نکال نہیں سکتی ہوں...... یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر نہیں کرنی ہوگی۔''

''اس وقت نیتا کس حالت میں ہے......؟'' میں نے کہا۔ ''کیا میں اسے یہ سارا واقعہ سناؤں؟''

''وہ اس وقت سو رہی ہے......'' رانی پونم بولی۔ ''تم یہ واقعہ پوشیدہ رکھنا اور اسے میرے بارے میں بھی نہیں بتانا...... اچھا...... میں جارہی ہوں تا کہ اس جادوگر سے نمٹ لوں تا کہ پھر کوئی نئی مصیبت نہ آجائے۔''

پھر رانی پونم چلی گئی۔ میں مکان میں آیا تو دیکھا کہ وہ گہری نیند میں غرق ہے...... نہایت خوب صورت اور پیاری لگ رہی تھی۔ لیکن میرے دل میں سابقہ احساسات تھے۔ میرے دل اور آنکھوں میں کوئی میل پیدا نہ ہوا۔ اسے بارہا میں نے گہری نیند میں دیکھا لیکن میرے دل کے کسی کونے میں یہ خوفناک اور پراگندہ خیال پیدا نہ ہوا کہ فائدہ اٹھاؤں۔ لیکن آج اور اس وقت کیسے جنم لے سکتا تھا۔ جب کہ میں نے جادوگر کی موکلہ کو نیتا کے بہروپ میں ایک حیوان کی حالت میں دیکھا تھا۔ میں اس بات سے دل میں خوش تھا کہ نہ میں اب تک میلا ہوا تھا اور نہ نیتا کو میلا کیا تھا۔ یہ خوشی کی بات تھی۔ اور پھر میں اپنی پارسائی پر نازاں بھی تھا اور میری آتما ایک سرشاری سی محسوس کررہی تھی۔

میں اور نیتا دوسرے دن جب دن چڑھ آیا تھا حسب معمول جنگل کی سیر سے لوٹے تھے۔ میں رات بڑی دیر سے سویا اور اس جادوگر کے بارے میں سوچتا رہا تھا جس کی خدمات نریندرا نے حاصل کی تھی۔ وہ بوڑھا جادوگر جتنا خوف ناک تھا اتنا ہی خطرناک بھی...... اب تو اس جیسے جادوگر نہ ہونے کے برابر تھے اس کے نام سے دوسرے جا گر کانپتے تھے اور اسے اپنا گرو مانتے تھے۔ رانی پونم عین وقت پر نہ آتی تو میں نیتا کی عزت تباہ کردیتا بلکہ آدم خور بھی بن جاتا...... میں یہ سب کچھ اس جادوگر کے زیر اثر ہوکر کٹھ پتلی بن گیا تھا۔ بھگوان نے مجھے بال بال بچالیا تھا۔ میں نے رانی پونم کے کہنے پر نیتا کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ وہ شاید ہی یقین کرتی۔

میں نے واپسی پر نیتا کو مکان پر چھوڑا اور ندی کی طرف لپک گیا۔ کیوں کہ نہ صرف بڑی تھکن بلکہ کسل مندی سی ہورہی تھی۔ ندی میں نہانے سے بڑی عجیب سی فرحت اور تازگی محسوس ہوتی تھی۔ میں نے ابھی دو تین ڈبکیاں لگائی تھیں کہ مجھے فضا میں گھن گرج سنائی دی...... پہلے تو میں یہ سمجھا کہ یہ چھوٹے طیارے ہیں لیکن جیسے جیسے آواز قریب آتی گئی تو میں نے آواز کی سمت دیکھا۔ وہ دو ہیلی کاپٹر تھے جو تیزی سے نیچی پرواز کرتے ہوئے آرہے تھے۔

میں فوراً ہی ندی سے نکل کر درختوں کی طرف لپکا اور ان کے درمیان اپنے آپ کو اس طرح چھپالیا کہ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے...... البتہ میں انہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں یہاں ایک طرح سے محفوظ بھی تھا۔

میں نے ان دونوں ہیلی کاپٹروں کو پہچان لیا...... یہ نریندرا گروہ کے تھے...... میں ان کے پائلٹوں کو بھی جانتا تھا۔ میں ان ہیلی کاپٹروں میں کئی بار بیٹھ بھی چکا تھا۔ وہ جزیرے پر چکر لگانے لگے۔ ان کی بلندی غیر مخصوص انداز سے کم ہوتی جارہی تھی۔ ناریل کے درختوں کے باعث وہ زیادہ نیچی پرواز نہیں کرسکتے تھے۔ وہ کوئی نصف گھنٹے تک جزیرے پر تیزی سے چکر لگاتے رہے۔ وہ دور بین سے بھی دیکھتے جارہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ انہیں شک ہوگیا ہے کہ میں اس جزیرے پر روپوش ہوں۔ حالاں کہ دو ایک جزیرے اور بھی تھے۔ وہ میری ایک جھلک دیکھنے کے لئے چکر کاٹنے لگے تھے۔

یہ دونوں ہیلی کاپٹر ان درختوں کے سر کے اوپر سے بھی گزرے تھے جہاں میں چھپا ہوا تھا۔ جب میں نے ان کی آواز سے یہ محسوس کیا کہ وہ دور شمال کی سمت

گئے ہیں تو مجھے اطمینان سا ہوا اور پھر میں برقی رفتار سے مکان کی طرف لپک گیا۔ نیتا برآمدے میں کھڑی تھی۔ وہ شاید مکان کے اندر کسی کھڑکی کی اوٹ سے وہ ان ہیلی کاپٹروں کو پرواز کرتے اور جاتے ہوئے دیکھا تو جب وہ باہر آئی تھی۔ وہ بہت ہی کم گو تھی۔ باتیں کرنے میں بخل اور بہت سوچ سے کام لیتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جو سوال تھے وہ بہت واضح تھے۔

"یہ میرے دشمن کے ہیلی کاپٹر تھے۔ جو میری تلاش میں آئے تھے۔ وہ جزیرے پر اور اس کے گرد اس لیے اتنے چکر لگاتے رہے تھے کہ شاید میں نظر آجاؤں...... لیکن ان کا چکر لگا کر جانا کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ پھر ادھر کا رخ کریں گے۔" میں باوجود کوشش کے اپنے خوف اور چہرے کی گھبراہٹ کو چھپا نہ سکا۔

"اس کے پھر یہاں آنے کے بعد کیا ہوگا......؟" اس نے بڑی معصومیت سے پلکیں جھپکائیں اور پوچھا۔

"وہ مجھے لینے کے لئے آئیں گے اور اس وقت تک یہاں سے نہیں جیٹیں گے جب تک میں انہیں نہیں مل جاتا۔"

"آخر وہ کیوں تمہارے اس قدر جانی دشمن ہیں......؟" وہ بولی۔

"وہ جانی ہی نہیں بلکہ انہیں خوفناک دشمن کہنا زیادہ مناسب ہوگا...... کیوں کہ مجھ سے زیادہ ان کے لیے خطرناک ہی نہیں بلکہ خوفناک بھی ہوں...... اس لیے کہ میں نے اس گروہ کا قلع قمع کرنے کے لئے پولیس کو تمام راز پہنچا دیئے تھے...... لیکن تم ان کی نظر میں آگئی تو پھر گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائے گا۔" میں نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

"ان کے ہاں آنے کے بعد اس صورت میں ہم کیا کر سکتے ہیں......؟" اس کی حالت ایک خوف سے سہمی ہرنی کی طرح ہو رہی تھی۔

"ہم ان کے خلاف کچھ بھی تو نہیں کر سکتے ہیں......؟" میں نے کہا۔

"کیا ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے......؟" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں دریافت کیا۔

"نہیں...... کیوں کہ ہمارے پاس ان سے مقابلہ کرنے کے لئے کوئی ہتھیار بھی تو موجود نہیں ہے...... اگر ہتھیار بھی ہوں تو ایک آدمی بہت سارے مسلح بدمعاشوں سے کیسے لڑ سکتا ہے......؟" میں نے اسے سمجھایا۔

"تو کیا اس مکان یا کسی جگہ ہم چھپ نہیں سکتے......؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "کیا ان کے آنے کا امکان ہے؟"

"کہیں نہیں چھپ سکتے......؟" میں نے نفی کے انداز میں سر ہلا دیا۔ "وہ یقیناً دوبارہ آئیں گے تاکہ اپنا شک دور کر سکیں، کسی اور جزیرے پر نہ پا کر...... یہ مکان اور کوئی جگہ ایسی نظر نہیں آتی ہے جو محفوظ ہو...... وہی جگہ زیادہ محفوظ ہے جو ہم نے ڈھونڈ رکھی ہے...... مگر ہمیں ایسی جگہ تلاش کرنی ہوگی جو پہاڑی کے اوپر ہو نہ نیچے...... جس کے اوپر گھنے درختوں کا سایہ ہو اور وہ جگہ جھاڑیوں سے گھری ہوئی ہو...... اس کے قریب سے کوئی راستہ بھی نہ گزرتا ہو...... میرا خیال ہے کہ ہمیں ایسی جگہ مل جائے گی۔"

"تو کیا کل سے ایسی جگہ کی تلاش شروع کریں گے......؟" اس نے کہا۔

"کل نہیں...... بلکہ آج ابھی اور اسی وقت...... کیوں کہ وہ کسی وقت شیطان کی طرح نازل ہو سکتے ہیں...... ہمارے لئے یہ بہتر موقع ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں...... ان کے آنے کے بعد ہم کہاں مارے مارے پھریں گے......؟ اس وقت بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی......"

وہ میری بات اس طرح توجہ اور دھیان سے سن رہی تھی جیسے میں کوئی لیکچر دے رہا ہوں اور وہ کوئی طالبہ ہو۔ پھر اس نے کہا۔ "ہم انہیں دیکھتے ہی کہیں کسی جگہ چھپ جائیں گے...... تم اس قدر پریشان اور ہراساں کیوں رہے ہو......؟ تمہارے خوف سے ایسا لگ رہا ہے کہ وہ انسان نہیں بلکہ کسی سیارے کی کوئی خوفناک اور ظالم قسم کی مخلوق ہو اور ہمیں کچا چبا کر کھا جائیں

گے..... وہ ہمیں واپس نہ پا کر چلے جائیں گے....."

"میں تمہیں کیا بتاؤں کہ وہ کس قدر خوف ناک، سفاک اور ظالم ہیں..... ان کے نزدیک انسان کا خون پانی سے بھی ارزاں ہے..... اب وہ آئیں گے تو دو ایک گھنٹوں کے لئے نہیں بلکہ کچھ دنوں کے لئے اور اس لئے کہ ہمارا کھوج لگا سکیں..... وہ ایک دن میں تو جزیرے کا چپہ چپہ مارنے سے تو رہے..... جب تک وہ ایک ایک کونے کی خاک نہ چھان لیں اس وقت تک چین سکون سے نہیں بیٹھیں گے اور نہ واپس جائیں گے..... اور پھر سب سے زیادہ فکرمندی اور پریشانی تمہاری ہے..... مجھے اپنی نہیں....." میں ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

"اپنی فکر کیوں اور کس لئے نہیں ہے.....؟" وہ حیران ہو کر بولا۔

"اس لئے کہ میں مرد ذات ہوں..... میں ان کا ہر قسم کا تشدد اور ایذا رسانی برداشت کرلوں گا..... تم عورت ذات ہو..... وہ تمہیں درندگی اور بربریت کا نشانہ بنائیں گے۔"

"تم مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہو۔" فیتا کے جسم پر جھرجھری سی آ گئی۔ "مرد عورت کو بے بس پا کر ناگ بن جاتا ہے۔ تم جو کہو گے میں اس پر عمل کروں گی۔"

"تو پھر چل پڑو....." میں نے کہا۔ "ہمارے لئے ایک ایک لمحہ اہم اور قیمتی ہے۔"

میں اتنا کہہ کر برآمدے کی سیڑھیاں اتر کے چل پڑا۔ پھر وہ میرے پیچھے پیچھے خاموشی سے چل پڑی۔ میں نے چلتے چلتے غیر محسوس انداز سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا..... اس کا بشرہ اور آنکھیں جیسے مجھ سے کچھ کہہ رہی تھیں کہ میں تمہیں ایک عام سا آدمی کی طرح سمجھ رہی تھی لیکن اس وقت تم یک سر مختلف نظر آئے ہو..... تم ایک بہادر سپوت کی طرح چل رہے ہو..... تمہاری گردن کسی فاتح جرنیل کی طرح تنی ہوئی ہے..... چال بھی تیز اور ثابت قدمی سے..... تم عام قسم کے مرد نہیں ہو..... بلکہ ایک طاقت ور مرد ہو اور تمہارے جسم میں اتنی قوت ہے کہ تم نہایت آسانی سے اپنے دشمن کو تباہ کر دو گے.....

میں کوئی قیافہ شناس نہیں تھا..... چہرہ ایک آئینہ ہوتا ہے جس میں دل و دماغ کو پڑھا جا سکتا تھا۔

اس کے بشرے اور آنکھوں سے احساسات اور جذبات صاف محسوس ہو رہے تھے ایک بے نیاز اور بے پرواہ سی لڑکی کی طرح تھی جو حرکات و سکنات سے لگتا تھا اور لگا بھی تھا..... لیکن اس وقت یہ محسوس کر رہا تھا کہ اسے میری اہمیت اور میری بے پناہ طاقت کا احساس ہونے لگا ہے اپنے آپ کو ایک کمزور سی لڑکی سمجھنے لگی ہے..... اس نے جیسے دل ہی دل میں مجھے اپنا محافظ بنا لیا میرے متعلق اس کے جذبات میں پاکیزگی بھی کہ میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاؤں گا۔

مجھے چلنے کی رفتار کم کرنا پڑی..... کیوں ساڑی بلاؤز میں ملبوس ہونے کے سبب اس تیز سے چل نہیں سکتی تھی جس طرح میں چل رہا تھا..... کچھ اس طرح سے چل رہا تھا جیسے کوئی عفریت میں ہو..... لیکن اس نے مجھے کسی لمحے آہستہ چلنے نہیں کہا۔ وہ مجھ سے قدرے مرعوب تھی۔ اس اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ مجھے اپنے سے زیادہ کی حفاظت کا خیال ہے۔ وہ کوشش کر کے تیز چل تھی..... اس کے چلنے کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کبھی اتنا تیز نہیں چلی..... ایک تو اس کے سانسوں کا تلاطم ہچکولے کھا رہا تھا جس سے ساڑی بار بار شانے اور سینے سے ڈھلک جاتا تھا..... پھر چلتے چلتے پلو کمر میں اڑس لیا تھا..... وہ مجھ سے زیادہ دہشت زدہ تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ خوف اور دہشت کس طرح کم کروں.....؟

میں عجیب سے مخمصے میں پڑ گیا کہ دہشت کی میں بہک گیا تو میری ساری پارسائی اور پاکیزگی اچھوتا پن میلا اور پراگندہ ہو جائے گا.....؟ کروں..... اس کے سوا چارہ بھی تو نہیں.....؟

(جاری ہے)

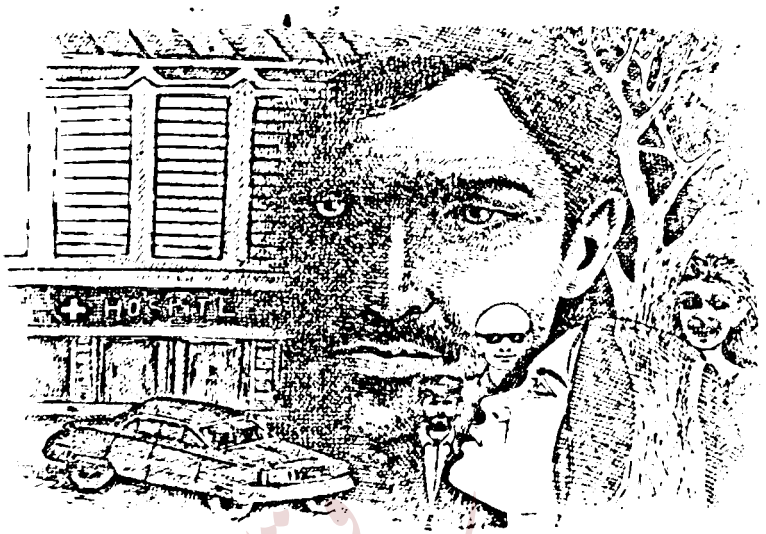

بھیانک رات

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اچانک اجنبی کی آواز گونجی۔ پہلے میں بیوقوفی کرتا تھا کہ ڈرا کر لوگوں کو چھوڑ دیتا تھا اور وہ دوسروں کو قصے سناتے پھرتے تھے مگر اب حکم ملا ہے کہ کسی انسان کو زندہ مت چھوڑو اور اتنا سننا تھا کہ

حوصلہ منداور ہوش مند لوگوں کے لئے دل گریفتہ عجیب وغریب سبق آموز کہانی

وہ ایک سرد اور تاریک رات تھی۔ شام سے ہی خنکی بڑھنے لگی تھی اور ہوا میں تیزی آ گئی تھی۔ خشک پتے اڑ، اڑ کر راستوں سے لپٹ رہے تھے۔ ہر چیز اندھیرے کی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ ایسے میں ایک گھنے درخت کے نیچے سے ایک سایہ حرکت میں آیا۔ یہ سایہ کسی محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں تھا۔ گھنے درختوں کے جھنڈ سے نکلتے ہی آسمان پر بجلی کڑکی اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہوگئی تھی جس میں وہ بھیگنے لگا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ میدان میں آیا تو بری طرح بھیگ چکا تھا۔ سرد رات، بھیانک تاریکی، موسلا دھار بارش سائیں سائیں کرتی ہوا، بادلوں کی گرج اور جنگل کا شور سب مل کر ماحول کو ایسے ہیبت ناک بنائے دے رہے تھے کہ انسان اپنے ہی دل کی دھڑکن سن کر ڈر جائے۔

اجنبی کی آنکھوں میں پریشانی کے سائے لہرانے لگے تھے، وہ چاروں طرف کسی ٹھکانے کی تلاش میں نظریں دوڑا رہا تھا کہ یکا یک بجلی زور سے چمکی، اس نے خوفزدہ نظروں سے زمین کی طرف لپکتے ہوئے شعلے کو دیکھا اور پھر اچانک اس کی آنکھیں خوشی سے دمکنے لگیں۔ لمحہ بھر کی روشنی میں اسے دور ایک عمارت نظر آئی۔ وہ تیزی سے اس سمت دوڑنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اسے ایک عظیم الشان عمارت کے کھنڈر دکھائی دینے لگے۔ تاریک رات میں یہ کھنڈر کافی پراسرار نظر آ رہا تھا۔ ''پراسرار حویلیوں کے بھوت، جنوں

کے ویران مسکن، پراسرار اور ویران جگہوں پر روحوں اور چڑیلوں کی موجودگی۔۔۔۔“ یہ تمام خیالات اسے ڈرائے دے رہے تھے۔ کھنڈر کے پاس پہنچنے پر وہ اندر داخل ہونے کے بجائے وہیں رک کر اس کا جائزہ لینے لگا۔

یہ پرانے وقتوں کی کسی حویلی کے کھنڈر تھے جن کا بیشتر حصہ اب تباہ ہو چکا تھا۔ یہ حویلی دو منزلہ تھی جس کی نچلی منزل کے کچھ حصے تو اچھی حالت میں موجود تھے مگر اوپری منزل کی گری ہوئی دیواریں ملبے کے ڈھیر اور ان کے ساتھ ٹکے ہوئے ستونوں کے ٹکڑوں سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ سب ملبے کے ڈھیر ہیں یا کوئی اصلی حالت میں بھی موجود ہے۔ حویلی کے اردگرد کبھی جنگل رہا ہوگا جس کے اب صرف آثار باقی تھے۔ اس کے اندر کچھ ٹنڈ منڈ سے ویران درخت تھے جابجا جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور زرد اور سیاہ پتے بکھرے پڑے تھے۔ درمیان میں ایک تالاب تھا جس میں اب بارش کا پانی جمع ہو رہا تھا۔ پانی پر سبز کائی کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ تالاب کے کناروں پر اور اردگرد بھی جگہ جگہ کائی پڑی تھی جو بارش سے پہلے یقیناً ایک دبیز تہہ کی صورت میں تالاب کے فرش پر موجود رہی ہوگی اور اب بارش سے صاف ہوتی جا رہی تھی۔ یہ تمام چیزیں ایک الف لیلوی ماحول پیدا کر رہی تھیں جن کی مناسبت سے خوفناک بلاؤں، بھوتوں اور روحوں کے ہیولے اس کے ذہن میں گردش کرنے لگے تھے اور وہ ابھی اندر جانے کی ہمت کر ہی رہا تھا کہ اسے ایک دھکا سا لگا اور وہ لڑکھڑا گیا۔

وہ تیزی سے پیچھے مڑا تو جنگل کی طرف سے آتے ہوئے تیز ہوا کے جھونکوں نے اسے ایک دفعہ پھر دہلا دیا، وہ کپکپا کر رہ گیا۔ حویلی کے اسرار میں کھو کر وہ اس بھیانک رات اور موسم کو بھول گیا تھا۔

آندھی کے آثار بہت واضح ہو چکے تھے اور اب وہ زیادہ دیر تک کھلے آسمان کے نیچے نہیں گزار سکتا تھا وہ ہمت کر کے آگے بڑھا اور حویلی میں داخل ہو گیا۔

داخلی دروازہ ٹوٹ کر گر چکا تھا۔ دو کمروں سے گزر کر وہ ایک ہال میں آ گیا، پتھروں سے بنی ہوئی چھت اور دیواریں اب سیاہ پڑ چکی تھیں۔ ہال کی مشرقی دیوار میں ایک آتش دان بنا ہوا تھا جس کے اندر اور اردگرد کافی تعداد میں سوکھی لکڑی پڑی ہوئی تھیں اور ساتھ ہی چقماق کے پتھر بھی پڑے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ حویلی پہلے بھی کسی کی پناہ گاہ رہی ہو۔ اس نے اپنا بیگ جس میں کافی قیمتی سامان موجود تھا کاندھے سے اتار کر ایک کونے میں رکھا۔ لکڑیاں اور چقماق کے پتھر اٹھائے اور ہال کے وسط میں آگ روشن کر کے اس کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے کپڑے خشک کرنے لگا۔

ابھی اسے بیٹھے ہوئے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا کمرے میں دو آدمی داخل ہوئے۔ وہ دونوں بھی اس رات کے موسم سے پناہ تلاش کرتے ہوئے یہاں آ گئے تھے۔ لیکن سامنے دو انسانوں کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی اس کے کہنے پر دونوں آدمیوں نے اپنا اپنا سامان اس کے سامان کے ساتھ ہی رکھ دیا اور آ کر اس کے ساتھ آگ کے گرد بیٹھ گئے۔ ”میرا نام فرحان ہے اور میں ایک سیاح ہوں۔ ایک خوبصورت گاؤں میں شام گزارنے کے بعد وہاں سے چلا تھا کہ جنگل میں بھٹک گیا اور پھر اس آندھی سے بچنے کے لئے یہاں پناہ لے لی۔“ اتنا کہہ کر وہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے آدمیوں کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”میرا نام احسان ہے۔ میں ایک شکاری ہوں اور شکار کی تلاش میں جنگل میں گھوم رہا تھا کہ یکایک موسم خراب ہو گیا۔ میں کوئی جگہ سر چھپانے کی ڈھونڈ ہی رہا تھا کہ جنگل کے کنارے مجھے یہ شخص بھی پریشان حالت میں مل گیا اور یوں ہم دونوں بھٹکتے، بھٹکتے یہاں تک پہنچ گئے اور اس افراتفری میں ابھی تک ہمارا ایک دوسرے سے تعارف بھی نہیں ہوا“ دونوں آدمیوں میں سے لمبے قد والا اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا اور پستہ قد والے آدمی نے بولنا شروع کیا۔

”میں ایک ماہر آثار قدیمہ ہوں۔ میرا نام ذیشان ہے اور میں بہت پرانی تباہ شدہ بستی کو ڈھونڈتے ہوئے یہاں آ گیا تھا۔“

ابھی تینوں آگے کچھ کہنے کے لئے سوچ ہی رہے تھے کہ ایک کھٹکا سا ہوا۔ تینوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا وہاں ایک غیر معمولی طور پر لمبا چوڑا شخص کھڑا

تا۔ اس کا چہرہ تمام جذبات سے عاری تھا۔ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ چلتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔

"لو بھئی ایک مسافر اور آ گیا لگتا ہے آج خوب محفل جمے گی اس ویرانے میں" احسان نے بڑی خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا فرحان اور ذیشان بھی مسکرا دیئے مگر نو وارد کا چہرہ ویسا ہی سپاٹ تھا۔ وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ اپنا بیگ کاندھے سے اتار کر اس نے اپنے پاس ہی رکھ لیا اور آتش دان سے ہاتھ سینکنے لگا۔ اس کے خاموش رہنے پر پہلے تینوں نے اپنا تعارف کروایا اور پھر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے اپنی بلی جیسی چمکتی آنکھیں آگ کے الاؤ پر سے ہٹائیں ایک طائرانہ نظر ان تینوں پر ڈالی اور بولا "میرا تعارف کوئی اہمیت نہیں رکھتا، بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ میری کوئی شناخت ہی نہیں ہے ایک آوارہ سا آدمی ہوں۔

اصل نام تو یاد ہی نہیں مگر لوگ مجھے "مرحوم" کہہ کر پکارتے ہیں، اتنا کہہ کر اس نے ایک دفعہ پھر اپنی نگاہیں آگ پر جمادیں۔

تینوں حیرت سے اسے دیکھنے لگے، کتنا عجیب نام تھا اور خود بھی کتنا عجیب تھا۔ ان سب کو وہ بہت پراسرار لگا۔

ذیشان جس کے بالکل ساتھ وہ اجنبی آ کر بیٹھ گیا تھا اس کی ریڑھ کی ہڈی میں نجانے کیوں سنسناہٹ سی ہونے لگی وہ کھسک کر تھوڑا دور ہو گیا۔

اسی وقت اچانک زوردار چیخ سنائی دی اور فضا میں عجیب سی آوازیں بکھرنے لگیں۔ ہال کی کھڑکی کے دونوں پٹ بری طرح آپس میں ٹکرائے اور ایک چمگادڑ چیختی ہوئی کھڑکی سے باہر نکل گئی۔ وہ ایک لمحے کو کانپ سے گئے سردی کا احساس کچھ زیادہ ہو گیا۔

"یہ آوازیں جنگلی جانوروں کی ہیں لگتا ہے آندھی بہت زور پکڑ گئی ہے۔" احسان نے باہر کی آوازوں کو غور سے سنتے ہوئے کہا۔

"اف توبہ کتنی بھیانک رات ہے۔" فرحان نے ہاتھ آگ کے قریب لے جا کر مسلتے ہوئے کہا۔

"مگر آپ لوگوں کے لئے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہونی چاہئے" چوتھے مسافر کی آواز کمرے میں گونجی تو تینوں حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"میرا مطلب ہے، ایک شکاری، ایک سیاح اور ایک ماہر آثار قدیمہ پھر آپ کی ڈھلتی ہوئی عمریں اور قیمتی سامان وغیرہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ لوگوں نے بہت دنیا دیکھی ہوگی اور آپ کے ساتھ کئی دلچسپ اور خوفناک واقعات بھی پیش آئے ہوں گے۔ خصوصاً چودھویں کی رات کے حوالے سے جو ایسے خوفناک واقعات کے لئے مشہور بھی ہے۔

"ہاں یہ بات تو تمہاری درست ہے میری زندگی بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے" ذیشان نے اس کی بات سن کر فخر سے کہا۔

"بھئی اگر ایسی بات ہے تو پھر تو میں بھی آپ کو اسی رات کے حوالے سے ایک ایسا خوفناک واقعہ سنا سکتا ہوں جو یقیناً آپ لوگوں کے لئے دلچسپ ہوگا" فرحان نے کہا۔

"یہ ٹھیک رہے گا ہم سب باری باری اپنے ساتھ پیش آیا ہوا کوئی واقعہ سناتے ہیں اس طرح وقت بھی دلچسپی سے کٹ جائے گا اور اس بھیانک رات کا احساس بھی کم ہوگا" فرمان کی تجویز کو سب نے سراہا اور یوں سب سے پہلے فرحان نے بتانا شروع کیا۔

"یہ چند سال پہلے کی بات ہے یہاں سے کافی دور ایک قصبہ ہے نوری آباد، میں چند دنوں کیلئے وہاں گیا تھا وہاں کے لوگ اکثر ایک بہت ہی پرانے قبرستان کا ذکر کرتے تھے جس کے ساتھ بہت سی پراسرار باتیں منسوب تھیں۔ وہ درختوں کے ایک طویل سلسلے کی دوسری طرف تھا مگر وہاں جانے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ لوگوں سے سن کر مجھے تجسس ہوا اس کے بارے میں جاننے کا چنانچہ میں نے وہاں جانے کا پروگرام بنالیا۔ میرا ارادہ رات کے وقت صرف باہر سے کھڑے ہو کر اس کا جائزہ لینے کا تھا۔ میں نے اپنا کیمرہ اور دوسرا سامان ساتھ رکھ لیا۔ اس رات چودھویں کے چاند کی روشنی اچھی خاصی تھی۔

میں قبرستان کی طرف چل دیا۔ میں کافی دیر چلتا رہا، درختوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور میدان میں جگہ جگہ جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں، رنگ و روپ سے بے نیاز ٹنڈ منڈ درخت کھڑے جھوم رہے تھے۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ فضا

میں ایک وحشت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہوا دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ درختوں کی کھوکھلی ٹہنیوں پر سے جب ہوا گزرتی تو ایک عجیب سی سنسناہٹ پیدا ہوتی جو سرسراتی ہوئی جنگلی گھاس اور جھاڑیوں کے ساتھ مل کر بڑا خوفناک تاثر دیتی اور ایسے میں کوئی اور وحشت کے عالم میں چیختا تو دل دہل جاتا۔ مجھ پر خوف طاری ہونے لگا تھا۔ میں آگے بڑھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ مجھ پر ایک نہایت ہی خوفناک انکشاف ہوا جس نے میرے رہے سہے ہوش بھی اڑا دیئے۔ میں جسے میدان سمجھ رہا تھا وہ دراصل قبرستان تھا۔ بہت وقت گزرنے کی وجہ سے قبریں زمین میں دھنس گئی تھیں۔ کتبے گر چکے تھے اور ان پر مٹی کی اتنی تہیں جم چکی تھیں کہ وہ مٹی کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔ درخت بھی سب ویران ہو چکے تھے اور جنگل گھاس اور جھاڑیوں نے زیادہ تر زمین کو چھپا رکھا تھا۔ ایسے میں سنگ مرمر کے ایک کتبے پر جس پر مٹی تو جمی ہوئی تھی مگر وہ گرا نہیں تھا بلکہ زمین میں گڑا ہوا تھا۔

نظر پڑتے ہی مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ میں اس وقت قبرستان کے وسط میں آدھی رات کے وقت اکیلا کھڑا ہوں۔ خوف کے مارے میں نے اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا مگر فوراً ہی مٹی میں چھپے ہوئے ایک کتبے سے ٹھوکر کھا کر دور سے فضا میں اچھلا تو زمین پر آ رہا۔ کچھ دیر میں یوں ہی پڑا رہا۔ پھر میں نے آنکھیں کھولیں تو ایک اور خوفناک انکشاف مجھ پر ہوا کہ میں اس وقت ایک قبر کے اندر گوشت پوست سے بے نیاز ہڈیوں کے ایک ڈھانچے کے اوپر لیٹا ہوا تھا۔

میرے اوسان خطا ہو گئے۔ حالت ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ خوف اور سردی کے مارے سارا جسم برف کی طرح سرد ہو گیا اور خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہوا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک تیز چیخ میرے حلق سے نکل گئی۔ ڈھانچے کے بازو میری کمر کے گرد لپٹے ہوئے تھے ان کا حلقہ تنگ ہونے لگا اور باریک باریک انگلیاں کھال میں اترتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ پورے جسم میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ ایک تو اس روح فرسا ویرانی نے مجھ پر دہشت طاری کر دی تھی اوپر سے اس نئی افتاد نے میری رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی۔ میں نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور بے سدھ پڑا رہا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا قبر کے اندر آتی ہوئی چاند کی روشنی کم ہو رہی ہے۔ پتھر کی سل آہستہ آہستہ سرک رہی تھی اور قبر کا دہانہ بند ہو رہا تھا۔ میرے دماغ میں جیسے گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ یعنی میں زندہ قبر میں دفن ہو رہا تھا۔

میں نے آخری دفعہ تمام ہمت جمع کی اور پورا زور لگایا کڑکڑ کی آواز کے ساتھ ڈھانچے کے بازو شانے کی ہڈیوں پر سے علیحدہ ہو گئے۔ میں تیزی سے کھڑا ہوا اور قبر کے اوپری حصے پر ہاتھ رکھتا ہوا اپنے پورے جسم کو باہر اچھال دیا۔ میرا جسم پتھر کی سل کے ساتھ رگڑ کھاتا ہوا باہر گر گیا۔ میرے باہر نکلتے ہی سل نے قبر کے منہ کو پوری طرح ڈھانپ لیا۔ یکا یک ہوا میں تیزی آ گئی، مٹی اور ریت اڑنے لگی میں نے قصبے کی طرف دوڑ لگا دی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ صبح تک مٹی قبر کو چھپا دے گی اور میں دن کی روشنی میں یعنی اسے دوبارہ نہیں ڈھونڈ سکوں گا۔ یہ میری زندگی کا ناقابل فراموش ترین واقعہ تھا جسے اب بھی یاد کر کے میں کانپ جاتا ہوں" فرحان نے اپنا واقعہ ختم کیا تو احسان، ماجد اور ذیشان دم بخود بیٹھے تھے۔ واقعہ ختم ہونے پر اس کے خیال سے انہیں جھرجھری آ گئی۔ مگر چوتھا آدمی جس نے اپنا نام "مرحوم" بتایا تھا حیرت انگیز طور پر پرسکون تھا۔

اب ذیشان نے کہنا شروع کیا۔ "یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں افریقہ میں تھا۔ میں ایک قدیم عمارت کے کھنڈر کی تلاش میں تھا جس میں میری معلومات کے مطابق بہت بڑا خزانہ دفن تھا مگر اب تک کوئی اسے ڈھونڈ نہیں سکا تھا۔ بہت عرصے تک مارے مارے پھرنے کے بعد ایک دن اچانک ہی ایک قبائلی آدمی نے مجھے وہاں تک کا راستہ تو بتا دیا مگر ساتھ چلنے پر رضامند نہ ہوا۔ میں اکیلا ہی روانہ ہو گیا۔ وہ عمارت بہت زیادہ گھنے درختوں کے جھنڈ میں چھپی ہوئی تھی جس تک پہنچنے کا واحد راستہ ایک پتلی سی پگڈنڈی تھی جو دونوں طرف سے دلدلی زمین میں گھری ہوئی تھی۔ بڑی دقتوں کے بعد میں آخرکار اس عمارت تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ایک چھوٹی سی عمارت تھی جو کہ اب کھنڈر میں تبدیل ہو چکی تھی اس کا درمیانہ بڑا گنبد کافی حد تک سلامت تھا۔ اس میں جگہ جگہ شگاف تھے مگر وہ ابھی

عمارت کی شکستہ دیواروں پر ٹکا ہوا تھا وہاں تک پہنچتے پہنچتے سورج تو ویسے ہی غروب ہو چکا تھا اور درختوں کے جھنڈ کی وجہ سے چاند بھی اسے منور کرنے میں ناکام تھا۔

میں نے قبائلی آدمی کی دی ہوئی مشعل جلائی اور صدر دروازے سے عمارت کے اندر داخل ہوگیا۔ دروازہ تو وہاں موجود تھا البتہ ایک خلا سا تھا۔ اندر کا ماحول بڑا وحشت ناک تھا جگہ جگہ مکڑی کے قد آدم جالے لگے ہوئے تھے۔ چھت کے ساتھ کئی چمگادڑیں الٹی لٹکی ہوئی تھیں، فرش پر بے شمار حشرات الارض اور چوہے ادھر ادھر رینگ رہے تھے پھر مشعل کی روشنی میں یہ عام چیزیں اور خوفناک لگ رہی تھیں اوپر سے فضا پر چھایا ہوا مہیب اعصاب شکن سناٹا میرے حواس پر طاری ہو رہا تھا مجھے وحشت سی ہونے لگی۔ ایک انجانا سا خوف محسوس ہوا میرا دل چاہا کہ واپس لوٹ جاؤں مگر اتنی مشکلوں کے بعد یہاں تک پہنچنے کے بعد یوں میں واپس نہیں جاسکتا تھا میں ہمت کر کے آگے بڑھا اور کمرے سے نکل کر ملحقہ راہداری میں آگیا۔ راہداری کے دونوں طرف کمرے تھے۔

میں ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا ہوں گا کہ ایک تیز گونجتی ہوئی چیخ میری سماعت سے ٹکرائی۔ میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ چیخ کہیں آس پاس سے ہی آئی تھی مگر راہداری بالکل خالی تھی۔ ابھی چیخ کی بازگشت بھی ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک اور دلخراش چیخ فضا میں بلند ہوئی اور پھر تو اوپر تلے چیخوں کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوگیا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے عمارت کے در و دیوار لرزنے لگے ہوں میں خود یوں کانپنے لگا جیسے میرا سارا وجود زلزلے کے جھٹکوں کی زد میں ہو، میں ہراساں ہو کر واپس بھاگنے ہی والا تھا کہ۔

اچانک میری نظر ایک کمرے کے اندر پڑے ہوئے لمبے چوڑے صندوق پر پڑی۔ "خزانہ" میرے دماغ میں چھماکا سا ہوا اور میں ہر چیز کو بھول کر کمرے میں داخل ہوگیا۔

صندوق کا زنگ خوردہ قفل ٹوٹ کر پہلے ہی نیچے گر چکا تھا۔ میں نے پوری طاقت صرف کر کے صندوق کا ڈھکنا اٹھایا۔ جیسے ہی صندوق کھلا ایک دم تمام شور ختم ہوگیا اور فضا پر ایک دفعہ پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔ اندر نظر پڑتے ہی میری نظریں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں صندوق لبالب قدیم اور قیمتی جواہرات اور سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔

ابھی میں غیر یقینی کے عالم میں یہ خزانہ دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ منظر میری نظروں نے دیکھا جو کہ اب بھی نگاہوں کے آگے آجائے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میرے سامنے یکایک تمام ہیرے جواہرات اور اشرفیاں اوپر اٹھیں اور فضا میں بکھر گئیں اور ایک دیو ہیکل انسان صندوق میں سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

اُف توبہ۔۔۔ اتنا خوفناک چہرہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس کا رنگ توے کی طرح سیاہ تھا۔ آنکھوں سے سرخ چنگاریاں پھوٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کی زبان سختی سے بھینچے ہوئے جبڑوں کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار تھی اور اس کے کپڑوں پر ایک مخصوص نشان بنا ہوا تھا جو قدیم افریقی بادشاہوں کے محافظوں کے لباس پر بنا ہوتا تھا۔ وہ بڑی غضب ناک نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر سردی کے باوجود میں پسینے میں نہا گیا۔

پورے جسم پر جیسے چیونٹیاں سی رینگنے لگیں خون رگوں میں جمنے لگا اور چہرہ روئی کے گالے کی طرح سفید ہوگیا۔ ایک لمحے کو تو مجھے لگا کہ میرا دل دھڑکنا بھول گیا ہے پھر اچانک جیسے مجھے ہوش آگیا اور میں الٹے پاؤں واپس بھاگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کس طرح گرتا پڑتا اپنے کیمپ تک پہنچا مگر اسی وقت میں وہاں سے اپنا خیمہ اٹھوا دیا اور پھر شہر پہنچ کر ہی دم لیا۔ چودھویں کی وہ رات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔"

ذیشان خاموش ہوا تو فرحان اور احسان احمد یوں بیٹھے ہوئے تھے جیسے ان پر سحر ہوگیا ہو مگر چوتھا مسافر اب بھی ویسا ہی نارمل تھا۔

احسان احمد نے کہنا شروع کیا "آپ دونوں حضرات نے دل ہلا دینے والے واقعات سنائے ہیں ایسا کوئی واقعہ میری زندگی میں پیش نہیں آیا البتہ ایک ایسا واقعہ میرے ساتھ پیش آیا تھا جس نے کم از کم مجھے خوف زدہ کر دیا تھا اور وہ رات بھی چودھویں کی ہی تھی، میں ایک درخت کے مچان پر بیٹھا تھا، سامنے ایک درخت کے نیچے

میں نے ایک بکری باندھی تھی اور شیر کے شکار کے لئے گھات لگائے بیٹھا تھا میں بدستور بکری کی طرف دیکھ رہا تھا یکدم پلک جھپکتے ہی بکری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

میں نے آنکھیں مل کر دیکھا تو بکری کے بجائے شیر کھڑا تھا، میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ میں نے اپنے جسم میں چستی بھی بھری اور خوب آنکھیں مل مل کر دیکھا مگر سامنے شیر ہی کھڑا تھا اور بکری غائب تھی۔ میرے جسم کے مساموں سے ٹھنڈا پسینہ پھوٹ نکلا اور سارا جسم کپکپانے لگا۔ میرے ہاتھوں میں بندوق لرزنے لگی اور یکدم پھسل کر نیچے گر گئی، میں بوکھلاہٹ میں نیچے کی طرف جھکا اور خود بھی توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نیچے آرہا۔

شیر اپنی انگارہ سی دہکتی آنکھوں سے گھورتا ہوا میری طرف بڑھا۔ مجھے اپنا دم نکلتا ہوا محسوس ہوا۔

میں باوجود کوشش کے جنبش بھی نہ کر سکا، شیر جیسے ہی میرے پاس پہنچا، یکایک فضا انجانے قہقہوں سے گونج اٹھی اور شیر دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں میں تبدیل ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی آوازیں تھم رہ گئیں اور بکری مجھے پھر درخت سے بندھی نظر آنے لگی۔ اس کے بعد ساری رات خیر وعافیت سے گزری مگر وہ لمحات میری زندگی کے سب سے خوفناک لمحات تھے۔

میرا خیال ہے کہ وہ کوئی بدروح یا جن تھا جو مجھے پریشان کررہا تھا۔ احسان احمد نے بات ختم کی تو تینوں چوتھے مسافر کی طرف دیکھنے لگے۔

باہر اب بارش تھم چکی تھی اور آندھی کا زور بھی کم ہوگیا تھا چوتھے مسافر نے آگ پر سے نظر ہٹائیں اور ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولنا شروع کیا "میری زندگی میں ایسے بے شمار خوفناک واقعات ہیں اور میں اس دوران بہت سے لوگوں سے ملا ہوں مگر چونکہ اس وقت آپ تینوں یہاں پر موجود ہیں تو اس لئے آپ کے حوالے سے بات کرتا ہوں۔ دراصل اتفاقاً میں بھی ہمیشہ چودھویں کی رات کو ہی اپنی دنیا سے باہر نکلتا ہوں۔"

"اپنی دنیا کیا مطلب؟" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ حیرت کے مارے نکلا۔

"اگر آپ لوگ خاموشی سے سنیں تو میں سناؤں" اس نے شعلہ بار نگاہوں سے تینوں کو گھورا تو جیسے تینوں کی زبانوں کو تالے لگ گئے، انہیں اپنے جسم میں سنسناہٹ ہی محسوس ہوئی اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "ایسی ہی ایک چودھویں کی رات تھی جب میری ملاقات فرحان صاحب سے ہوئی تھی، جب میں ایک قبر میں ڈھانچے کی شکل میں آرام کررہا تھا۔ ہاں شیر اور بکری کا بھیس بدلنے میں تو مجھے اتنا لطف نہیں آیا تھا مگر مردے کی صورت میں ذیشان صاحب سے ملاقات خوب تھی۔ اس کے بعد میں آج ہی انسانوں کی دنیا میں آیا ہوں" یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا مدمقابل بیٹھے ہوئے تینوں اشخاص کی حالت غیر ہوچکی تھی۔ اس کے حلیے، پراسرار انداز اور باتوں سے انہیں پورا یقین ہوچکا تھا کہ وہ کوئی انسان نہیں ہے اس احساس سے ان کے چہرے بالکل فق ہوگئے تھے اور پورا وجود کپکپا رہا تھا مگر اپنی جگہ سے ہلنے کی ہمت نہیں ہورہی تھی۔

اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "پہلے میں بیوقوفی کرتا تھا کہ ڈرا کر لوگوں کو چھوڑ دیتا تھا اور وہ دوسروں کو قصے سناتے پھرتے تھے مگر اب حکم ملا ہے کہ کسی انسان کو زندہ مت چھوڑو" اس نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ وہ تینوں حضرات یوں اٹھے جیسے ایک دم جسم میں بجلی بھر گئی ہو۔ ان کے اور سامان کے درمیان وہ پراسرار اجنبی حائل تھا اور کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ سامان کی طرف بڑھتا۔

اجنبی کے کھڑے ہونے سے پہلے وہ تینوں پوری رفتار سے بھاگتے ہوئے حویلی سے باہر نکل کر کافی دور جاچکے تھے ان کے جانے کے بعد اجنبی کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ کھیلنے لگی اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور سامان کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑانے لگا "واہ میاں ٹھگ چھوٹے موٹے ہاتھ دکھاتے ہوئے آج اس ویرانے میں اتنا بڑا ہاتھ مار لیا" اس نے تیزی سے سامان جمع کرکے ایک چادر میں باندھا۔ "اب مجھے جلدی سامان لے کر یہاں سے نکل جانا چاہئے" اس نے سوچا اور تیزی سے دروازے سے نکل کر بھاگ کھڑا ہوا۔

موت کی پکار

فیصل ندیم ساحل۔شیخوپورہ

رات کے اندھیرے میں جو شخص بھی پڑھنے کے لئے کہانی کو اپنے سامنے رکھتا کہ اچانک کہانی میں سے ایک ڈراؤنا ہیولہ نمودار ہوتا اور وہ سامنے والے کو اپنے شکنجے میں جکڑلیتا۔

ڈر کے لبادے میں چھپی ہوئی ذہن سے محو نہ ہونے والی حیرت انگیز اور تحیر انگیز حقیقی روداد

"کیا بات ہے ساون! تم اتنے پریشان کیوں دکھائی دے رہے ہو آج؟" کبیر نے پوچھا۔

ساون نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بولا۔ "کچھ نہیں یار بس ایسے ہی۔"

کبیر پھر سے گویا ہوا۔

"کچھ تو ہے بتاؤ آخر کیا بات ہے جو تمہیں اتنا پریشان کیے ہوئے ہے؟"

"یار کیا بتاؤں اس مرتبہ پھر میری لکھی ہوئی کہانی کوئی رنگ نہ جما سکی۔ اتنی محنت سے لکھی تھی اور جب شائع ہوئی تو کسی نے کوئی رائے نہ دی، کہانی کے بارے میں جبکہ باقی تمام رائٹرز کی اسٹوریاں بہت اچھی طرح کامیاب رہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" ساون تم کوشش کرتے رہو، دیکھنا ایک نہ ایک دن تمہاری لکھی ہوئی کہانی کی

پورے ملک میں دھوم مچ جائے گی اور سب کی زبان پر ایک ہی نام ہوگا۔" ساون۔" کبیر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ کبیر یہ کہہ کر وہاں سے گھر آ گیا۔

کبیر ساون کا دوست تھا اور یہ دونوں ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ ساون کو کہانیاں لکھنے کا بہت شوق تھا۔ جنوری 2009ء سے لے کر اگست 2009ء تک آنے والی اس کی ساری کہانیاں بہت اچھی رہیں اور ان کی وجہ سے ساون کا نام بڑے رائٹرز میں شمار ہونے لگا تھا مگر اس کے بعد سے لے کر اب تک اس کی جتنی بھی کہانیاں آئیں وہ سب فلاپ رہیں۔ کوئی بھی کہانی اچھا تاثر پیش نہ کر سکی۔ ایک نامور رائٹر کے لئے یہ بڑے دکھ کی بات تھی کہ اسے چاہنے والے کسی اور کو چاہنے لگیں اور جس نام کو بنانے کے لئے اس نے دن رات ایک کر دیا ہو، وہ ریت کے ذرات کی طرح بکھر جائے۔

اگلے ماہ پھر سے ساون کی کہانی ڈائجسٹ کا حصہ بنی اور بری طرح ناکام رہی، ساون کو جتنی اس کہانی سے توقع تھی وہ دس فیصد بھی اس پر پورا نہ اتر سکی۔ اس خبر نے ساون کو خاصا مایوس کر دیا۔ ڈائجسٹ کے چیف ایڈیٹر نے بھی اس بار ساون کو خاصا تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ" وہ کسی معمولی سے رسالے یا میگزین میں اسٹوری نہیں لکھتا بلکہ اس ملک کے سب سے بڑے اور مشہور ڈائجسٹ میں لکھتا ہے اور پے در پے کہانی کا فلاپ ہونا ہمارے ادارے کے لئے خطرہ ہے۔ اگر وہ کہانی معیاری نہیں لکھ سکتا تو کہانی لکھنا ہی چھوڑ دے تو اچھا ہوگا۔"

آج پھر ساون کبیر کے پاس بیٹھا تھا۔ کبیر نے پوچھا۔" ساون کیسی رہی اس ماہ تمہاری لکھی ہوئی کہانی؟"

ساون نے جواب دیا۔" بس اسی کا تو رونا رو رہا ہوں، کیا بتاؤں اس مرتبہ پھر سے کہانی بری طرح ناکام رہی اور اس بار تو ایڈیٹر صاحب نے بھی کھری کھری سنا دی ہیں۔ میرا تو دل کرتا ہے کہانی لکھنا ہی چھوڑ دوں، تنگ آ گیا ہوں، اس روز روز کی تنقید سے۔"

وہ بھی ایک وقت تھا جب لوگ ساون کی کہانی کا انتظار کرتے تھے اور آج کوئی پڑھنے کو تیار نہیں ہے۔

کبیر نے ساون کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔" دیکھو ساون وقت ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور انسان کو وقت کے ساتھ ساتھ بدلنا چاہئے، ہو سکتا ہے تمہاری کہانی میں لوگوں کو اب وہ خوف و حیرت محسوس نہ ہوتا ہو جسے وہ پڑھنا سننا چاہتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہر شخص کا مزاج بدلتا رہتا ہے۔

اس لئے کچھ ایسا لکھو جو کہ پڑھنے والوں کو چونکا کر رکھ دے اور انہیں حیرت کی وادیوں میں لے جائے۔ پھر دیکھنا وہی لوگ جو تمہاری کہانی نہیں پڑھتے تمہاری کہانی کا انتظار کیا کریں گے۔ مگر بشرط کہ کچھ نیا کرو۔"

ساون وہاں سے اٹھ کر کھیتوں کی جانب چل دیا۔" کافی سوچ بچار کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس ماہ کہانی نہیں دے گا ڈائجسٹ میں اور ایک ایسی کہانی لکھے گا جس کی طویل عرصہ تک دھوم مچی رہے گی۔

کچھ دنوں تک وہ کہانی کا موضوع سوچتا رہا اور اسے اپنے ذہن میں رد و بدل کرتا رہا آخر جب اس نے جان لیا کہ اب کہانی میں جان آ چکی ہے تو اس نے کہانی لکھنے کا فیصلہ کیا اور ساتھ میں یہ بھی ذہن میں رکھا کہ اس کہانی میں جلد بازی نہیں کرنی، یہ کہانی بڑے آرام سے اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر اس کے الفاظ کو استعمال کرنا ہے۔ اس نے اس خاص وقت اور خاص طور پر جگہ کا اہتمام کیا۔ گھر سے دور ویرانے میں ساون نے ایک جھونپڑی تیار کی اور اس میں چھت سے لے کر دیواروں تک جو کہ گھاس وغیرہ کی بنی ہوئی تھی، پردوں سے ڈھک دیا۔ اس جگہ پر کسی کا آنا جانا نہیں تھا اور ویسے بھی لوگ ویرانوں میں جانے سے اکثر ڈرتے تھے اس لئے ساون کو اس کی آئیڈیل جگہ مل گئی۔

آج اسے کہانی لکھنے کی شروعات کرنی تھی، اس لئے وہ دن بھر سوتا رہا اور پھر جب اس نے دیکھا کہ سارا عالم نیند کی آغوش میں جا چکا ہے تو وہ چپکے سے گھر کا دروازہ کھول کر ویرانے کی جانب چل پڑا۔ اپنی جھونپڑی میں پہنچ کر اس جھونپڑی میں موجود سیاہ اندھیرے کو موم بتیاں جلا کر جھونپڑی سے دور کر دیا۔

جھونپڑی میں اجالا ہوگیا۔ آس پاس کے ماحول میں بھی کافی وحشت جاگی تھی مگر جھونپڑی میں اجالا ہونے کے بعد اس ویرانے میں ایسا لگ رہا تھا جیسے روحوں کی محفل اپنے عروج پر ہے۔ مگر کچھ بھی تھا ساون کو اس کا مطلوبہ شاہکار مل گیا تھا۔ وہ جھونپڑی کا دروازہ بند کرکے آس پاس جلتی ہوئی موم بتیوں کے پاس بیٹھ گیا۔ اپنے اردگرد موم بتیوں کی جانب ایک نظر دوڑائی اور پھر کاغذ قلم تھام کر کہانی کا نام لکھا۔ ''موت کی پکار.....!''

اس کے بعد کہانی نے اپنا خوفناک سفر شروع کردیا۔ ساون سوچ سوچ کر قلم چلائے جارہا تھا اور دہشت کا بھرپور تبصرہ کئے جارہا تھا۔ آخر ایک صفحہ مکمل ہوا اور دوسری جانب سے اذان کی آواز سنائی دی، سحر نے اپنے وجود میں آنے کی پیش گوئی کردی، رات بھر جلتی رہنے والی موم بتیاں بھی اب زندگی کی بازی ہار چکی تھیں۔ ساون نے اپنا سامان سنبھالا اور گھر چلا آیا۔

سلسلہ وہی رہا دن بھر ساون سوتا رہا نہ کسی سے ملتا نہ گھر سے بغیر کام کے باہر جاتا۔ رات ہوتے ہی وہ کہانی لکھنے کے لئے جھونپڑی میں چلا جاتا۔ تقریباً 10 دن کی انتھک محنت سے کہانی آدھی مکمل ہوگئی۔ ساون کو اس کہانی سے بہت امیدیں وابستہ تھیں اور اس کا دل بھی یہی کہتا تھا کہ ضرور یہ کہانی اسے شہرت کی بلندیوں تک پہنچادے گی۔ آخر کار ساون کو کہانی لکھتے ہوئے 25 راتیں ہوچکی تھیں اور کہانی کو مکمل کرنے کی لگن اسے ہر روز رات کو ویرانے میں موجود جھونپڑی میں لے جاتی۔

ویسے آج ساون بہت بے چین تھا کیونکہ آج کہانی مکمل ہونے والی تھی اور آج کہانی لکھتے ہوئے 28 ویں رات ہونے والی تھی۔

ساون نے سارا دن سوتے ہوئے گزارا اور رات ہوتے ہی اپنے مقررہ وقت پر جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ آج رات موسم یکسر بدل چکا تھا بادلوں نے آسمان کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی طوفانی جھکڑ چلنا شروع ہوجائیں گے۔ لیکن ساون اندھیر نگری میں تن تنہا ہی موم بتیاں جلائے کہانی کے آخری صفحہ لکھنے میں مشغول ہوگیا۔

رات کے پچھلے پہر جب کہ اس کی کہانی مکمل ہونے ہی والی تھی کہ زبردست آندھی سے جھونپڑی میں روشن ساری موم بتیاں بجھ گئیں۔

ساون کو یہ معاملہ کچھ عجیب سا لگا مگر اس نے اس کی جانب بالکل بھی دھیان نہ دیا اور اپنے کام کو پورا کرنے کے لئے اس نے دوبارہ موم بتیاں روشن کردیں اور کچھ ہی دیر بعد اس نے کہانی کا اختتام کردیا۔

کہانی کے پورے ہوتے ہی ساون کو دلی خوشی ہوئی اور اس نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے اپنے ہاتھ سر پر رکھے۔

اسی اثناء میں ایک دم تیز بارش ہونے لگی اور طوفانی جھکڑ چلنا شروع ہوگئے۔ یہ سلسلہ آخر کار صبح تک چلتا رہا اور جیسے ہی سورج نے اپنی پہلی کرن سے علاقے کو روشن کیا بارشیں اور طوفان ختم ہوگئے۔ ساون نے اپنا سامان اٹھایا اور گھر آ گیا۔

ماہ فروری میں اس بار ساون کی کوئی کہانی نہیں شائع ہوئی تھی کیونکہ اس نے سارا وقت اپنی اس خوفناک کہانی ''موت کی پکار'' کو لکھنے میں صرف کیا تھا۔

ساون نے کہانی کو بڑے آرام سے اور پرسکون جگہ پر بیٹھ کر لکھا تھا اس لئے اسے اسٹوری پر پورا یقین تھا کہ یہ ضرور شہرت حاصل کرے گی، ساون نے یہ کہانی اب مارچ کے شمارے میں دینے کا ارادہ کیا۔

اس لے ساون کو اگلے شمارے کے آنے تک کا انتظار کرنا تھا اور پھر مہینہ گزر گیا۔ اور ساون نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے مزین کہانی چھپوانے کے لئے بھیج دی۔ اس کو کہانی پر یقین تو تھا ہی مگر وہ اس کی مقبولیت کو دیکھنے اور سننے کے لئے بڑا بے چین تھا۔ اور پھر فروری کی 26 تاریخ کو آخر مارچ کا نیا شمارہ مارکیٹ میں آ گیا اس سے قبل ہی ساون کو ایڈیٹر صاحب کی طرف سے کہانی کے سپرہٹ ہونے کی پیشگی مبارکباد کا فون آچکا تھا۔

شمارے میں ساون کا نام دیکھ کر لوگوں نے سوچا کہ ضرور اس بار زبردست کہانی ہوگی۔ اور شاید ایسا ہی ہوا۔

مگر 26 فروری کی رات کو ہی ساون کو ایک چونکا

دینے والی کال آئی ایڈیٹر کی طرف سے۔ ایڈیٹر کا کہنا تھا کہ پبلشر پراسرار طور پر مرگیا ہے۔ کسی کی کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ اسے کیا ہوا تھا۔ مگر بتلانے والوں نے بتایا ہے کہ جب یہ شمارہ چھپ چکا تھا تب پبلشر نے ایک شمارہ بطور پڑھنے کے لئے لیا تھا اور اپنے آفس میں جاکر بیٹھ گیا تھا۔ کچھ ہی گھنٹوں بعد جب کوئی آدمی کسی کام کے سلسلے میں آفس کے اندر گیا تو اس نے چلانا شروع کردیا۔ باقی لوگوں کی وہاں موجودگی کے بعد دیکھا گیا کہ مرنے والے کی آنکھوں سے خون بہہ کر گال تک آیا ہوا ہے۔ اور اس نے جو کہانی کھول کر پڑھنے کے لئے رکھی تھی، وہ تمہاری کہانی تھی۔ ''موت کی پکار۔''

ساون نے کچھ سوچتے ہوئے فون بند کردیا اور بڑبڑانے لگا۔ ''میری کہانی میں ایسا کیا تھا جو اس کی موت کا سبب بنا۔''

آخر کار رات ہوئی اور ساون کہانی کو لے کر خاصا پریشان دکھائی دینے لگا۔ مگر پھر اس نے خود ہی اپنے ذہن سے اس خیال کو رد کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں..... نہیں ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔''

اگلے روز ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی چیف ایڈیٹر کو 3 سے چار فون آئے اور اس میں لوگوں نے جو بات انہیں بتائی وہ حقیقت تسلیم کرنا بہت مشکل تھا۔

یہ کہا کہ ''ایک لڑکی آپ کا ڈائجسٹ جو اس ماہ شائع ہوا ہے پڑھتی ہوئی مرگئی ہے اور اس کی آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا، مزید یہ کہ جو کہانی وہ آپ کے ڈائجسٹ میں پڑھ رہی تھی وہ کسی ساون نامی رائٹر کی تھی۔ ''موت کی پکار۔'' باقی جو فون آئے ان میں بھی اسی قسم کا ذکر کیا گیا تھا کہ مرتے وقت وہ کہانی ''موت کی پکار'' ہی کھلی پڑی تھی۔ مرنے والے کے ہاتھ میں۔

ملک بھر میں ان ناگہانی اموات کا سلسلہ بڑھتا چلا جارہا تھا۔ اموات کی اس دلخراش حقیقت سے کوئی آشنا نہ تھا۔ اموات کا سلسلہ زیادہ ہوا تو ٹی وی اخبار والے بھی اس قسم کی ہونے والی موت کی خبریں متواتر عوام تک پہنچانے لگے، ماہرین کہانی کے پوائنٹ کو لے کر تبصرے کرنے لگے اور اب تک جو بات سب سے زیادہ لوگوں کے ذہن میں ابھری تھی وہ یہ تھی کہ ''موت کی پکار'' کہانی ہی ان اموات کی اصل وجہ ہے۔''

جو بھی ساون کی وہ کہانی پڑھتا ہے وہ پراسرار طور پر مردہ پایا جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ساون کی لکھی ہوئی کہانی ''موت کی پکار'' ہی کھل پڑی ہوتی ہے۔

ساون کی خواہش پوری ہوگئی کیونکہ اس کی لکھی ہوئی کہانی کی پورے ملک میں دھوم مچ گئی تھی، ہر کہانی پڑھنے والے کی زبان پر صرف ساون کا نام تھا اور اس کو یہ تو ہرگز امید نہ تھی کہ اس کی کہانی کے تجزیے اخبارات اور ٹی وی وغیرہ پر بھی ہوں گے۔ مگر ایسا ہورہا تھا۔

ایڈیٹر نے کچھ رائٹروں کو آفس میں بلوایا اور سب سے اس بارے میں رائے لی۔ ساون نے ایڈیٹر سے کہا۔ ''ان اموات کو روکنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ اس ماہ کے شمارے میں ڈائجسٹ کی جتنی بھی کاپیاں پورے ملک میں فروخت کے لئے بھیجی گئی ہیں انہیں واپس لاکر جلادیا جائے اور دوسرا یہ کہ ٹی وی، اخبارات میں خبر دے دی جائے کہ کوئی بھی شخص اس ماہ کا شمارہ ''دہشت کی فضا'' نہ کسی کو آگے بیچے نہ کوئی اس میں موجود کہانی ''موت کی پکار'' پڑھے۔

لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔ پورے ملک میں کہانی کی یہ خبر ایک سنسنی خیز خبر بن چکی تھی۔ لہٰذا جس جس نے بھی وہ شمارہ خریدا تھا۔ اس نے اسٹال پر واپس کردیا اور اسٹال والوں نے اسے آگے بیچنا بند کردیا۔

ساون نے پورے اسٹاف اور ایڈیٹر صاحبان کے ساتھ مل کر آخر کار وہ شمارہ واپس اکٹھا کرلیا اور اسے گاڑیوں میں لاد کر کسی ویران جگہ پر لے گئے۔

ساون نے مشورہ دیا کہ اس کو یوں نہ جلایا جائے بلکہ اس کے لئے کوئی بڑا سا گڑھا کھودا جائے جس کے اندر اسے جلا کر اوپر سے مٹی ڈال دی جائے تاکہ یہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔

اور پھر ایسا ہی کیا گیا۔ شمارے کو گڑھے میں ڈال کر جلادیا گیا۔ پوری طرح جل جانے کے بعد گڑھے میں

مٹی ڈال کر اسے بھر دیا گیا، یوں شمارے کا خاتمہ کر دیا گیا۔

ساون کو اس شمارے کے جلنے کا بہت افسوس ہوا تھا کیونکہ اس نے شمارے میں لکھی اپنی کہانی ابھی تک نہ پڑھی تھی جس کی خلش اسے بے چین کیے جا رہی تھی مگر جب سب لوگ وہاں سے چلنے کے لئے گاڑی میں بیٹھنے لگے تو اچانک ساون کی نظر دور پڑے ہوئے ایک شمارے کی جانب پڑی تو اس نے کسی کو خبر کیے بغیر شمارہ اٹھا کر بغل میں چھپا لیا۔ راستے میں آتے ہوئے ایڈیٹر نے کہا۔ ''شکر ہے کہ اس مصیبت سے تو جان چھوٹی ورنہ نہ جانے اور کتنی اموات ہوتیں، پڑھنے والوں کی؟ چلو اچھا ہوا اب کوئی اور موت تو نہیں ہوگی۔''

ساون ان سب سے بے نیاز چاپ چاپ اپنی ہی سوچوں میں گم بیٹھا تھا۔ آخر سب باری باری اپنی منزل پر اترتے گئے اور ساون بھی اپنے گھر واپس آ گیا۔ ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے سب کو بتا دیا گیا کہ شمارہ جلا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اتنی ہلاکتیں ہوئی تھیں۔

رات ہوتے ہی ساون نے اپنے کمرے کی تنہائی میں ڈائجسٹ پر نظر دوڑائی اور اپنی لکھی ہوئی کہانی ''موت کی پکار.....'' پڑھنا شروع کر دی۔

رات 1 بجے تک ساون پوری کہانی پڑھ چکا تھا۔ مگر اس کے ذہن میں یہ بات چل رہی تھی کہ ''ایسا تو کچھ نہیں ہے اس کہانی میں جس کی وجہ سے کسی کی موت ہو جائے۔'' اور ساون نے ڈائجسٹ میز پر رکھا اور اپنے بستر پر سونے کے لئے لیٹ گیا۔

رات کا آخری پہر چل رہا تھا کہ ساون نے کروٹ لی اور اس وقت دھندلی خوابیدہ آنکھوں کے سامنے اس کو کچھ عجیب سا چہرہ دکھائی دیا۔ ساون نے جب اپنی کھلتی آنکھوں سے دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

اس کی نظروں کے سامنے اس کے بستر کے ایک طرف ایک نہایت ہی بدصورت آتما بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ساون کو چیختا چلاتا دیکھ کر خوب زور سے ہنسی اور غائب ہو گئی۔ اتنی دیر میں ساون کے گھر والے اس کے کمرے میں پہنچ گئے تھے، ساون خوف کے عالم میں انہیں کچھ بتا نہیں پا رہا تھا۔

صبح کے وقت ساون نے گھر والوں کو بتایا کہ اس طرح اس کے بستر پر ایک آتما بیٹھی تھی۔ گھر والوں نے اس کی باتوں پر بالکل یقین نہ کیا اور کہا کہ تم نے ضرور کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہوگا۔''

اگلی رات پھر ایسا ہی ہوا۔ آتما پھر سے اس کے بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ساون پھر سے چلایا اور اس طرح یہ ہر روز کا معمول بن گیا، گھر والے سمجھنے لگے کہ ''ساون پاگل ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ایسی باتیں کرتا ہے اگر کوئی آتما ہے تو وہ باقی گھر والوں کو کیوں نظر نہیں آتی۔''

ایک رات ساون کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی، لاکھ کوشش کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی کہ وہ آتما اس کے سامنے آ گئی، ساون نے خوف کے باعث اس سے پوچھا۔ ''کون ہو تم اور کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ ایسا؟''

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ ''اتنی جلدی بھول گئے مجھے میں ایک آتما ہوں، میرا نام موہنی ہے۔''

ساون نے کہا۔ ''مگر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

وہ بولی۔ ''تم نے اپنی کہانی میں میرا ہی تو ذکر کیا ہے، آتما موہنی کا کہ وہ بہت ظالم آتما ہوتی ہے اور جو بھی اس کے بارے میں جان لیتا ہے تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑتی..... اور میں نے اپنی اصلیت جاننے والے سبھی لوگوں کو مار ڈالا۔ اب تمہاری باری ہے بولو کب چلو گے میری دنیا میں میرے ساتھ؟''

ساون نے یہ باتیں صبح گھر والوں کو بتائیں مگر کسی کو یقین نہ آیا۔ ''یہ سلسلہ چلتا رہا اور آخر کار ساون نے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔

ٹی وی اور اخبار والوں نے خبر شائع کی کہ ''موت بانٹنے والی کہانی ''موت کی پکار'' کا رائٹر ساون بھی آج پراسرار طور پر اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا اور اس کی اپنی لکھی ہوئی کہانی ''موت کی پکار'' بستر پر کھلی پڑی تھی۔

انوکھا بھوت

ضرغام محمود۔کراچی

آچانک آواز گونجی، خاموش ورنہ پہلے تیرا خون پی جائوں گا، نوجوان کا موٹا جسم بری طرح لرز رہا تھا، پورا جسم پسینے میں شرابور ہورہا تھا آنکھیں پھٹی پڑی تھیں کہ اتنے میں.....

گھٹاٹوپ اندھیرے اور رات کے سناٹے میں جنم لینے والی حیرتناک اور تحیر انگیز کہانی

دھوپ کے ڈھلتے ہی رحمت علی نے اپنا ہل اٹھایا اور بیلوں کو ہکاتے ہوئے زمیندار چوہدری نیاز کی حویلی کی جانب چل دیا۔ چلتے چلتے اس نے ایک نظر کھیت میں لہلہاتی فصل پر ڈالی اس نے مکئی کی فصل اگائی تھی تازہ تازہ مکئی بھٹے کی صورت میں ڈالیوں پر لہرا رہی تھی بھٹے ہوا سے جھوم رہے تھے اس بار کی فصل بہت شاندار ہوئی تھی یہ سب اللہ کے کرم کے بعد رحمت کی دن رات کی محنت کا نتیجہ تھا۔ مگر رحمت کو اس اچھی فصل سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اسے تو صرف وہی پانچ سو روپے اور ایک بوری گندم ملنا تھی جو زمیندار نیاز نے اس کے لئے مقرر کی تھی۔ یہ کھیت کبھی رحمت کا تھا مگر دو سال پہلے اس کی کھڑی فصل کو آگ لگ گئی جس کی وجہ سے رحمت کو بہت نقصان ہوا اور اسے زمیندار نیاز سے قرضہ لینا پڑا۔ زمیندار نیاز نے رحمت کی سادہ لوحی کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور صرف دو ہزار روپے قرضہ دے کر کھیت کے کاغذات پر رحمت کا انگوٹھا لگوالیا اور رحمت کے کھیت کا مالک بن بیٹھا بے چارہ رحمت جو پہلے اپنے کھیت میں محنت کرتا تھا اب اسی کھیت میں زمیندار نیاز کے لئے کام کرتا ہے زمیندار نیاز نے رحمت کا ہی نہیں بلکہ گاؤں کے کئی معصوم کسانوں کی زمین اسی طرح مکاری سے ہتھیائی ہیں زمیندار نیاز نہ صرف مکار ہے بلکہ بہت ظالم بھی ہے وہ گاؤں والوں پر بہت ظلم وستم کرتا ہے اور بے چارے گاؤں کے معصوم بھولے بھالے لوگ چپ چاپ زمیندار نیاز کا ظلم سہتے ہیں۔

رحمت سر جھکائے بیلوں کو ہکاتے ہوئے زمیندار نیاز کی حویلی کی جانب رواں دواں تھا کہ اسے اپنا دوست حیدر بخش نظر آیا جو زور زور سے رحمت کو پکار رہا تھا جب حیدر بخش رحمت کے قریب آگیا تو رحمت اپنے کندھے پر پڑے کپڑے سے اپنا پسینہ پونچھتے ہوئے حیدر بخش سے بولا۔

"کیا بات ہے کیوں گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا ہے۔۔؟"

"تو نے سنا پڑوس کے گاؤں میں ناٹک کمپنی آئی ہے۔۔" حیدر بخش اپنی سانسیں درست کرتا ہوا بولا۔

"اچھا۔۔" رحمت نے اشتیاق سے پوچھا رحمت کو ناٹک دیکھنے کا بہت شوق تھا۔

"ہاں۔۔۔اور کمپنی آج اپنا ناٹک دکھا کر کل چلی جائے گی۔۔" حیدر بخش نے پرشوق لہجے میں رحمت کو بتایا "ہوں"

"تو چل رہا ہے نا۔۔۔آج رات کو دونوں بھائی

چلتے ہیں ناٹک دیکھنے۔۔" حیدر بخش رحمت کے کندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

"نہیں یار۔۔ میں ناٹک دیکھنے نہیں جا سکتا۔۔" رحمت کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"کیوں؟"

"دراصل ۔۔۔ زمیندار جی نے آج رات کھیتوں کی دیکھ بھال کی ڈیوٹی لگائی ہے۔۔ اس لئے میں نہیں جا سکتا۔۔" رحمت نے مایوسی سے جواب دیا۔

"اوہ۔۔" حیدر بخش کے منہ سے نکلا "تو ہو نہیں جائے گا ناٹک دیکھنے۔۔"

"نہیں۔۔" رحمت کا منہ لٹکا ہوا تھا۔

"پھر میں اکیلا جا کر کیا کروں گا۔۔ میں بھی نہیں جاتا۔۔" حیدر بخش نے کہا تو رحمت اس کے کندھے پر ہاتھ سے تھپتھپاتے ہوئے اپنے بیلوں کو ہنکانے لگا اور زمیندار نیاز کی حویلی کی جانب چل دیا۔

بیلوں کو تھان پر باندھنے کے بعد رحمت نے وہیں پر ہاتھ منہ دھویا اور چوپال کی جانب چل دیا جہاں زمیندار نیاز اپنے خوشامدی مصاحبوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"سلام زمیندار جی۔۔" رحمت نے چوپال میں داخل ہو کر زمیندار نیاز کو سلام کیا زمیندار نیاز منقش چارپائی پر گاؤ تکیے کا سہارا لئے بیٹھا تھا اس کے ایک ہاتھ میں حقے کی نے تھی، جس سے وہ وقفے وقفے سے کش لگا رہا تھا جبکہ اس کا دوسرا ہاتھ اور اس کے دونوں پاؤں پر ملشئے مالش کر رہے تھے۔

"آؤ۔۔ آؤ۔۔ رحمتے۔۔۔" زمیندار نیاز نے رحمت کو دیکھ کر کہا۔

"آج تیری باری ہے ناکھیت کی نگرانی کی۔۔" تھوڑی دیر بعد زمیندار نیاز، رحمت سے بولا۔

"جی زمیندار جی۔۔"

"ذرا دھیان سے نگرانی کرنا۔۔ سو مت جانا۔۔" زمیندار نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"جی زمیندار جی۔۔"

"جا گھر جا۔۔ اور جلدی سے کھانا وانا کھا کر کھیت پر پہنچ جا۔۔"

"بہتر زمیندار جی۔۔" رحمت نے جواب دیا اور زمیندار کو سلام کر کے اپنے گھر کی جانب چل دیا۔

"بابا آ گئے۔۔۔ بابا آ گئے۔۔" رحمت جیسے ہی گھر پہنچا اس کے دونوں بیٹے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔

"میرے راجا بیٹے۔۔ رحمت نے دونوں بیٹوں کو گود میں اٹھا لیا بچوں کی شور کی آواز سن کر رحمت کی

بیوی بھی باورچی خانے سے نکل کر ان کے قریب آگئی۔

''آپ آگئے۔۔''

''نہیں۔۔میرا بھوت آیا ہے۔۔میں بعد میں آؤنگا۔۔'' رحمت نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''آپ بھی نا۔۔'' اس کی بیوی خواہ مخواہ شرما گئی۔

''تم نے بات ہی ایسی کی۔۔۔میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں اور پوچھ رہی ہو کہ آپ آگئے۔۔'' رحمت پھر ہنسنے لگا۔

''اچھا۔۔اچھا جلدی سے ہاتھ منہ دھو لیجئے میں کھانا لگاتی ہوں۔۔''

'' ہاں بھئی بڑی زوروں کی بھوک لگی ہے۔۔۔اور آج رات کھیت کی نگرانی بھی کرنی ہے۔۔'' رحمت بچوں کو گود سے اتارتے ہوئے بولا۔

''تو آج رات آپ کھیت پر ہی رہیں گے۔۔'' اس کی بیوی نے پوچھا۔

''ہاں'' رحمت نے مختصر سا جواب دیا اور بالٹی میں پانی بھر کر غسل خانے میں گھس گیا۔

تھوڑی دیر بعد بعد رحمت کھانا وغیرہ کھا کر اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے کھیت پر پہنچ گیا۔کھیت پر پہنچ کر رحمت نے کھیت کے چاروں طرف چکر لگایا اور پھر ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر پہرہ دینے لگا۔رحمت کو بار بار نانک کا خیال آرہا تھا جو آج رات پڑوس کے گاؤں میں پیش کیا جانے والا تھا رحمت کا دل نانک ہی میں اٹکا ہوا تھا۔

''اگر۔۔۔اگر میں کسی کو بتائے بغیر پڑوس کے گاؤں نانک دیکھنے چلا جاؤں تو کسی کو کیا پتا چلے گا؟'' رحمت نے اپنے دل میں سوچا۔

''اگر زمیندار جی کو معلوم ہو گیا تو۔۔۔'' رحمت کے اندر کے ڈر نے اسے ہوشیار کرنا چاہا۔

''زمیندار جی کو کیسے معلوم ہوگا میں اندھیرا ہونے کے بعد جاؤنگا اور صبح سویرا ہونے سے پہلے واپس آجاؤنگا۔۔'' رحمت نے پھر سوچا۔

''ہاں۔۔یہ ٹھیک ہے۔۔اندھیرا گہرا ہو جائے پھر پڑوس کے گاؤں کے لئے نکل پڑتا ہوں۔۔چند کوس دوری پر تو ہے پڑوس کا گاؤں اور پھر صبح دن نکلنے سے پہلے ہی میں واپس آجاؤنگا۔۔'' رحمت نے دل میں پکا ارادہ کرلیا۔

اندھیرا گہرا ہوتے ہی رحمت کسی کو کچھ بتائے بغیر نانک دیکھنے پڑوس کے گاؤں کی جانب چل دیا اس نے کپڑے سے اپنے منہ کو اچھی طرح ڈھانپ لیا تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے۔

ابھی رحمت کو گئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک مسافر کھیت کے قریب سے گزرا اس نے جو کھیت میں لہلہاتے بھٹے دیکھے تو اس کے منہ میں پانی آگیا اور اسے بھوک کا احساس بھی ہونے لگا۔مسافر نے چند بھٹے کھیت سے توڑے اور کھیت کے کنارے ہی بیٹھ کر سوکھی لکڑیاں جمع کر کے اس میں آگ لگا کر اس آگ پر بھٹے سینکنے لگا۔

بھٹے سینک کر مسافر نے وہیں بیٹھے بیٹھے کھائے رات کا پہلا پہر تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی پیٹ بھرنے سے مسافر کو اونگ آنے لگی اور کھیت کنارے لیٹ کر سو گیا ہوا کے جھونکوں کی وجہ سے بجھتی ہوئی آگ سے چند چنگاریاں اڑی اور اس مسافر پر جا گری آناً فاناً مسافر کے کپڑوں نے آگ پکڑ لی آگ کے تپش اور جلن سے مسافر کی آنکھ کھل گئی مگر اتنی سی دیر میں مسافر کے کپڑوں نے مکمل طور پر آگ پکڑ لی تھی مسافر چیختے ہوئے اپنے کپڑوں سے آگ بجھانے لگا مگر آگ بھڑکتی ہی چلی گئی۔

مسافر کی چیخیں سن کر گاؤں والے بھی آگئے مگر اس وقت تک مسافر پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آچکا تھا گاؤں والوں نے بہت کوشش کی کہ آگ کو بجھا سکے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور مسافر جل کر کوئلہ بن گیا مسافر کی لاش اتنی جل چکی تھی کہ اس کی شناخت بھی ممکن نہ تھی گاؤں والوں نے کھیت کے کنارے ایک جلی ہوئی لاش دیکھی تو سارے گاؤں میں شور مچ گیا کہ رحمت علی جل کر مر گیا مسافر کی لاش کو رحمت کی لاش سمجھ کر اس کے گھر لایا گیا۔رحمت کی بیوی اور بچے لاش دیکھ کر رونے لگے غم سے رحمت کی بیوی اور بچوں کا برا حال تھا سارا

گاؤں رات بھر رحمت کے گھر جمع رہا اور رحمت کی بیوی اور بچوں کو تسلیاں دیتا رہا۔ سویرے رحمت کی لاش کو دفنانے کے لئے گاؤں سے باہر قبرستان لے جایا گیا۔

ادھر رحمت نائک دیکھنے کے بعد تیز تیز قدموں سے گاؤں کی جانب لوٹ رہا تھا کہ اسے گاؤں کے قبرستان میں ہل چل سنائی دی۔

''اوہ۔ شاید رات کو گاؤں میں موت ہوگئی۔۔''

رحمت گاؤں کے قبرستان کے پاس سے گزرا تو قبرستان میں ہل چل دیکھ کر سوچنے لگا۔

''فیروز چاچا بہت بوڑھے اور بیمار تھے شاید ان کا ہی رات کو انتقال ہوگیا ہے۔۔'' رحمت یہ سوچ کر قبرستان میں داخل ہوا قبرستان میں داخل ہو کر رحمت نے دیکھا کہ گاؤں کے لوگ ایک تازہ بنی قبر کے گرد دائرہ بنائے کھڑے ہیں اور فاتحہ پڑھ رہے ہیں رحمت جلدی جلدی قدم اٹھا کر ان کے قریب پہنچنے لگا اچانک رحمت کا پاؤں ایک بوسیدہ قبر کے اوپر پڑا تو وہ قبر اندر کو دھنس گئی اور ساتھ ہی رحمت قبر کے اندر گر پڑا رحمت کے منہ سے ایک تیز چیخ نکل گئی۔

رحمت کی چیخ سن کر فاتحہ پڑھتے لوگ پلٹ کر دیکھنے لگے رحمت جس قبر میں گرا تھا وہ قبر بہت پرانی تھی وہاں اب لاش نہیں تھی بس چند ہڈیاں پڑی تھیں رحمت ہڈیوں کو دیکھ کر خوفزدہ ہوگیا اور جلدی سے اس نے قبر سے نکلنے کے لئے قبر کے باہر کی زمین کو پکڑا اور اچک کر قبر سے نکل پڑا۔ قبرستان میں کھڑے لوگوں نے قبر سے رحمت کو نکلتے دیکھا تو ان کے چہروں پر پہلے تو حیرت نمودار ہوئی پھر وہ سب خوفزدہ ہوگئے بہت سے لوگ تو تھر تھر کانپ رہے تھے رحمت نے قبر سے نکلنے کے بعد اپنے کپڑے جھاڑے جن پر مٹی لگ گئی تھی پھر وہ گاؤں والوں کی جانب بڑھا رحمت کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر سارے لوگ تھر تھر کانپنے لگے۔

''بھاگو۔۔۔ بھاگو رحمت علی کا بھوت آگیا۔۔''

ایک آدمی چیخا تو سارے گاؤں والے گرتے پڑتے قبرستان سے بھاگنے لگے ذرا سی دیر میں پورا قبرستان خالی ہوگیا صرف رحمت اکیلا کھڑا رہ گیا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے گاؤں والے کیوں بھاگ گئے اور اسے بھوت کیوں سمجھ رہے تھے۔

رحمت تھوڑی دیر کھڑا سوچتا رہا پھر سر کو جھٹکتے ہوئے قبرستان سے نکل پڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتے اپنے گھر کی جانب چل دیا۔

رحمت تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنے گھر کی جانب رواں دواں تھا اس کے کپڑے اور منہ ہاتھ قبر میں گرنے کی وجہ سے مٹی سے اٹ گئے تھے رحمت نے اپنا چہرہ اور ہاتھ اپنے کندھے پر پڑے کپڑے سے صاف کرنے کی کوشش کی مگر قبر کی مٹی بری طرح چپک گئی تھی رحمت اپنا چہرہ کپڑے سے صاف کرتے ہوئے گاؤں کے قریب پہنچا تو اسے شمس دودھ والا نظر آیا جو اپنی سائیکل پر دودھ کے ڈبے لئے جارہا تھا۔

''شمسو۔۔۔'' رحمت نے شمس دودھ والے کو آواز دی۔

''ہاں رحمتے کیا بات ہے؟۔۔'' شمسو رحمت کے قریب اپنی سائیکل روکتا ہوا بولا۔

''شمسو گاؤں میں رات کون مرگیا؟۔۔'' رحمت نے شمسو دودھ والے کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا

''وہ اپنے رحمت بھائی مرگئے۔۔'' شمسو نے جواب دیا۔

''رحمت۔۔ کون رحمت؟۔۔'' رحمت کو اپنے علاوہ گاؤں میں کوئی اور رحمت یاد نہیں آیا تو اس نے پوچھا۔

''وہ رحم۔۔ رحمت۔۔۔۔'' شمسو دودھ والے نے پہلے بے خیالی میں جواب دے دیئے تھے اب جو اس کی نظر رحمت پر پڑی تو وہ خوف سے کانپنے لگا اور اپنی سائیکل پھینک کر گاؤں کی جانب چیختا ہوا بھاگنے لگا۔۔

''شمسو۔۔ شمسو۔۔ رک۔۔'' رحمت نے بھاگتے ہوئے شمسو کو پکڑنے کی کوشش کی۔

''نن۔۔ نہیں مجھے مت مارو۔۔ مجھے مت مارو۔۔ بچاؤ۔۔ بچاؤ۔۔ بھوت۔۔ بھوت۔۔''

شمسو رحمت کی گرفت سے نکل کر تیزی کے ساتھ گاؤں کی جانب بھاگ گیا۔

''پاگل ہوگیا ہے یہ۔۔'' رحمت نے سوچا اور فکر مندی سے سر ہلاتے ہوئے اپنے گھر کی جانب چل دیا۔

رحمت کے گھر گاؤں کی ساری خواتین جمع تھیں رحمت کی بیوی مسلسل روئے جارہی تھی اور گاؤں کی خواتین اسے دلاسہ دے رہی تھی کہ اچانک رحمت کے گھر کا دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور سلیمہ دائی گھر میں داخل ہوئی۔

''تم۔۔تم لوگوں نے کچھ سنا۔۔'' سلیمہ دائی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

''کیا ہوا۔۔؟'' گاؤں کی ساری خواتین سلیمہ دائی کی جانب متوجہ ہوگئیں۔

''وہ۔۔وہ رحمتے۔۔۔'' سلیمہ دائی کہتے کہتے رک گئی اور اپنی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پانے لگی۔

''کیا ہوا؟'' گاؤں کی ایک عورت نے بے صبری سے پوچھا۔

''وہ۔۔وہ اصغر کے ابا بتا رہے ہیں کہ۔۔رحمتے کا بھوت قبر پھاڑ کر نکل آیا ہے۔۔'' سلیمہ دائی نے پراسرار انداز میں بم پھوڑا ''بھوت۔۔بھوت۔۔'' کئی خوفزدہ آوازیں ابھری۔

''ہاں۔۔ہاں۔۔'' سلیمہ دائی اپنی بات میں وزن پیدا کرتی ہوئی بولی ''رحمتے کا بھوت قبر پھاڑ کر نکل آیا ہے اور۔۔۔اور۔۔''

''اور کیا۔۔''؟

''اور اللہ جھوٹ نہ بلوائے اصغر کے ابا کہہ رہے تھے کہ وہ بھوت کوئی بیس فٹ لمبا ہے اور اس کے ہاتھ پیر اتنے بڑے بڑے ہیں۔۔'' سلیمہ دائی کی داستان گوئی پورے عروج پر تھی۔

گاؤں کی ساری عورتیں کانوں کے ساتھ اپنے منہ بھی کھولے سلیمہ دائی کی باتیں سن رہی تھیں رحمت کی بیوی بھی اپنا رونا بھول کر سلیمہ دائی کی باتیں سن رہی تھی۔

''سچ کہہ رہی ہو سلیمہ کیا واقعی رحمتے کا بھوت گاؤں میں آگیا۔؟'' ایک جہاندیدہ بڑی بی نے سلیمہ دائی سے تصدیق چاہی۔

''سچی تائی۔۔واقعی رحمت چچا کا بھوت گاؤں میں آگیا ہے ابھی ابھی بھیا گھر آئیں ہیں وہ بتا رہے تھے کہ رحمت چچا کے بھوت نے انہیں گاؤں سے باہر پکڑ لیا اور ان کا سارا دودھ پی گئے۔۔'' رحمت کے گھر داخل ہونے والی نوعمر لڑکی جلدی سے بولی جو شمسو دودھ والے کی بہن ہے۔

''کیا سارا دودھ پی لیا؟'' ایک عورت نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔۔خالہ بھیا بتا رہے تھے کہ رحمت چچا کے بھوت نے دودھ کا بھاری برتن ایک انگلی سے اٹھایا اور ایک ہی سانس میں من بھر دودھ پی لیا۔۔'' لڑکی نے داستان میں نمک مرچ لگا کر داستان کو چٹ پٹا بنادیا۔

رحمت کے گھر سب خواتین سوگ بھول کر بھوت کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔

رحمت اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا جس وقت اپنے گھر کے سامنے پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کے گھر کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور گھر کے اندر کافی عورتیں بیٹھی ہیں۔

''کیا ہوا بہنوں؟'' رحمت نے گھر میں داخل ہوکر گاؤں کی عورتوں کو مخاطب کیا رحمت کی آواز سن کر ساری عورتوں پر سکتہ طاری ہوگیا اور گھر میں مکمل خاموشی چھا گئی اس خاموشی کو سلیمہ دائی کی چیخ نے توڑا۔

''کیا ہوا سلیمہ خالہ۔۔'' رحمت مسکرا کر سلیمہ دائی کی جانب بڑھا۔

''نہیں۔۔نہیں۔۔'' سلیمہ دائی نے ایک بار پھر زور سے چیخ ماری اور پیچھے کی جانب ہٹی مگر ان کے پیر آپس میں ریپٹ گئے اور وہ دھڑام سے نیچے گر پڑی

''خالہ سنبھل کر۔۔چوٹ لگ جائے گی۔۔''

رحمت نے بازو سے پکڑ کر سلیمہ دائی کو اٹھانا چاہا مگر سلیمہ دائی نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور پھرتی کے ساتھ کھڑی ہوگئی اور فوراً ہی دروازے کی جانب دوڑ لگادی۔

سلیمہ دائی کو بھاگتا دیکھ کے گاؤں کی دیگر خواتین

کو بھی ہوش آیا اور وہ بھی چیختے ہوئے رحمت کے گھر سے باہر کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔

رحمت حیرت سے کھڑا یہ سب تماشہ دیکھ رہا تھا اس کی عقل بالکل کام نہیں کر رہی تھی وہ حیرت سے گاؤں کی خواتین کو دیکھ رہا تھا جو ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے اس کے گھر سے باہر نکل رہی تھی ذرا سی دیر میں رحمت کے گھر سے گاؤں کی تمام عورتیں چلی گئیں اب گھر میں صرف رحمت اور اسکے بیوی بچے رہ گئے رحمت کی بیوی اپنے دونوں بچوں کو اپنے سینے سے لگائے پھٹی پھٹی نظروں سے رحمت کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا نیک بخت ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' رحمت اپنی بیوی کے قریب ہوتا ہوا بولا رحمت کو اپنے اتنا قریب دیکھ کر اس کی بیوی کا سکتہ ٹوٹا اور وہ اپنے دونوں بچوں کو اپنے سینے سے لگائے چیخنے لگی۔

''بھوت۔۔بھوت۔۔۔بچاؤ۔۔بچاؤ'' رحمت کی بیوی واویلا کرنے لگی۔

''کون بھوت۔۔میں رحمت ہوں۔۔'' رحمت نے حیران ہو کر کہا۔

''خدا کا واسطہ۔۔تمہیں اپنے معصوم بچوں کی قسم یہاں سے چلے جاؤ۔۔'' رحمت کی بیوی اس کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگی۔

''ہوا کیا ہے سب لوگ مجھے بھوت کیوں سمجھ رہے ہیں؟'' رحمت مزید اپنی بیوی کے قریب ہوتا ہوا بولا رحمت کو اپنے اتنے پاس دیکھ کر اس کی بیوی کے ساتھ اس کے دونوں بچے بھی چیخنے لگے۔

''تمہیں اپنے معصوم بچوں کا واسطہ جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ۔۔'' رحمت کی بیوی زار وزار رونے لگی۔

رحمت کچھ دیر کھڑا اپنی بیوی کو گھورتا رہا پھر چپ چاپ گھر سے باہر نکل گیا باہر گلی مکمل طور پر سنسان تھی مگر گھروں کے دروازوں کے پیچھے سے گاؤں کی عورتیں خوفزدہ انداز میں رحمت کو دیکھ رہی تھیں رحمت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے چل دیا۔

چلتے چلتے رحمت گاؤں کے بازار پہنچا اس نے سوچا اپنے دوست حیدر بخش سے مل کر حالات معلوم کرتا ہوں۔گاؤں کا بازار ابھی بند تھا ایک آدھ ہی دکان ابھی کھلی تھی رحمت حیدر بخش کی دکان کے سامنے پہنچا تو اس نے دیکھا حیدر بخش اپنی دکان کھول رہا ہے۔

''اور سنا حیدرے کیا حالات ہے؟'' رحمت نے بے تکلفی سے حیدر کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔'' حیدر نے جواب دیا اور پلٹ کر رحمت کی جانب دیکھا رحمت کو دیکھتے ہی حیدر بری طرح کانپنے لگا۔

''کیا ہوا حیدرے؟'' رحمت نے حیرت سے پوچھا۔

''بھوت۔۔بھوت۔۔رحمتے کا بھوت'' حیدر بری طرح لرز رہا تھا۔

''بھوت۔۔کون بھوت''؟

''بھوت۔۔بھوت۔۔بچاؤ۔۔بچاؤ'' حیدر زور سے چیخا اور اپنی دکان چھوڑ کر بھاگا۔

''حیدرے۔۔حیدرے۔۔'' رحمت نے زور سے حیدر بخش کو آواز دی مگر حیدر نے مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا اور پوری قوت سے بھاگتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

رحمت کچھ دیر حیدر بخش کی دکان کے سامنے کھڑا رہا پھر آہستہ قدموں کے ساتھ اپنے کھیت کی جانب چل دیا راستے میں رحمت کو جو گاؤں والا نظر آیا وہ رحمت کو دور سے ہی دیکھ کر بھاگ نکلا رحمت فکرمندی سے سر ہلاتے ہوئے اپنے کھیت پر پہنچ گیا کھیت پر پہنچ کر اس نے ہاتھ منہ دھویا اور اپنے کپڑوں اور ہاتھ منہ سے مٹی صاف کی اور پیٹ بھر کر پانی پیا اسے بڑی زوروں کی بھوک لگ رہی تھی مگر سارا گاؤں تو اسے بھوت سمجھ رہا تھا لہٰذا رحمت کو کہیں سے کھانے کا آسرا نظر نہیں آرہا تھا آخر کار اس نے اپنے کھیت کے کنارے لگے بیری کے درخت سے بہت سارے بیر توڑے اور پیٹ بھر کر بیر کھائے پھر ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گیا اور اپنے کھیت کی جانب دیکھنے لگا کھیت میں مکئی

کی فصل لہلہا رہی تھی۔ مکئی کے پودے ہوا کے دوش پر جھوم رہے تھے اور سورج کی سنہری کرنوں میں مکئی کی بالیاں سنہری لباس پہنے خوش نظر آرہی تھیں رحمت کچھ دیر درخت کی چھاؤں میں بیٹھا آرام کرتا رہا۔

"کھیت کے آس پاس بہت فالتو گھاس جمع ہوگئی ہے اسے صاف کر دینا چاہئے" رحمت نے کھیت کے پاس لمبی لمبی گھاس دیکھ کر سوچا۔

یہ سوچتے ہی رحمت اپنی جگہ سے اٹھا اور زمیندار نیاز کی حویلی کی جانب چل دیا تاکہ زمیندار سے گھاس کاٹنے کے لئے درانتی لائے اور فالتو گھاس کاٹ سکیں۔

"زمیندار جی آپ نے سنا رحمت مرنے کے بعد بھوت بن کر گاؤں میں گھوم رہا ہے"

چوپال سجی ہوئی تھی زمیندار نیاز اپنے خوشامدی مصاحبین کو لیکر بڑے کروفر کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے رحمت کے بھوت کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"ہاں صبح سے اڑتی اڑتی خبریں سنی ہے۔ کیا واقعی ہی وہ رحمتے کا بھوت ہے۔" زمیندار نیاز نے پوچھا۔

"زمیندار جی۔۔۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے میں قبرستان ہی میں تھا جیسے ہی رحمتے کو دفنایا گیا اچانک قبر پھٹ گئی اور۔۔ اور اللہ میری توبہ۔"

ایک شخص بولنے لگا اور ساتھ ہی اپنے گال توبہ کے انداز میں پیٹنے لگا۔

"جھوٹ بولو تو کل کا دن دیکھنا نصیب نہ ہو۔ زمیندار جی رحمتے قبر پھاڑ کی نکلا اف اس کی لال لال آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھی اس کے لمبے لمبے دانت اس کے منہ سے باہر تھے اور۔۔ اور وہ اتنا لمبا تھا۔۔۔"

دوسرا شخص بھی قصے میں نمک مرچ لگانے لگا۔ ہر شخص رحمت کے بارے میں زمیندار سے دروغ گوئی کر رہا تھا تاکہ زمیندار کی نظروں میں نمبر بڑھا سکیں۔

"رحم زمیندار جی۔۔ رحم۔۔ مجھے بچا لیجئے۔۔۔"

اچانک چوپال میں شمسو دودھ والا دھائیاں دیتا داخل ہوا۔

"کیا ہوا شمسو؟" زمیندار رحمت نے پوچھا۔

"کیا ہوا کیا ہوا؟" ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئی۔

"وہ جی میں سویرے زمیندار جی کا دودھ لیکر منڈی جا رہا تھا کہ رحمتے کا بھوت سامنے آگیا اور۔۔۔ اور۔۔" شمسو دودھ والا کہتے کہتے رک گیا۔

"اور کیا۔۔؟" زمیندار نیاز نے بے چینی سے پوچھا۔

"جی وہ آپ کا سارا دودھ پی گیا۔۔"

"کیا۔۔۔ چار من دودھ پی گیا۔۔ اکیلا۔۔" زمیندار نیاز حیران رہ گیا۔

"جی زمیندار جی۔۔۔ وہ تو اور بھی دودھ مانگ رہا تھا۔۔ جب اسے دودھ نہیں ملا تو وہ اپنے بڑے بڑے دانت نکال کر میری جانب بڑھا مگر۔۔۔ میری قسمت اچھی تھی جو میں اس کی گرفت سے نکل بھاگا۔۔۔" شمسو دودھ والا دھائی دیتا ہوا بولا۔

"یہ تو بڑا نقصان ہوگیا زمیندار جی۔۔" ایک شخص نے زمیندار نیاز سے کہا تو زمیندار نیاز سر ہلانے لگا۔

"السلام علیکم۔۔۔ زمیندار جی۔۔۔" اچانک ہال میں ایک آواز گونجی سب نے چوپال کے دروازے کی جانب دیکھا چوپال کے دروازے پر رحمت کھڑا تھا رحمت کو دیکھتے ہی چوپال میں بیٹھے سب لوگ اچھل پڑے اور اگلے ہی لمحے میں چوپال میں ہڑبونگ مچ گئی تمام لوگ چوپال کے دوسرے دروازے کی جانب لپکے اور ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے چوپال سے باہر بھاگنے لگے۔

"بھاگو۔۔ بھاگو رحمت کا بھوت آگیا۔۔"

ذرا سی دیر میں چوپال میں بیٹھے تمام لوگ چوپال سے باہر بھاگ گئے چوپال میں رحمت اور زمیندار نیاز ہی باقی رہ گئے زمیندار نیاز کی حالت بھی بہت خراب تھی وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"زمیندار جی۔۔۔" رحمت نے زمیندار نیاز کو مخاطب کیا اور اس کے قریب ہوگیا۔

"مت مارو۔۔۔ مجھے مت مارو۔۔۔" زمیندار نیاز رحمت کو اپنے اتنے قریب دیکھ کر بری طرح بوکھلا گیا۔

"زمیندار جی مجھے گھاس کاٹنے کے لئے درانتی

ہا ہے" رحمت بولا۔

"وہاں۔۔وہاں رکھے ہیں اوزار۔۔لے جاؤ۔۔سب لے جاؤ۔۔۔مم۔۔مجھے مت مارنا۔۔" میندار نیاز خوف سے کانپ رہا تھا۔

"کیا ہوا زمیندار جی۔۔" رحمت اظہار ہمدردی لی خاطر زمیندار نیاز کے مزید قریب ہوا تو زمیندار نیاز ا چہرہ خوف کے مارے سفید پڑ گیا اور وہ زور زور سے انپنے لگا ساتھ ہی زمیندار نیاز کی دھوتی بھی گیلی ہوتی جا رہی تھی۔

رحمت نے عجیب سے نظروں سے زمیندار نیاز کو یکھا پھر چوپال کے کونے میں رکھے اوزاروں میں ے درانتی اٹھائی اور زمیندار نیاز کو دکھاتے ہوئے پال سے باہر نکل گیا۔

رات دیر تک رحمت کھیت میں کام کرتا رہا جب رات پوری طرح بھیگ گئی اور ہر سو اندھیرا چھا گیا تو رحمت گاؤں کی جانب چل دیا پورا گاؤں سو رہا تھا ہر سو سناٹا اور تاریکی کا راج تھا رحمت بڑے بڑے قدم اٹھاتا اپنے گھر کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اسے اپنی گلی کے نکڑ پر دو آدمی کھڑے نظر آئے جنہوں نے اپنے منہ پر ڈھاٹا باندھا ہوا تھا وہ ایک گھر کی دیوار پھلانگنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

"اوہ یہ تو چور لگتے ہیں۔۔" رحمت نے دل میں سوچا اور تیز تیز قدموں کے ساتھ ان دونوں چوروں کے قریب پہنچا اور گرجدار آواز میں بولا۔

"کون ہو تم لوگ"؟

دونوں چور رحمت کی آواز سن کر گھبرا گئے مگر پھر فوراً ہی سنبھل گئے پھر ایک چور نے اپنے لباس میں سے ایک بڑا سا خنجر نکالا اور للکار کر بولا۔

"بھاگ جاورنہ تیری انتڑیاں نکال دونگا۔۔"

دوسرے چور نے اپنے ہاتھ میں پکڑی تارچ کی روشنی رحمت کے چہرے پر ڈالی تا کہ رحمت کا چہرہ دیکھ سکے۔رحمت کو دیکھتے ہی دونوں چوروں کی حالت غیر ہو گئی چوروں کے ہاتھ سے تارچ اور خنجر گر پڑے۔

"بھوت۔۔بھوت۔۔" دونوں چور خوف سے کانپ رہے تھے۔

رحمت نے آگے بڑھ کر زمین پر گری تارچ اور خنجر اٹھایا اور تارچ کی روشنی چوروں پر ڈالتے ہوئے گرجا" بولو تم دونوں کا کیا حشر کروں؟"

"معاف۔۔معاف کردو بھائی۔۔۔بھوت۔۔۔معاف کردو۔۔آئندہ۔۔آئندہ ہم چوری نہیں کریں گے۔۔" دونوں رحمت کے سامنے گڑگڑانے لگے۔

"بھاگ جاؤ ورنہ۔۔۔تمہار سارا خون پی جاؤنگا۔۔" رحمت گرجدار آواز میں بولا تو وہ دونوں چور سر پر پیر رکھ کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے بھاگتے بھاگتے دونوں چور خوفزدہ نظروں سے مڑ مڑ کر رحمت کی جانب دیکھ رہے تھے رحمت نے انہیں دھمکانے کی غرض سے پیر زمین پر مارا دونوں چور ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگنے لگے جب وہ دونوں چور رحمت کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو رحمت اپنے گھر کے سامنے پہنچا اور اپنے گھر کی دیوار پھلانگ کر گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

گھر میں داخل ہو کر اس نے دیکھا کہ صحن میں بچھی چارپائی پر اس کی بیوی اور دونوں معصوم بچے سو رہے ہیں۔رحمت نے آگے بڑھ کر اپنی بیوی کے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا تا کہ وہ جاگ سکے۔

"کون ہے" رحمت کی بیوی نیند سے جاگنے کے بعد خمار آلود لہجے میں بولی اور چارپائی سے اٹھ کر نیچے اتری اور قریب رکھی لالٹین کی لو تیز کی جیسے ہی اس کی نظر رحمت پر پڑی اس کے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی وہ مزید چیخنا چاہتی تھی مگر رحمت نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تا کہ وہ چیخ نہ سکے۔

"اری نیک بخت کاہے چیخ رہی ہو۔۔؟" رحمت نے پوچھا مگر رحمت کی بیوی صرف اونہہ اونہہ کر کے رہ گئی کیونکہ اس کا منہ رحمت نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے بند کرر کھا تھا رحمت کی بیوی نے سر ہلا کر اپنا منہ چھڑانا چاہا۔

"چیخنا مت۔۔" رحمت نے اپنی بیوی کو تنبیہ کی تو اس نے اقرار میں سر ہلا دیا رحمت نے اس کے منہ پر

سے ہاتھ ہٹایا تو اس کی بیوی رحمت سے ڈر کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی اور خوفزدہ نظروں سے رحمت کو دیکھنے لگی۔

''اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟'' رحمت نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔

''خدا کے لئے واپس چلے جاؤ۔۔'' رحمت کی بیوی رونے لگی۔

''واپس چلا جاؤں کہاں چلا جاؤں۔۔'' رحمت حیرت زدہ رہ گیا۔

''جہاں سب مرنے کے بعد جاتے ہیں۔۔تم۔۔۔تم مر کر بھی واپس اس دنیا میں کیسے آگئے؟'' رحمت کی بیوی باقاعدہ سسکیاں لینے لگی۔

''مر گیا۔۔کون مر گیا؟'' رحمت کی حیرت کم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔

''تم۔۔تم مر چکے ہو۔۔کل رات تمہاری جلی ہوئی لاش کھیت کے کنارے سے ملی تھی۔۔'' رحمت کی بیوی رونا بند کر کے رحمت کے سوالوں کا جواب دینے لگی۔

''کل رات۔۔؟''

''ہاں۔۔کل رات۔۔کل آدھی رات کو شور اٹھا سب نے دیکھا کہ تمہارے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی ہے اس سے پہلے کہ کوئی تمہاری مدد کو پہنچتا اور آگ بجھاتا تم۔۔۔تم جل کر کوئلہ بن گئے تھے۔۔'' رحمت کی بیوی پھر رونے لگی۔

''مگر۔۔مگر کل رات تو میں کھیت پر تھا ہی نہیں۔۔۔'' رحمت کے منہ سے اچانک نکلا۔

''کھیت پر نہیں تھے تو پھر کل رات کہاں تھے۔۔؟'' رحمت کی بیوی ایک بار پھر رونا بھول گئی۔

''وہ۔۔وہ کل رات پڑوس کے گاؤں گیا تھا۔۔؟'' رحمت نے نظریں چراتے ہوئے اپنا جرم قبول کیا۔

''کیوں۔۔؟'' رحمت کی بیوی اب مکمل طور پر بیوی کا لبادہ اوڑھ چکی تھی اور کڑے تیوروں کے ساتھ رحمت سے پوچھ گوچھ کر رہی تھی۔

''وہ۔۔پڑوس کے گاؤں میں ناٹک کمپنی آئی ہوئی تھی اور وہ کل رات اپنا ناٹک دکھا رہی تھی بس کسی کو بتائے بغیر میں وہ ناٹک دیکھنے چلا گیا۔'' رحمت نے آہستگی سے اپنا جرم قبول کرلیا۔

''تو پھر وہ لاش کس کی تھی؟'' رحمت کی بیوی سوچتے ہوئے بڑبڑائی اور اس نے لاش ملنے اور اس کا چہرہ مسخ ہونے کا سارا قصہ رحمت کو سنا دیا۔

''وہ کسی مسافر کی لاش ہوسکتی ہے جو بھٹے کی لالچ میں کھیت کنارے رک گیا ہوگا تمہیں تو معلوم ہے مجھے بھٹے سخت ناپسند ہے میں بھلا بھٹے کیوں سینک کر کھاؤنگا۔۔'' رحمت نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب تم بھوت نہیں ہو۔۔'' رحمت کی بیوی خوش ہو کر بولی۔

''نہیں بابا۔۔میں انسان ہو۔۔لو میری انگلی پر کاٹ کر دیکھ لو۔۔'' رحمت نے اپنا دایاں آگے بڑھا تو اس کی بیوی نے ڈرتے ڈرتے رحمت کی چھوٹی انگلی اپنے دانتوں تلے دبائی اور زور سے اس کی انگلی پر کاٹ لیا۔

''اوئے۔۔۔'' رحمت نے جلدی سے انگلی اپنی جانب گھسیٹ لی ''اف اتنی زور سے کاٹ لیا۔۔دیکھو خون نکل آیا۔۔'' رحمت اپنی انگلی دبانے لگا۔

''سچ مچ آپ۔۔۔آپ زندہ ہے۔۔'' رحمت کی بیوی خوش ہوگئی۔

''ہاں بھئی میں زندہ ہوں۔۔۔کوئی بھوت ووت نہیں ہوں۔۔'' رحمت نے جواب دیا۔

''لیکن۔۔ہم گاؤں والوں کو کیسے سمجھائیں گے۔۔وہ سب تو آپ کو بھوت سمجھتے ہیں۔۔'' رحمت کی بیوی فکرمندی سے بولی۔

''انہیں بھی سمجھا لیں گے مگر ابھی مجھے بہت زور کی بھوک لگی ہے صبح سے بھوکا ہو۔۔جلدی سے کچھ کھانے کو لاؤ۔۔'' رحمت بولا تو اس کی بیوی باورچی خانے کی جانب چل دی۔

تھوڑی دیر بعد رحمت اپنے گھر میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور ساتھ ہی اپنی بیوی کو سارے دن کی روداد بھی سنا رہا تھا کہ کس طرح لوگ اسے بھوت سمجھ کر اس سے ڈر رہے تھے۔

"زمیندار جی بھی آپ کو دیکھ کر ڈر گئے تھے۔۔؟" اس کی بیوی نے پوچھا۔

"وہ۔۔۔۔" رحمت ہنسنے لگا "وہ تو اتنا ڈر گئے تھے کہ۔۔۔کہ۔۔" رحمت کہتے کہتے رک گیا۔

"کتنا ڈر گئے تھے۔؟"

"ڈر کے مارے ان کی تو دھوتی گیلی ہو گئی تھی۔۔" رحمت نے اٹک اٹک کر جملہ مکمل کیا اور پھر ہنسنے لگا رحمت کی بات سن کر اسی کی بیوی بھی بے ساختہ ہنس پڑی۔

"آپ زمیندار جی کو ڈرا کر اپنا مطلب کیوں نہیں نکالتے۔۔" کچھ دیر بعد اس کی بیوی نے اس سے کہا۔

"کیا مطلب۔۔"

"دیکھو زمیندار نے سارے گاؤں والوں پر کتنے ظلم کیے ہیں اور۔۔اور دھوکے سے ہمارا کھیت بھی ہتھیا لیا" رحمت کی بیوی نے تمہید باندھی۔

"ہاں تو۔۔۔" بات رحمت کی سمجھ میں نہیں آئی۔

"تو آپ زمیندار سے بدلہ کیوں نہیں لیتے۔۔"

"میں۔۔میں کیسے بدلہ لے سکتا ہوں۔۔" رحمت بولا۔

"کیوں بھوت تو سب سے بدلہ لے سکتا ہے۔۔" رحمت کی بیوی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"مگر۔۔میں بھوت کب ہوں۔۔" بات اب تک رحمت کی سمجھ میں نہیں آئی۔

"آپ بھوت نہیں ہے۔۔مگر یہ بات آپ یا میں جانتے ہیں مگر زمیندار تو آپ کو بھوت سمجھتا ہے اور آپ سے ڈرتا بھی ہے۔۔" رحمت کی بیوی پھر مسکرائی۔

"اوہ۔۔بات اب سمجھ آئی۔۔" رحمت بھی اپنی بیوی کی بات سمجھ کر مسکرا دیا۔

"بس آپ دیکھنا میں آپ کا کیسا میک اپ کرتی ہوں۔۔آپ سچ مچ کے بھوت نظر آئیں گے۔۔" رحمت کی بیوی کھانے کے خالی برتن اٹھاتے ہوئے بولی۔

دوسرے دن سویرا ہونے سے پہلے پہلے رحمت اپنے گھر سے نکلا اور زمیندار نیاز کی حویلی کی جانب چل دیا رحمت کی بیوی نے اسے اچھا خاصا بھوت بنا دیا تھا اس کے چہرے پر لال اور کالے رنگ سے کچھ اس طرح میک اپ کیا تھا کہ رحمت کا چہرہ کافی بھیانک نظر آ رہا تھا رحمت نے منہ میں مصنوعی دانت بھی لگا لئے تھے اور ان دانتوں پر لال رنگ کر لیا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے رحمت کے دانتوں سے خون ٹپک رہا ہو رحمت کے بال اس کی بیوی نے اس طرح کھڑے کر کے باندھے تھے جیسے رحمت کے دو چھوٹے چھوٹے سینگ ہو جب رحمت اپنا بڑا سا منہ کھولتا تو ایسا لگتا جیسے وہ سامنے والے کو کھا جائیگا رحمت آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر خود ہی ڈر گیا اور پھر ہنسنے لگا۔

"تم نے تو سچ مچ مجھے بھوت بنا دیا۔۔"

"بس آپ تھوڑی جاندار اداکاری کرنا پھر دیکھنا ہم گاؤں والوں کو زمیندار کے مظالم سے کیسے نجات دلاتے ہیں۔۔" اس کی بیوی نے کہا۔

"اداکاری کی تو تم فکر نہ کرو۔۔بڑے ٹانک دیکھے ہیں میں نے۔۔ایسی اداکاری کرونگا کہ زمیندار کے چھکے چھوٹ جائیں گے۔۔" رحمت نے جواب دیا۔اور اپنے گھر سے نکل کر زمیندار کی حویلی کی جانب چل دیا۔

رحمت تیز تیز قدم اٹھاتا زمیندار کی حویلی کے سامنے پہنچا حویلی مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی حویلی کے سارے مکین میٹھی نیند سو رہے تھے رحمت پہلے بھی کئی بار حویلی آ چکا ہے لہٰذا وہ حویلی کے چپے چپے سے واقف ہے رحمت حویلی کی چھوٹی سے باؤنڈری پھلانگ کر حویلی میں داخل ہوا اور نکاسی کے پائپ کے ذریعے حویلی کی اوپری منزل پر پہنچا رحمت جانتا تھا کہ زمیندار نیاز کا کمرہ اوپری منزل پر ہے لہٰذا رحمت پائپ کے سہارے اوپری منزل پر پہنچا اور زمیندار نیاز کے کمرے میں بنی کھڑکی کے پاس آیا اور کھڑکی کے کواڑ کو دھکا دیا رحمت کی خوش قسمتی کے کھڑکی اندر سے بند نہیں تھی لہٰذا کھڑکی کھل گئی رحمت کھڑکی کے راستے کمرے میں داخل ہو گیا کمرے میں پہنچ کر رحمت نے دیکھا کہ زمیندار نیاز اور اس کی بیوی ایک بڑی سی مسہری پر سو رہے ہیں زمیندار نیاز کے زوردار خراٹوں سے کمرہ گونج رہا ہے رحمت احتیاط کے

ساتھ چلتا ہوا زمیندار کی مسہری کے قریب گیا اور ایک زوردار طمانچہ زمیندار کے گال پر رسید کیا۔

"کون بدتمیز ہے۔۔؟" زوردار طمانچہ کھا کر زمیندار نیاز ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور جلدی سے مسہری پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور آنکھیں مسلنے لگا۔

"تیری موت۔۔۔زمیندار۔۔" رحمت گرجدار آواز میں بولا۔

"کک۔۔کون رحمت ۔۔۔رحمتے۔۔رحمتے۔۔۔بھوت۔۔۔" زمیندار کی نیند اڑ گئی اور وہ گھگھیانے لگا زمیندار کی آواز سن کر اس کی موٹی بیوی بھی اٹھ گئی اس نے اپنے سامنے رحمت کے بھوت کو دیکھا تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"خاموش۔۔ورنہ پہلے تیرا خون پی جاؤنگا۔۔" رحمت نے زمیندارنی کو دھمکی دی تو زمیندارنی خوف سے لرزنے لگی اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنا منہ سختی کے ساتھ بند کرلیا تاکہ اس کی چیخ نہ نکل سکے مگر خوف کے مارے اس کا موٹا بدن اس بری طرح لرز رہا تھا کہ رحمت کو اپنی ہنسی ضبط کرنی مشکل ہورہی تھی مگر وہ اپنی ہنسی ضبط کئے سنجیدہ شکل بنائے زمیندار کی جانب متوجہ ہوا۔

"مم۔۔مجھے۔۔مجھے مت مارو۔۔۔ رحمت۔۔مجھے مت مارو۔۔" زمیندار گڑگڑانے لگا۔

"زمیندار میں تجھے مارنے نہیں آیا ۔۔لیکن۔۔اگر تو نے میرے بات نہ مانی تو۔۔۔تو میں تیرا اور تیری اس موٹی بیوی کا سارا خون پی جاؤنگا۔۔" رحمت بھیانک انداز میں بولا اور اپنا بڑا سا منہ کھول کر زمیندارنی کی جانب دیکھا تو زمیندارنی کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا اور وہ غش کھا کر گر پڑی۔

"مم۔۔مجھے مت مارو۔۔مم۔۔میں تمہاری ساری باتیں مانونگا۔۔۔" زمیندار رونے لگا۔

"تو پھر۔۔" رحمت گرجدار آواز میں بولا اور تھوڑا وقفہ دے کر کہنے لگا۔۔"میرے گھر گندم اور چاول کی بوری اور کچھ روپے بھیج دینا۔"

"ضرور۔۔ضرور۔۔صبح ہوتے ہی بھیج دونگا۔۔"

"ضرور بھیج دینا ورنہ۔۔" رحمت نے اپنے دونوں ہاتھ زمیندار کی گردن پر رکھے تو وہ بنا پانی کی مچھلی کی طرح تڑپنے لگا اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ رہا تھا۔

"چلتا ہوں۔۔۔پھر آؤنگا۔۔" اتنا کہہ کر رحمت نے زمیندار کی گردن چھوڑی اور دھیرے قدموں سے چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا پھر کھڑکی کے پاس پہنچ کر رحمت نے اپنے دونوں بازو پھیلائے رحمت کی بیوی نے رحمت کے دونوں بازوؤں پر ایک کالا کپڑا اس طرح باندھا تھا کہ رحمت کے بازو پھیلانے کی وجہ سے ایسا لگتا تھا جیسے رحمت کے بازوؤں پر پر ہے اور رحمت اڑ سکتا ہے رحمت کھڑکی پر چڑھ کر نیچے اس طرح کودا جیسے اڑ رہا ہو زمیندار نیاز خوفزدہ سا بیٹھا رحمت کو دیکھ رہا تھا رحمت کے کھڑکی سے اس طرح کودنے پر زمیندار کی رہی سہی جان بھی نکل گئی اور اسے پورا یقین ہوگیا کہ رحمت بھوت ہے۔

رحمت حویلی سے نکل کر اپنے کھیت پر آگیا اور سارا دن کھیت پر ہی رہا۔

رات گہری ہونے پر رحمت اپنے گھر پہنچا گھر میں اس کی بیوی اپنے دونوں بچوں کو سلا کر رحمت کا انتظار کر رہی تھی رحمت کے گھر پہنچتے ہی اس کی بیوی نے اس کو زمیندار کی حویلی سے آئی گندم اور چاول کی بوری دکھائی اور پیسوں کے متعلق بھی بتایا رحمت نے بھی رات کا قصہ اپنی بیوی کو سنایا تو دونوں خوب ہنسے۔

ادھر شام کو چوپال میں زمیندار نیاز نے اپنے مصاحبین کو بھی رات کا قصہ بتایا۔

"زمیندار جی۔۔یہ تو بہت خطرناک بات ہے اگر۔۔اگر رحمتے کا بھوت۔۔۔میرے منہ میں خاک ۔۔اگر اس نے آپ کو کوئی نقصان پہنچایا تو۔۔۔۔" زمیندار کا ایک چہیتا مصاحب بولا تو زمیندار نیاز کی پریشانیوں میں اضافہ ہوگیا۔

"زمیندار جی۔۔بھوتوں پر تو ہمارے ہتھیار بھی کام نہیں کریں گے۔۔" ایک اور شخص بول اٹھا۔

"زمیندار جی۔۔" ایک چھوٹے سے قد کا کالا سا شخص رازدارانہ انداز میں مخاطب ہوا "زمیندار جی چند

عادت رحمت کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"بیٹھو۔۔۔" پیر جی رحمت کے لئے جگہ بناتے ہوئے بولے تو رحمت پیر جی کے سامنے ادب سے بیٹھ گیا۔

"آپ کون ہے اور یہاں کیسے بیٹھے ہیں۔۔" رحمت نے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

"ہم پیر ہے۔۔۔ پیر کڑوے لال۔۔۔۔۔"

"پیر کڑوے لال۔۔۔ پیر میٹھے لال تو سنا تھا۔۔ یہ کڑوے لال۔۔۔" رحمت پیر کا نام سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔

"وہ ہمارا چھوٹا بھائی ہے پیر میٹھے لال۔۔۔ ہم اس کے بڑے بھائی ہے پیر کڑوے لال۔۔" پیر جی اپنا لہجہ بارعب بناتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ یہاں کیسے بیٹھے ہیں۔۔" رحمت نے پھر پوچھا۔

"سنا ہے تمہارے گاؤں میں کوئی بھوت آگیا ہے۔۔" پیر جی حقے کا کش لگاتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہاں جی بڑا خطرناک بھوت ہے۔۔" رحمت نے سہم جانے کی اداکاری کی۔

"ذرا ہمارے سامنے آنے دو۔۔۔ پھر دیکھتے ہیں کہ کتنا خطرناک بھوت ہے۔۔۔" پیر جی اپنا سینہ پھلانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"آپ۔۔ آپ اس بھوت کا کیا کریں گے۔۔" رحمت نے پوچھا۔

"میں اسے پکڑوں گا۔۔"

"لیکن بھوت تو بہت طاقتور ہوتے ہیں۔۔ آپ انہیں کیسے پکڑیں گے۔۔" رحمت نے ناسمجھی کے انداز میں پوچھا۔

"تم ہمیں نہیں جانتے۔۔۔ ہم نے بڑے بڑے بھوتوں کو پکڑ کر سیدھا کردیا ہے یہ رحمتے کا بھوت تو معمولی بھوت ہے۔۔" پیر شیخی بگھارتے ہوئے بولا۔

"اس کنستر میں کیا ہے۔۔؟ رحمت نے پاس رکھے بڑے سے کنستر کے بارے میں پوچھا۔

"اس میں تیل ہے۔۔"

"تیل۔۔ کیا بھوت تیل سے پکڑے جاتے ہیں۔۔" رحمت نے حیران ہوکر پوچھا۔

"بھئی۔۔۔ تم سوالات بہت کرتے ہو۔۔۔ کیا تم نے کبھی رحمت کے بھوت کو دیکھا ہے۔۔؟" پیر جی رحمت کے سوالات سے اکتا گئے تو خود سوال کر ڈالا۔

"ہاں جی۔۔ کئی بار۔۔۔ دیکھا ہے میں نے رحمت کے بھوت کو۔۔۔ وہ بہت طاقتور اور خونخوار ہے۔۔" رحمت نے لہجے میں خوف پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

"ذرا میرے سامنے تو آئے پھر دیکھتا ہوں کتنا طاقتور ہے رحمت کا بھوت۔۔ اس بوتل میں بند کر کے نہ لیجاؤں تو میرا نام پیر کڑوے لال نہیں۔۔" پیر جی اپنے لباس میں سے شیشے کی بوتل نکال کر رحمت کو دیکھاتے ہوئے بولا۔

"اتنی سی بوتل میں کیسے آئے گا اتنا لمبا چوڑا رحمت کا بھوت۔۔" رحمت نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میں اسے دھواں بنا کر اس بوتل میں بند کر کے لیجاؤں گا۔۔" پیر جی نے جواب دیا۔

"دن بہت چڑھ گیا آج ابھی تک نظر نہیں آیا وہ رحمتے کا بھوت۔۔۔ سنا ہے دن کے وقت یہیں پر رہتا ہے۔۔" کچھ دیر بعد پیر جی چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"شائد آپ کے ڈر سے بھاگ گیا ہوگا۔۔۔۔"

رحمت نے جواب دیا تو پیر اپنی تعریف سن کر خوش ہوگیا۔

"بہت اچھے آدمی ہو تم۔۔ کیا نام ہے تمہارا۔۔" پیر جی نے اپنی تعریف سے خوش ہوکر رحمت کی بھی تعریف کردی۔

"جی میرا نام رحمت علی ہے۔۔"

"رحمت علی۔۔۔ اچھا نام ہے۔۔۔ کیا۔۔ کیا رحم۔۔۔ رحم۔۔ رحمت علی۔۔۔ رحمت علی کا بھوت۔۔۔۔" پیر نے پہلے روانی میں رحمت کو جواب دیا مگر جب رحمت کے نام پر غور کیا تو ان کی گھگھی بندگئی۔

"جی ہاں۔۔ پیر جی میں ہوں رحمت کا بھوت۔۔۔۔ پکڑیئے مجھے۔" رحمت پیر جی کے مقابل کھڑے ہوکر گرجدار آواز میں بولا تو پیر جی بری طرح

اس دور ایک پیر صاحب رہتے ہیں بڑے پہنچے ہوئے ہیں انھوں نے کئی بھوتوں کو پکڑ کر بوتل میں بند کیا ہے۔۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو انہیں لے آؤں"۔

"کیا۔۔ واقعی پیر جی رحمتے کے بھوت سے نجات دلا دیں گے۔۔؟" زمیندار نیاز اچھل پڑا۔

"یہ رحمتے کا بھوت تو بہت چھوٹا سا بھوت ہے پیر صاحب نے تو بڑے بڑے بھوتوں کو سیدھا کر دیا یہ رحمتے کا بھوت چیز ہی کیا ہے۔۔۔ آپ دیکھئے گا پیر صاحب ایک دفعہ چلہ کھینچے گے اور رحمتے کا بھوت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جائے گا۔۔"

"اگر ایسی بات ہے تو جاؤ اور فوراً پیر جی کو عزت سے لے کر آؤ۔۔" زمیندار نیاز نے بے چینی سے کہا۔

"زمیندار جی کچھ روپے مل جائے اور آپ کی سواری مل جائے تو آج رات ہی پیر صاحب کو لے آؤں گا۔۔"

"ہاں۔۔ ہاں ضرور۔۔" زمیندار نے اپنے منشی کو آواز دی۔

"اس کو ایک ہزار روپے دے دو اور۔۔ میرا تانگہ بھی تو لے جا۔۔" زمیندار نے پہلے منشی سے پھر اس شخص سے کہا۔

"دیکھ پیر جی کو بڑی عزت سے لیکر آنا۔۔" وہ شخص جب پیسے لیکر جانے لگا تو زمیندار نے ہانک لگائی۔

"آپ فکر نہ کریں زمیندار جی۔۔ بس آپ پیر صاحب کا استقبال ان کے شایانِ شان کیجئے گا۔۔" وہ شخص چوپال سے جاتے جاتے بولا۔

"تو فکر نہ کر۔۔۔ پیر جی کی خاطر میں کوئی کمی نہ ہو گی۔۔" زمیندار نے جواب دیا تو وہ شخص مطمئن ہو کر چوپال سے نکل گیا۔

"زمیندار جی اگر پیر صاحب آ گئے تو سمجھو کام بن گیا۔۔ اس منحوس رحمتے کے بھوت سے نجات مل جائے گی۔۔" منشی نے زمیندار سے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔۔ بس ایک دفعہ اس رحمتے کے بھوت سے نجات مل جائے پھر دیکھنا رحمتے کے بیوی بچوں کا کیا حشر کرتا ہوں۔۔۔" زمیندار نیاز نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے جواب دیا۔

اگلے دن پو پھٹنے کے بعد رحمت ایک درخت کے نیچے لیٹا تھا رات اس نے اپنے گھر میں گزاری اور سویرا ہونے سے پہلے پہلے وہ واپس کھیت پر آ گیا گاؤں والوں نے رحمت کے بھوت کے ڈر سے اس کھیت کی جانب آنا چھوڑ دیا تھا رحمت آنکھیں موندے لیٹا تھا کہ اسے حقہ گڑگڑانے کی آواز آنے لگی۔ حقے کی آواز سن کر رحمت نے آنکھیں کھولی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا حقے کی آواز کی سمت چل دیا تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ اس کے کھیت سے کچھ فاصلے پر ایک صاف جگہ پر ایک سفید کپڑا بچھا ہوا ہے اور اس سفید کپڑے پر ایک بارعب شخص جس کی ناک طوطے کی طرح مڑی ہوئی تھی اور مکاری اور خباثت اس کے چہرے سے ٹپک رہی تھی وہ شخص اس سفید کپڑے پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا اس شخص نے اپنے گلے میں بڑی بڑی مالائیں پہنیں ہوئیں تھیں اس کے ہاتھ میں بھی بہت ساری انگوٹھیاں تھیں اس شخص کے پاس ایک بڑا سا کنستر رکھا تھا اس شخص کا گھوڑا کچھ فاصلے پر کھونٹے سے بندھا ہوا گھاس کھا رہا تھا اس شخص نے اپنے اطراف ایک بڑا سا دائرہ کھینچ رکھا تھا حقہ پیتے پیتے وہ شخص کبھی کبھی منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگتا شائد وہ شخص کوئی وظیفہ وغیرہ کر رہا تھا۔

یہ وہی پیر تھے جنہیں زمیندار نیاز نے رحمت کے بھوت کو پکڑنے کے لئے بلایا تھا اور ان پیر صاحب نے زمیندار نیاز سے اس کام کی بڑی بھاری رقم بھی اینٹھ لی تھی۔۔ دراصل یہ پیر بھی ایک فراڈ ہے اور انھوں نے صرف کھانے کمانے کے لئے پیر کا بہروپ بدل رکھا ہے۔

رحمت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا پیر کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے قریب پہنچا اور پیر کے قریب پہنچ کر زوردار آواز میں سلام کیا رحمت کی زوردار آواز سن کر پیر جی گھبرا گئے اور حقہ کی نے ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور حقہ ایک جانب گرنے لگا رحمت نے جلدی سے حقے کو پکڑ کر اسے گرنے سے بچایا۔

"وعلیکم۔۔۔ وعلیکم السلام۔۔" پیر جی نے حسب

گھبرا گئے۔

"تت۔۔۔تم۔۔تم بھوت۔۔میرے اتنے قریب۔۔۔بچاؤ۔۔بچاؤ۔۔" رحمت کی گرجدار آواز سن کر پیر کڑوے لال کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔

"تم نے تو بڑے بڑے بھوتوں کو پکڑا ہے نا۔۔۔لو مجھے بھی پکڑ کو دکھاؤ۔۔" رحمت زوردار آواز میں دھاڑا رحمت کی دھاڑ سن کر پیر کڑوے لال فوراً وہاں سے اٹھ کر بھاگنے لگا مگر رحمت نے ان کے کرتے کا دامن پکڑ لیا اور انہیں بھاگنے نہیں دیا۔

"چھوڑ دے مجھے۔چھوڑ دے۔۔تجھے خدا کا واسطہ۔۔چھوڑ دے مجھے۔" پیر کڑوے لال گڑگڑانے لگا۔

"نہیں۔۔میں نہیں چھوڑونگا۔۔مجھے پکڑ کر بوتل میں بند کرو۔۔۔" رحمت ضدی بچوں کی طرح مچلنے لگا۔

"نہیں نہیں۔۔مجھے معاف کردے۔۔رحمت مجھے معاف کردے۔۔" پیر کڑوے لال نے اپنا دامن چھڑانے کی غرض سے زور لگایا تو ان کا دامن پھٹ گیا اور وہ سیدھے تیل کے کنستر میں منہ کے بل گر پڑے اب صورتحال یہ تھی کہ پیر کڑوے لال کا سر تیل کے کنستر کے اندر تھا اور ان کی ٹانگیں آسمان کی جانب لہرا رہی تھیں رحمت نے آگے بڑھ کر پیر کڑوے لال کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر زور سے کھینچی تو پیر کڑوے لال کا سر تیل کے کنستر سے باہر نکل آیا تیل کے کنستر سے نجات پاتے ہی پیر کڑوے لال لوٹ لگاتے ہوئے رحمت سے دور چلے گئے پیر کڑوے لال کا سر اور کپڑے تیل اور مٹی سے اٹ گئے تھے اور وہ عجیب مضحکہ خیز چیز نظر آرہے تھے رحمت سے دور ہوتے ہی پیر کڑوے لال بھاگ کے اپنے گھوڑے کے اوپر بیٹھا اور گھوڑے کو چابک مارا تاکہ وہاں سے بھاگ سکے مگر گھوڑا تو کھونٹے سے بندھا ہوا تھا لہذا ان کے چابک مارنے کے باوجود گھوڑا صرف زور لگا سکا مگر آگے نہ بڑھ سکا پیر کڑوے لال سمجھے گھوڑے کو پیچھے سے رحمت کے بھوت نے پکڑ لیا ہے وہ پھر گڑگڑانے لگے۔

"چھوڑ دے۔۔۔چھوڑ دے خدا کے واسطے چھوڑ دے۔۔"

گھوڑے کے بار بار زور لگانے کی وجہ سے کھونٹا زمین سے اکھڑ گیا اور گھوڑا تیز دوڑنے لگا گھوڑے کے دوڑنے کی وجہ سے رسی سے بندھا کھونٹا بار بار اچھل کے پیر کڑوے لال کے گنجے سر پر پڑتا اور وہ یہ سمجھتے کہ رحمت کا بھوت ان کے سر پر طمانچے مار رہا ہے وہ بار بار گڑگڑا کر معافیاں مانگ رہے تھے۔آخر کار گھوڑا پیر کڑوے لال کو لیکر زمیندار نیاز کی حویلی پہنچا حویلی پہنچنے تک پیر کڑوے لال کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی ان کے کپڑے پھٹ چکے تھے تیل، مٹی اور سر سے بہتے خون نے ان کا چہرہ عجیب مضحکہ خیز بنا دیا تھا پیر کڑوے لال حویلی کے سامنے پہنچ کر گھوڑے سے گر پڑا۔

"کیا ہوا۔۔کیا ہوا۔۔۔" پیر کڑوے لال کی یہ حالت دیکھ کر زمیندار اور اس کے مصاحبین گھبرا گئے۔

"تیرا ستیاناس جائے زمیندار۔۔۔تیرا بیڑا غرق جائے۔۔۔آج تو نے مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔۔ارے کم بخت تو نے یہ نہیں بتایا کہ رحمت کا بھوت اتنا خطرناک ہے ہائے۔۔۔ہائے مار ہی ڈالا تھا ظالم نے۔۔قسمت اچھی تھی تو جو جان بچ گئی۔۔اف۔۔۔ہڈی پسلی ایک کردی اس بھوت نے۔۔۔بس اب۔۔اب میں یہاں ایک منٹ بھی یہاں نہیں رکونگا۔۔میری واپسی کا بندوبست کر۔۔"

پیر کڑوے لال ہانپتے کانپتے بولا

رات کو رحمت نے ہنس ہنس کر جعلی پیر کا قصہ اپنی بیوی کو سنایا تو دونوں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے خوب ہنسنے کے بعد رحمت کی بیوی بولی۔

"آخر اس طرح کب تک چلے گا۔آپ کب تک بھوت بنے رہو گے۔۔؟"

"بس کل۔۔۔کل آخری دن ہے اس بھوت کے بہروپ کا۔۔۔تم تیار رہنا قیمتی چیزیں ایک پوٹلی میں باندھے رکھنا ہم کل شام کو یہ گاؤں چھوڑ کر کہیں اور چلیں جائیں گے۔۔۔بس آج رات ایک آخری کام کرلوں۔۔"

رحمت نے جواب دیا تو اس کی بیوی سر ہلانے لگی۔

اگلے دن صبح سورج نکلنے سے پہلے رحمت زمیندار

ال حویلی پہنچا اور نکاسی کے پائپ کے سہارے
دار کے کمرے میں پہنچ گیا زمیندار نیاز اپنی مسہری پر
ت منہ سو رہا تھا آج وہ اکیلا تھا اس کی بیوی اس کے
نہ نہیں تھی شاید اس کی بیوی نے بھوت کے ڈر سے
ا تر دوسرے کمرے میں بچھا لیا تھا۔ کمرے میں
ندار کے خراٹے گونج رہے تھے رحمت نے آگے بڑھ
ر ایک زوردار لات زمیندار نیاز کی کمر پر رسید کی لات
نی زور سے ماری گئی تھی کہ زمیندار لڑھکتا ہوا مسہری
سے نیچے جا گرا اور ساتھ ہی ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

"کک۔۔کون ہے؟"

"آنکھیں کھول زمیندار۔۔۔میں تیری موت ہوں۔۔" رحمت نے گرجدار آواز میں کہا رحمت کی اتنی گرجدار غصہ بھری آواز سن کر زمیندار خوف سے کانپنے لگا۔

"رر۔۔رحمت۔۔۔۔رحمت۔۔۔۔" خوف کے مارے زمیندار کے منہ سے پورا جملہ ادا نہیں ہوا۔

"آج تیرا سارا خون پی جاؤں گا اور تیرا سارا ماس (گوشت) کھا جاؤں گا۔۔" رحمت خوفناک انداز میں زمیندار کی جانب بڑھا۔

"مم۔۔مجھے معاف کردو۔۔رحمت بھائی۔۔۔۔مم۔۔۔میں۔۔۔" زمیندار خوف سے لرز رہا تھا۔

"آج تو نے ایک پیر بھیجا تھا مجھے قابو کرنے کے لئے۔۔" رحمت گرجا۔

"غغ۔۔۔غلطی ہو گئی۔۔۔مم۔۔معاف کردو۔۔" زمیندار نے رحمت کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"تجھے معاف کردو ناممکن۔۔۔آج تو میں تیرا خون ضرور پیوں گا۔۔" رحمت نے اپنا بڑا سا منہ کھولا رحمت کے چمکتے سفید دانتوں پر لگا خون دیکھ کر زمیندار کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے اور وہ خوف سے لرزنے لگا ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ نکلے رحمت نے آگے بڑھ کر اپنے مضبوط ہاتھوں سے زمیندار کی موٹی گردن پکڑی تو زمیندار بے بس پرندے کی طرح رحمت کے مضبوط ہاتھوں میں پھڑکنے لگا۔

"مم۔۔مجھ سے غلطی ہو گئی۔۔۔مم۔۔مجھے

انتقال پُرملال

پاکستان کے مشہور و معروف صف اوّل کے اردو کے ناول نگار ایم اے راحت لاہور میں 25 اپریل 2017ء کو انتقال کر گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ایم اے راحت اردو ادب کے بڑے ناموں میں سے ایک نام ہیں۔ 800 سے زائد ناولوں کے لکھاری ہیں۔ انہوں نے بچوں کے لئے بھی بے شمار کہانیاں لکھی ہیں۔

ڈر ڈائجسٹ میں ان کی آخری قسط وار کہانی "دشمن روحیں" مارچ 2017ء میں شائع ہوئی۔

ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایم اے راحت کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ دے۔ پل پل ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ (آمین)

خالد علی (مینجنگ ایڈیٹر)

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ

معاف کردو پیارے رحمت بھائی۔۔" زمیندار رحمت کے سامنے باقاعدہ رونے لگا۔

"میں تجھے ایک شرط پر معاف کرسکتا ہوں۔۔۔"

رحمت نے زمیندار کے گردن سے اپنے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔ہاں۔۔ مجھے تمہاری ساری شرطیں منظور ہیں۔۔" زمیندار اپنی موٹی گردن سہلاتے ہوئے بولا اپنی جان بچانے کے لئے وہ رحمت کی ساری شرائط ماننے کو تیار تھا۔

"پہلے شرط سن لو۔۔" رحمت نے کڑکدار آواز میں کہا۔

"ہاں۔۔ہاں میں سن رہا ہوں۔۔" زمیندار نے عاجزانہ انداز میں جواب دیا۔

"تمام کسانوں کو جن کی زمینیں تم نے ظلم وستم کر کے قبضہ کر رکھی ہے ان سب کسانوں کو ان کی زمینیں واپس کردو گے۔۔اور ان سب سے معافی بھی مانگو گے۔۔" رحمت گرجا۔

"مم۔۔مجھے منظور ہے۔۔" زمیندار نے جلدی سے جواب دیا جیسے کہ اگر اس نے رحمت کی شرط ماننے میں دیر کی تو اس کی جان نکل جائے گی۔

"اور میرے گھر ایک تانگہ جس میں اناج کی بوریاں لدی ہو اور دس ہزار روپے بھیجوا دینا۔۔ورنہ۔۔" رحمت ایک بار پھر گرجا۔

"ہاں۔۔ہاں۔۔بھیج دونگا۔۔۔سب بھیج دونگا۔۔" زمیندار رحمت کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوا بولا۔

"چلتا ہوں۔۔۔" رحمت نے کہا اور اپنے ہاتھ پھیلا کر کھڑکی تک آیا کھڑکی کے پاس آکر رحمت دوبارہ زمیندار کی جانب مڑا زمیندار خوفزدہ نظروں سے رحمت کو دیکھ رہا تھا۔

"میں واپس اپنی دنیا میں جارہا ہوں۔۔مگر یہاں کی خبر گیری کرتا رہونگا۔۔اگر تو نے کبھی کسی پر ظلم کیا۔۔۔تو میں واپس آکر تجھے ایسی سزا دونگا کہ۔۔۔۔۔۔یاد رکھنا۔۔" رحمت زمیندار کی جانب دیکھ کر خوفناک انداز میں گرجا اور پھر کھڑکی پر چڑھا کھڑکی سے باہر اس طرح کودا جیسے ہوا میں اڑ رہا ہو۔

اگلا دن گاؤں والوں کے لئے خوشیوں کا پیغام آیا زمیندار نیاز نہ صرف ان کی زمین کے کاغذات واپس کر رہا تھا بلکہ ہاتھ جوڑ کر ان سب سے اپنے ظلم وستم کی معافی بھی مانگ رہا تھا تمام گاؤں والے حیرت زدہ اور متعجب تھے مگر ساتھ ہی خوش بھی تھے خوشی ان کے چہروں پر رقصاں تھی۔

اسی شام رحمت کے گھر ایک تانگے میں چاول اور گندم کی بوریاں لیکر خود زمیندار پہنچا اور اس نے رحمت کی بیوی کو دس ہزار روپے بھی دیئے اور اپنے گزشتہ رویے کی معافی بھی مانگی۔ زمیندار نیاز کے جانے کے بعد رحمت کی بیوی اپنے قیمتی سامان کی پوٹلی اور اپنے دونوں بچوں کو لیکر تانگے میں سوار ہوگئی اور گاؤں سے باہر جانے والی سڑک کی جانب چل دی گاؤں سے کافی دور نکلنے کے بعد ایک جگہ رحمت بھی تانگے میں سوار ہوگیا رحمت کو دیکھ کر اس کے دونوں بچے سہم گئے۔

"امی۔۔امی بھوت۔۔" رحمت کا چھوٹا بچا بھوت کہہ کر اپنی امی سے لپٹ گیا رحمت کی بیوی نے اسے پیار سے گود میں اٹھایا اور اس کے گالوں پر پیار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"نہیں بیٹا۔۔۔یہ بھوت نہیں ہے یہ آپ کے بابا ہیں۔۔" اتنا کہہ کر رحمت کی بیوی نے بچے کو رحمت کی گود میں دے دیا، رحمت بچے کو پیار کرنے لگا یہ دیکھ کر رحمت کا بڑا بیٹا بھی بابا کہہ کر رحمت سے لپٹ گیا۔

رات گہری ہونے سے پہلے پہلے رحمت ایک دور دراز گاؤں میں پہنچ گیا اور اب بھی رحمت اس گاؤں میں رہتا ہے اور پرچون کی دکان چلاتا ہے اور حق حلال کی روزی کماتا ہے اور جب بھی اسے زمیندار نیاز کا خیال آتا ہے تو وہ اور اس کی بیوی دونوں پرانی باتیں دہرا کر خوب ہنستے ہیں۔

چڑیل کا خاتمہ

ڈاکٹر طارق محمود آکاش-ڈسکہ

اچانک ویرانے میں ایک دلکش حسینہ نظر آئی تو نوجوان اس پر لٹو ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس حسینہ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا اور پھر وہ حسینہ پلٹی تو نوجوان کے پسینے چھوٹ گئے۔

دل پر سکتہ طاری کرتی اور ذہن کو لرزہ براندام کرتی.....خوفناک وحیرت ناک کہانی

ہمارے اردگرد، محلے شہر بلکہ دنیا میں بے شمار ایسے واقعات ہیں کہ جن کو سن کر اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور انسان بے یقینی کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

یہ واقعہ چند ماہ پہلے خود میرے دوست کے ساتھ پیش آیا۔

میری اور میرے دوست ساجد کی عادت ہے کہ ہم اکثر اوقات دور دور تک محافل میں شرکت کے لئے جایا کرتے ہیں۔ ربیع الاول کے بابرکت ماہ میں ویسے بھی یہ سلسلہ کافی بڑھ جاتا ہے۔

اس رز ہمارے گاؤں سے تقریباً ایک گھنٹہ کے فاصلے پر بہت بڑی محفل کا پتہ چلا۔ مجھے ساجد نے آکر بتایا کہ وہاں جانا ہے۔ یقینی بات کہ میں نے فوراً ہاں کردی۔ میری ڈیوٹی ٹائمنگ دوپہر 2 بجے سے رات

دس بجے تک تھی میں نے ایک دن پہلے ڈبل ڈیوٹی کی تاکہ اگلے دن آسانی سے محفل میں شرکت کرسکوں۔

شاید قسمت میں یہ بات نہیں تھی کہ میں محفل میں شریک ہوسکوں کہ اچانک مجھے ایک گھریلو مجبوری کے تحت کہیں اور جانا پڑ گیا۔ ساجد کو بھی بتا نہ پایا تھا اسے بھی بعد میں فون پر مطلع کیا اور معذرت کی۔ اسے پتہ تھا کہ واقعی کوئی مجبوری ہوگی جو میں نہ گیا۔ ورنہ میں ہر مصروفیت چھوڑ کر محفل میں ضرور شرکت کرتا تھا اس لئے ساجد نے برا نہ منایا اور میری معذرت قبول کرلی۔

بعد میں جو واقعہ ساجد کے ساتھ پیش آیا اسی کی زبانی سنیے۔

محفل کا ٹائم بعد از نماز عشاء تھا اگر ہم سب مل کر جارہے ہوتے تو عشاء کی نماز اپنی مسجد میں ادا کر کے چلے جاتے۔

چونکہ میں اکیلا تھا اس لیے سوچا کہ ٹائم پر ہی نکل جانا چاہئے اور نماز عشاء اپنی منزل پر پہنچ کر ادا کریں گے میں نے بائیک نکالی اور والدہ کو سلام کر کے آیت الکرسی کا ورد کرتا ہوا گھر سے نکل پڑا۔

ہم سب دوستوں کا معمول ہے کہ ہم راستے میں آتے جاتے فضول گفتگو کی بجائے درود شریف اور آیت الکرسی کا ورد کرتے ہوئے سفر کرتے ہیں۔

میں اپنے گاؤں کے روڈ سے گزر کر مین روڈ پر پہنچا تو وہاں مجھے ایک برقعہ پوش خاتون نے روکا اور شہر جانے کے متعلق کہا۔

عموماً میری اور ہم سب دوستوں کی عادت ہے کہ ہم عورتوں کو لفٹ ہرگز نہیں دیتے ہاں البتہ کوئی معمر خاتون ہو تو بخوشی بیٹھا لیتے ہیں اس وقت اندھیرا پھیل چکا تھا میں نے سوچا کہ بے چاری نہ جانے کب سے کسی سواری کے انتظار میں کھڑی ہے اور سواری پتہ نہیں کب ملے اس لیے میں نے بیٹھا لیا۔

ابھی چند منٹ کا سفر طے کیا تھا کہ موٹر سائیکل کا چلنا مشکل ہوگیا میں نے بریک لگائی دونوں ٹائر چیک کیے سب کچھ درست ہونے پر دوبارہ سوار ہوئے اور منزل کی جانب چل پڑے اس دوران میں نے درود شریف پڑھنا بند نہیں کیا، برقعہ پوش خاتون خاموشی سے بیٹھی رہیں۔

ہمارے آدھے سفر ختم ہوتے ہوئے راستے میں ایک وسیع قبرستان ہے اچانک برقعہ پوش خاتون نے بائیک روکنے کا اشارہ دیا میں نے بائیک روکی تو وہ خاموشی سے اتر کر قبرستان کی جانب چل دی۔ میں حیران تھا کہ یہاں کوئی آبادی تو ہے نہیں پھر یہ عورت اس شہر خموشاں میں کیوں گئی ہے۔

خیر میں درود شریف پڑھتا ہوا اپنی منزل کی جانب بڑھ گیا، میں نے جا کر نماز عشاء ادا کی اور پھر محفل میں شامل ہوا۔ میرے ذہن سے گزشتہ واقعہ نکل گیا تھا۔

رات ایک بجے کے قریب محفل کا اختتام ہوا رحمتوں بھری رات اپنی مدھم رفتار سے گزر رہی تھی سردی اپنے عروج پر تھی ہلکی ہلکی دھند بھی تھی۔

میں نے واپسی پر خود کو سردی سے بچاؤ کے لیے اچھی طرح پیک کیا اور مسجد کے گرم پانی سے وضو کر کے اپنے گھر کی طرف واپسی کی راہ پر چل پڑا۔ حسب معمول میری زبان پر درود شریف جاری تھا۔

تب میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میں اچھنبے میں پڑ گیا کیونکہ شہر سے باہر نکلتے ہی مجھے اسی برقعہ پوش عورت نے ہاتھ کے اشارے سے رکنے کا اشارہ کیا۔ ایک لمحے کو میں ڈر گیا مگر پھر میرے ذہن میں آیا کہ شاید عورت وہاں اپنے کسی عزیز کی قبر پر گئی ہوگی اور اب واپس آگئی ہوگی اور اب واپس جانا چاہتی ہے۔

مگر اس کو پتہ کیسے چلا کہ میں آرہا ہوں اور پھر یہ قبرستان سے اتنی دور کیسے پہنچی اور پھر یہ رات کو ہی کیوں سفر کرنے پر بضد ہے۔

بہر حال اپنے سارے اندازے جھٹک کر میں نے اسے بائیک پر بیٹھنے کا اشارہ دیدیا حسب سابق اس نے خاموشی سے سفر کیا میں ہمیشہ کی طرح درود شریف پڑھ رہا تھا،

وہی قبرستان جہاں پہ آتے ہوئے وہ اتری تھی
ہاں پہ ہی اس نے مجھے ایک مرتبہ پھر اتارنے کا اشارہ
میں نے بائیک روکی۔ میں اس سے پوچھنے ہی والا
کہ وہ کون ہے؟ اور یہاں پر کیا کرنے آئی ہے۔

مگر جب وہ بائیک سے اتری تو اسے دیکھتے ہی
ے اوسان خطا ہوگئے وہ ایک بڑے دانتوں والی
یل بن چکی تھی الجھے بال الٹے پاؤں نہایت ڈراؤنی
ل میں تو وہاں سے درود شریف اور آیت الکرسی پڑھتا
ا بھاگ نکلا۔ بمشکل میں گھر پہنچا گھر آتے ہی بخار
نے گھیر لیا۔ گھر والوں کو سارا واقعہ سنایا صبح انہوں نے
الٹر کو بلایا ساتھ دوسرے گاؤں سے ایک عامل کو بلایا
گر میں نے منع کردیا کہ درود شریف کی برکت سے میں
ر طرح کی آفت سے محفوظ ہوں، عامل کے چکر میں
نے کی ضرورت نہیں۔ بس وحشت وخوف کی وجہ سے
طار ہے۔ انشاء اللہ دوائی کھانے سے یہ کیفیت جلد ٹھیک
ہوجائے گی۔

اس واقعہ کو گزرے چند روز گزرے تھے کہ
ماجد میرے پاس کلینک میں بیٹھا تھا، موسم کافی سرد تھا
مغرب ہونے میں ابھی تھوڑا ٹائم باقی تھا ہم اسی رات
والے واقعہ پر تبادلہ خیال کررہے تھے کہ اچانک باہر شور
نائی دیا میرے اسسٹنٹ نے آکر بتایا کہ باہر ایک
ادمی کو ایمرجنسی کی حالت میں لے کر آئے ہیں۔ خیر
میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے چیک کیا اتنی سردی میں بھی
اس کے ماتھے پر پسینے کے موتی چمک رہے تھے اور وہ
خوف سے کانپ رہا تھا۔

میں نے وقتی طور پر اسے سکون آور دوا دی اور
اس کے لواحقین کو صبر اور حوصلہ سے بیٹھنے کو کہا۔

دو سے تین گھنٹے بعد مریض کے ہوش میں آنے
کے آثار نظر آنے لگے اس دوران وقفے وقفے سے میرا
اسسٹنٹ بلڈ پریشر چیک کرتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد
مریض کو ہوش آیا پھر اسے چائے پینے کے لئے دی گئی
جب اس کے ہوش مکمل طور پر بحال ہوئے تو اس سے پوچھا
کہ "آخر کیا بات ہوئی تھی کہ آپ کی یہ حالت ہوئی۔"

بیٹیاں

بیٹیاں تو وہ ہیں تم جس کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دے دو، اف کیسے بغیر تمہاری پگڑیوں، داڑھیوں کی لاج رکھنے کے لئے ساتھ ہولیتی ہیں۔ سسرال میں میکے کی یاد آئے تو چھپ، چھپ کے روتی ہیں۔ کبھی دھویں کے بادل تو کبھی پیاز کاٹنے کے بہانے آنسو بہا کر جی ہلکا کرلیا، تو کبھی آٹا گوندتے بہتے آنسو، آٹے میں جذب ہوتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ ان نمکین روٹیوں میں ان بیٹیوں کی آنکھوں کا بھی کتنا پانی شامل ہوتا ہے سو ان کی قدر کرو کہ یہ آبگینے بڑے نازک ہیں۔ بابل کے گھر میں نازک آبگینوں، کومل منہ بند کلیوں، اُڑتی پھرتی رنگ برنگی تتلیوں جیسی بیٹیاں، ماں باپ کی خدمت کرتی یہ کلیاں جب سسرال چلی جائیں گی تو ہمیں بہت یاد آئیں گی۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈو الہ یار)

اس نے بتایا کہ "میں شہر سے واپس آرہا تھا کہ مجھے ایک برقعہ پوش خاتون نے روکا اور لفٹ طلب کی میں نے بنا کسی پیش پش کے اسے بائیک پر بیٹھنے کا اشارہ کردیا راستے میں قبرستان کے پاس اس نے اترنے کا بولا" جب میں نے بائیک روکی تو وہ اتری اور اس پر نظر پڑتے ہی میرے ہوش اڑ گئے وہ بدصورت ترین چڑیل بن چکی تھی میری زبان پر فوراً کلمہ طیبہ جاری ہوگیا اس کے بعد مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں یہاں تک کیسے پہنچا۔

میں نے ساجد اور ساجد نے میری جانب دیکھا۔ یقیناً یہ اسی چڑیل کی کارستانی تھی جو ساجد کو بھی مل چکی تھی، خدا کا شکر کہ اب تک وہ اپنے حربے میں

کامیاب نہ ہو سکی تھی اور ہم دعا کر رہے تھے کہ خدا سب کو سلامت رکھے۔

مریض کو فرسٹ ایڈ دے کر فارغ کر دیا گیا تھا میں اور ساجد سوچ رہے تھے کہ آخر کس طرح لوگوں کو اس چڑیل سے چھٹکارا ملے، ساجد کے ساتھ یہ واقعہ رات کو جبکہ دوسرے آدمی کے ساتھ دن کے پچھلے پہر پیش آیا تھا۔

اب لوگ دن میں بھی قبرستان کے پاس سے گزرنے سے ڈرنے لگے تھے۔

پھر اگلے ایک ماہ تک ایسا کوئی بھی واقعہ مزید پیش نہ آیا لوگ آہستہ آہستہ یہ بات بھول رہے تھے کہ ایک روز مجھے شہر جانا پڑا وہاں پر ہمارا فری میڈیکل کیمپ تھا اور مجھے وہاں ڈیوٹی کرنا تھی۔ ڈیوٹی کے دوران ہی مجھے ایک ایسا واقعہ سننے کو ملا جس کی کڑیاں گزشتہ واقعات سے مل رہی تھیں شہر کے آس پاس بہت سی ایسی جگہ ہیں جن کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ کسی وقت یہاں بہت بڑا گاؤں تھا اور پھر کسی آسمانی آفت سے زمین بوس ہو گیا اب اس جگہ قبرستان بن چکا تھا۔

دو دوست شہر سیالکوٹ سے آ رہے تھے دونوں الگ الگ موٹر سائیکل پر تھے۔ راستے میں کسی برقعہ پوش خاتون نے روکا اور لفٹ مانگی ایک نے اس عورت کو بیٹھا لیا اور بائیک فراٹے سے آگے بڑھنے لگی، کافی دور جا کر اس عورت نے قبرستان کے پاس رکنے کا اشارہ دیا، جب بائیک روکی تو عورت نے برقعہ اتار دیا اس کی شکل وصورت بہت خوبصورت دلہن جیسی تھی اس نے دونوں دوستوں کو جو دعوت دی کہ وہ اس کے ساتھ چلیں اور چائے پانی پی کر واپس چلے جائیں دونوں دوست آوارہ گرد تھے اور اس آفر سے خوش ہوئے مگر حیران تھے کہ آس پاس کوئی گھر ہے نہیں تو آخر یہ ہمیں کہاں لے جا رہی ایک دوست کا ہاتھ پکڑ کر وہ جا رہی تھی جبکہ دوسرا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

پچھلے دوست نے دیکھا کہ اس دلہن کے پاؤں الٹے ہیں تو اس نے اپنے دوست کو آواز دی مگر وہ دونوں اپنے آپ میں مگن چلتے جا رہے تھے دوست نے واپسی کے لئے دوڑ لگائی اور اپنی بائیک لی اور گھر آ کر گھر والوں کو مطلع کیا بہت سے لوگ اس قبرستان میں پہنچے مگر تب تک کافی دیر ہو چکی تھی تھوڑی سی تلاش کے بعد انہیں ایک مسخ شدہ لاش ملی جو اسی لڑکے کی تھی چڑیل اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی میں نے جب یہ واقعہ سنا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

میں نے ساجد کو شام کے وقت یہ واقعہ سنایا اس نے کہا "یقیناً درود شریف کی برکت سے ہم بچ رہے تھے۔"

اب تو اس چڑیل کا خوف لوگوں کے دل و دماغ پر بیٹھ چکا تھا ہر کوئی اس طرف جانے سے کترانے لگا کیونکہ کئی لوگ اس کا شکار بن چکے تھے اور یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ لوگ کسی کام سے اس طرف نہ جائیں۔ آئے دن لوگوں کو ادھر جانا پڑتا تھا۔

بہرحال پورا گاؤں پریشان تھا لوگوں کو پریشان دیکھ کر ایک روز مسجد کے پیش امام صاحب" بولے گاؤں سے پانچ لوگ میرے ساتھ چلیں اور اس جگہ کی نشاندہی کریں کہ وہ چڑیل کس جگہ اترتی ہے اور کس جگہ کھڑی ہو کر لفٹ مانگتی ہے۔"

خیر ان لوگوں میں ساجد بھی شامل تھا کیونکہ اس کے ساتھ بھی وہ واقعہ پیش آ چکا تھا، لوگ مطلوبہ جگہ پر آ گئے اور ساجد نے اس جگہ کی نشاندہی کر دی۔

پیش امام صاحب نے اس جگہ کا بغور جائزہ لیا اور پھر اپنی جیب سے تین عدد لمبی کیلیں نکالیں اور ان پر قرآنی آیات پڑھ کر دم کیا اور ایک کیل اس جگہ زمین میں گاڑی دوسری کیل وہاں سے کچھ دور اور پھر تیسرا کیل تیسری جگہ گاڑ کر بولے "اب گاؤں چلیں میں نے اس کم بخت چڑیل کی بندش کر دی اب یہ رات یا دن میں کسی کو تنگ نہ کرے گی۔" اور پھر ایسا ہی ہوا اس دن کے بعد ایک شکایت نہ ملی کہ کوئی برقعہ پوش خاتون قبرستان والے علاقے میں کسی کو نظر آئی ہو۔

پراسرار پہلوان

گلاب خان سولنگی۔کشمور

جنگل میں موجود بنگلے کا مین گیٹ کھلا تھا، اور خونی درندے بنگلے میں دندناتے پھر رہے تھے مگر کسی بھی ذی روح کا نام و نشان نہ تھا کہ ایسے میں جو منظر سامنے آیا وہ ناقابل یقین تھا۔

لفظ لفظ دلوں پر دہشت طاری کرتی ہارر کہانیوں میں دی بیسٹ کہانی، پڑھ کر تو دیکھیں

تماشائیوں سے پورا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ دو ریسلر رنگ میں ایک دوسرے کے مقابل فائٹ میں مصروف تھے کہ یکا یک ایک ریسلر نے دوسرے ریسلر کو اوپر اٹھا کر زور سے نیچے گرایا اور وہ بے چارہ ایسا گرا کہ دوبارہ اٹھ نہیں سکا۔ جی ہاں اس کی موت واقع ہو چکی تھی، قریب کھڑے طبی عملے نے اس بات کی تصدیق کی تو ہر طرف مایوسی کے بادل چھا گئے۔ لوگوں کا محبوب ریسلر ان سے جدا ہو گیا تھا۔ ہر دل افسردہ تھا۔

ریسلر اپنی جیت کی خوشی منائے بغیر خاموشی سے رنگ سے باہر چلا گیا۔ طبی عملے نے مرے ہوئے ریسلر کی باڈی کو ایمبولینس میں ڈالا اور تھوڑی دیر بعد پھر ریسلنگ کا کھیل شروع ہو گیا۔

ریسلنگ زیادہ تر لوگوں کا پسندیدہ ترین کھیل ہے جو کہ اپنی جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور

ہے۔ ریسلنگ کی تاریخ بہت پرانی ہے لیکن موجودہ صدی میں جتنی مشہوری اس کو ہوئی اتنی پذیرائی شاید کسی اور کھیل کو نصیب نہیں ہوئی ہے کیونکہ آج کل میڈیا کا دور ہے اور ریسلنگ تو دنیا کے ہر ملک میں شوق سے دیکھی جارہی ہے۔ روزانہ بہت سارے ریسلر آتے ہیں اور اپنی قسمت آزمائی کرتے ہیں۔ زورآزمائی کے اس کھیل میں نہ جانے کتنے ریسلر اپنی جان گنوا چکے ہیں اور کتنے زخمی ہو کر معذوری کی زندگی بسر کررہے ہیں جبکہ دوسری طرف بہت سے پہلوانوں نے اس کھیل کی وجہ سے عزت شہرت اور بہت سارا مال کمایا ہے۔

لیکن ہماری یہ کہانی ایک ایسے ریسلر کے گرد گھوم رہی ہے جسے لوگ ''ڈیڈ مین'' یعنی مرا ہوا پہلوان کا نام دیتے تھے اس کے اصلی نام سے تو کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ مگر رنگ میں اسے بارک لانسر کے نام سے لوگ پکارتے تھے، اپنے مضبوط جسم اور خاموشی کی وجہ سے لوگ اسے ڈیڈ مین بھی کہتے تھے۔ اس کے مدمقابل اب تک چار ریسلرز اپنی جان کی بازی گنوا چکے تھے اور یہی وجہ تھی کہ بڑے سے بڑا ریسلر اس سے مقابلے کے لئے کتراتا تھا۔ ایک مشہور پہلوان نے رنگ سے باہر بھاگ کر اپنی جان بچائی جس سے بارک لانسر جیسے نئے آنے والے ریسلر کی کامیابی اور ڈیمانڈ کا گراف ہائی ہوگیا۔

بارک لانسر ریسلنگ کی دنیا میں نیا نام تھا، وہ کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا وہ دوسرے ریسلرز کی طرح رنگ میں یا رنگ سے باہر اپنی تعریفوں کے گن نہیں گاتا تھا وہ مقابلہ جیتنے کے بعد خاموشی سے رنگ سے اترتا تھا۔ اور باہر چلا جاتا تھا وہ نہ کسی سے دوستی کرتا تھا نہ دشمنی، شراب اور لڑکیوں سے وہ دور بھاگتا تھا۔ وہ مقابلے سے ٹھیک پانچ منٹ پہلے ویٹنگ روم میں آتا تھا اور مقابلے کے بعد اپنی کار میں بیٹھ کر چلا جاتا تھا نہ کسی سے بات چیت نہ کسی کو آٹوگراف دیتا تھا اور نہ ہی کسی ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتا تھا۔ اس کی پراسرار شخصیت کو لے کر ریسلنگ انتظامیہ کو کافی پریشانی کا سامنا تھا ایک نو وارد ریسلر جو دیکھتے ہی دیکھتے شہرت کی بلندیوں تک پہنچ گیا نئے اور پرانے پہلوان بھی اس کے گن گانے لگے تھے ایسے میں اس کا میڈیا سے اور لوگوں سے دور بھاگنا مسائل کو جنم دے رہا تھا۔ ایک دن ریسلنگ انتظامیہ کے منیجر مسٹر کنگ بوکس نے ایک اہم میٹنگ بلائی جس میں ریسلنگ سے جڑے لوگوں نے شرکت کی۔

''لیڈیز اینڈ جینٹلمین آج کی اس اہم میٹنگ میں ہمیں کچھ انتظامی اور مالی امور پر بات کرنی ہے ہمارے ریکارڈ میں ہر ریسلر کا ڈیٹا (کوائف) محفوظ ہے سوائے مسٹر بارک لانسر جو کہ نو وارد پہلوان ہے اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے ریسلنگ کی دنیا میں اپنی محنت اور فن پہلوانی کی وجہ سے خوب شہرت پائی ہے وہ اپنی کم گوئی اور سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے لوگوں میں ''ڈیڈ مین'' کے لقب سے مشہور ہے۔

''کیا واقعی وہ ایک مرا ہوا انسان ہے؟''

منیجر کی بات پر سارے لوگ ہنسنے لگے، جبکہ ایک پہلوان نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا ''سر معاف کرنا میں صرف زندہ انسانوں سے لڑتا ہوں اور جہاں تک مسٹر بارک لانسر کا تعلق ہے تو میرے مکے اور داؤ پیچ بھی اس پر اثر نہیں کررہے تھے تب مجھے بھی لگا تھا کہ میں ایک بے جان پہلوان سے لڑرہا ہوں، لیکن پھر بھی کئی مواقع پر میں نے اسے مات دی جس سے ثابت ہوا کہ وہ بھی ہمارے جیسا پہلوان ہے اور مزید آپ نے اگر لوگوں کی رائے کے مطابق اسے ''ڈیڈ مین'' کہہ کر ہمیں ڈرانے کی کوشش کی تو میں اس میٹنگ سے باہر نکل جاؤں گا۔ پیچھے ڈراتے رہنا بچوں کو۔۔۔! اس پہلوان کے تیور دیکھ کر کافی ریسلرز بھی وتاپ کھا کر بیچ میں بول پڑے۔ منیجر نے سب کو سمجھا بجھا کر خاموش کردیا۔ ''سوری جینٹلمین میں کسی بھی ریسلر کی تضحیک نہیں چاہتا' لیکن ہمیں آپ کی رائے چاہئے کہ ایک ریسلر کی وجہ سے پورا میڈیا اور تماشائی ادارے سے خفا ہیں میرا مطلب ہے اس سے ادارے کو نقصان بھی ہوسکتا ہے۔ جبکہ لوگ تو پہلے ہی سے ہم پر چیٹنگ اور فکسنگ جیسے الزامات لگارہے ہیں اب ایسی صورتحال میں کون ذمہ داری لیتا ہے کہ بارک لانسر میڈیا پر انٹرویو دے گا۔ کون اسے آمادہ کرے گا؟''

منیجر کی بات سن کر سب خاموش ہوگئے کوئی بھی ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھا کہ اچانک ڈاکٹر ٹونی نے اپنا ہاتھ اٹھاتے ہوئے یہ ذمہ داری اٹھانے کے لئے آمادہ ہوئے۔ وہ ایک ماہر نفسیات تھے اور بڑے بڑے ہیرو کو لیکچر دیتے تھے۔ "مجھے نہیں لگتا کہ اسے کوئی نفسیاتی مسئلہ ہو۔"

منیجر کی بات پر ڈاکٹر ٹونی بولے "سر مجھے اجازت دیں کچھ دن میں اس کے ساتھ رہوں گا اور اسے نفسیاتی طور پر سمجھا بجھا کر میڈیا کا سامنا کرنے کے لئے اپنی سی کوشش کروں گا اس سے ہمیں اس کے رہن سہن اور اس کی فیملی کے بارے میں بھی پتہ چل جائے گا اور ریسلنگ کے دیوانوں کو اس کے پسندیدہ پہلوان کے بارے میں جاننے کا شوق بھی پورا ہوجائے گا۔ آپ رنگ میں جا کر یہ اعلان کریں کہ اگلے ہفتے بارک لانسر اسی رنگ میں اپنا پہلا انٹرویو دے گا پھر دیکھنا ادھر ادھر ٹکٹ بکیں گے اور ادارے کو کتنا فائدہ ہوگا۔"

منیجر بولا "اور اگر وہ انٹرویو کے لئے آمادہ نہیں ہوا تو۔۔۔"

ڈاکٹر نے زیر لب مسکرا کر "تو پھر کیا ہوگا؟ ہم کوئی بہانا بنائیں گے کہ بارک لانسر بیمار ہوگیا ہے جس کی وجہ سے اب وہ اگلے ہفتے انٹرویو دے گا۔"

سوچو تاریخ پر تاریخ دینے سے کتنی سنسنی پھیلے گی اور میڈیا کتنا واویلا مچائے گا۔

"ادارے کو کتنا فائدہ پہنچے گا اور آخر کار بارک لانسر کو پیسوں کا لالچ یا کسی اور حیلے بہانے سے آمادہ کر ہی لیں گے بس مجھے صرف ایک ہفتے کی مہلت چاہئے۔"

ڈاکٹر ٹونی کی خود اعتمادی دیکھ کر سب نے اس کی ہامی بھر لی، منیجر نے میٹنگ برخواست کرتے ہوئے سب کا شکریہ ادا کیا۔

"ریسلنگ کے دیوانو، دل تھام کے بیٹھو، کیونکہ میں آج ایک اہم اعلان کرنے والا ہوں۔۔۔۔ اب آپ لوگوں کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا، کیونکہ اگلے ہفتے بارک لانسر عرف "ڈیڈ مین" کا پہلا انٹرویو ٹھیک اسی رنگ سے لائیو نشر ہوگا تو پھر دیکھتے رہئے صرف اور صرف ریسلنگ" اعلان سنتے ہی پورا ہال تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی جبکہ منیجر رنگ سے اترتے ہوئے خاصی پریشان دکھائی دے رہا تھا کیونکہ بارک کے انکار کی صورت میں اس کی نوکری خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر ٹونی کو آخر کار ریسلر بارک لانسر کا گھر ڈھونڈنے میں کامیابی حاصل ہو ہی گئی وہ شہر کی مضافات سے بہت دور گھنے جنگلوں کے درمیان بنے ایک بڑی سی کوٹھی میں اکیلے رہتا تھا۔ نہ نوکر چاکر اور نہ ہی کوئی فیملی ممبر، وہ اس ویران بنگلے میں تنہا رہتا تھا جبکہ اس کا یہ گھر لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھا ڈاکٹر ٹونی نے ایک کرائے کے جاسوس کو اس کا پیچھا کرنے کے لئے آمادہ کرلیا تھا اور آج جاسوس کو اس کا پتہ بتائے ہوئے پتے پر اپنی بیوی اور چار سالہ بیٹے کے ہمراہ اپنی کار میں بنگلے کی طرف رواں دواں تھا۔ اس کی بیوی نے بے حد اصرار کیا اور مجبوراً ڈاکٹر نے اسے بھی ساتھ لیا اور پلان کے مطابق وہ ریسلر بارک کے بن بلائے مہمان بننے کے لئے تیار ہوگئے تھے۔ سوموار کی ایک شام انہوں نے سفر کے لئے سلکیٹ کی تھی، وہ شہر کی گہما گہمی سے کافی دور نکل آئے تھے۔ جب کہ ہر سو رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا ڈاکٹر کی بیوی نے کہا "بڑا عجیب ریسلر ہے شہر کی رنگینیاں اور عیاشیاں چھوڑ چھاڑ کر دوسرے ریسلرز کے برعکس اکیلا اس ویران جنگل میں کیسے رہتا ہوگا، میرے خیال میں اسے آپ کے علاج کی سخت ضرورت ہے۔"

ڈاکٹر نے بیوی کی ہاں میں ہاں ملائی اور کار کو مرکزی سڑک سے اتار کر جنگل کے کچے رستے پر لگا دیا، بارک کی کوٹھی بیچ جنگل میں واقع تھی۔ وہاں تک صرف کچا راستہ جاتا تھا، ڈاکٹر نے بنگلے کے سامنے کار روکی اور گھڑی پر ٹائم دیکھا، رات کے 9 بج رہے تھے وہ کار سے اترے اور بنگلے کی طرف روانہ ہوگئے۔ بنگلے کا صدر دروازہ کھلا ہوا تھا اور صحن میں بارک لانسر کی کار اس کی موجودگی عیاں کررہی تھی۔

خاصہ اندھیرا پھیلا ہوا تھا انہیں دیکھ کر کچھ جنگلی

گیدڑ ڈر گئے اور باہر بھاگتے ہوئے نظر آئے ڈاکٹر نے خود کلامی کی "حیرت ہے بڑا ہی لاپرواہ پہلوان ہے نگرانی کے لئے کوئی چوکیدار تک نہیں رکھا اور یہ جنگلی جانور کس آزادی سے بنگلے میں گھوم رہے ہیں۔"

اس کی بیوی نے پہلی مرتبہ ڈرتے ہوئے کہا "میری بات مانو تو ہم ابھی واپس چلتے ہیں، کیوں نہ ہم دن کے وقت پھر کبھی یہاں آئیں اور ویسے بھی میری چھٹی حس کسی انجانے خطرے کی نشاندہی کررہی ہے۔"

بیوی کو پریشان دیکھ کر ڈاکٹر نے اسے دلاسہ دیا "اوہ کم آن ڈارلنگ! ہم ریسلنگ سے جڑے لوگ ہیں یہ تم کونسی احمقانہ باتیں کررہی ہو؟"

ڈاکٹر کی بیوی کچھ شرمندہ سی ہوئی پر اب بھی وہ خوفزدہ تھی، پورا بنگلہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا صرف ایک کمرہ روشن تھا شاید وہ بارک کا بیڈروم تھا۔

ڈاکٹر نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ شاید وہ پہلے سے ہی کھلا ہوا تھا وہ دونوں کچھ سوچ کر اندر داخل ہوئے اور آواز دینے لگے، شور سن کر اندر والے روشن کمرے سے آواز آئی "دروازہ کھلا ہے اندر آجاؤ" بارک کی آواز سن کر ان کو تسلی ہوئی کمرے کا دروازہ ہلکے سے کھول کر ڈاکٹر نے اندر داخلے کی اجازت مانگی۔

بارک لانسر نے بے پرواہی سے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بیٹھنے کو کہا۔

"وہ لوگ صوفے پر بیٹھ گئے جبکہ بارک لانسر نے ان سے رسمی حال چال بھی نہیں پوچھا جسے ڈاکٹر ٹونی نے محسوس کرتے ہوئی خود ہی شروعات کی "مسٹر بارک معاف کرنا، بن بلائے چلے آئے یہ میری بیوی ہے اور یہ میرا چھوٹا بچہ ہے کافی دنوں سے آپ کو رنگ میں نہیں دیکھا تو سوچا اس بہانے آپ کا گھر بھی دیکھ آتے ہیں اور آپ کو بھی۔"

بارک جواب تک خاموش بیٹھا تھا بے زاری سے بولا "مجھے بن بلائے مہمان پسند نہیں ہیں۔ اگر آپ ہمارے ادارے کے ڈاکٹر نہیں ہوتے تو مزید یہاں نہیں بیٹھے ہوتے خیر کہیے کیسے آنا ہوا؟"

بارک کا تلخ وخشک لہجہ ان کے لئے نیا نہیں تھا اس مرتبہ ڈاکٹر نے کمال مہارت سے اداکاری کرتے ہوئے جھوٹ بولا وہ ایکچوئلی ہمارے گھر کی مرمت ہورہی ہے اس لئے مجھے کچھ دنوں کے لئے آپ کے بنگلے پر۔۔۔۔

بارک درمیان میں بول پڑا "سوری ڈاکٹر، میرا بنگلہ فارغ نہیں ہے اور ویسے بھی میں یہاں اکیلا رہتا ہوں۔ اپنا کام خود کرنے کا عادی ہوں۔ اسی لئے نوکر بھی نہیں رکھا، سو آئی ایم سوری"

ڈاکٹر بھی بڑا ڈھیٹ تھا اس نے اپنے چھوٹے بچے سے کہا "انکل کے پاس جاکر یہاں رہنے کی اجازت مانگو۔"

چھوٹا معصوم بچہ والد کے سمجھانے پر بارک لانسر کی طرف اپنے ننھے پاؤں اٹھاتا ہوا آنے لگا تو اسے ٹھوکر لگی بارک لانسر جیسا سخت انسان فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور بچے کو گرنے سے بچاتے ہوئے اپنی گود میں اٹھالیا "ارے سنبھل کر بیٹا"

"بچے پر ایسی شفقت دیکھ کر ڈاکٹر اور اس کی بیوی ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر کو بچے والا آئیڈیا پسند آیا"

"دیکھو مسٹر ٹونی! آپ کو ایسی صورتحال میں کسی رشتہ دار یا دوست کے مکان میں رہنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی، پر آپ کو میرے ہی بنگلے میں رہنے کا مشورہ کس نے دیا؟" اس مرتبہ بارک لانسر کا رویہ قدرے نرم تھا۔

ڈاکٹر بولا "اوہ ہاں۔۔۔۔ واقعی آپ نے ٹھیک کہا، لیکن میں کسی پر بوجھ بننا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ سنگل رہتے ہیں، اس لئے سوچا کہ آپ کے بنگلے میں کچھ دن ٹھہرا جائے۔ اگر آپ کی اجازت ہو، ورنہ ہم لوگ کہیں اور چلے جاتے ہیں، پر یہ بچہ شاید آپ کے گھر سے مانوس ہوگیا ہے، کیا آپ چاہیں گے کہ بچے کا دل دکھایا جائے۔"

ڈاکٹر کی بات پر بارک لانسر نے چھوٹے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا "میں عورتوں اور لوگوں سے جتنی نفرت کرتا ہوں، چھوٹے بچوں سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں، آپ کو شاید میری اس کمزوری کا پہلے سے پتا تھا"

"ارے نہیں بارک! سچ پوچھو تو میں نے آپ کو

ف رنگ میں لڑتے ہوئے دیکھا ہے، آپ کی نجی زندگی بارے میں ابھی تک لاعلم ہوں۔"

کمرے میں تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی، ک کسی گہری سوچ میں کھو گیا تھا جب کہ بچہ ابھی تک اس ں گود میں کھیل رہا تھا۔ بنگلے میں غضب کی خاموشی اور اسراریت چھائی ہوئی تھی جبکہ باہر جنگلی جانوروں اور ندوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

کافی طویل خاموشی کے بعد بارک اپنے مخصوص داز میں بولا "رات کافی ہوگئی ہے، میرے خیال میں آپ گوں کو اب آرام کرنا چاہئے باقی آپ لوگوں کے رہنے یا رہنے کے بارے میں صبح بات ہوگی اوپر ایک خالی کمرہ وجود ہے اگر چاہو تو صفائی کرلینا"

ڈاکٹر کو بظاہر اپنی پہلی کامیابی محسوس ہوئی جبکہ اس ل بیوی اس ساری گفتگو میں خاموش بیٹھی تھی، لیکن وہ خاموشی سے اردگرد کے چیزوں کا جائزہ لیے جارہی تھی، وہ دونوں اپنے بچے سمیت اوپر بالائی منزل کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے، جبکہ انہیں جگہ جگہ بڑی بڑی جنگلی بلیاں گھورتے ہوئے نظر آرہی تھیں، بارک سے گفتگو کے بعد وہ کافی پُرسکون تھے اور ایک انجانا خوف بھی ان سے دور ہوگیا تھا۔

کمرہ کافی بڑا تھا اور فرنیچر سے بھرا پڑا تھا، لیکن شکر ہے کہ وہاں پر اک بڑا سا بلب موجود تھا ڈاکٹر نے بٹن دبا کر اسے روشن کیا، کمرہ پرانی تہذیب و تمدن کی طرز پر بنے فرنیچر سے بھرا پڑا تھا، وہاں ہر شے سلیقے سے پڑی تھی، وقت کی دھول کچھ زیادہ ہی پڑی تھی کہ ہر طرف جالے اور مٹی کے انبار ہی انبار نظر آرہے تھے، "بارک سچ کہہ رہا تھا ہمیں یہاں کی صفائی ستھرائی میں کافی وقت پیش آسکتی ہے ڈاکٹر نے کھڑکی سے پردہ ہٹاتے ہوئے اسے کھولا تو باہر جنگل کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا لیکن اندھیرے کی وجہ سے وہاں کا ماحول کافی وحشت زدہ سا محسوس ہو رہا تھا۔ جبکہ ڈاکٹر کی بیوی نے صرف پلنگ کی صفائی پر دھیان رکھا "ڈارلنگ آج ہم صرف اپنے سونے کی جگہ کی صفائی کرتے ہیں، اگر کل ہمیں مزید رہنے کی اجازت ملی تو بقیہ کمرے کی صفائی کرنے میں کوئی قباحت نہیں، کیوں کیا خیال ہے آپ کا؟

"ڈاکٹر ٹونی بدستور کمرے کا جائزہ لے رہا تھا، وہ تھوڑے توقف سے بولا "ارے ہاں ہمیں بھلا کیا اختلاف ہوسکتا ہے پر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی اس نے بیوی کو سرسری نظر سے دیکھا اور خود ہی اپنی بات کا جواب دیا اس خوفناک جنگل میں ایک اکیلا پہلوان بھلا کیسے رہ پاتا ہوگا۔ میرا مطلب ہے اسے ڈر وغیرہ نہیں لگتا ہوگا؟"

اس کی بیوی نے اس مرتبہ ماحول میں تازگی لاتے ہوئے ذرا مسکرا کر کہا "ارے بارک کیونکر ڈرے گا کسی سے، بلکہ وہ تو خود کسی کو ڈرانے کے لئے کافی ہے۔۔۔"

پہلی دفعہ دونوں کھل کر ہنسے تھے، بستر کی صفائی ہوچکی تھی، جبکہ چھوٹے بچے کو بھی نیند آچکی تھی، وہ بھی بستر پر دراز ہوئے اور کچھ دیر باتیں کرنے لگے، "میرا خیال ہے کہ بارک ہمیں یہاں رہنے کی اجازت بھی دے گا اور انٹرویو کے لئے راضی بھی ہوجائے گا۔" ڈاکٹر کی بیوی بولی۔

"سوری ڈارلنگ، میری رائے اس کے برعکس ہے مجھے تو یہ کوئی مافوق الفطرت قسم کا آدمی معلوم ہو رہا ہے تم نے غور نہیں کیا کہ کس آزادی سے جنگلی جانور یہاں گھوم پھر رہے ہیں اس بندے نے گھر کی نگرانی کے لئے چوکیدار تک نہیں رکھا ہے اور ایک خاص بات یہ کہ آپ نے نوٹ کیا ہے کہ گھر کی دیواروں پر صرف جنگلی جانوروں اور بھیڑیئے کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔"

"ڈارلنگ سچ کہوں تو ہمیں کل ہی یہاں سے چلے جانا چاہئے"

ڈاکٹر نے بیوی کو اپنی بانہوں میں بھرتے ہوئے بڑے ہی رومانٹک لہجے میں کہا "اوہ کم آن ڈارلنگ! آج کے اس جدید دور میں ایسی باتیں؟ لگتا ہے کہ آج کل تم ہارر فلمیں کچھ زیادہ ہی دیکھ رہی ہو، ارے بھئی وہ ایک ریسلر ہے اور طاقتور جانوروں کی پینٹنگز صرف انسپائریشن کے لئے رکھی ہوں گی اور اچھے خاصے انسان کو تم بھوت سمجھ رہی ہو! ویری اسٹرینج؟"

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی، سوچتے سوچتے دونوں نیند کی وادیوں میں کھو گئے، ان کے سوتے

ہی حیرت انگیز طور پر بلب خود بخود بند ہوگیا اور کمرہ تاریکی میں ڈوب گیا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا ایک سایہ ڈاکٹر ٹونی کا بچہ لے کر تیزی سے جنگل کی طرف جارہا تھا بچے کے رونے کی آواز تیز ہوتی جارہی تھی ڈاکٹر ٹونی اس سائے کا پیچھا کررہا تھا وہ بچے کے لئے بے حد پریشان تھا، اغواء کار جو کوئی بھی تھا، آگے کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھتا جارہا تھا جنگلی جانور اور پرندے ایسے میں بہت ہی بھیانک آوازیں نکال رہے تھے ان کے شور سے پورا جنگل گونج رہا تھا شور وغل سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی کہ اچانک ڈاکٹر کو ایک ٹھوکر لگی اور وہ تیزی سے زمین پر گرا۔ اس کا ہاتھ کسی خشک لکڑی سے ٹکرا کر سخت زخمی ہوچکا تھا اس کے دائیں ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا لیکن اسے تو اپنے بچے کی فکر تھی وہ اپنے زخم کی پرواہ کیے بغیر زمین سے اٹھا اور اب وہ سرپٹ سائے کے پیچھے دوڑنے لگا، آخر اس کی کوشش رنگ لائی اور اس نے دیکھا کہ ایک کثرتی جسم والا آدمی بچے کو اٹھائے آگے جارہا تھا تو ڈاکٹر نے پیچھے سے اسے للکارتے ہوئے کہا "خبردار تم جو کوئی بھی ہو، میرے ریوالور کے نشانے پر ہو، میں کہتا ہوں رک جاؤ ورنہ میں گولی چلادوں گا، مجھے میرا بچہ واپس دے دو۔"

اس آدمی نے اپنے قدم روک لیے جبکہ اگلا منظر دیکھ کر ڈاکٹر کے اوسان خطا ہوگئے وہ یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا کہ وہ آدمی اپنی گردن پیچھے کی طرف موڑتے ہوئے مسکرایا جبکہ اس کی پوری باڈی کا رخ آگے کی طرف تھا، وہ کوئی اور نہیں بلکہ ریسلر بارک لانسر تھا۔

"ایسا بھیانک خواب دیکھ کر ڈاکٹر ٹونی ہڑبڑا کر نیند سے اٹھا اوہ مائی گاڈ، یہ کیسا خواب تھا" اس نے جب بچے کی طرف دیکھا تو وہ سویا ہوا تھا، جسے دیکھ کر ڈاکٹر کو تسلی ہوئی اس نے بچے کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا، جبکہ اس کی بیوی بھی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔

حیرت انگیز طور پر ڈاکٹر کے جاگنے پر بلب بھی روشن ہوگیا تھا۔ جیسے وہاں لائٹ گئی ہی نہیں تھی۔

ڈاکٹر نے گھڑی پر ٹائم دیکھا رات کے سوا دو بج رہے تھے، اسے سخت پیاس لگی تھی وہ اپنے بستر سے اٹھا، کچن نیچے گراؤنڈ فلور پر تھا اس لئے وہ سیڑھیاں اترنے لگا موسم درمیانہ تھا، نہ گرمی کی شدت، نہ سردی کا زور، وہ نیچے کچن کی طرف آیا تو اسے ایک بڑا سا باورچی خانہ نظر آیا وہ اندر گیا تو سامنے فریج تھا اس نے فریج کھولا اور جونہی اندر سے پانی کی بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا تو فریج کے بلب کی روشنی میں اسے اپنی دائیں ہاتھ پر لگا تازہ زخم صاف دکھائی دیا "اوہ مائی گاڈ، یہ زخم تو مجھے خواب میں لگا تھا پر یہ تو اب بھی تازہ ہے اس نے پانی سے خون صاف کیا اور تھوڑا پانی پیا بھی اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا، "میری بیوی ٹھیک کہہ رہی تھی، یہ کوئی عام ریسلر نہیں ہے تبھی تو بڑے بڑے ریسلر کو مات دے دیتا ہے۔"

ڈاکٹر ابھی یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ اسے بہت قریب سے کسی بھیڑیے کے چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں ایسی خوفناک قسم کی آواز اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی تھی جبکہ مختلف جنگلی جانوروں کی آوازیں بھی بارک کے بیڈ رومز کی طرف سے آرہی تھیں۔

ڈاکٹر نے ہمت جمع کی اور اس سمت دبے قدموں سے جانے لگا وہ ڈرائنگ روم سے ہوتا ہوا ڈرتا ڈرتا بارک لانسر کے کمرے کے قریب پہنچ گیا وہ پسینے سے شرابور ادھر ادھر دیکھے جارہا تھا جبکہ زخمی ہاتھ سے اپنا پسینہ بھی پونچھتا جارہا تھا، وہ ریسلرز کا نفسیاتی ڈاکٹر تھا اور بڑے بڑے بہادر پہلوانوں کے ساتھ اس نے زندگی کا بڑا حصہ گزارا تھا لیکن ایسی صورتحال کا وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے اپنے موبائل فون کو سائلینٹ موڈ پر سیٹ کیا۔

اس نے سوچا کہ اگر اچانک اس کی گھنٹی بجی تو میرا بچنا محال، اندر سے بدستور جانوروں کے چلانے کی آوازیں آرہی تھی، وہ کمرے کی کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہوگیا جس کا رخ ڈرائنگ روم کی طرف تھا اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے کھڑکی کو معمولی سی اندر کی طرف دھکیل کر کھولا اور اس نے جو اگلا منظر دیکھا تو خوف کی شدت سے اس کا رنگ زرد پڑ گیا آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، خوف

ے اس کا پورا خون منجمد سا ہو گیا وہ اپنی ڈاکٹری بھول گیا۔

"جی ہاں اس کے سامنے جنوں کا بادشاہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے اردگرد جنگلی جانور اپنے اپنے رتبے کے لحاظ سے نیچے زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔"

کچھ گھنٹے قبل جس کرسی پر ریسلر بارک لانسر سے ڈاکٹر سے گفتگو ہو رہی تھی اس پر اب ایک خونخوار بھیڑیا بیٹھا ہوا تھا انسان کی شکل میں بھیڑیا؟" "اوہ مائی گاڈ، تو یہ ہے بارک کی اصل حقیقت، بھی تو اس نے اپنے بنگلے کے دروازے کھول رکھے ہیں تاکہ اس کی برادری یعنی جنگلی بھیڑیئے وغیرہ آسانی سے بنگلے میں گھوم پھر سکیں۔"

ڈاکٹر کا اب وہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا اور ویسے بھی رات اپنے آخری پہر میں داخل ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر چپکے سے اوپر کمرے میں آیا اس نے اپنی بیوی کو جگایا اور پہلے خواب اور پھر بارک کا اصلی روپ بتایا جسے سن کر وہ بھی دنگ رہ گئی۔ "میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ یہاں کچھ گڑبڑ ہے لیکن تم کو دولت کی لالچ نے اندھا کردیا تھا بڑے آئے بارک سے انٹرویو لینے اب یہاں سے نکلنے کی سوچو، ہمیں صبح ہونے سے پہلے ہی یہاں سے چلے جانا چاہئے۔"

ڈاکٹر اپنا سامان سمیٹنے لگا بچہ بدستور سو رہا تھا وہ شدید خوفزدہ تھے اس لئے جلد سے جلد اس جگہ سے نکلنا چاہتے تھے ڈاکٹر ٹونی نے تو ریسلنگ کی دنیا اور دولت کمانے کی ہوس سے توبہ کرلی تھی، اب انہیں صرف جان بچانے کی فکر کھائے جارہی تھی۔

وہ جوں ہی دبے پاؤں سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے تو دھک سے رہ گئے بارک اپنے کمرے سے ان کے سامنے نمودار ہوا اسے دیکھ کر ڈاکٹر کی سٹی گم ہوگئی "کہاں چلے ڈاکٹر صاحب" بھئی ہم سے ایسی بھی کیا غلطی سرزد ہوگئی ہے جو اتنا سویرے سویرے بغیر ہم سے ملے جارہے تھے۔ اوہ یاد آیا۔۔۔ آپ تو یہاں ہفتہ بھر ٹھہرنے کے لئے آئے تھے، بس ایک ہی رات میں جی بھر گیا۔ بھئی معاف کرنا ڈاکٹر، مجھے تو ٹھیک سے آپ لوگوں کی خاطر تواضع کا موقع بھی نہیں مل سکا۔

ڈاکٹر نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ۔۔۔ مجھے ایمرجنسی کال آئی ہے ایک ریسلر کا دماغی علاج کرنا ہے۔۔۔ مجھے جلدی جانا ہوگا، میں۔۔۔ میں پھر کبھی۔۔۔"

ڈاکٹر کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

ایسے میں بارک نے چھوٹے بچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "صرف چھوٹے بچے کی خاطر آپ لوگوں کو زندہ چھوڑ رہا ہوں ورنہ یہ راز جو کوئی بھی جان لیتا ہے وہ بے موت مارا جاتا ہے، میں کوئی ریسلر یا جانور نہیں ہوں، میں جنات کا بادشاہ ہوں اور میں سو روپ بدل سکتا ہوں۔ دراصل آپ لوگوں کے آتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ آپ کس مقصد سے یہاں آئے ہو، جانتے ہو آپ کے بچے جتنا میرا بھی ایک بچہ ہے ہمارے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں میرا ریسلر کے روپ میں آنا اور یہاں ویران جگہ پر اکیلے رہنا، یہ بھی ایک راز ہے، اور راز، راز ہی رہے تو بہتر ہے، اگر راز سلامت تو زندگی سلامت، یاد رکھنا ڈاکٹر، اگر بھولے سے بھی یہ باتیں آپ نے میڈیا سے، یا کسی اور انسان سے کرنے کی جرأت کی تو وہ آپ کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

"مجھے معاف کرنا شہنشاہ جنات میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا یہ راز میں اور میری بیوی ہمیشہ کے لئے اپنے سینے میں دفن کردیں گے، اور جان بخشی پر آپ کا بے حد ممنون ہوں" اور پھر وہ تیزی سے باہر نکلتے چلے۔

دوسرے دن ریسلنگ کا ہال کھچا کھچ تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا آج سب کو بارک کا شدید انتظار تھا کہ اچانک رنگ میں منیجر مک مین نے مائیک سنبھالا "دوستو! پرانے منیجر کو نوکری سے نکالا جاچکا ہے ہمارے سینئر ڈاکٹر ٹونی کی دماغی حالت خراب ہونے کی بناء پر نفسیاتی اسپتال میں داخل کیا گیا ہے اور آپ کا محبوب ریسلر بارک لانسر لاپتہ ہوگیا ہے، لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے آج ہی ایک نیا ریسلر انٹروڈیوس ہو رہا ہے منیجر کے اشارے پر ایک پہلوان رنگ کی طرف آنے لگا، وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو پیار سے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا انہیں اپنا آٹوگراف دیتا ہوا رنگ میں آیا، کہیں وہ۔۔۔؟؟؟

انجام عبرت

مہر پرویز احمد دولوسیاں چنوں

تعویذ کا زمین میں گڑھا کھود کر دبانا تھا کہ اچانک زمین روشن ہوگئی اب پھر ایک اچنبھا ہوا کہ اس جگہ سے روشنی کی ایک واضح لکیر نکلی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ لکیر حویلی کی طرف بڑھ گئی۔

قلم وزیاتی کی ایک انمٹ کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو حیران کردے گی، عبرت ناک کہانی

نادر امیر الدین کی بگڑی اولاد تھا، آسمان کی وسعتوں میں محو سفر رہتا، غرور انتہا کو پہنچا ہوا انسانوں سے نفرت گھٹی میں ملی، وقت کی مقید باگ ڈور نے انتہا کا سرکش بنا رکھا تھا دولت کی ریل پیل نے انسانیت سے حیوانیت کے اول درجے پر فائز کر رکھا تھا۔

سوچ، فکر فہم وادراک انسان کی صفت ہے اور حیوانوں کی خواہش اور ضرورت کہ صرف پیٹ بھرنا ہوتا ہے اور یہی ان کی زندگی کا محور اور مقصد ہوتا ہے۔

پیٹ کو بھرنے کے لئے حرام، حلال کی بالکل پرواہ نہیں کی جاتی اسلام نے ہمیشہ میانہ روی، اعتدال پسندی اور مساوات کا درس دیا ہے اور ساتھ ہی عبادت بھی میانہ روی سے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی لئے چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت کی نمازیں اور روزے بارہ مہینوں میں صرف تیس دن کے روزے۔

اللہ تعالیٰ نے زر زن اور زمین کو انسان کا دشمن قرار دیا ہے۔ ہابیل قابیل سے لے کر آج ہم قیامت کی دہلیز پر بیٹھے ہیں لیکن زر زن اور زمین کی جنگ زور وشور سے جاری ہے۔ آج سے ہزاروں سال قبل کتنے ہی زر کے مالکوں کو رب ذوالجلال نے رہتی دنیا تک کے لئے نشان عبرت بنا دیا ہے۔

ان تمام لوگوں کے مفصل حالات سے آگاہ ہونے کے باوجود ہم سگے بھائیوں کی گردنیں مار کر دولت کو لوٹنے کی تگ ودو میں لگے ہوئے ہیں۔ شداد کے خزانوں کی چابیاں ستر یا زائد خچروں یا اونٹوں پر لادی جاتی تھیں آج اس کا نام بھی نفرت اور بطور گالی استعمال ہوتا ہے۔

مسلمان یا غیر مسلم اس دولت مند کا نام رکھنا اپنی توہین اور گناہ سمجھتا ہے وہ اس لیے کہ دولت کے غرور وتکبر نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملعون وملعون بنا دیا ہے، کئی ممالک کے سربراہ جن کے خزانے کھربوں ڈالر تک تھے وہ ریت کے صحراؤں میں عبرتناک موت سے دوچار ہوگئے۔

لوگوں کی اکثریت تو صرف دولت کے حصول کے لئے تاحیات جیل کی سلاخوں کے پیچھے قید ہونا بھی خوشی خوشی قبول کرلیتی ہے۔

نادر کے والد نے تقسیم ہند سے قبل انگریزوں کی غلامی کی سند حاصل کر چکے تھے جس کے بدلے میں لمبی چوڑی جائیداد کے ساتھ اہم سرکاری عہدوں سے مستفیض ہوئے۔

دولت چھت پھاڑ کر حویلی کے صحن میں اولوں کی

طرح برسنے لگی۔ بچے منہ میں سونے کے چمچ لے کر پیدا ہوئے، لامتناہی جائیداد، سرکاری آفیسروں کا رعب و دبدبہ کس میں جرأت تھی کہ اس حویلی کے باسیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے۔ تعلیم حاصل کر کے نوکری تو کرنی نہیں تھی، اس لئے شعور کے حصول کے لئے بھی تعلیم سے معذرت کرلی۔ وقت گزارنے بلکہ وقت ضائع کرنے کے ساتھ صرف عیاشی اور موج میلہ کے لئے تعلیمی اداروں کی زینت بن کر اپنے جیسے لاابالی پن کے مالک بگڑے نوجوانوں سے دوستیاں پالیں۔

اس دوران نادر اپنے جیسے مغرور، بگڑے، متکبر اور فراڈیوں میں نام پیدا کر چکا تھا جہاں بھی کوئی جھگڑا ہوتا نادر کی مداخلت کے بغیر حل نہ ہوتا، چوری، ڈکیتی کے کیس ڈیرے پر نمٹائے جانے لگے۔

پلاٹوں پر ناجائز قبضہ سے لے کر سرکاری اور سیدھے سادھے لوگوں کی زمینوں پر قبضے ہونے لگے چوری ہوتی تو پیسے لے کر اشیاء واپس کی جاتیں۔

پلاٹ یا زمین کے ٹکڑے پر آدھی قیمت لے کر قبضہ کروایا جاتا۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے نادر کی زیر سرپرستی باقاعدہ گروہوں کی صورت میں غنڈے فرائض سرانجام دینے لگے۔ نادر کو ذاتی اثر و رسوخ کے ساتھ سرکاری افسران کی بھی مکمل پشت پناہی حاصل تھی ڈیرے پر آئے روز شراب، کباب اور شباب کی محفلیں سجنے لگیں، جہاں علاقے کے چھٹے بدمعاشوں کے ساتھ رشوت خور آفیسر بھی مہمان خصوصی ہوتے۔

رات کو دن کا سماں ہوتا، حوا کی بیٹیوں کی عزتوں کو پامال کیا جاتا، ناچ گانے سے دلوں اور جذبات کو گرمایا جاتا، شراب کے جام چڑھا کر غل غپاڑہ کیا جاتا۔ علاقے کے مجبوروں کی ان پر ہونے والے ظلم و زیادتی کے درد سے نکلنے والی چیخ دولت کے انبار اور سرکاری عہدوں کے نیچے دب جاتیں۔

نادر کی زیادتیوں کا منہ زور گھوڑا ہوا کے دوش پر فراٹے بھرتا جا رہا تھا علاقے میں کس کی مجال تھی جو اس کی باگ پکڑنے کی کوشش کرتا۔

☆.....☆.....☆

نصیر عام سا آدمی تھا ایک ادارے میں ملازمت مکمل کرنے کے بعد پنشن لی، نادر نے علاقے میں واقع ہاؤسنگ اسکیم سے پلاٹ خرید لیا۔ کچھ رقم تو پلاٹ پر اٹھ گئی اور بقیہ رقم سے بھینسیں پال لیں اور ان کا دودھ بیچ کر گھر کا نظام چلانے لگا۔

گھر والوں کے اصرار پر کچھ عرصہ بعد ایک بھینس بیچ کر اور کچھ رقم جو پس پشت سنبھال رکھی تھی بینک سے نکلوائی اور پلاٹ پر مکان بنانے کا ارادہ کیا۔ جب پلاٹ پر گیا تو دیکھا کہ اس کے اوگرد دیوار تعمیر کی گئی ہے اور اندر مکان کا نقشہ بنا کر چھوٹی دیواریں بنیادوں کی شکل میں کھڑی کی گئی ہیں ہاؤسنگ اسکیم کے افسر کو یہ صورتحال بتائی تو اس نے کہا ''میں نے پیسے لے کر پلاٹ تمہارے نام رجسٹری کروایا ہے اور تم کو باقاعدہ قبضہ دیا ہے اگر وہاں کسی نے قبضہ کرلیا ہے تو تم قانونی کارروائی کرو میں تمہارا ساتھ دوں گا اور گواہ بھی بنوں گا۔''

نصیر اگلے دن تھانے پہنچ گیا اور ناجائز قابضین کے خلاف درخواست دیدی، مگر تھانیدار نے درخواست پر عمل درآمد کرنے کی بجائے نصیر کو دھمکیاں دیں اور نادر کے ڈیرے پر فیصلہ کرنے کے لئے شام کو ادھر آنے کا کہا۔

شام کو جب نصیر نادر کے ڈیرے پر پہنچا تو دیکھا کہ تھانیدار وہاں پہلے ہی پہنچ چکا تھا نصیر کے ڈیرے پر پہنچتے ہی مشٹنڈوں نے پکڑ لیا اور خوب مار پیٹ کی نادر کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا تھانیدار الگ آگ بگولہ ہو رہا تھا مار پیٹ کھانے کے بعد نادر کے پاؤں میں نصیر بیٹھ گیا اور اپنی بے بسی کا رونا رویا۔

''یہ پلاٹ میں نے خریدا تھا تم کو یہ کس نے دیا اگر اس پلاٹ کو لینا ہے تو قیمت چکانی پڑے گی اگر دوبارہ تھانے جا کر کیس دائر کرنے کی غلطی کی تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے'' نادر نے نصیر کو دھمکایا۔

نصیر غریب آدمی تھا، نادر کے کرتوتوں سے بہ خوبی واقف تھا، اس جیسے کتنے ہی اس کے ہاتھوں لٹ چکے تھے، قانونی کارروائی کی صورت میں الٹا ان پر کیس بنا دیئے گئے، دے دلا کر ان لوگوں سے جان چھڑائی۔ نادر سے نصیر کسی بھی صورت مقابلہ نہیں کرسکتا تھا اور دوسری طرف اس کی ساری جمع پونجی پلاٹ پر لگا دی گئی تھی اس سے دستبردار ہونا بھی آسان نہ تھا۔

قانون کے دروازے ہر طرف سے بند ہونے پر نصیر ایک اللہ والے کے آستانہ پر پہنچ گیا اور رو رو کر اپنی بے بسی اور نادر کے ظلم و ستم کی داستان سنائی نادر کی بپتا سننے کے بعد بابا جی نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور خاموشی اختیار کرلی چند منٹ بعد جب انہوں نے آنکھیں کھولیں تو ان کی آنکھیں غیض، غضب سے سرخ ہو رہی تھیں وہ اپنی گردن ہلانے لگے۔

ویسے بابا جی انتہائی مہربان، شفیق، ہر دلعزیز اور غمگسار آدمی تھے۔ بابا نے قلم اٹھایا اور کاغذ پر ایک تعویذ لکھا اور وہ تعویذ نصیر کو دیا کہ ''اس کو پلاٹ میں جا کر دبا دو، پلاٹ واپس مل جائے گا اگر گھر تعمیر ہوا تو تمہارا ہوگا وگرنہ وہاں قبریں بنیں گی اور وہ بھی ظالم لوگوں کی۔''

نصیر تعویذ لے کر واپس لوٹا اور رات کے وقت جا کر پلاٹ کی تھوڑی سی مٹی کھود کر تعویذ اس گڑھے میں دبا دیا تو اچانک جہاں تعویذ دبایا تھا وہ جگہ روشن ہوگئی اور پھر روشنی کی ایک لکیر وہاں سے نکل کر نادر کی حویلی کی طرف بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

نادر کا بیٹا باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بچپن سے جوانی کی حدود میں داخل ہوا تو لوگوں کی بہو بیٹیوں کے لئے وردناک عذاب بن گیا، آئے روز ڈیرے پر مظلوم لوگوں کی آہ و بکا اور گریہ زاری کے بین ہوتے۔ آئے روز کی ہرزہ سرائی سے بچنے کے لئے نادر نے بیٹے کو نکیل ڈالنے کا فیصلہ کیا اور اپنے جیسے زمیندار کی بیٹی سے منگنی کردی اور جلد ہی شادی کا پروگرام بنایا جبکہ وٹے سٹے کی اس شادی میں بدلے میں اپنی ایم بی بی ایس کے آخری سال کی طالبہ بیٹی کی شادی کے لئے ہاں کردی۔

اس کی شادی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کرنے کا فیصلہ کیا۔ بیٹی اگرچہ باپ کے فیصلے سے خوش نہ تھی مگر باپ کے سامنے انکار کرکے اس کی عزت والی پگ کو خاک میں نہیں ملانا چاہتی تھی، اپنے جذبات،

احساسات اور زندگی کی قربانی دے کر باپ کی عزت کو بچانے کے لئے صلیب پر چڑھ گئی جبکہ اس کی ماں شوہر کے فیصلے کے خلاف تھی مگر عورت ذات ہونے کے ناطے بولنے کے فرض کو ادا کرنے سے قاصر تھی۔

شادی کی تیاری میں زمین و آسمان کی نعمتوں کو شادی کے موقع پر دسترخوان کی زینت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ کٹے، بکرے، مرغ ایسے جمع کئے گئے جیسے پورے علاقے میں ان جانوروں کا ریوڑ بنانا ہو۔ بریانی، زردہ، پلاؤ، چٹنی، سلاد کے سامان کا ذخیرہ اکٹھا کیا گیا۔ من چلے مہمانوں کی خاطر مدارت کے لئے ناچ گانے والیوں کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔

شراب کے لئے مٹکے اس طرح رکھے گئے جیسے گنے کے رس کے مٹکے بھرے جاتے ہیں خاص مہمانوں کے لئے ولایتی شراب کے کارٹن الگ سے منگوائے گئے۔

شادی کے لئے تمام متعلقہ کھانے پینے کا سامان اور دیگر ضروری اشیاء کو چند دن قبل ہی حویلی میں پہنچا دیا گیا۔ اب شادی میں صرف تین دن باقی تھے۔ حواریوں کی فوج ظفر موج تیاریوں میں مصروف تھی اور پل پل کی خبر اور تیاری سے نادر کو آگاہ کیا جا رہا تھا۔

رات کے وقت پلاٹ میں تعویذ دبانے کی دیر تھی کہ اگلے دن نادر کو بیٹی نے کالج سے فون کیا۔

"پاپا! میں نے اپنے کلاس فیلو ڈاکٹر سے نکاح کرلیا ہے۔ معذرت خواہ ہوں آپ کو مطلع نہ کرسکی اور نہ ہی آپ کی خواہش کے مطابق بھائی کے بدلے شادی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرسکی۔ بھائی اور بھائی کا سالا آپ کی طرح ہر پھول کا رس چوسنے کا عادی ہے میں اگر اس سے شادی کرلیتی تو ساری زندگی کانٹوں کی سیج پر سونا پڑتا کیونکہ اس نے تو راتیں غیر محرم لڑکیوں کے ساتھ ڈیرے پر گزارنی تھیں میں حویلی کی بلند و بالا دیواروں کے ساتھ کیسے زندگی گزارتی میرا خاوند میری طرح ڈاکٹر ہے مجھے آپ کی حرام کی کمائی کے جہیز کی قطعی ضرورت نہیں ہم اپنی روزی کمانے کے قابل ہیں۔ لوگوں کے لوٹے گئے مال اور ناجائز قابض زمینوں کی آمدنی اپنے اور بیٹے پر خرچ کریں، اس حرام کی کمائی سے میں آنے والی زندگی کی روشن صبح کو گھپ اندھیری رات میں تبدیل نہیں کرنا چاہتی۔"

فون کال سنتے ہی نادر کی آنکھوں میں خون اتر آیا آؤ دیکھا نہ تاؤ حویلی میں بیوی کو پکڑا اور مار مار کر لہولہان کردیا جب مار مار کر تھک گیا تو اس کے باپ اور بھائیوں کو بلوایا ان کے سامنے اسے طلاق دی اور ان کے حوالے کردیا۔ وہ لوگ سخت پریشان، غم اور غصے میں بھرے اپنی بیٹی اور بہن کو لے کر واپس چلے گئے۔

جب بیٹے نے دیکھا کہ باپ نے نہ صرف ماں کو مارا پیٹا ہے بلکہ طلاق بھی دیدی ہے تو اس نے شادی کرنے سے انکار کردیا اور ماں کے ساتھ ننھیال چل دیا۔

دو دن بعد شادی تھی، قریبی عزیز آچکے تھے، لیکن حویلی کے حالات یوں پلٹا کھا چکے تھے سب کچھ تباہ و برباد ہوگیا۔

ان تکلیف دہ حالات سے نادر سخت اذیت اور ذہنی خلفشار کا شکار ہوگیا دماغ سن ہوگیا، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا سانس کی آمد و رفت میں رخنہ پڑنے لگا۔ اور پھر دل پر ایسا بوجھ پڑا کہ دل نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

نادر نے اپنا ہنستا بستا گلشن اپنے ہاتھوں برباد کرکے موت کی وادی میں چلا گیا۔

موت کی خبر جب سسرال پہنچی تو بیوی اور بیٹا واپس حویلی آئے مگر اس کا مکین ہمیشہ کے لئے سب کو چھوڑ کر اگلے جہان کو سدھار چکا تھا۔

تیسرے دن رسم قل کا اہتمام کیا گیا۔ وہ شراب جو شادی کے لئے محفوظ رکھی گئی تھی رسم قل والے دن بیٹا باپ کے ختم پر آئے دوستوں کے ساتھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ترنگ میں آکر اول فول بک رہا تھا۔

اسرار

محمد خالد شاہان-صادق آباد

قسط نمبر 11

نقطہ نقطہ لفظ لفظ سطر سطر خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی اپنی نوعیت کی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش جسم و جاں کو انگشت بدنداں کرتی اور دلوں کو تھراتی ہوئی خونچکاں بھونچکاں اور لہولہان کہانی جو کہ پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردے گی۔

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

جب میں اٹھ کر تابوت کے پاس پہنچ گیا تو وہ تینوں بھی میرے قریب آگئے' تابوت کو الٹانا ہوگا کیونکہ یہ دوسری طرف سے کھلے گا'' میں نے کہا اور پھر ہم نے مل کر تابوت کو پلٹ دیا' اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر ہوگیا' اچھا خاصہ وزنی تابوت تھا۔

''یہ کھلے گا کیسے؟'' نادر نے کہا۔

''وکیل نے کوئی طریقہ کار بتایا ہوگا' شریم صاحب کیا آپ کو یاد ہے۔''

''صبر کرو میں لمبائی کے رخ سے تابوت کا جائزہ لینے لگا' تابوت کے ٹاپ سے دو انچ نیچے تختہ غیر محسوس سے انداز میں تھوڑا بڑا تھا۔ ادھر سے دوسری طرف اٹھاؤ' میں نے نادر کو مخاطب کیا' اور اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر کنارے سے پکڑ کر اٹھایا' تختہ آرام سے اٹھوایا اس طرف سے میں نے پکڑا اور وہ تختہ اٹھا کر ایک طرف ڈال دیا۔

اندر پراسرار سنہری مجسمہ موجود تھا جس کی وجہ سے اتنا دنگا فساد ہوا تھا۔ مجسمہ کو نکال کر ہم نے ایک ٹیبل پر ڈال دیا' پھر میں نے کہا' نادر تم اس کو اس دھاتی تابوت سے باہر نکالو، نادر کاوش اور شون تینوں آگے بڑھ آئے' ہم نے مل کر مجسمہ کو پشت کے بل نیچے لٹا دیا'' کھولو اسے نادر میں نے نادر کو مخاطب کیا' تو وہ ایک نظر ہماری صورتیں دیکھتا ہوا مجسمے کے قریب بیٹھ گیا۔ چند لمحے کے بعد اس مجسمے کے ایک سائیڈ ابھرے ہوئے حصے کو دبا دیا اور وہ نیچے کی جانب دب گیا اور پھر پراسرار طور پر مجسمے کا اوپری حصہ کسی ڈھکن کی طرح بے آواز کھلتا چلا گیا اس کے کھلتے ہی نادر بے اختیار بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

ایک انوکھی اور نئی مہک فضا میں پھیل گئی' مجسمے کے اندر ایک ممی لیٹی ہوئی تھی سر سے پاؤں تک سفید پٹیوں میں ملبوس اس کا پورا وجود پٹیوں میں چھپا ہوا تھا۔ جسم کا معمولی حصہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضا میں ایک پراسرار خاموشی تیرتی رہی پھر کاوش کی آواز ابھری اب اب کیا کرنا ہے اس کا۔۔

''ہاں نادر تم اسٹریچر لے آؤ'' میں نے کاوش کو جواب دینے کے بعد نادر کو مخاطب کیا اور وہ خاموشی سے باہر نکل گیا اس کے بعد وہ اسٹریچر لے آیا اور ہم نے ممی کو اسٹریچر پر ڈال کر اسے کپڑے سے ڈھک دیا' اور اس کے بعد ہم اسپتال کی عمارت کی جانب بڑھ گئے۔

آپریشن روم میں پہنچ کر ہم نے ممی کو آپریشن ٹیبل پر لٹا دیا'' شریم صاحب آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ آپ کیا کرنے جارہے ہیں۔'' نادر نے کہا۔

''کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں حواسوں میں نہیں ہوں۔''

''نہیں ایسی بات تو نہیں ہے مگر یہ سب نادر'' .....نادر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ایک ہزار سال پرانی ممی کا آپریشن کچھ عجیب سا لگ رہا ہے'' کاوش نے نادر کے خیال کا اظہار کیا میری اپنی ذہنی حالت ان سے مختلف نہ تھی مگر میں کچھ نہ کچھ کرنا چاہتا تھا'' نفران کی روح کو اس کے جسم کی قید سے آزادی دلانا چاہتا تھا۔''

تاکہ وہ اس چنگل سے آزاد ہوسکے ایسا ہی قاری اسد نے کہا تھا کہ ایسا تمہیں کرنا ہوگا' اور یہ میری قسمت میں لکھا جاچکا ہے' یہ کہانی ہماری بستی سے شروع ہوئی تھی اور اب جاکر اس کہانی کا اینڈ ہونے جارہا تھا' پر مجھے پتہ نہیں تھا کہ اب کہانی شروع ہونے جارہی ہے اگر پتہ ہوتا تو شاید میں یہ آپریشن کبھی نہ کرتا' مگر میری قسمت میں یہ کام جو لکھا جاچکا تھا مجھے نفران کو اس عذاب سے نجات دلانا ہے اس کی مدد کرنا ہے مگر کیسے اس بارے میں مجھے خود خبر نہ تھی' میں ڈاکٹر تھا اور آجاکر یہی بات میرے ذہن میں آئی کہ مجھے نفران کا آپریشن کرنا ہوگا۔ اور دل نے فوراً ذہن کے اس فیصلے میں مہر ثبت کردی اور میں تیار ہوگیا تھا۔

''یہ آج کی تاریخ کا سب سے انوکھا آپریشن تھا اور میں نے منہ پر ماسک چڑھالیا شون نے بھی میری تقلید کی۔ نادر اور انعم نے بھی ماسک چڑھالیے وہ اس آپریشن کے سلسلے میں کافی پریشان دکھائی دے رہے تھے' شون ایک جانب کھڑے ہوگئے' ہم نے دستانے پہن لیے اور تیز روشنی آن کردی۔

میں قینچی کی مدد سے ممی کے جسم پر پٹیوں کو کاٹنے میں لگا تھا کہ ایک آواز سنائی دی۔ ''رک جاؤ'' جب ہم نے آواز کی سمت دیکھا تو وہاں وکیل کھڑا مسکرا رہا تھا یہ دیکھ کر انعم دوڑ کر انکل کہہ کر وکیل کے گلے لگ گئی۔

وکیل نے مسکراتے ہوئے انعم کو اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا'' شریم صاحب افسوس ہے کہ آپ تو ہمیں بھول ہی گئے یاد ہی نہ کیا اور نہ ہی انعم بیٹی نے''

''بس وکیل صاحب ندیم کے دکھ میں کچھ یاد نہیں رہا' ہمیں ہوش نہیں تھا کچھ کرنے کا جب ہوش آیا تو اس ممی کے راز سے پردہ اٹھانے جارہا تھا کہ آپ آگئے چلو آپ بھی آگئے تو آپ بھی دیکھیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے شریم پر میں نے آپ کی ایک امانت دینے کا وعدہ کیا تھا جو میرے پاس ہی رہ گئی تھی وہ واپس دینے آیا ہوں' یہ کہہ کر وکیل نے پیچھے مڑکر دروازے کی طرف دیکھ کر کہا'' آجاؤ بیٹے آجاؤ' اب اور صبر نہ کراؤ'' وکیل نے اتنا ہی کہا تھا کہ آپریشن روم کا دروازہ کھلا اور وہاں سے ندیم عباس اندر داخل ہوا اسے دیکھتے ہی سب کے سب اپنی جگہ جامد اور ساکت ہوگئے' نادر کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا انعم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے کاوش شون بھی حیرت سے آنکھیں پٹ پٹانے لگے، میں روتا ہوا ندیم کے گلے لگ گیا' یہ دیکھ کر نادر کاوش اور شون بھی دوڑ کر اس کے گلے لگ گئے'' ندیم میرے دوست کیا تم ہی ہو یہ کہہ کر وہ دیوانہ وار اسے گلے لگانے لگے' انعم اور وکیل کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

میں نے وکیل سے کہا یہ سب کیسے ہوگیا۔

تو اس نے کہا'' ہمارے وہاں سے جانے کے بعد اسپتال سے کال آئی تھی کہ ندیم عباس کے اسٹریچر کو اچانک کرنٹ لگا ہے جس کی وجہ سے اس کی دل کی دھڑکن چل پڑی ہے اور یہ ایک قدرتی عمل تھا کہ اللہ نے اس وقت مدد کی تو میں تم کو بتائے بغیر فوراً وہاں گیا اور اپنی نگرانی میں آپریشن کروایا جو کہ کامیاب ہوا۔ اس کے بعد حالات ایسے تھے کہ اسے تمہارے ساتھ بھیج نہیں سکتا تھا۔ دلاور کے سب ساتھی تمہیں کتے کی طرح ڈھونڈ رہے تھے اور اس وجہ سے ندیم کے بجائے اپنے ایک ساتھی کی لاش تمہارے ساتھ روانہ کردی اور ندیم کی ایسی حالت بھی نہ تھی کہ وہ تمہارے ساتھ چل سکے اس کا علاج ہورہا تھا' اب جبکہ اس کی حالت بہتر ہوئی اور حالات سازگار ہوئے تو میں آپ کی امانت ساتھ لے آیا۔''

وکیل کے چپ ہوتے ہی نادر نے کہا'' وکیل صاحب آپ نہیں جانتے کہ آپ نے ہمارے اوپر کتنا بڑا

احسان کیا ہے اور ساری عمر کے لئے آپ نے ہمیں خرید لیا ہے' ہم ندیم کے بنا ادھورے تھے' اس کا صلہ ہم آپ کو نہیں دے سکتے' ہاں اس کا صلہ اللہ پاک آپ کو ضرور دے گا۔"

پھر وکیل نے کہا، میں آج یہ اعلان کرتا ہوں کہ انعم کا ہاتھ میں ندیم کے ہاتھ میں دیتا ہوں اور جلد ہی ان دونوں کی شادی بھی کردی جائے گی" اس بات پر سب خوش ہوگئے پھر انعم نے خوش ہوتے ہوئے کہا اب ندیم آ گیا ہے جلدی سے اب اس ممی کا آپریشن کرو" یہ بات سن کر میں چونک اٹھا اور پھر مجھ سمیت سب ہی ممی کی جانب متوجہ ہوگئے۔

اور میں اللہ کا نام لے کر ممی کی طرف بڑھا اور میں نے قینچی کی مدد سے پٹی کاٹی اور پھر پٹیوں کو کھولا جانے لگا تقریباً پندرہ منٹ کی محنت کے بعد وہ تمام پٹیاں ایک طرف فرش پر ڈھیر کی صورت میں پڑی تھیں نیچے سے ایک سفید کپڑا برآمد ہوا یہ ایک تھیلے کی طرح تھا جس کے اندر لاش ڈال کر اس تھیلے کا منہ مضبوطی سے سی دیا گیا تھا۔ تھیلے پر نفران کے سینے کی جگہ براؤن سی کسی چیز کی مدد سے کچھ لکھا ہوا تھا۔ ایک نظر میں یہ احساس ہوتا تھا کہ راکھ کو پگھلا کر اس کی مدد سے کچھ لکھا گیا ہے۔

"یہ کیا لکھا ہے؟" شون تیزی سے آگے بڑھ آئے چند لمحے خاموشی سے دیکھتے رہے پھر گویا ہوئے "نفران بالکل یہی لکھا ہے' اس کا منہ بڑی مضبوطی سے سیا گیا ہے کاٹنا پڑے گا۔"

میں نے پھر قینچی اٹھا کر سر کی طرف سے تھیلا کاٹ دیا' اسے کھینچ لو' میں نے نادر اور کاوش سے کہا اور تھیلے کے اندر ہاتھ ڈال دیئے تاکہ نفران کے وجود کو پکڑ کر تھوڑا سا اٹھاؤں اور تھیلا کھینچنے میں نادر کاوش اور ندیم کو کوئی دقت نہ ہو مگر میرے ہاتھ جیسے ہی نفران کے جسم سے ٹکرائے تو میرا دماغ بھک سے رہ گیا میرے ہاتھوں کو جو تاثر ملا تھا وہ میرے لیے غیر متوقع تھا۔ میرے ہاتھ نفران کے کندھوں سے ٹکرائے تھے مگر میرے چونکنے کی اور میرے گھبرا جانے کی وجہ کچھ اور تھی کک کیا بات ہے' کیا ہوا میرے بوکھلا کر پیچھے ہٹنے پر نادر کاوش ندیم اور سبھی گڑبڑا گئے شون کی نظریں بھی مجھ پر جمی ہوئی تھی اور میں متحیر نظروں سے اس سفید تھیلے کو گھور رہا تھا۔ میں اپنی جگہ حیران پریشان اور ساکت کھڑا تھا میری اس کیفیت کی وجہ وہ لمس تھا جو میرے ہاتھوں نے محسوس کیا تھا وہ لمس کسی بے جان وجود یا لاش کا لمس نہیں ہوسکتا' جو حرارت جو نرمی وملائمت اس میں تھی وہ صرف اور صرف ایک جاندار اور زندگی کی حرارتوں سے بھرے ہوئے وجود میں ہی ہوسکتی تھی' جبکہ وہ ہزاروں سال سے موت کا شکار تھی۔

شریم صاحب آپ بتا کیوں نہیں دیتے کہ کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟ کاوش نے کہا"

میں نے مناسب خیال کیا کہ انہیں حقیقت بتا کر خوفزدہ نہ کروں وہ نفران کا جسم پرانا ہے' ناں اس وجہ سے گھبرا گیا تھا' اچھا چلو تھیلا کھینچو تم لوگ' میں نے آگے بڑھ کر دوبارہ تھیلے میں ہاتھ ڈال کر مضبوطی سے نفران کے کندھوں کو گرفت میں لے لیا' لاتعداد برقی لہریں میرے ہاتھ کے راستے میرے پورے وجود میں دوڑ گئیں نفران کے جسم کی حرارت میرے ہاتھوں میں سرائیت کر کے میرے پورے بدن میں پھیلتی جارہی تھی تینوں نے تھیلا کھینچا میں نے نفران کے وجود کو کندھوں سے اوپر اٹھا کر اپنی جانب کھینچا' اور وہ تھیلا اس کے وجود سے سرکتا چلا گیا ہوا تو کچھ نہیں تھا مگر میرے احساس نے کہا کہ یکا یک تیز روشنی کچھ مدہم سے پڑ گئی ہے نفران کے چہرے اور وجود کی چمک نے روشنیوں کو بھی چندھیا کر رکھ دیا تھا ندیم اور نادر تھیلے کو ہاتھوں میں پکڑے حیرت و بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے ٹیبل پر پڑے بے حس و حرکت نفران کے وجود کو تک رہے تھے' یہی حال شون کاوش وکیل اور انعم کا بھی تھا میں ان کی حالت کو بخوبی سمجھ رہا تھا' ان کی جگہ دنیا کا کوئی بھی انسان ہوتا کبھی بھی کسی صورت یہ یقین کرنے کو تیار نہ ہوتا کہ یہ تر و تازہ وجود جو کہ ہزاروں سال پرانا ہے بلکہ یہ تو بڑی بات رہی ہے کہ ہم تو سانس بھی اتنے دھیمے انداز میں لے رہے تھے کہ کہیں ہمارے سانسوں کا ارتعاش محسوس کر کے وہ قتالہ عالم آنکھیں نہ کھول دے۔

کاوش ندیم اور نادر آنکھوں میں حیرت و بے یقینی

کی تمام شرتیں سمیٹے کبھی نفران کے بے جان وجود کو دیکھنے لگتے جس کا چہرہ روشنیوں میں چمک اٹھا تھا اور روشنیاں جسم پر سے پھسل پھسل کر جارہی تھیں اور کبھی وہ میری طرف دیکھتے' یہ فرط حیرت کا نادر جملہ مکمل نہ کرسکا۔

''ناممکن۔۔۔ ناممکن ہے یہ سب۔۔۔

آنکھوں کے سامنے موجود روز روشن کی سی اٹل حقیقت سے نظریں تو چرائی جاسکتی ہیں مگر اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا شون متانت سے بولے مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی کوئی انسانی وجود اپنی اصل حالت برقرار رکھے۔''

''قدرت کے سب کام نرالے ہیں اور دائرہ قدرت میں کچھ بھی ناممکن نہیں یقین نہیں آرہا'' کاوش خود کلامی کے انداز میں بولے۔

میں ٹیبل کے دائیں طرف آگیا' لگتا تھا کہ پروردگار نے کائنات کا حسن تمام رعنائیاں و دلکشی اس سانچے میں ڈال کر نفران کا وجود بنادیا ہے بے شک وہ لافانی حسن خوبصورتی کا شاہکار پیکر تھا میں تمام سوچیں جھٹک کر نفران کے وجود کا باریک بینی سے جائزہ لینے لگا جسم کے کھلے حصوں میں مصالحے بھرے ہوئے تھے اس کے منہ ناک اور کانوں میں بری طرح مصالحہ ٹھونسا ہوا تھا جس کی صفائی کے لئے حلق کا آپریشن ضروری تھا۔

نشتر دو۔۔۔ میں نے نادر سے کہا تو وہ الماری کی طرف بڑھ گیا الماری کھول کر اس نے انسٹرومنٹ کٹ نکال کر ٹرالی پر رکھی اور ٹرالی دھکیلتا ہوا قریب آگیا میں نے نشتر لیا اور اللہ کا نام لے کر نفران کے حلق پر چلادیا مگر اس کے حلق میں پڑ جانے والے شگاف سے خون کا ایک قطرہ بھی خارج نہ ہوا۔ البتہ سیاہی مائل بھورے رنگ کا تھوڑا سا مصالحہ ضرور برآمد ہوا پھر میں نے اس کے کانوں اور حلق میں ٹھنسا ہوا مصالحہ نکالنے لگا پہلے اس کے ناک کان اور حلق میں جما ہوا مصالحہ نکالا گیا پھر کیمیکلز کی مدد سے انہیں دھویا گیا واٹر گن کی مدد سے پریشر کے ساتھ کیمیکلز کا استعمال کیا گیا ناک کان اور گلے کو اچھی طرح دھونے کے بعد میں نے نفران کے حلق کے کٹ اسٹچز لگائے مصالحہ کو ایک باؤل میں اکٹھا کرنے کے بعد وہ باؤل میں نے ندیم کے حوالے کردیا اس کو سنبھال لیں کسی وقت اس کا انیگزامن کریں گے اب وہ پوری طرح اپنی حالت میں تھی اور مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہ تھی اس آپریشن میں تقریباً ہمیں ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا تھا۔

میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے سب کے چہروں پر نظریں ڈالیں۔ کاوش' وکیل' نادر' ندیم عباس' انعم اور شون سب سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے اب ذرا دھیان ہٹا تو اس کے اسراپے کی جانب توجہ ہوئی بے شک وہ ایک لاش تھی پر وہ اپنے اندر قیامت خیز کشش رکھتی تھی اس کے چہرے پر تازہ گلاب کی سرخی اور شگفتگی تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ ازخود آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی ہو اور جیسے ابھی وہ آنکھیں کھولے گی اور مجھے دیکھے گی مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔

یہ میری زندگی کا پہلا اور آخری آپریشن ہوگا بلکہ آج تک کسی ڈاکٹر نے ایسا آپریشن نہ کیا ہوگا نہ ایسے آپریشن کا کہیں سنا ہوگا کہ صدیوں پہلے مرجانے والے کسی شخص کو آپریشن کے ذریعے زندگی کی جانب واپس لایا جانے کی کوشش کی گئی ہو آپریشن مکمل اور کامیاب ہوچکا تھا مگر نتیجہ کوئی نہ تھا' بے ہوشی توڑنے والا انجکشن لگایا گیا مگر باڈی نے اسے قبول نہ کیا گیس سنگھائی گئی مگر اسے ہوش نہ آیا کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔

آخر ایک آخری حل سمجھ میں آیا کہ شاک مشین سے اس قتالہ عالم کے دل کو شاک دیئے جائیں آخر مشین سیٹ کی گئی میں نے شاکنگ پیڈ سنبھالا وولٹیج ایڈجسٹ کیے اور اللہ کا نام لے کر نفران کے ساکت سینے پر رکھ دیا مگر اس کے وجود میں کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی دوسری بار تیسری بار چوتھی بار، مگر کوئی تسلی بخش نتیجہ نہ نکلا آخر میں نے پیڈ ہٹادیئے اور ایک طرف سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور اپنی حماقت پر غور کرنے لگا۔

صدیوں پرانی ایک ممی کا آپریشن اسے ہوش میں لانے کی کوشش کیا حماقت تھی شریم صاحب پریشان

نہ ہوں کاوش نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی بات ادھوری رہ گئی ایک انہونی ہوگئی تھی ساکت سینہ آہستہ آہستہ پھولنے لگا اور پچکنے لگا تھا لائنیں اچانک معدوم ہوگئی تھیں اس کے جڑے بھی آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگے تھے میں تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے اس کی طرف پہنچ گیا نجانے کس جذبے کے تحت میری آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ خون رگوں میں جمنے لگا اور دل کی دھڑکنیں اپنی رفتار سے تجاوز کر گئی تھیں آہستہ آہستہ اس کی پلکیں لرزنے لگیں اور پھر حیرت انگیز طور پر اس نے اپنی آنکھیں کھول دی۔

کتنی حیرت کی بات تھی کہ صدیوں سے زمین کی گہرائی میں دفن ایک لاش زندہ ہوگئی۔

میں خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ آنکھیں کھولتے ہی وہ مجھے پہنچان لے گی بھلا وہ مجھے کیسے پہنچان سکتی ہے آنکھیں کھولتے ہی وہ ہم سب کی صورتیں تکنے لگی اور میں نے فوراً اپنے چہرے سے ماسک ہٹا دیا لیکن اس کی آنکھوں میں ناشناسائی تھی چند لمحے تک وہ ہماری صورتیں دیکھتی رہی میں چونکہ اس کے زیادہ قریب تھا اس لئے وہ مجھ سے مخاطب ہوئی اس کے لب ہلے ایک مترنم جل ترنگ سا گنگناتی اس کی دھیمی سی آواز ابھری اور ہم سب ایک دوسرے کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے وہ جانے کونسی زبان بولی تھی کہ آدھا لفظ سمجھ میں آیا تھا۔

البتہ شون کچھ مزید قریب آگئے پھر وہ اس کے لب ولہجے میں توڑ جھوڑ کرنے لگے وہ دھیمی آواز میں بول رہی تھی اور اس کے چہرے سے شدید ترین قرب کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے پھر شون نے میری جانب اشارہ کیا اور اس نے میری جانب ایسی محبت اور پیار بھری نظروں سے دیکھا کہ میرا دل حلق میں آدھڑکا اس کی آواز پھر ابھری اور اب اس کی آواز مجھے صاف سنائی دے رہی تھی وہ کہہ رہی تھی ''شریم میرے محسن تم نے مجھے اس قید سے ہزاروں برس بعد آزادی دلائی ہے میں تمہاری مشکور ہوں اب میری باتیں سوائے تمہارے کسی کی سمجھ میں نہیں آئیں گی نہ ہی پروفیسر شون کو۔۔ شریم اب میرے جانے کا وقت قریب ہے پر تمہارا سفر اب شروع ہونے والا ہے صدیوں کا سفر میرے جانے کے بعد تمہارا وجود سب کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا ہمیشہ کے لئے تم سب کو دیکھ سکوں گے پر تمہیں کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ غائب ہونے پر تم بے ہوش ہو جاؤ گے پھر تمہاری آنکھ ہزاروں برس پہلے کے دور میں ایک بحری جہاز میں کھلے گی وہاں تمہاری ملاقات تمہاری اس جدید دنیا کے شاہان سے ہوگی اور ایک ناگن یعنی ناگنی سے ہوگی جو پوری دنیا کے سانپوں کی دیوی ہے بس پھر تمہارا ان سے ملنا اور پھر تم تینوں کا اصل سفر شروع ہوگا۔ پریشان نہ ہونا یہی تمہاری قسمت میں لکھا ہے جو کہ پورا ہو کر رہے گا۔

اچانک میری نظر اس کے پیروں پر پڑی تو میں بری طرح چونک پڑا اس کے پیروں کی انگلیاں جھڑتی جا رہی تھیں دیکھتے ہی دیکھتے اس کا وجود مٹی کی طرح بکھرنا شروع ہوگیا اس کے چہرے پر شدید کرب کے تاثرات سمٹے ہوئے تھے اب وہ خاموش تھی اس کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور مجھے اپنے لیے ان میں بڑی عقیدت اور بڑا پیار نظر آرہا تھا۔

کاوش' وکیل' نادر' شون' ندیم عباس اور انعم سب بغور اس کی مٹی میں تبدیل ہوتی ٹانگوں کو دیکھ رہے تھے میں نے جھپٹ کر بے اختیار اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا' نظر ان نظر ان یہ تمہارا وجود مٹی کیوں ہوتا جا رہا ہے' یہ یہ ایسا کیوں ہو رہا ہے' اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی رخی سی مسکراہٹ ابھری' آنکھوں میں محبت واحترام کے طوفان ذرا کسمسائے پھر اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اپنی انگلی کا اشارہ میری جانب کیا اور اس کی انگلی سے روشنی کی شعاع نکل کر میرے اوپر پڑنے لگی اور میں اس عجیب وغریب روشنی میں پوری طرح نہا گیا پھر اس کے ہونٹوں سے چند آخری الفاظ خارج ہوئے میرے لیے میرے نام صرف میرے لیے' شریم تمہاری بے قراری کو میں خوب سمجھ رہی ہو تمہاری محبت کا اندازہ ہے مجھے پر مجبور ہوں تم آؤ گے میرے دور میں اور مجھ سے ملو گے یہ وعدہ ہے۔ تمہارا سفر شروع ہونے والا ہے اور

اب تم غائب ہوگئے ہو میں اب جا رہی ہوں اتنا کہتے ہی اس کی انگلی ڈھلک گئی اور روشنی کی شعاع غائب ہوگئی اس کا نچلا دھڑ مٹی ہو چکا تھا اور اس کی آنکھیں چڑھتی جا رہی تھیں۔

میں نے اس کے رخسار تھپتھپائے نفران' نفران آنکھیں کھولو ایک ذرا اس نے میری جانب دیکھا ہونٹوں پر دلنواز سی مسکراہٹ سمٹی اور اس کی گردن میرے ہاتھوں میں ہی ڈھک گئی چند لمحوں بعد میرے ہاتھوں میں اس کے خوبصورت چہرے کے بجائے ایک مشت خاک بچی تھی پھر بیک روشنیاں تیز ہوگئیں مگر مجھے یوں لگا جیسے میرے اطراف میں اندھیرے پھیل گئے ہیں گھٹا ٹوپ اندھیرے۔۔ اس کے بعد جیسے ہی روشنی ہوئی تو مجھے اپنا آپ نظر نہیں آیا۔

''میں سب کو دیکھ رہا تھا یعنی نفران کی بات سچ ثابت ہوگئی تھی اور میں غائب ہوگیا تھا۔''

پھر اچانک ہی کاوش کی آواز آئی ارے یہ یہ شریم کہاں غائب ہوگئے؟ اس کے بعد سب کی نظریں اس طرف ہوتی جہاں میں کھڑا تھا پر میں کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا اس سے پہلے کہ میں ان کو اپنے بارے میں کچھ بتاتا کہ۔

اچانک ایک روشنی کا گولہ چھت سے آ گرا مجھ سے ٹکرایا اور اس کے بعد مجھے کسی چیز کا بھی ہوش نہیں رہا جب ہوش آیا تو خود کو اس بحری جہاز میں موجود پایا اس کے بعد حالات آپ جانتے ہیں اتنا کہہ کر شریم خاموش ہوگیا۔

تو ناگن نے کہا شریم بھائی واقعی میں آپ کی کہانی بہت انڈ ونچر ہے شاہان نے بھی تائید میں سر ہلا دیا' اور کہا شریم اور ناگنی ہم آج سے ایک دوسرے کے بنا بے کار ہونگے اور اگر کبھی ہم جدا ہو بھی گئے تو ہم اپنے جسموں سے نکلنے والی مخصوص خوشبو سے ایک دوسرے کو ڈھونڈ لیا کرینگے ناگنی اور شریم نے بیک وقت عہد کیا ہم بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے شاہان شریم اور ناگنی ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ۔

اچانک گرشک کی آواز سنائی دی شاہان شریم اور ناگنی تینوں کے اکٹھے ہونے کا انتظار تھا کیونکہ تم تینوں کا اصل سفر اب شروع ہوگا یہ سفر اتنا خطرناک بھیانک اور ایڈونچر ہوگا کہ قدم بہ قدم موت کے قریب ہوتے جاؤ گے۔

''کیا ہم تینوں ایک ساتھ سفر شروع کریں گے' ناگنی نے کہا''

نہیں ناگنی آج تم بچھڑ جاؤ گے اور پھر ملوں گے پھر بچھڑ جاؤ گے تینوں خوشبوؤں کی پہنچان کی وجہ سے ملو گے اور بہت سے ایسے واقعات آئے گے کہ تم حیران ہو جاؤ گے اب تیار ہو جاؤ اپنے سفر کے لئے اتنا کہہ کر آواز خاموش ہوگئی اور ایک روشنی کا تیز جھماکہ سا ہوا روشنی اتنی تیز تھی کہ شریم ناگنی اور شاہان کو کچھ دکھائی نہ دیا سوائے روشنی کے جب روشنی چھٹی اور شاہان دیکھنے کے قابل ہوا تو وہاں اسے نہ ناگنی نظر آئی اور نہ ہی شریم کی آواز، شاہان نے ناگن اور شریم کو بہت آوازیں دیں مگر کسی بھی بات کا جواب نہ آیا گرشک کی پھر آواز ابھری شاہان وہ تمہاری کسی بھی بات کا جواب نہیں دیں گے وہ تو اپنی سفر پر روانہ ہو چکے ہیں اور تمہارے پاس ایک بکس رکھا ہے وہ اٹھالو اس میں کچھ سامان ہے تمہاری اپنی ترقی یافتہ دور کے آگے چل کر بہت کام آئے گا اب جہاز سے اتر کر نیچے جاؤ گے تو تمہیں وہاں گھوڑا تیار ملے گا اب تم ملک بابل کے نزدیک ہو اور وہاں بادشاہ عاطون کی حکومت ہے اب جاؤ اور پھر ایک تعویذ سا اڑتا ہوا آیا اور شاہان کے بازو میں آ کر بندھ گیا اس کے بارے میں گرشک نے کہا کہ جب بھی تم اڑنا چاہو تو اس تعویذ کے ذریعے اڑنا شروع کردو گے بس تم تصور کرو گے تو اڑنے لگوں گے اب جاؤ اس کے بعد آواز آنی بند ہوگئی اور شاہان بکس اٹھا کر جہاز سے باہر نکل آیا وہاں پر پہلے سے گھوڑا تیار کھڑا تھا اور شاہان اس گھوڑے پر سوار ہو کر بابل کی سمت روانہ ہوگیا۔

ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد شاہان یعنی مجھ کو بابل کی سرحد پر سپاہیوں نے روک لیا اور مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آ رہے ہو میں نے انہیں بتایا کہ میں ایک حکیم ہوں اور جڑی بوٹیوں سے بیمار لوگوں کا علاج کرتا ہوں سرحدی سپاہیوں نے مجھے

کچھ نہ کہا اور بابل میں داخل ہونے کی اجازت دیدی میں گھوڑے پر سوار بابل کی سرزمین پر آگے بڑھنے لگا دوپہر کے وقت میں دریائے دجلہ کے کنارے پہنچ گیا میں کافی تھک گیا تھا گھوڑا بھی تھکن اور پیاس سے چور ہورہا تھا گھوڑے نے پانی پیا اور میں بھی منہ ہاتھ دھوکر ٹھنڈا پانی پیا اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد تازہ دم ہوکر بابل شہر کی طرف روانہ ہوگیا بابل وہاں سے ایک دن کی مسافت پر تھا اور شام کے سائے گہرے ہونا شروع ہوگئے تھے دھوپ کی گرمی ختم ہورہی تھی کھجور کے درختوں کے سائے میں ریت ٹھنڈی ہونے لگی میں رات میں کسی جگہ آرام کرنے کے بعد اگلے روز اپنا سفر جاری رکھنا چاہتا تھا مگر سوال یہ تھا کہ میں کس جگہ رات بسر کروں میں اس جگہ اجنبی تھا اور قریب کوئی بستی بھی نظر نہ آرہی تھی رات کا اندھیرا پھیلنے لگا کہ اچانک میں نے دور ایک روشنی دیکھی ایک پرانی سی حویلی تھی جس کے دروازے پر مشعل جل رہی تھی۔

قریب پہنچ کر دیکھا تو حویلی کے باہر ایک پہرے دار بڑا سا نیزہ ہاتھ میں لیے پہرہ دے رہا تھا وہ ٹھٹک گیا اتنے میں گھوڑے کی آواز سن کر پہرے دار نے آواز دی جو کوئی بھی ہے وہیں کھڑا رہے اور یہ سن کر میں رک گیا پہرے دار قریب آگیا اور مجھے غور سے دیکھا کون ہو تم۔

''میں نے اسے بتایا کہ میں افریقہ سے آیا ہوں اور ایک حکیم ہوں۔''

''پہرے دار نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو''

''شہر بابل کی طرف''

''یہاں کیوں کھڑے ہوگئے تھے''

''میں صبح سے سفر کررہا ہوں تھک گیا ہوں رات بسر کرنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کررہا تھا اس جگہ روشنی دیکھی تو یہاں آگیا کہ شاید یہ کوئی سرائے ہے۔''

پہرے دار نے زوردار قہقہہ لگایا اور اب کے دو اور ساتھی بھی وہاں آگئے اور مجھے سر سے پاؤں تک گھورنے لگے اور میرا مذاق اڑانے لگے تم اسے سرائے کہتے ہو پہرے دار نے ایک اور قہقہہ لگایا اور میرے پاؤں میں نیزہ چبھا کر بولا چلو تم بھی حویلی میں چلو تینوں مجھے حویلی میں لے آئے اور پھر میری تلاشی لی جیب میں جو رقم تھی وہ لے لی اور ساتھ میں گھوڑا بھی لے لیا میں نے کہا کیا تم لوگ پردیسیوں سے یہی سلوک کرتے ہو اس پر ایک نے زور کا منہ پر تھپڑ مارا اور میں لڑکھڑا کر گر پڑا چند ساعت بعد میں اٹھا اور بولا آپ لوگ میرا سامان مجھے دے دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی تو پہرے دار نے دوائی کا تھیلا مجھے پکڑا دیا اور ساتھ ہی دوسرے پہرے دار نے زور سے ایک گھونسہ میری گردن پر مارا تو میرا خون کھول اٹھا مگر میں نے بڑی صبر سے کام لیا میں نئی جگہ پر تھا کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہتا تھا بہرحال وہ تینوں تکرار کرنے لگے مگر میں جلد از جلد ان سے جان چھڑا کر آگے جانا چاہتا تھا کہ اتنے میں ایک نے اپنا نیزہ میرے پاؤں میں چبھو دیا مگر یہ ایسا کرنے سے ایک قطرہ خون بھی نہ نکلا تو یہ دیکھ کر وہ اچنبھے میں پڑ گئے پھر ایک نے اپنا نیزہ میرے پیٹ میں گھونپ دیا نیزہ پیٹ کے پار ہوگیا اور جب اس نے نیزہ باہر کھینچا تو خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا اور نیزے سے پیٹ میں سوراخ بھی نہ تھا پھر انہوں نے بار بار نیزہ میرے جسم میں گھونپنا شروع کردیا مگر جسم میں سوراخ ہوتا اور خون کا ایک قطرہ بہے بغیر سوراخ اپنے آپ بند ہوجاتا یہ دیکھ کر پہریدار خوف سے تھر تھر کانپنے لگے نیزے ان کے ہاتھوں سے اپنے آپ گر پڑے اور وہ میرے آگے سجدہ میں گر گئے تم دیوتا ہو انہوں نے کہا تو میں نے جواب دیا میں دیوتا نہیں بلکہ تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں سجدہ کسی بت یا انسان کو نہیں کیا جاتا بلکہ سجدہ صرف ایک خدا کو کیا جاتا ہے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے تینوں پہریدار مجھے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے پھر میں نے ان سے کہا کیا مجھے اس حویلی میں رات بسر کرنے کی جگہ مل جائے گی؟

ہم ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں آپ حکم کریں ایک نے میرے گھوڑے کو سنبھالا دوسرے نے میرا تھیلا

اٹھا کر اسے بڑے احتیاط سے بغل میں دبالیا اور تیسرے نے جھک کر کہا میرے ساتھ آیئے اس حویلی کا سب سے آرام دہ کمرہ آپ کے آرام کے لئے حاضر ہے اور میں مسکرا کر اس کے ساتھ حویلی میں داخل ہوگیا۔

میں دل ہی دل میں افسوس کررہا تھا کہ ان پہریدار کی حماقت اور بے وقوفی سے خواہ مخواہ اسے اپنا راز ظاہر کرنا پڑا جبکہ میں اس راز کو صرف اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا کیونکہ راز ظاہر ہونے سے لوگ میری پوجا شروع کرسکتے تھے اور حسد کرکے وہ مجھے قتل تو نہیں کرسکتے تھے لیکن مجھے سکون کے ساتھ زندہ رہنے سے بھی محروم کرسکتے تھے۔

خیر حویلی کا وہ کمرہ میری خدمت میں پیش کیا گیا تھا دوسری منزل پر تھا فرش پر چٹائی بچھی ہوئی تھی ایک طرف بھیڑ کی کھالوں کا ڈھیر پڑا تھا اور صندوق پر پانی کی صراحی رکھی تھی پہرے دار نے جھک کر کہا میں ابھی آپ کے لئے کھانے کو لاتا ہوں مجھ کو بھوک نہیں لگی تھی مگر میں نے پہرے دار کو کھانا نہ لانے سے منع بھی نہ کیا پہرے دار چلا گیا تو میں نے سوچا کہ یہاں پہریدار رکھنے کا مقصد کیا ہے ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک پہرے دار تھال میں میٹھی روٹی انگور اور انجیر لے آیا میں نے انگور کھاتے ہوئے پوچھا اس حویلی میں تم لوگ پہرہ کیوں دے رہے ہو۔

''پہرے دار نے کہا یہ حویلی ایک جیل خانہ ہے۔''

''کس کا جیل خانہ ہے کون یہاں قید ہے''

ملک نینوا کو فتح کرنے کے بعد ہمارا بادشاہ عاطون اپنے ساتھ ہزاروں لوگوں کو قید کرکے لے آیا تھا یہ قیدی ملک کے مختلف حصوں میں قید کے دن گزار رہے ہیں اس حویلی میں نینوا شاہی خاندان کی ایک بوڑھی عورت قید ہے وہ نینوا کے بادشاہ کی ماں ہے بادشاہ کا سر قلم کردیا گیا اس کی ماں یہاں قید کے دن گزار رہی ہے۔

''کیا اس کا کوئی وارث نہیں۔''

نہیں ہمارا بادشاہ عاطون نے نینوا کے سارے شہزادوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کردیا تھا۔

اس نے جواب دیا کھانا کھانے کے بعد میں لیٹ گیا اور میری آنکھ جھپک گئی اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے کوئی عورت ہلکی مگر بڑے درد ناک انداز میں بین کررہی ہے اس عورت کی آواز میں غم اور دکھ تھا اور میں اس غم ناک آواز کو غور سے سننے لگا پہلے تو میں نے سوچا یہ میرا وہم تو نہیں مگر درد ناک آواز مسلسل آرہی تھی اب میری نیند غائب ہوچکی تھی میں پوری طرح بیدار تھا اور آواز کو بڑے غور سے سن رہا تھا پھر میں نے محسوس کیا کہ آواز نچلی منزل کے تہہ خانے سے آرہی ہے میں بستر سے اٹھا اور دروازہ کھول کر باہر آگیا اب میں ہر حالت میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ عورت کون ہے جو آدھی رات میں رو رہی ہے کمرے کے باہر گھپ اندھیرا تھا میں سنبھل سنبھل کر پاؤں اٹھاتا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا آگے بڑھا تو مجھے ایک دروازہ نظر آیا جس کی سیڑھیاں نچلی منزل کی طرف اتر رہی تھیں میں زینے سے اتر کر نچلی منزل میں آگیا نچلی منزل میں بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا اب مجھے آواز قریب سے سنائی دینے لگی تھی پھر میں آواز کی سمت بڑھنے لگا۔

''بین کرتی ہوئی عورت کی آواز اب بالکل صاف سنائی دے رہی تھی درد ناک آواز دیوار کے عقب سے بلند ہورہی تھی میں نے دروازہ تلاش کرنا شروع کردیا ایک جگہ دروازہ مل گیا تو میں نے دروازے کے پٹ کو تھوڑا سا دھکا دیا تو پٹ کھل گیا پھر اندر کا جو منظر میں نے دیکھا اس نے مجھے دہلا کر رکھ دیا۔

میں نے دیکھا کہ دیوار کے طاق میں ایک دیا جل رہا ہے اس کی پراسرار دھندلی روشنی میں ایک ادھیڑ عمر عورت اپنے سیاہ بال کھولے چٹائی پر دوزانوں سر جھکائے بیٹھی بین کررہی تھی اس کے ہاتھ چھت کی طرف اٹھے ہوئے تھے میں نے دروازے میں کھڑا یہ المناک منظر دیکھنے لگا اس عورت نے دروازہ کھلنے کی آواز نہیں سنی تھی وہ مسلسل بین کیے جارہی تھی۔''

میں ابھی آگے بڑھنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ عورت روتے روتے رک گئی اس نے چہرہ اوپر اٹھا کر بال پیچھے ہٹائے اور دیے کی طرف دیکھا اس کا

چہرہ مرجھایا ہوا تھا اب عورت کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ کوئی دروازے میں کھڑا ہے اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور ایک نوجوان کو اپنے سامنے پا کر بولی اگر تم مجھے قتل کرنے آئے ہو تو میں تیار ہوں مگر خدا کے لئے مجھے مرنے سے پہلے ایک بار صرف ایک بار مجھے میرے زخمی بیٹے سے ملا دو' صرف ایک بار مجھے اپنے شہزادے کی صورت دیکھنے دو۔"

"اور میں سمجھ گیا کہ وہ عورت کون ہے اور کیوں رو رہی ہے میں نے آگے بڑھ کر کہا خاتون میں جلاد نہیں ہوں۔"

"تو پھر تم کون ہو؟"

خاتون پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"عورت نے کہا میں ملک نینوا کے مقتول بادشاہ کی بدنصیب ملکہ ہوں جس کے ملک کو بابلیوں نے فتح کر کے آگ لگا دی رعایا کو قتل کر دیا بادشاہ کا سر کاٹ کر نیزے پر لٹکا دیا شہزادوں کو ہاتھیوں سے کچل دیا انہوں نے مجھے کیوں نہ ہلاک کیا مجھے یہ تکلیف سہنے کے لئے زندہ کیوں چھوڑ دیا۔

پھر میں نے خاتون کو تسلی دیتے ہوئے کہا شاید رب عظیم کو یہی منظور تھا اگر محل کے سارے لوگ قتل ہو گئے تھے تو آپ نے اپنے بیٹے کا کیسے ذکر کر رہی ہیں کیا وہ ابھی تک زندہ ہے۔

"ملکہ نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا نہیں' نہیں میں نہیں بتاؤں گی میرے منہ میں خاک تم اسے جا کر قتل کر دو گے وہ زندہ نہیں ہے وہ مر چکا ہے میرا بیٹا مر چکا ہے میرا شہزادہ زندہ نہیں ہے اور وہ دھیرے دھیرے رونے لگی پھر میں نے ملکہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"غم زدہ ملکہ میں خدائے عظیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں میں ایک اجنبی مسافر ہوں اور میں بابل میں اپنی روزی کمانے آیا ہوں میں ایک حکیم ہوں اور بیماروں کا علاج کرتا ہوں اگر تم مجھے بتا دو کہ زخمی شہزادہ کہاں ہے تو میں اس کا علاج کر سکتا ہوں۔"

"نہیں نہیں تم اسے مار ڈالو گے۔ ملکہ بولی۔

"ملکہ مجھ پر یقین کرو میں جھوٹ نہیں بولتا مجھ پر ایک دکھی ماں کی فریاد کا بہت اثر ہوا ہے مجھ پر بھروسہ رکھو میں تمہارے شہزادے کو صحت مند کر دوں گا بلکہ اگر تم نے خواہش کی تو میں تمہیں یہاں سے آزاد بھی کراؤں گا مجھ میں اتنی طاقت ہے۔

آزادی کے نام پر ملکہ نے کہا کیا تم یہاں سے مجھے نکال کر میرے بچے سے ملا سکتے ہو؟"

کیوں نہیں مگر سب سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ زخمی شہزادہ کہاں ہے اور میں اس کی کیا مدد کر سکتا ہوں شہزادے سے مل کر ہی تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتا ہوں کہ یہاں سے نکال کر تمہیں کہاں رکھنا ہوگا۔

اب ملکہ کو مجھ پر کچھ کچھ بھروسہ ہونے لگا تھا اس نے کہا تم میرے پاس بیٹھ جاؤ اور غور سے سنو! جس وقت عاطون اپنے ہاتھ میں تلوار لیے شاہی خاندان کا قتل عام کر رہا تھا میں ستون کے ساتھ قیدی حالت میں کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی ظالم بادشاہ نے ایک ایک کر کے میرے سارے بچے قتل کر دیئے تھے مگر اتفاق سے ایک شہزادہ طالوت زخم کھانے کے باوجود زندہ رہا بادشاہ اسے مردہ سمجھ کر اپنے سپاہیوں کے ساتھ چلا گیا سپاہی مجھے بھی لے کر چل دیئے اور قید خانے میں قید کر دیا آدھی رات کو میرے دربار کا خاص غلام نانو کسی طرح پہریداروں کی نظر بچا کر محل میں لاشیں اٹھانے آیا تاکہ انہیں زمین میں دفن کر دے کہ اس نے دیکھا کہ شہزادہ طالوت زندہ تھا وہ اسے اٹھا کر شہر سے باہر ایک پہاڑی غار میں لے گیا اور اس کی مرہم پٹی کی پھر وہ چھپتا چھپاتا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ شہزادہ زندہ ہے مگر زخمی ہے مجھے اپنے بیٹے کی پھر خبر نہ ملی کہ وہ کس حال میں ہے اگر تم سچ مچ دل سے ایک دکھی ماں کی مدد کرنا چاہتے ہو تو مجھے میرے بیٹے سے ملا دو اس کے بعد چاہے مجھے قتل کر دینا میں ایک بار اپنے شہزادے کو سینے سے لگانا چاہتی ہوں۔

یہ سن کر میں نے ملکہ کو تسلی دی اور کہا میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے بیٹے کو تم سے ملانے کی پوری کوشش کروں گا یہ بتایئے کہ وہ غار شہر سے باہر کس جگہ پر واقع ہے۔

''نانو نے مجھے بتایا تھا کہ غار شہر کے مشرقی دروازے سے باہر نکل کر زیتون کی پہاڑی کے دامن میں ہے۔''

''بہت اچھا میں نے کہا اور خاموش ہوگیا کیونکہ دروازے کے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی یہ چاپ دروازے کے باہر آ کر رک گئی میں جھٹ ایک طرف ہو کر گھاس کے سوکھے ڈھیر میں چھپ گیا پہریدار نے دروازہ کھول کر اندر جھانک کر دیکھا ملکہ کو موجود پا کر تسلی کر لینے کے بعد دروازہ بند کر کے واپس چلا گیا۔

میں گھاس کے خشک ڈھیر میں سے باہر نکل آیا اب میرا وہاں رہنا مناسب نہیں تھا میں نے ملکہ سے اجازت لی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا مجھے خطرہ تھا کہیں راستے میں کسی پہریدار سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے وہ واپس وہاں سے اپنے کمرے میں آیا اور دروازہ بند کر کے لیٹ گیا میں نینوا کی تباہ حال ملکہ کے غم سے بہت متاثر ہوا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں نینوا جا کر اس کے جگر کے ٹکڑے کا علاج بھی کروں گا اور اسے ماں سے بھی ملواؤں گا یہ ایک انتہائی انسانی ہمدردی کا کام تھا اور میں نے ملکہ سے وعدہ بھی لیا تھا میں نے شہر بابل جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اب میں وہیں سے نینوا کا رخ کرنا چاہتا تھا۔

رات اسی طرح کی سوچ بچار میں گزر گئی صبح ہوئی سورج نکل آیا دروازہ کھلا پہریدار میرے لیے دودھ اور شہد کا ناشتہ لے آیا اے مقدس انسان ہم صرف دودھ اور شہد ہی آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں تناول فرمایئے پہریدار ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا میں ناشتہ کرنے لگا پھر میں نے پوچھا مجھے رات بھر ایک عورت کی بین کرنے کی آواز آتی رہی کیا یہ ملکہ نینوا کی آواز تھی؟۔

ہاں ملکہ رات رات بھر اپنے بچوں کو یاد کر کے روتی رہتی ہے بادشاہ عاطون نے اسے بھی قتل کیوں نہیں کر دیا شاید وہ چاہتا تھا کہ ملکہ ساری عمر زندہ رہ کر دکھ برداشت کرتی رہے اس نے ملکہ نینوا سے زبردست انتقام لیا ہے۔

میں نے پوچھا کیا یہ ملکہ اسی جگہ قید رہے گی یا اسے جلاوطن کر دیا جائے گا پہریدار چونکہ مجھے مقدس انسان سمجھتا تھا اس لئے میرے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔

وہ مجھے ایک ایک بات سچ سچ بتا رہا تھا اس نے کہا ہمیں ابھی تک یہی حکم ہے کہ اسے حویلی میں تاعمر قید رکھا جائے اور کھانے کو پوری خوراک دی جائے تاکہ وہ تندرست رہ کر اپنے خاوند اور بچوں کا غم اٹھائے۔

''کیا یہ ظلم نہیں ہے؟'' میں نے کہا۔

ظلم کیا ہوتا ہے اے مقدس انسان اگر نینوا کا بادشاہ ہمارے ملک پر چڑھائی کر دیتا اور اسے فتح کر لیتا تو وہ بھی ہمارے بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ یہی سلوک کرتا۔

میں نے اس موضوع پر زیادہ گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے کہا کیا میرے گھوڑے کو بھی چارہ ڈال دیا گیا ہے۔ جی حضور وہ بالکل تازہ دم ہے کیا آپ تشریف لے جا رہے ہیں؟ اب میں آگے شہر بابل جاؤں گا میں تمہارے بادشاہ سے ملاقات کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

آپ خوش نصیب انسان ہیں جو ہمارے بادشاہ عاطون سے ملیں گے اور میں حویلی سے نکل کر باہر آ گیا باہر دوسرے سپاہی بھی مجھ کو الوداع کہنے آ گئے تھے وہ بڑے ادب سے ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑے تھے میں نے ان سب سے باری باری ہاتھ ملایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر بابل کی طرف روانہ ہو گیا تھوڑی دور تک میں سیدھا چلتا رہا پھر ایک ٹیلے کا چکر کاٹ کر واپس سرحد کی طرف چلنے لگا میں بابل کی سرحد سے نکل کر ملک نینوا کو جانا چاہتا تھا نصف دن تک چلتے رہنے کے بعد میں نے ایک دوسری جگہ سے بابل کی سرحد عبور کی پہرے داروں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں

جارہے ہو میں نے یہاں بھی وہی جواب دیا کہ میں حکیم ہوں دکھی انسانوں کی خدمت کرتا ہوں اور اب شہر بابل میں جڑی بوٹیاں اکٹھی کرنے کے بعد ملک افریقہ کو جارہا ہوں بابل کی سرحد سے نکل کر شاہان نے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی کردیں اور ایک خاص رفتار کے ساتھ گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے نینوا کی طرف روانہ ہوگیا۔

یہ شہر بہت خوبصورت اور ترقی یافتہ شہر تھا لوگ پختہ مکانوں میں رہتے تھے اور دریائے فرات سے نکل کر نہروں کا پانی انگور کے باغوں کو سیراب کرتا تھا لیکن خدا جانے عاطون بادشاہ کی وحشی فوجوں نے ان کا کیا حشر کردیا ہوگا وہ نینوا کے راستے سے باخبر تھا اسے معلوم تھا کہ رات کے دو پہر آرام کرنے کے بعد اگر وہ اسی طرح چلتا رہا تو دوسرے روز دن ہوتے ہوئے وہ نینوا پہنچ جائے گا سارا راستہ صحرا سے ہوکر گزرتا تھا دھوپ بڑی تیز تھی ریت کے اونچے نیچے ٹیلے جگہ جگہ کھڑے تھے راستے میں جہاں کہیں کوئی ہرا بھرا نخلستان ملتا تو شاہان وہاں کچھ دیر آرام کرلیتا گھوڑے کو گھاس کھلا کر پانی پلاتا تھوڑی دیر بعد کھجوروں اور زیتون کی چھاؤں میں لیٹ کر اگلے سفر کے بارے میں اور شریم، نائنی کے بارے میں سوچتا کہ جانے وہ اس وقت کہاں ہونگے اور پھر سفر پر روانہ ہوجاتا۔

چلتے چلتے اسے شام ہوگئی اس نے سفر جاری رکھا جب رات گہری ہوگئی آسمان پر تارے چمکنے لگے اور شاہان کا گھوڑا بھی تھک گیا تو وہ ایک جگہ رک گیا یہاں ریت کے ٹیلے کے دامن میں کھجوروں کے چند ایک جھنڈ کھڑے تھے اور ایک چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا تھا شاہان نے اس جگہ رات بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا اس نے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور کمبل ریت پر بچھا کر لیٹ گیا آسمان پر ستارے سفید پھولوں کی طرح جھلملا رہے تھے اور چاروں طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی شاہان دن بھر کا تھکا ہوا تھا اسے تھوڑی دیر بعد نیند آگئی۔

آسمان پر صبح کی سپیدی کا نور پھیلنے لگا صحراؤں میں سفر شروع کرنے کے لئے یہ ایک بہتر وقت ہوتا ہے شاہان نے اٹھ کر چشمے سے منہ ہاتھ دھویا تھیلے میں سے کھجور نکال کر کھائی اور پانی پیا اور پھر وہ گھوڑے پر سوار ہونے ہی لگا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک چمکتی ہوئی چیز پر پڑی اس نے جھک کر دیکھا چشمے کے پاس پتھروں میں ایک ہار پڑا تھا شاہان نے ہار اٹھالیا یہ ہار سونے کا تھا اور اس میں مرغی کے انڈے کے برابر ہیرا جگمگا رہا تھا ہار بہت قیمتی معلوم ہوتا تھا شاہان نے ہار اپنے تھیلے میں ڈالا اور گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے سفر پر شہر نینوا کی طرف روانہ ہوگیا ایک پہر تک وہ صحرا میں سفر کرتا رہا۔

دوسرے پہر اسے نینوا شہر کے آثار دور سے دکھائی دینے لگے اونچے ٹیلوں پر کھجوروں کے جھنڈ کھڑے تھے جن کے ساتھ ساتھ کچے مکانوں کی قطار چلی گئی تھی شاہان ان مکانوں کے قریب سے گزرا تو اسے وہاں کوئی شخص دکھائی نہ دیا کئی مکانوں کی چھتیں گری پڑی تھیں شہر نینوا کی فصیل آدمی سے زیادہ ڈھے چکی تھی وہ شہر کے اندر داخل ہوگیا شہر کا دروازہ گرا ہوا تھا وہاں کوئی پہرے دار نہ تھا شہر ویران اور تباہ حال تھا بڑے بڑے حویلی نما مکان جل کر راکھ ہوچکے تھے عاطون کی فوجوں نے نینوا شہر کو فتح کرنے کے بعد اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی شہر کے وسط میں بادشاہ نینوا کا محل جوں کا توں کھڑا تھا اتنے بڑے شہر میں کہیں کہیں مکان صحیح حالت میں تھے وگرنہ محلے کے محلے تباہ کردیئے گئے تھے شاہان کو بہت کم لوگ ادھر سے ادھر گزرتے ہوئے ملے کچھ دکانیں کھلی تھیں جہاں کھانے پینے کی چیزیں بک رہی تھیں وہ ایک دکان پر گیا ایک بوڑھا آدمی شہد بیچ رہا تھا۔

شاہان نے پوچھا بابا میں ملک افریقہ سے آیا ہوں میں حکیم ہوں اور دکھی لوگوں کا علاج کرتا ہوں مجھے بتاؤ کہ اس شہر پر کیا مصیبت گزری کہ یہ تباہ ہوگیا۔

بوڑھے دکاندار نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا اے نوجوان اگر تو یہاں اجنبی ہے تو سن کہ اس شہر کو کسی کی نظر کھا گئی ہے بابل کے بادشاہ عاطون نے حملہ کیا اس کو

برباد کردیا تو جس شہر کے کھنڈر دیکھ رہا ہے کبھی یہاں لوگ مزے کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔

شاہان کو سب کچھ معلوم تھا مگر وہ بوڑھے دکاندار سے بہت سی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا بابا کیا اس شہر میں کوئی معبد بھی تھا جہاں لوگ بتوں کی پرتش کیا کرتے تھے۔

ایسے کئی معبد تھے مگر عاطون نے ان سب کو تباہ کردیا دیوتا ہمیں معاف کریں۔

شاہان کو معلوم ہوا کہ نینوا شہر میں عاطون نے فوج کا ایک دستہ چھوڑا ہے جو برباد شدہ شہر کی حفاظت کرتا ہے اور ایک فوجی گورنر محل میں رہتا ہے جو عاطون کے نام پر یہاں حکومت چلاتا ہے اور بچے کھچے لوگوں اور کسانوں سے لگان وصول کرتا ہے۔

شاہان وہاں سے اٹھ کر شہر کے مغربی دروازے کی طرف آ گیا مگر شہر کا کوئی بھی دروازہ صحیح سلامت نہ تھا مغربی دروازہ بڑی تلاش کے بعد اسے ملا تو دیکھا کہ وہاں دروازے کی جگہ اینٹوں کا ڈھیر پڑا تھا شاہان اس دروازے سے اس شہر سے باہر نکل آیا۔

ملکہ کی ہدایت کے مطابق شہزادہ طالوت نانو کے ساتھ جس غار میں رہتا تھا وہ مغربی دروازے سے باہر ایک ٹیلے کے دامن میں تھا شاہان گھوڑے پر سوار ٹیلے کی تلاش میں چل پڑا وہ کئی اونچے نیچے ٹیلوں کے قریب سے گزرا مگر وہاں اسے ایک بھی غار دکھائی نہ دیا تھک ہار کر وہ اس خیال سے واپس شہر میں آ گیا۔

صبح تازہ دم اٹھ کر غار کی تلاش شروع کردے گا شہر میں اسے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں وہ رات بسر کرسکے مگر وہاں کوئی ایسی جگہ نظر نہ آ رہی تھی تھک ہار کر آخر وہ اسی شہد بیچنے والے کے پاس آ گیا بابا یہاں رات بسر کرنے کے لئے کوئی جگہ مل جائے گی۔

بوڑھے دکاندار نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا دشمن کے حملے سے پہلے اس شہر میں کیسی کیسی خوبصورت سرائیں تھیں دوسرے ملکوں کے مسافر وہاں آ کر آرام کرتے تھے اور اہل نینوا کو دعائیں دیتے تھے مگر اب یہاں سوائے ویرانی اور بربادی کے کیا ہوسکتا ہے یہاں کے رہنے والوں کو سر چھپانے کی جگہ نہیں مل رہی۔

شاہان نے بوڑھے دکاندار سے کہا کہ وہ رات بسر کرنے کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہے اس پر بوڑھے دکاندار کے کان کھڑے ہوگئے اور پوچھا کیوں میاں تم کتنے پیسے ادا کرسکتے ہو۔

شاہان نے کہا کہ میں ایک رات کے لئے ایک چاندی کا سکہ دے سکتا ہوں اس پر دکاندار نے خوش ہوکر کہا پھر تم میرے ہاں کیوں نہ ٹھہر جاؤ۔ اور پھر پردیسوں کی خدمت تو کرنا ہمارا فرض ہے شاہان بڑا خوش ہوا کہ رات بسر کرنے کا معاملہ حل ہوگیا تھا بوڑھے نے شاہان کو یہ کہہ کر اپنی دکان پر بیٹھا دیا کہ جب وہ دکان بند کرکے گھر جانے لگے گا تو اسے بھی ساتھ لیتا جائے گا وقت مقررہ پر دکاندار نے دکان بند کی اور شاہان کو لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا اس کا مکان شہر کے اندر ایک اجاڑ جگہ پر تھا جہاں چاروں طرف گرے پڑے مکانوں کا ملبہ پڑا تھا بوڑھے کے اپنے مکان کا اگلا حصہ بھی جل کر راکھ ہوچکا تھا صرف پچھلے حصے میں ایک کوٹھری باقی تھی۔ بوڑھے نے کہا تم اس کوٹھری کی چھت پر آرام کرسکتے ہو تمہارے گھوڑے کے لئے میں چارہ لاتا ہوں شاہان چھت پر بھیڑ کی کھال بچھا کر لیٹ گیا وہ سوچنے لگا کہ غار اور شہزادہ طالوت کے بارے میں کس سے دریافت کرے بوڑھا تھوڑی دیر بعد گھوڑے کو گھاس وغیرہ ڈال کر واپس آ گیا اور شاہان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا وہ بوڑھا بڑا باتونی تھا اور عاطون کے حملے کی ایک ایک بات بتا رہا تھا شہر میں عاطون کی فوجوں نے قتل عام شروع کردیا تھا میں اپنی اس کوٹھری میں آ کر چھپ گیا انہوں نے میرے مکان کو بھی آگ لگادی میری ساری دولت لوٹ کر لے گئے دیوتاؤں کی نظر اچھی تھی کہ میری جان بچ گئی میں اس کوٹھری میں چھپا بیٹھا رہا پہلے خیال آیا کہ نکل کر مقابلہ کروں اور ایک ایک سپاہی کو تلوار کا ہاتھ مار کر ہلاک کردو اور پھر ان سپاہیوں کی جوانی اور اپنے بڑھاپے کا خیال آیا اور

خاموش بیٹھا رہا۔

شاہان بوڑھے کی باتوں سے تنگ آ گیا تھا جو بات وہ پوچھنا چاہتا تھا اس کے بارے میں وہ سوچ رہا تھا کہ بوڑھے سے پوچھے یا نہ پوچھے پھر اس نے سوچا کہ پوچھنے میں کیا حرج ہے اس نے کہا بابا کیا فوج نے نینوا کے سارے شاہی خاندان کو قتل کر دیا تھا؟۔

بوڑھے نے کہا میاں عاطون نے شاہی خاندان کے ایک ایک فرد کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا اس ظالم نے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑا اس نے تو شاہی خاندان کا نام و نشان تک مٹا دیا شاہان نے رازداری کے انداز میں کہا مگر میں نے سنا ہے کہ ایک شہزادہ زندہ رہ گیا ہے۔

اس پر بوڑھا حیرانی سے اچھل پڑا اور آنکھیں سیکڑ کر بولا یہ..... یہ تم سے کس نے کہہ دیا میاں۔

بس کسی نے کہہ دیا یہ بتاؤ کہ کیا یہ بات ٹھیک ہے کیا واقعی شاہی خاندان کا شہزادہ زندہ ہے۔

شی آہستہ بولو میاں آہستہ بولو کسی نے سن لیا تو قیامت آ جائے گی عاطون کے سپاہی رات کو یہاں گشت کرتے رہتے ہیں وہ پاگل کتوں کی مانند بو سونگھتے پھرتے ہیں۔

شاہان نے سرگوشی میں پوچھا تو پھر کیا یہ سچ ہے کہ نینوا کا ایک شہزادہ زندہ ہے اور زخمی ہے۔

بوڑھے نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے بولا مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو ضرور کوئی بات ہے اس میں تم ویسے نہیں پوچھ سکتے۔

"کیوں نہیں پوچھ سکتا" اس لیے کہ ایک غیر ملک کے رہنے والے کو ہمارے ملک کے شہزادے سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔

اس پر شاہان نے کہا بابا میں ایک حکیم ہوں اور بیماروں کا علاج کر کے مجھے دلی خوشی ہوتی ہے جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ نینوا کا شہزادہ کسی جگہ چھپا ہے وہ زندہ ہے مگر زخمی ہے تو میرے دل میں خواہش پیدا ہو گئی کہ میں اس کے زخموں کا علاج کروں' اسے صحت مند کروں اور یوں نینوا کے شاہی خاندان کا نام لینے والا زندہ رہے اور اس خاندان کا نام پھر آگے چل سکے۔

بوڑھے نے یہ سن کر شاہان کو اپنے سینے سے لگا کر اس کا ماتھا چوم لیا تم ایک نیک دل انسان ہو بیٹے تمہارا دل انسانی ہمدردی سے بھرا ہوا ہے تم نے ہمارے بادشاہ کی آخری نشانی کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اسے سن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے میں چاہتا ہوں کہ تم شہزادے کا علاج کرو۔

"شاہان نے پوچھا تو کیا وہ واقعی زندہ ہے اور زخمی ہے۔"

ہاں میرے بیٹے نینوا کا شہزادہ شاہی خاندان کا آخری چراغ شہزادہ طالوت زندہ ہے اور زخمی حالت میں ہے۔

وہ کس جگہ پر ہے بابا' مجھے بتاؤ میں چل کر اس کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔

بوڑھے دکاندار نے شاہان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا فکر نہ کرو میرے بیٹے میں کل تمہیں شہزادہ طالوت کے پاس لے چلوں گا وہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیلے کے دامن میں ایک غار میں چھپا ہوا ہے وہ سخت زخمی ہے اور یہاں سے فرار ہو کر نہیں جا سکتا نینوا کے گورنر کو پتہ چل گیا ہے کہ شہزادہ بچ کر نکل گیا ہے اس کے سپاہی شہزادے کی تلاش میں ہیں شہزادہ ملکہ کے ایک نہایت وفادار ملازم نانو کی حفاظت میں ہے یہ جانثار غلام اس کی خدمت کر رہا ہے کل تم میرے ساتھ چلنا دیوتا مجھے معاف کرے میں نے ایک اجنبی کے آگے شہزادے کا راز افشاں کر دیا ہے۔ شاہان نے بوڑھے کو تسلی دیتے ہوئے کہا فکر نہ کرو بابا میں شہزادے کے خاندان کا خیر خواہ ہوں بوڑھے نے اچانک سوال کیا' کیا تمہارا تعلق بھی نینوا کے شاہی خاندان سے ہے اجنبی نوجوان۔

"میں تو ایک غریب خاندان میں پیدا ہوا ہوں بابا میرا بھلا شاہی خاندان سے کیا تعلق"

وہ رات شاہان نے بوڑھے شہد فروش کے مکان میں بسر کی دن نکلا تو بوڑھے نے کہا تیار ہو جاؤ اجنبی

نوجوان اب ہمیں شہزادے طالوت کے پاس جانا ہے۔
دونوں نے معمولی کسانوں کا حلیہ بنایا اور خچروں پر سوار ہوکر شہر سے باہر نکل گئے راستے میں وہ باتیں بھی کرتے جارہے تھے شاہان نے اس سے پوچھا اس کا شہزادے سے کیا تعلق ہے؟۔

بوڑھے نے کہا وہ ہمارے بادشاہ کا بیٹا ہے ہم اس کی رعایا ہیں ہمیں اپنے بادشاہ اور اس کے خاندان سے محبت ہونی چاہئے۔

"لیکن بابا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ شہزادہ زخمی حالت میں غار میں پڑا ہے۔"

اس کا غلام نانو میری دکان میں شہد لینے آیا تھا میں نے باتوں ہی باتوں میں اس سے معلوم کرلیا اور پھر خود جاکر نانو کے ساتھ شہزادے کی تیمارداری میں ہاتھ بٹایا اب وہ شہر سے کافی دور نکل آئے تھے اور چھوٹے چھوٹے ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا کئی ایک ٹیلوں کے پاس سے گزر کر بوڑھا شہد فروش ایک اونچے ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگا بائیں پہلوں سے ہوکر وہ ڈھلان پر اترگیا شاہان اس کے پیچھے پیچھے کسان کے بھیس میں خچر پر سوار چلا جارہا تھا ٹیلے کی ڈھلان اتر کر وہ جنوب کی جانب آگئے یہاں ایک بہت بڑا پتھر کا ستون گرا پڑا تھا جس کے اردگرد جنگلی جھاڑیاں اگ رہی تھیں بوڑھے نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا تھوڑی دیر کے لئے ایک طرف ہوجاؤ۔

"کیا کوئی خطرہ ہے بابا" نہیں ہے اور ہے بھی ہم اس وقت غار کے پاس کھڑے ہیں عاطون کے سپاہی بھوکے کتوں کی طرح شہزادے کی تلاش میں رہتے ہیں غار میں داخل ہونے سے پہلے میں تسلی کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کسی نے دیکھا تو نہیں بوڑھا ستون کے اوپر کھڑا ہوگیا اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چاروں طرف غور سے تکنے لگا جب اسے اطمینان ہوگیا کہ قرب وجوار میں کوئی شخص نہیں ہے تو وہ ٹیلے کے دامن میں جھاڑیوں کی طرف گیا تو اس نے ایک غار کا منہ دیکھا جس کی محراب جنگلی بیلوں سے ڈھکی تھی بوڑھا یوں آگے بڑھ رہا تھا جیسے وہ پہلے بھی یہاں آتا رہا ہو شاہان اس کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔

غار ایک طرف گھوم گیا ذرا آگے جاکر دائیں طرف ایک بڑا سا پتھر پڑا تھا بوڑھے نے جیب سے لوہے کا ٹکڑا نکال کر اس پتھر پر چار مرتبہ بجایا اس آواز کے ساتھ ہی غار میں سامنے کی جانب سے ہلکی سی روشنی نمودار ہوئی یہ روشنی آگے آتی گئی اور ہمیں ایک سیاہ حبشی کا چہرہ نمودار ہوا جس نے ہاتھ میں مشعل تھام رکھی تھی یہ سیاہ فام شخص ملکہ نینوا کا وفادار ملازم نانو تھا وہ بوڑھے کے ساتھ ایک اجنبی نوجوان کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا پھر بجلی جیسی پھرتی کے ساتھ حبشی نے کمر سے خنجر نکالا اور شاہان کی طرف لپک کر خنجر اس کے گردن پر رکھ دیا بوڑھے نے جھٹ کہا یہ حکیم ہے نانو اور شہزادے کے زخموں کا علاج کرنے آیا ہے یہ ہمارے بادشاہ کے حامیوں میں سے ہے اور ملک افریقہ کا رہنے والا ہے۔

"حبشی غلام نے کہا کیا تم اس اجنبی پر اعتبار کرتے ہو۔"

"ہاں نانو میں اس پر اعتبار کرتا ہوں یہ بتاؤ کہ شہزادے کا کیا حال ہے۔"

میرے ساتھ چل کر دیکھ لو حبشی غلام مشعل لے کر آگے آگے غار میں چل پڑا بوڑھا شاہان اس کے آگے آگے چل رہے تھے غار کے دو تین موڑ گھوم کر وہ ایک ذرا کھلی جگہ پر آگئے یہاں دیوار کے پتھر میں ایک اور مشعل جل رہی تھی اور زمین پر گھاس پھوس بچھی ہوئی تھی جس پر شہزادہ طالوت زخمی حالت میں پڑا کراہ رہا تھا شہزادے کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہ تھی شاہان نے جھک کر شہزادے کا زخم دیکھا تلوار کا گہرا وار اس کے کندھے پر لگا تھا شاہان نے فوراً اپنی انگرکھی اتار کر زخم کو گرم پانی سے دھویا اور تھیلے میں سے مرہم نکال کر زخم پر لگایا اور صاف ستھری پٹی باندھ دی اس کے بعد اس نے پیالے میں دوا انڈیلی اور شہزادے کو پلادی۔ زخم کے درد کی وجہ سے شہزادے کو بخار ہوگیا تھا دوائی نے جادو کا اثر کیا شہزادے کا بخار کم ہوگیا اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا

اور نانو سے پوچھا یہ کون ہے' نانو' حبشی غلام نے جھک کر ادب سے کہا یہ حکیم ہے شہزادہ سلامت اور آپ کے علاج کے لئے یہاں خاص طور پر بلوایا گیا ہے۔

کیا آپ کے درد میں کچھ افاقہ ہوا' کچھ ہوا ہے' شہزادہ بولا بوڑھے نے خوش ہو کر کہا دیوتاؤں نے ہم پر رحم کر دیا ہمارے شہزادے کا زخم بہت جلد اچھا ہو جائے گا ہم نینوا کا کھویا ہوا تخت پھر سے حاصل کر کے رہینگے۔ سپاہی جگہ جگہ شہزادے کو تلاش کرتے پھرتے ہیں انہوں نے شہر کے اردگرد اپنے جاسوس پھیلا رکھے ہیں میری دکان کے پاس بھی ایک جاسوس ہر وقت منڈلاتا رہتا ہے بوڑھے نے کہا' کیا انہیں تم پر شک تو نہیں ہو گیا بابا۔

"وہ دن کب آئے گا جب میں اپنی پیاری والدہ سے ملوں گا۔"

دیوتاؤں نے چاہا تو وہ دن جلد آئے گا' شہزادے نے آہ بھر کر کہا کیا معلوم کہ میری والدہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں کیا خبر کے عاطون نے انہیں بھی قتل کر دیا ہو پھر شہزادے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

حبشی غلام نے شہزادے کو تسلی دیتے ہوئے کہا دل چھوٹا نہ کریں شہزادہ سلامت مجھے ایک شاہی مخبر نے شکست کے دو روز بعد ہی اطلاع دی تھی کہ ملکہ عالیہ بابل شہر میں عاطون کی قیدی ہیں اور انہیں بادشاہ نے شاہی خاندان کے دوسرے لوگوں کی طرح قتل نہیں کیا۔

شہزادے نے بے تابی سے پوچھا کیا اس نے میری والدہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا' لیکن یہ اس نے پورے یقین سے کہا تھا کہ ملکہ زندہ ہیں اور کچھ لوگوں نے انہیں قید خانے کی طرف جاتے دیکھا تھا اس کے بعد بوڑھے نے کہا اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔

شاہان بولا شہزادہ سلامت آپ کا زخم تازہ ہے زیادہ باتیں کرنے سے اس پر زور پڑے گا آپ کے لئے بہتر ہے کہ آپ آرام کریں۔

بوڑھے نے بھی جھٹ شاہان کی ہاں میں ملائی اور کہا شہزادے سلامت اب آپ آرام سے لیٹ جائیں پھر شاہان نے تھیلے میں سے دوا نکال کر دیتے ہوئے کہا میں پھر کسی روز آ کر زخم کی پٹی بدل دوں گا پھر اس نے حبشی غلام کو ہدایت کی کہ دوائی شہزادے کو وقت پر دینا اس کے بعد بوڑھے اور شاہان نے شہزادے سے اجازت طلب کی اور آداب بجا لا کر واپس چل پڑے۔ باہر نکل کر وہ خچروں پر سوار ہوئے اور واپس شہر کی سمت چل پڑے۔

بوڑھا اپنی دکان پر آ گیا اور شاہان نے خچر پر سوار شہر کی سیر شروع کر دی شہر کو عاطون کی فوجوں نے تباہ برباد کر دیا تھا بہت کم آبادی زندہ تھی عاطون کے سپاہی جگہ جگہ کھڑے پہرہ دے رہے تھے اور ہر آنے جانے والے کو گھور رہے تھے عاطون نے حکم دے رکھا تھا کہ شہزادے کو پناہ دینے والے کو بھی تلاش کر کے زندہ زمین میں گاڑ کر اس پر بھوکے کتے چھوڑ دیئے جائیں شاہان بڑے سکون سے شہر کے کھنڈروں اور مکانوں میں گھوم پھر رہا تھا ایک چوک سے گزرتے ہوئے اسے پیاس لگی سامنے کنویں سے کچھ عورتیں صراحیوں میں پانی بھر رہی تھیں شاہان کو بھوک تو نہ لگی تھی لیکن کبھی کبھی پیاس اسے ضرور تنگ کیا کرتی تھی وہ خچر پر سے اتر کر پانی بھرتی عورتوں کی طرف بڑھا اس نے ایک عورت سے کہا مجھے پانی پلا دو بہن' عورت نے شاہان کی طرف دیکھا اور بولی لو پیو' اس نے صراحی ہاتھوں میں لے کر شاہان کے اوک میں پانی انڈیلنا شروع کر دیا شاہان نے جی بھر کر پانی پیا عورت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے جیب سے چاندی کا سکہ نکالنے لگا تو ساتھ ہی سونے کا قیمتی ہیرے والا ہار بھی اچھل کر زمین پر گر پڑا ہار کو دیکھتے ہی عورت نے شور مچا دیا چور چور قریب کھڑے دو سپاہی عورتوں کا شور سن کر وہاں آ گئے شاہان بڑا حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے وہ زمین پر سے ہار اٹھا کر اپنی جیب میں رکھنے ہی لگا تھا کہ عورت نے سپاہیوں سے کہا یہ شخص چور ہے اس کے پاس میری مالکن کا قیمتی سونے کا ہار ہے میری مالکن کا ہار ڈاکو لے گئے تھے یہ شخص ڈاکو ہے اس کی جیب میں میری مالکن کا قیمتی ہیرے والا سونے کا ہار ہے۔

شاہان پریشان ہو گیا ہار سچ مچ چوری کا تھا اس

کی جیب میں تھا مگر چوری اس نے نہیں کی تھی سپاہی نے ہاتھ ڈال کر شاہان کی جیب میں سے ہار نکال لیا اور کہا یہ ہار تمہیں کہاں سے ملا ہے۔؟

شاہان نے جھوٹ بولنا مناسب نہیں سمجھا اس نے صاف صاف بتادیا کہ یہ ہار کچھ ڈاکو صحرا میں افراتفری کے عالم میں پھینک گئے تھے اور میں نے اٹھا کر جیب میں ڈال لیا اس پر سپاہی وحشیوں کی طرح قہقہہ مارنے لگے۔

''عورت نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے اس نے میری مالکن کا ہار چرایا ہے یہ ڈاکو ہے اسے گرفتار کرلو۔''

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر شاہان کو گردن سے دبوچ لیا اور کہا تم ڈاکو ہو چلو ہمارے ساتھ ہم تمہیں چوری کا مزہ چکھاتے ہیں۔

عورت نے کہا یہ ہار میری مالکن کا ہے یہ مجھے دے دو تم بھی ہمارے ساتھ چوکی تک چلو وہاں تمہاری مالکن کو بھی بلایا جائے گا اگر چوری ثابت ہوگئی تو ہار اسے دے دیا جائے گا سپاہیوں نے شاہان کے ہاتھوں کو رسیوں سے جکڑ دیا اور اسے لے کر چوکی کی طرف چل پڑے شاہان بڑا پریشان ہوا کہ وہ خواہ مخواہ شہر کی سیر کو نکل آیا نہ ادھر آتا اور نہ اس مصیبت میں گرفتار ہوتا۔

بہرحال اب وہ پھنس گیا تھا ناچار ہوکر وہ سپاہیوں کے ساتھ چوکی پر پہنچ گیا چوکی کیا تھی ایک چار دیواری کے اندر کچھ سپاہی بیٹھے تھے ایک ان کا سالار تھا جس نے لوہے کا کنٹوپ سر پر ڈال رکھا تھا اس نے سارا معاملہ غور سے سنا ہار کو غور سے دیکھا مالکن کو بلا کر ہار کو دکھایا تو اس نے جھٹ کر کہا یہی میرا قیمتی ہار ہے یہ میرے خاوند کی نشانی تھی اس چور نے اسے اڑالیا اس کی گردن اڑادو۔

ہار مالکن کو دے دیا گیا اور شاہان کو قید میں ڈال کر دروازے پر تالا ڈال دیا گیا۔ ساری رات شاہان کال کوٹھڑی میں فرش پر بیٹھا رہا اس نے ایک پل کے لئے بھی سو کر نہ دیکھا صبح سالار نے آکر اسے خبر سنائی کہ چوری کے جرم میں اسے لکڑی کے پھٹے پر چڑھایا جائے گا شاہان پر اس خبر نے کوئی اثر نہ کیا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ مر نہ سکے گا مگر اس خیال سے وہ ضرور پریشان تھا کہ اس کا راز فاش ہوجائے گا اور ان سپاہیوں کو بھی معلوم ہوجائے گا کہ وہ مر نہیں سکتا یوں لوگوں میں اس کی مشہوری ہوجائے گی جس خفیہ کام کے لئے وہ شہر آیا تھا وہ ادھورا رہ جائے گا شاہان نے خبر سن کر کہا مجھے معاف نہیں کیا جائے گا۔

بکواس بند کرو تم نے چوری کی ہے اور عادل کے حکم کے مطابق چوری کرنے والے کو پھٹے میں کیل ٹھونک کر لٹکا دیا جاتا ہے تمہیں آج ہی لٹکا دیا جائے گا سن کر شاہان خاموش ہوگیا۔

شام ہونے سے ذرا پہلے سپاہیوں کا ایک دستہ سالار کے ساتھ آیا اور شاہان کو زنجیروں میں جکڑ کر ایک ٹیلے کی چوٹی پر لے گیا یہاں لکڑی کا ایک پھٹا زمین پر لگا ہوا تھا لمبے لمبے لوہے کی کیل اور ہتھوڑا لیے ایک جلاد تیار کھڑا تھا سالار نے حکم دیا اور سپاہیوں نے زبردستی اٹھا کر شاہان کو لکڑی کے پھٹے پر لٹا دیا اس کے ہاتھ اور پیر پھیلا کر زنجیروں سے باندھ دیئے پھر جلاد نے لوہے کی کیل اٹھا کر اس کی نوک شاہان کی ہتھیلی پر رکھی اور ہتھوڑوں کی ضربوں سے اسے لکڑی کے پھٹے پر لگانا شروع کردیا اس کا خیال تھا کہ یہ دوسرے لوگوں کی طرح درد سے بلبلا اٹھے گا مگر اس کے برخلاف شاہان خاموش رہا کیل اس کی ہتھیلی میں ٹھونکتا رہا اور وہ خاموش چہرے کے ساتھ جلاد کو تکتا رہا عجیب اتفاق تھا کہ ہتھیلی سے خون بھی نہیں نکل رہا تھا۔

سالار اور سپاہیوں کو بھی بہت تعجب ہوا مگر پھر انہوں نے سوچا کہ شاید ڈر اور خوف کی وجہ سے شاہان کا خون خشک ہوگیا ہے جلاد اب شاہان کی دوسری ہتھیلی میں کیل لگا رہا تھا اس بار بھی شاہان درد سے نہ چلایا اور نہ ہی ہتھیلی سے خون جاری ہوا جلاد نے کیے بعد دیگرے شاہان کے دونوں پیروں میں بھی لوہے کی کیلیں ٹھونک دیں اور سالار کے حکم سے تختے کو اٹھا کر زمین سے کھڑا کردیا مگر اس کے چہرے پر درد کے کوئی

ا۔ د تے اور وہ خاموش نظروں سے نیچے کھڑے ا۔ اں کو تک رہا تھا سالار کچھ حیران ضرور ہوا پھر اس نے ہا کر کہا چلو چلیں صبح آ کر اس کی لاش دیکھیں گے کل اس کی لاش کو گدھ کھا رہے ہوں گے' اور وہ قہقہہ لگا کر وہاں سے چلے گئے۔

شاہان پھٹے پر لٹکا ہوا اکیلا رہ گیا شام گہری ہوئی ا۔ اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا نینوا کی ویران بستی ا۔ ریکی چھا گئی کہیں کہیں زیتون کے دیوں کی روشنیاں ا۔ نے لگیں آسمان تاروں سے بھر گیا شاہان کو تکلیف ا۔ اتنی ہو رہی تھی کہ وہ پھٹے کے ساتھ لگا تھک گیا تھا رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی اور شاہان پر غنودگی چھانے لگی وہ مر نہیں سکتا تھا پھر اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو آسمان میں سورج کا اجالا ابل رہا تھا پھر مشرق سے سورج نکل آیا اور چاروں طرف اس کی روشنی پھیل گئیں اس کے سر پر دو تین گدھ منڈلا رہے تھے مگر اسے زندہ دیکھ کر اسے کچھ نہیں کہہ رہے تھے ٹیلے پر کوئی بھی نہیں تھا پھر اسے لوگوں کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں دوسرے ہی لمحے اسے سالار اپنے سپاہیوں کے ساتھ ٹیلے پر چڑھتا دکھائی دیا شاہان بڑے غور سے اسے قریب آتا دیکھنے لگا سالار اور دوسرے سپاہیوں کو یقین تھا کہ تختے پر رات بھر کا لٹکا ہوا شاہان مر چکا ہوگا اور اس کا گوشت گدھ نوچ نوچ کر کھا رہے ہوں گے لیکن جب وہ اس تختے کے نزدیک آیا جس پر شاہان لٹکا ہوا تھا تو دہشت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں شاہان زندہ تھا اور تختے پر لٹکا بڑے سکون کے ساتھ سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا اس کا جسم پوری طرح تندرست تھا خون کا ایک قطرہ تک زخموں سے نہ بہا تھا اور گدھ بھی اس سے دور دور منڈلا رہے تھے۔

شاہان نے آواز دے کر کہا سالار اگر تو بیس دن تک بھی مجھے اس طرح رکھے تو بھی میں نہ مر سکوں گا تم مر جاؤ گے پر میں نہیں مجھے اتارو اور پہچانو کہ میں کون ہوں۔

سالار دم بخود پتھر بنا شاہان کو دیکھ رہا تھا ایسا کبھی

اچھی باتیں

غریبی میں انسان کے وہ عیب بھی نظر آتے ہیں جو اس میں نہیں ہوتے اور امیری میں انسان کے وہ عیب بھی چھپ جاتے ہیں جو اس میں موجود ہیں۔

آپ کا خوش رہنا آپ کے برا چاہنے والوں کے لئے سب سے بڑی سزا ہے۔

زندگی میں خود کو کسی کا عادی نہ بناؤ، کیونکہ انسان بہت خود غرض ہے جب آپ کو پسند کرتا ہے تو آپ کی برائی بھول جاتا ہے اور جب آپ سے نفرت کرتا ہے تو آپ کی اچھائی بھول جاتا ہے۔

وہ لوگ عظیم ہوتے ہیں جو دوسروں کی غلطیاں معاف کر دیں۔

ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں وقت اچھا ہو یا برا بدلتا ضرور ہے۔

انسان کی آنکھیں ہمیشہ وہی لوگ کھولتے ہیں جن پر وہ آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرتا ہے۔

(عبدالجبار رومی انصاری-لاہور)

نہ ہوا تھا کہ رات بھر رہنے کے بعد انسان صبح کو زندہ بچا ہوا ہو مگر شاہان اس کے سامنے زندہ تھا بلکہ پوری طرح تندرست تھا اور اسے درد کا کوئی احساس تک نہ تھا اس نے گھبرا کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ شاہان کو نیچے اتارا جائے سپاہیوں نے اسی وقت شاہان کو نیچے اتار کر کیلیں نکال لیں اور وہ یہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے کہ کیلوں کے باہر نکلتے ہی ہتھیلیوں اور پاؤں کے زخم اپنے آپ بھر گئے۔

وحشی سپاہیوں کے لئے ایک حیرت انگیز کرامات تھی پھر شاہان اٹھ کھڑا ہوا وہ پوری طرح صحت مند اور تندرست تھا کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک

آدمی رات بھر تختے پر رہنے سے صبح بھلا چنگا ہوگا سالار اپنے دل میں ایک طرح کا خوف سا لیے شاہان سے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور تم کس طرح زندہ ہو۔

شاہان نے مسکرا کر کہا میں یہ تم لوگوں کو نہیں بتا سکتا برائے مہربانی میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھے اپنے گھر جانے دو۔

سالار نے کہا جب تک تم یہ نہ بتاؤ گے کہ تم زندہ کس طرح رہے ہم تمہیں رہا نہ کریں گے اس لیے کہ تم ڈاکو ہو اور ڈاکو کی سزا موت ہے موت۔

شاہان نے کہا کیا تم ایک بار پھر یہ چاہتے ہو کہ تم احمق جانوروں کی طرح میری طرف دیکھتے رہو اور حیران ہوتے رہو کہ میں زندہ کیسے رہا۔

سالار غصے میں آکر بولا زبان قابو میں رکھو نوجوان اس بار میں تمہیں وہ سزا دوں گا کہ جس سے تم بچ نہ سکو گے اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کو زہریلے سیاہ سانپوں کے گڑھے میں پھینک دو۔ سپاہیوں نے ڈرتے ڈرتے شاہان کو زنجیروں میں جکڑ دیا اور اسے لے کر ایک پرانے اجڑے ہوئے باغ میں آگئے اس باغ میں انجیر کے درختوں تلے ایک گڑھا کھدا ہوا تھا اس گڑھے کے اوپر جالی دار ڈھکنا پڑا تھا گڑھے میں بے شمار کالے سانپ پھن اٹھائے پھنکاریں مار رہے تھے ان کو دیکھ کر ہر انسان کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی سالار نے حکم دیا اسے گڑھے میں پھینک دو ایک سپاہی نے جالی دار ڈھکنا الگ کر دیا اور دوسرے سپاہیوں نے شاہان کو اٹھا کر گڑھے میں پھینک دیا وہ سب مزے سے جالی دار ڈھکنے میں شاہان کے مرنے اور سانپوں کے ڈسنے کا تماشہ دیکھنے لگے ان کا خیال تھا کہ شاہان کو ایک ایک کر کے تمام سانپ ڈس لیں گے اور اس کا جسم زہر سے نیلا پڑ جائے گا اور وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا مگر ایسا نہ ہوا گڑھے میں شاہان سانپوں کے اوپر گرا تو سانپ بپھر گئے سانپوں نے پھن اٹھا کر بڑی تیزی اور غضب کے عالم میں شاہان کو ڈسنا شروع کر دیا اب ایسا ہوا کہ جو بھی سانپ شاہان کو ڈستا وہ تڑپ کر ایک طرف گرتا اور تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سارے کے سارے سانپ مر گئے یہ سانپ بڑے ہی قیمتی تھے مگر اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

سالار نے حکم دیا کہ اس کو قید خانے میں ڈال دیا جائے کل صبح اس کو آگ میں جلا کر بھسم کر دیا جائے گا۔

سپاہیوں نے شاہان کو زنجیروں میں جکڑا اور اسے قید خانے کی طرف لے گئے شاہان کو اس سارے کھیل میں ایک ہی پریشانی ہو رہی تھی کہ اس کا وقت ضائع ہو رہا تھا وہ شہزادے طالوت کو جلد از جلد یہاں سے نکال کر لے جانا چاہتا تھا مگر ان سپاہیوں نے اس کے سفر میں روڑے اٹکانے شروع کر دیئے تھے وہ قید خانے کے فرش پر بیٹھا وہاں سے رہائی حاصل کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ جیل کا دروازہ کھلا اور پہرے دار نے مٹی کے برتن میں دودھ لا کر اس کے آگے رکھ دیا۔

شاہان نے پوچھا کہ یہ دودھ کس نے بھیجا ہے کیونکہ جیل میں تو قیدیوں کو سوائے سوکھی جو کی روٹی اور سادہ نمکین پانی کے اور کچھ نہیں دیا جاتا پہریدار نے کہا یہ میں اپنے حصے سے آپ کے لئے لایا ہوں آپ نے کل سے کچھ بھی نہیں کھایا اس کے کھانے سے آپ کے جسم کو طاقت ملے گی۔

شاہان سمجھ گیا کہ پہریدار پر اس کا بہت اثر ہو گیا ہے اس نے سوچا کہ اس اثر سے فائدہ اٹھانا چاہئے اس نے دودھ پی لیا اور خالی برتن پہریدار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں کون ہوں۔۔؟

پہریدار نے ادب سے جواب دیا آپ آسمانی انسان معلوم ہوتے ہیں کیونکہ آپ پر موت اپنا اثر نہیں کر سکتی شاہان نے جھوٹ موٹ رعب کے ساتھ کہا۔

اے عاطون کے سپاہی میری بات غور سے سن میرے اندر ایک نادیدہ آسمانی مخلوق کی طاقت ہے تمہارا سالار چاہے کچھ بھی کر لے وہ مجھے ہلاک نہیں کر سکتا میں ابھی تک خاموش ہوں اگر میں غضب میں آگیا تو تم سارے لوگ ہلاک ہو جاؤ گے۔ مگر میں نیک انسان ہوں میں تم لوگوں کو جان سے مارنا نہیں چاہتا ہاں اگر تم میرا ایک کام

تو میں تمہیں ہمیشہ کی زندگی کا راز بتا دوں گا۔
پہریدار نے کہا اے آسمانی انسان مجھے بتاؤ کہ میں آپ کے لئے کیا کروں۔

شاہان نے کہا مجھے یہاں سے نکل جانے دو مجھے آج رات آسمان پر پہنچ کر ایک ضروری مشورہ کرنا ہے اگر تم نے مجھے رہا کر دیا تو تم بھی میری طرح کبھی نہ مرسکو گے۔

پہریدار سوچ میں پڑ گیا وہ شاہان کی آسمانی طاقت سے واقف بھی تھا مگر اسے یہ بھی معلوم تھا اگر اس نے شاہان کو رہا کر دیا تو سالار اس کی گردن اڑا دے گا اس نے ڈرتے ڈرتے کہا اے آسمانی انسان اگر میں نے تمہیں یہاں سے نکال دیا تو سالار مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔

"شاہان نے کہا پھر تم میرے ساتھ ہی یہاں سے فرار ہو جاؤ۔"

نہیں نہیں میں ایسا نہیں کرسکتا عاطون کے سپاہی میرے بال بچوں کو مار دیں گے شاہان سوچ میں پڑ گیا وہ پہریدار کو مصیبت میں گرفتار کروانا نہیں چاہتا تھا اس نے کہا اچھا تم ایسا کرو سالار کو بلا لاؤ اسے کہو کہ قیدی مر رہا ہے سپاہی یہ سن کر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سالار کو ساتھ لے آیا سالار نے شاہان کو دیکھ کر پوچھا کیا اب تمہیں ہوش آ گیا ہے تمہیں علم ہو گیا ہوگا کہ سالار کے انتقام سے دنیا کا کوئی انسان نہیں بچ سکتا۔

اب شاہان نے اپنی ایک کرامت آزمانے کا فیصلہ کیا اس نے زمین پر پڑی ہوئی رسی اٹھائی اور سالار کی طرف اچھال دیا رسی اچھل کر سالار کے قدموں میں گری اور ایک دم بہت بڑے اژدھا کی شکل اختیار کرلی اس سے پہلے کہ سالار اپنا بچاؤ کرسکتا اژدھا نے سالار کے جسم کو بری طرح لپیٹ لیا سالار کا دم گھٹنے لگا شاہان نے کہا اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو سپاہی کو حکم دو کہ دروازہ کھول دے۔

سالار کی جان سخت مصیبت میں تھی اژدھا اس کے جسم کے گرد بری طرح بل ڈال رہا تھا اور اس کا سانس گھٹنے لگا تھا اس نے لپک کر قید خانے کا دروازہ کھول دیا شاہان جھٹ باہر نکل آیا سالار تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ میں بے گناہ تھا بے گناہ کو سزا دینا سب سے بڑا گناہ ہے اب میں جا رہا ہوں تمہاری ساری فوج بھی اگر چاہے تو مجھے دوبارہ گرفتار نہیں کرسکتی جو کوئی بھی میرے تعاقب میں آیا اسے یہ سانپ ہلاک کردے گا۔

شاہان چلنے لگا تو سالار نے کہا دیوتاؤں کے لئے مجھے اس سانپ سے نجات دلاتے جاؤ' شاہان نے کہا کہ جب وہ شہر سے باہر نکل جائے گا تو سانپ اپنے آپ دوبارہ رسی میں تبدیل ہو جائے گا اتنا کہہ کر شاہان وہاں سے فرار ہو گیا قید خانے کے بڑے دروازے پر آ کر اس نے ایک گھوڑا کھولا اور اس پر سوار ہو کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گیا جب وہ کافی دور چلا گیا تو سالار کے جسم کے گرد لپٹا ہوا بڑا سانپ اپنے آپ رسی میں بدل گیا سانپ کے پھندے سے آزاد ہوتے ہی سالار نے حکم دیا قیدی کو فوراً گرفتار کیا جائے اس کا پیچھا کرو اور زنجیروں میں جکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔ سپاہی بادل نخواستہ گھوڑوں پر سوار ہو کر شاہان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ادھر بوڑھا شہد فروش اپنے مکان کی چھت پر سو رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی وہ اتر کر نیچے آیا اس نے پوچھا کہ باہر کون ہے میں ہوں بابا' اجنبی حکیم تم کہاں غائب رہے بوڑھے نے دروازہ کھول دیا شاہان نے بوڑھے کو ساری کہانی سنانا شروع کردی اس نے صرف اتنا کہا کہ وہ راستہ بھول کر ایک گاؤں میں پہنچ گیا تھا وہاں سے وہ اب آ رہا ہے بوڑھا بڑا حیران ہوا تم نے کمال کر دیا میں کل رات بھی تمہاری راہ دیکھتا رہا مگر اب پھر تمہیں میرا گھر کیسے ملا بس میں اندازے سے بھٹکتا ہوا ادھر آ نکلا اور مجھے تمہارا گھر مل گیا شاہان بہت تھکا ہوا تھا وہ خشک گھاس پر اونٹ کی کھال بچھا کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اس گھر سے جلد از جلد نکل کر غار میں شہزادہ طالوت سے ملاقات کرنی چاہئے تاکہ اس کے فرار کا منصوبہ تیار کرکے اس پر عمل کیا جائے یہی سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

صبح اٹھ کر اس نے منہ ہاتھ دھویا بوڑھا اپنی

دکان پر آ کر بیٹھ گیا اور شاہان اس کے آگے یہ بہانا بنا کر وہاں سے روانہ ہوگیا کہ وہ پہاڑوں اور صحراؤں پر دواؤں کے لئے جڑی بوٹیاں تلاش کرنے جارہا ہے وہ سیدھا شہر سے نکل کر ٹیلے کی غار کی طرف آ گیا غار کا منہ جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا اس نے ادھر ادھر دیکھ کر جھاڑیوں کو ایک طرف کیا اور چپکے سے غار کے اندر داخل ہوگیا وہ غار کے اندر چلتا رہا اور اس مقام پر آ گیا جہاں راستے میں بڑا سا پتھر پڑا تھا اس نے لوہے کے ٹکڑے سے پتھر کو چار مرتبہ بجایا پہلے روز کی طرح غار میں بہت دور سے روشنی ہوئی اور حبشی غلام نانو مشعل ہاتھ میں لیے وہاں آ گیا اس نے شاہان کو دیکھا تو اسے ساتھ لے کر غار کے بڑے کمرے میں آ گیا۔

شہزادہ زمین پر لیٹا تھا اس کا بخار بھی غائب تھا اور پہلے سے بہتر حالت میں تھا شاہان نے زخم سے پٹی اتاری زخم کو گرم پانی سے دھویا اس میں تازہ دوائی لگائی اور پٹی کردی جتنی دیر وہ پٹی کرتا رہا نانو اس کی طرف غور سے دیکھتا رہا جب وہ پٹی کر چکا تو ایک دم نانو نے پوچھا سچ سچ بتاؤ نوجوان کہ تم کون ہو اور تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے اگر تم نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو یہاں تمہاری لاش دفن کردی جائے گی اور قیامت تک کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔

شاہان نانو کی وفاداری اور احساس ذمہ داری سے بڑا خوش ہوا اس نے مسکرا کر نانو کی طرف دیکھا اور کہا میں خوش ہوں کہ تم شہزادے کے اتنے وفادار ہو اور تمہیں اس کی سلامتی کا اس قدر خیال ہے کہ تم اس شخص پر بھی شک کرنے لگے ہو جو کہ اس کی تیمارداری کررہا ہے۔

"یہ میرا فرض ہے اور میں اسے مرتے دم تک نبھاؤں گا۔"

شاہان نے کہا ملکہ نینوا کا بھی یہی خیال تھا، شاہان کے اس جملے پر شہزادے نے چونک کر شاہان کو دیکھا اس کے بعد شاہان نے ساری داستان سنادی کہ وہ بابل میں داخل ہوکر ایک حویلی میں رات گزارنے اور ملکہ کے بین سن کر اس سے ملاقات کرنے تک سارے واقعات نانو اور شہزادے کو بتادیے یہ سن کر شہزادے کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا کہ اس کی والدہ زندہ ہے اس کی یاد میں سوگوار ہے دیوتا کے لئے مجھے میری والدہ کے پاس لے چلو شہزادہ بے تاب ہوکر کہا۔

شہزادہ سلامت میں اس مقصد کے لئے آیا ہوں کہ آپ کو نہ صرف آپ کی اپنی والدہ سے ملوادوں بلکہ آپ کا کھویا ہوا تخت حاصل کرنے میں بھی آپ کی مدد کروں اس کے لئے ہمیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔

نانو کو بھی اب شاہان پر یقین آ گیا تھا اس نے کہا کہ کیا ملکہ عالیہ مجھے بھی یاد کیا کرتی تھیں۔

ملکہ عالیہ کو تم پر بہت بھروسہ ہے انہیں یقین ہے کہ تم بڑی وفاداری سے شہزادے کی حفاظت کررہے ہوگے نانو بہت خوش ہوا اور بولا جب تک شہزادے کا زخم ٹھیک نہیں ہوجاتا ہم اس غار سے باہر نہیں نکل سکتے شہزادے کو اس حالت میں یہاں سے نکالنا بہت خطرناک ہوگا۔

تم ٹھیک کہتے ہو ہمیں شہزادے کے تندرست ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔

تمہارے خیال میں شہزادے کا زخم کتنے دنوں تک اچھا ہوگا ابھی دو ہفتے اور لگیں گے۔

زخم کے بھرنے میں شہزادے نے پریشان ہوکر کہا میں اتنی دیر انتظار نہیں کرسکتا اڑکر اپنی والدہ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

ٹھیک ہے شہزادہ سلامت ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ اس غار سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے مگر آپ کا زخمی حالت میں سفر کرنا خطرناک ہوسکتا ہے اس کے علاوہ عاطون کے سپاہی آپ کی اور میری تلاش میں چاروں طرف پھر رہے ہیں ہمیں دو ہفتے تک یہیں رہنا ہوگا۔

شاہان شہزادے کو دوا دے کر واپس شہر آ گیا دوسرے روز بھی غار میں شہزادے کی پٹی بدلنے گیا شہزادہ سو رہا تھا اس کی حالت پہلے سے بہتر تھی نانو پتھر کی سل پر ایک دوائی رگڑ رہا تھا وہ شاہان سے باتیں کرنے لگا عاطون نے بڑا ظلم کیا شاہی خاندان کو قتل کردیا گیا اگر میں شہزادے کو بچا کر نہ لاتا تو شہزادہ بھی زخموں کی تاب نہ

ہلاک ہو گیا ہوتا۔

شاہان نے نانو سے پوچھا ملکہ کے وفادار سپہ
ر عالون کا ملک یمن میں کیسے پتہ چل سکتا ہے۔

نانو نے کہا یمن میں اس کا ایک چچا رہتا ہے وہ
اہ کو لے کر اس کے پاس جا کر پناہ حاصل کر لیں گے
ن غیر جانبدار ہے اور عاطون نے بھی اس پر حملہ نہ کیا
اگر اس نے یمن پر حملہ کر دیا تو ہم یمن کی فوجوں کے
ل کر عاطون کا مقابلہ کریں گے۔ غلام نے کہا کہ ہم
اں اکیلے سپہ سالار عالون کی تھوڑی سی افواج کے ساتھ
طون کی اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ نانو نے
ا سب سے مشکل کام ملکہ کو بابل شہر سے نکال کر یمن میں
ا ہے کیا تمہیں یقین ہے کہ تم عاطون کی فوجوں کی آنکھوں
ں دھول جھونک کر ملکہ کو وہاں سے نکال لاؤ گے۔

میں کوشش کروں گا اور اگر رب عظیم کی مدد شامل
ی تو ملکہ کو قید سے نکالنے اور شہزادے سے ملانے میں
طور کامیاب ہو جاؤں گا نانو کو شاہان پر شک تھا کہ شاید وہ
ا بلا ایسا نہ کر سکے۔ اس نے کہا کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو وہ
اس کے ساتھ جانے کو تیار ہیں شاہان نے کہا یہ وقت آنے
ر فیصلہ کر لیں گے۔ اتنے میں شہزادے کو ہوش آ گیا وہ
شاہان کو دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ بڑی تیزی سے صحت یاب
ہو رہا تھا شاہان نے پٹی کھول کر زخم دیکھا زخم کافی بھر چکا تھا
اس نے دوائی لگا کر نئی پٹی باندھ دی اسے دوائی پلائی اور
شہر آ گیا اس نے بوڑھے شہد فروش کو بتایا کہ شہزادہ صحت
مند ہے اس نے شہزادے کو وہاں سے فرار کرانے کے لے
جانے کے بارے میں بوڑھے کو کچھ بھی نہ بتایا۔ اس نے
غلام نانو اور شہزادے کو بھی منع کر دیا کہ اس سلسلے میں پوری
راز داری سے کام لیا جائے اور بوڑھے شہد فروش کو کسی قسم
کی کوئی بات نہ بتائی جائے شاہان ہر روز چوری چھپے غار
میں جا کر شہزادے کا علاج کرتا رہا پندرہ روز گزر گئے اس
دوران شہزادے کا زخم بالکل اچھا ہو گیا تھا اور وہ غار میں
چلنے پھرنے لگا اب وہ اس منصوبے پر غور کرنے لگے کہ
وہاں سے فرار کس طرح ہوا جائے۔ کافی سوچ و بچار کے
بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ کسی رات کو سوداگروں کے
لباس میں غار سے نکل کر ملک یمن کا رخ کیا جائے نانو کا
خیال تھا کہ شہزادے کو کہیں سپاہی نہ پہچان لیں۔ اس لئے
اسے کپڑوں کے گٹھڑے میں لپیٹ کر گھوڑے پر ڈال دیا
جائے تو بہتر ہوگا۔ شاہان کو بھی یہ خیال پسند آیا اس نے کہا
کہ وہ کل شہر جا کر کچھ کپڑے خرید لائے گا جنہیں پہن کر
وہ وہاں سے فرار ہو جائیں گے۔

شاہان واپس گھر آ گیا فرار کے بارے میں اس
نے بوڑھے کو کچھ بھی نہ بتایا دن بھر وہ شہر کی بچی کھچی
مختلف دکانوں سے کپڑا اور دوسرا سامان وغیرہ خریدتا رہا
اس نے دو خچر بھی خریدے جن پر سامان لادا جانا تھا یہ
سارا سامان خچروں پر لاد کر وہ شام کے وقت غار میں
آ گیا آج رات کے پچھلے پہر وہ وہاں سے نکل جانا
چاہتے تھے کیونکہ سوداگران دنوں عام طور پر اندھیرے
میں سفر کیا کرتے تھے ساری رات وہ تیاری کرتے رہے
پھر نانو اور شاہان نے سوداگروں کا بھیس بدل لیا
شہزادے کے لئے انہوں نے ریشمی کپڑے کے تھان

روزہ میں احتساب

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ رمضان کے روزے، ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے۔ ان کے بھی سارے پچھلے گناہ معاف کر دیجئے جائیں گے اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے ان کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(بحوالہ: صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ معارف الحدیث، کتاب: اسوۂ رسول اکرم ﷺ)

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

الگ رکھ دیئے ان ریشمی تھانوں میں شہزادے کو لپیٹ کر خچر پر رکھ دینا تھا۔ رات انہوں نے جاگ کر گزاری منہ اندھیرے انہوں نے ریشمی تھان کھول کر شہزادے کو اس میں اس طرح لپیٹا کہ اسے سانس باقاعدہ آتا رہے اور اس کا دم نہ گھٹنے پائے پھر انہوں نے بڑی احتیاط سے شہزادے کو اٹھا کر خچر پر لادا اور چھپکے سے غار سے باہر نکل گئے باہر آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے اور مشرق میں نیلی جھلکیاں نمودار ہونے لگی تھیں نینوا کا ویران شہر پچھلے پہر کے دھندلکے میں سو رہا تھا کچھ گھروں میں چراغوں کی روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں نانو اور شاہان ریشمی تھان میں لپٹے ہوئے شہزادے کو خچر پر لاد کر شہر سے باہر آ گئے اور آگے بڑھتے گئے۔ جتنی جلدی ہو سکے وہ نینوا شہر سے دور ہو جانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے اس ملک کی سرحد عبور کر جائینگے جس کی زمین شاہی خون کی پیاسی ہو رہی تھی اور جہاں قدم قدم پر عاطون کے سپاہی شہزادے کی تلاش میں چوکنے ہو کر کھڑے تھے نانو اور شاہان خاموشی سے سفر کر رہے تھے اس وقت دونوں ایک ہی خیال سے پریشان تھے کہ کہیں راستے میں کوئی سپاہی نہ مل جائے اس کے علاوہ سب سے بڑا خطرہ انہیں ملک کی سرحد عبور کرتے وقت تھا کیونکہ سرحدوں میں عاطون کے سپاہی چوکیاں بنائے بیٹھے تھے اور ہر آنے جانے والے کی پڑتال کر رہے تھے اس طرح خاموشی سے سفر کرتے ہوئے وہ شہر کی ٹوٹی ہوئی فصیل سے کافی دور نکل آئے۔

انہیں راستے میں گشت کرتے ہوئے کوئی سپاہی نہ ملا ایک جگہ پہنچ کر انہوں نے ریشمی تھان کا منہ کھول کر شہزادے کو تازہ ہوا دی اور تالاب کا ٹھنڈا پانی پلایا شہزادے نے پوچھا ابھی سرحد کتنی دور ہے نانو شہزادہ سلامت ہم تھوڑی ہی دیر میں پہنچنے والے ہیں آپ فکر نہ کریں جب تک آپ کا غلام زندہ ہے آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا نانو کی وفاشعاری اور جانثاری پر شاہان خاموش بھی تھا اور افسوس بھی کر رہا تھا کیونکہ سپاہیوں سے مقابلے کی صورت میں نانو سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تلوار نکال کر لڑائی کرے اور دو ایک سپاہیوں کو زخمی کر کے خود بھی ہلاک ہو جائے اور یوں شہزادے کو دشمنوں کے حوالے کر دے اس کے برعکس شاہان سوچ رہا تھا کہ وہ سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہونے کی صورت میں کون سی چال چلے گا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

بہرحال وہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا آسمان پر اب تاروں کی چمک ماند پڑنے لگی تھی اور مشرق کی طرف سورج کی روشنی نے ابھرنا شروع کر دیا تھا ملک نینوا کی آخری سرحد قریب آ رہی تھی جوں جوں وہ سرحد کے قریب پہنچ رہے تھے انہیں کئی قسم کے اندیشے گھیرنے لگے تھے شاہان گہری سوچ میں تھا نانو خچر کے پیچھے چل رہا تھا شاہان نے کہا سرحد پر تمہیں غلام بن جانا ہوگا وہ گونگا غلام سپاہی لاکھ تم سے باتیں کریں تم صرف غوں غاں ہی کرتے رہنا۔۔۔ خبردار کسی حالت میں کوئی بھی لفظ زبان سے مت نہ نکالنا۔

"ایسا ہی ہوگا"

سپاہیوں کے دستے برابر گشت کر رہے تھے اور ان کی ہاتھوں میں تلواریں تھیں انہیں مجبور ہو کر ایک چوکی پر پڑتال کے لئے رکنا پڑا پہریداروں کے پوچھنے پر کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہے ہیں شاہان نے بتایا کہ وہ بابل کا تاجر ہے اور نینوا میں اپنا مال فروخت کرنے آیا تھا اور اب واپس بابل شہر کو جا رہا ہے ایک سپاہی نے نانو سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو نانو نے ہاتھ کے اشاروں سے غوں غاں کر کے ظاہر کرنے لگا کہ وہ گونگا ہے شاہان نے بتایا کہ وہ اس کا غلام ہے اور گونگا ہے وہ بات نہیں کر سکتا سپاہی نانو کی حرکتیں دیکھ کر قہقہہ لگانے لگے اور ہنسنے لگے بلکہ انہوں نے اسے تنگ کرنا اور اس کے سر پر دھپ لگانے شروع کر دیئے موقع کی نزاکت کے آگے نانو سپاہیوں کی مار سہتا رہا نانو کچھ نہ بولا۔

شاہان دل ہی دل میں دعا مانگنے لگا کہ وہ چوکی سے جلد از جلد نکل جائے اسے یہی دھڑکا لگا تھا کہ اگر کسی سپاہی نے اس کا ریشمی تھان کھلوا کر دیکھنے کی خواہش ظاہر

لی تو وہ کیا کرے گا۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر خچر پر لدے ہوئے ریشم کے تھان کو ہاتھ لگا کر دیکھا اور بولا یہ تمہارا ہے یا اسے شہر سے لوٹ کر لائے ہو۔

شاہان نے کہا کہ وہ تھان اس کا ہے وہ بہت سے ریشمی تھان لے کر بابل سے آیا تھا اس نے سارے تھان فروخت کر دیئے اور یہ بچا ہوا تھان واپس لیے جا رہا ہے۔

مگر سپاہی کو یقین نہیں آ رہا تھا اس نے کہا تم جھوٹ بکتے ہو تم یہ ریشمی کپڑے کا تھان نینوا شہر سے لوٹ کر آ رہے ہو اسے یہیں رہنے دو یہ تھان میں لوں گا اسے اتار کر زمیدن پر رکھ دو اور چلے جاؤ۔

شاہان کے تو پاؤں تلے سے زمین ہی نکل گئی نانو بھی بے حد پریشان ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس احمق اور وحشی سپاہی کو کیسے سمجھائیں اور تھان لینے سے باز رکھے شاہان نے کہا دیکھئے میں ایک غریب سوداگر ہوں اور منڈی کے آڑھتیوں سے قرض پر مال لے کر بیچتا ہوں یہ مال میرا نہیں ہے بلکہ ایک آڑھتی کی امانت ہے جو مجھے واپس پہنچ کر اسے واپس کرنی ہے آپ کی مہربانی ہوگی یہ تھان مجھ سے نہ لیں اس کے بدلے میں آپ سونے کے سکے لے لیں سپاہی نے قہقہہ مار کر کہا سونے کے سکے بھی لوں گا اور ریشمی کپڑے کا تھان بھی لوں گا۔

سپاہی کی اس ضد پر شاہان اور نانو گھبرا گئے ابھی وہ سوچنے بھی نہ پائے تھے کہ سپاہی نے آگے بڑھ کر تھان اتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اب شاہان صبر نہ کر سکتا تھا کیونکہ یہ شہزادے کی زندگی اور موت کا سوال تھا شاہان نے فوراً گرشک کا تصور ذہن میں کر کے خچر پر لدے ہوئے ریشمی تھان پر پھونک مار دی سپاہی چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا اسے ریشمی کپڑے کا تھان ایک شیر کی شکل میں نظر آیا جو خچر پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ کر غرا رہا تھا شیر شیر شیر سپاہی چیختا ہوا چوکی کی طرف ایسا بھاگا کہ اس نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ باقی سپاہی اس کی حماقت پر ہنسنے لگے پاگل ہو گیا ہے اسے خچر شیر نظر آ رہا ہے۔

مگر سوائے شاہان نے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ سپاہی سچا ہے اسے واقعی شیر نظر آیا تھا سپاہیوں نے شاہان اور نانو سے کہا کہ وہ چلے جائیں شاہان نے رب عظیم کا شکر ادا کیا اور نانو کے ساتھ خچر کو ہنکاتا ہوا سرحد پار کر گیا۔ سرحد کی دوسری طرف جاتے ہی ان کی جان میں جان آئی اب انہوں نے بڑی تیزی سے سفر شروع کر دیا وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے نینوا کی سرحد سے دور ہونا چاہتے تھے۔ کافی دور سفر کرنے کے بعد جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب کوئی سپاہی ان کا پیچھا نہیں کر سکتا تو وہ ایک جگہ مہندی کی جھاڑیوں کے سائے میں رک گئے۔

"نانو نے کہا ہم خطرے سے نکل آئے ہیں شہزادے کو کپڑے کے تھان سے باہر نکال لینا چاہئے۔"

ہاں میرے خیال میں خطرہ ٹل گیا ہے انہوں نے تھان کھولا اور شہزادے کو باہر نکال دیا بیچارہ کمسن شہزادہ گھنٹہ بھر کپڑے کے تھان میں لپٹے رہنے کے بعد ادھ موا ہو رہا تھا وہ ریت پر چھاؤں میں لیٹ گیا اور تازہ ہوا میں لمبے لمبے سانس لینے لگا جب اس کی طبیعت سنبھلی تو اس نے پوچھا شیر شیر کی آواز سپاہی نے کیوں لگائی تھی کیا وہاں کوئی شیر آ گیا تھا۔

نانو نے مسکرا کر کہا یہ ہماری خوش نصیبی تھی شہزادہ سلامت کہ عین وقت پر سپاہی کا دماغ الٹ گیا تھا ورنہ وہاں بھلا شیر کہاں آ سکتا تھا۔ شاہان نے ان کو ہرگز نہ بتایا کہ یہ سب گرشک کی روح کا کرشمہ تھا۔ نانو نے کھانے کے لئے جو کی میٹھی روٹی اور انجیر کا مربہ نکالا جو انہوں نے بڑے ہی شوق سے کھایا اور چشمے کا ٹھنڈا پانی پی کر غور کرنے لگے کہ اب کس طرف کا رخ کیا جائے کہ وہ بڑی تیزی سے ملک یمن پہنچ جائیں۔

نانو نے کہا ہمیں دریائے فرات کے اوپر کی طرف سفر کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہوگا۔ یہ سب سے آسان راستہ ہے اس راستے سے میں واقف ہوں میں کئی بار اس راستے سے یمن گیا ہوں۔

شاہان نے پوچھا اگر ہم ساری رات اور دن کا سفر کرتے رہیں تو کب تک یمن پہنچ جائیں گے۔

"میرا خیال ہے کہ چھ روز میں پہنچ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے ہمیں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اپنا سفر شروع کر دینا چاہئے نانو نے کہا۔"

میرا خیال ہے ہمیں دشمن کے ملک کی سرحد کے قریب آرام نہیں کرنا چاہئے ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم تیزی کے ساتھ دشمن کی سرحد سے دور نکل جائیں اس لئے ہمیں ابھی اٹھ کر سفر شروع کر دینا چاہئے۔

ٹھیک ہے شہزادہ سلامت آپ خچر پر بیٹھ جائیں کاش ہمیں کہیں سے گھوڑا مل جاتے یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک آزاد بستی ہے وہاں سے ہم گھوڑے خرید سکتے ہیں شہزادے کو خچر پر سوار کر کے انہوں نے دریائے فرات سے اوپر کی طرف سفر شروع کر دیا اور پھر وہ لوگ اب اس آزاد بستی کے قریب پہنچ گئے جہاں سے انہوں نے گھوڑے خریدنے تھے یہ بستی خانہ بدوش قسم کے لوگوں کی تھی جنہوں نے کسی خاص وجہ سے وہاں کئی سالوں سے ڈیرے ڈال رکھے تھے ان خانہ بدوش میں زیادہ تر تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو جرائم پیشہ تھے اکثر ڈاکے مارتے تھے اور مسافروں کا سامان لوٹ کر لے آتے تھے اور پھر انہیں بیچ کر گزر بسر کرتے تھے۔

نانو ان لوگوں کی بری عادتوں سے اچھی طرح واقف تھا ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو سونے کے عوض عاطون کی مخبری کرتے تھے نانو نے خاص طور پر ایسے مخبروں سے خبردار رہنے کی ہدایت کی تھی وہ بستی میں داخل ہو کر ایک سرائے میں آ گئے انہوں نے سرائے کے مالک کو سونے کے کچھ سکے دیئے جس کے عوض انہوں نے کھانا کھلایا اور ریشمی تھان فروخت کر دیئے پھر انہوں نے مالک سے کہا کہ وہ تین عمدہ نسل کے گھوڑے خریدنا چاہتے ہیں اس نے کہا کہ میں آپ کو گھوڑوں کے سوداگر کے گھر لے جاتا ہوں اس سے آپ اپنی پسند کے گھوڑے خرید سکتے ہیں۔ شاہان نے کہا کہ مکان کتنی دور ہے ساتھ والے بازار میں ہے سرائے کا مالک ان تینوں کو لے کر گھوڑے کے سوداگروں کی چھوٹی سی کچی حویلی میں آ گیا سوداگر سیاہ بالوں والا ایک ڈاکو قسم کا آدمی تھا سرائے کے مالک نے کہا یہ مسافر کپڑے کے سوداگر ہیں اور تین گھوڑے خریدنا چاہتے ہیں سوداگر نے شاہان نانو اور شہزادے کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور کہا تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو؟ شاہان نے کہا کہ ہم ملک افریقہ کے ہیں تجارت کرنے ملک نینوا گئے تھے وہاں مال بیچ کر واپس آ رہے تھے کہ سرحد پر ڈاکوؤں نے ان کے گھوڑے چھین لیے اب ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے گھوڑے خرید کر اپنے وطن واپس چلے جائیں گے۔

سوداگر نے بڑی مکارانہ ہنسی کے ساتھ کہا مگر جس راستے پر تم لوگ سفر کر رہے ہو وہ افریقہ کے بجائے ملک یمن جاتا ہے۔

شاہان نے جھٹ کہا ہم چاہتے ہیں کہ یمن سے کچھ موتی اور گرم مصالحہ خرید کر اپنے دیس ساتھ لے جائیں۔

"بہت خوب یہ لڑکا کون ہے؟ سوداگر نے شہزادے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔"

"یہ۔۔۔ میرا بیٹا ہے شاہان نے جھٹ کہا مگر اس کی سیاہ آنکھیں اور سفید رنگت صاف بتا رہی ہے کہ یہ کسی امیر کا بیٹا ہے یا کسی ملک کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔"

شاہان نے اور نانو گھبرا گئے کم بخت سوداگر نے ٹھیک اندازہ لگایا تھا نانو کو اچانک خیال آیا کہ یہ شخص کہیں عاطون بادشاہ کا مخبر نہ ہو اس نے فوراً کہا اپنے باپ کے ساتھ کافی عرصہ پہاڑی مقام پر رہا ہے اس وجہ سے رنگت گوری ہو گئی ہے شاہان نے جھٹ ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ورنہ ہم غریبوں کا رنگ سفید کیسے ہو سکتا ہے اور پھر میرے بیٹے کی رنگت اور قسمت میں کسی بادشاہ کا بیٹا ہونا کہاں۔

سوداگر ہنس کر بولا ارے آپ لوگ تو میری باتوں کو سچ سمجھ بیٹھے میں تو آپ لوگوں سے مذاق کر رہا تھا بھلا کیا مجھے معلوم نہیں کہ کسی ملک کے بادشاہ کا بیٹا اس طرح خچر پر سفر نہیں کر سکتا۔

"شاہان نے بھی ہنس کر کہا یہی تو میں بھی حیران تھا کہ آپ جیسا عقل مند سیانا آدمی اس قسم کی باتیں کیونکر سوچ سکتا ہے اچھا اب یہ بتایئے کہ آپ ہمیں گھوڑے

کس وقت دیں گے اس لئے کہ ہم جلد اس سفر پر روانہ ہونا چاہتے ہیں۔ نینوا میں ہمارا پہلے ہی نقصان ہو چکا ہے۔

سوداگر نے کہا آپ کل صبح تشریف لائیں گھوڑے آپ کا انتظار کررہے ہوں گے یہیں قیمت بھی طے ہوگی ساری باتیں طے کرکے کل کا وعدہ لے کر شاہان نانو اور شہزادہ واپس سرائے میں واپس آگئے وہ اس بستی میں رات بسر کرنا نہیں چاہتے تھے مگر مجبوراً انہیں وہاں رات بسر کرنا پڑ گئی تھی نانو نے کہا مجھے یہ گھوڑوں کا سوداگر خطرناک آدمی لگتا ہے مجھے اس کی باتوں سے مکاری کی بو آتی ہے کس مکاری سے اس نے شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ تو کسی بادشاہ کا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔

شاہان نے نانو کی تائید کرتے ہوئے کہا تمہارا شک بے جا نہیں ہے ہمیں اس سے ہوشیار رہنا پڑے گا۔

''شہزادے نے کہا اگر ایسی بات ہے تو ہمیں گھوڑوں کا خیال ترک کرکے اس بستی سے نکل جانا چاہئے ہیں۔''

نہیں شہزادہ سلامت گھوڑوں کے بغیر ہم یمن تک کا سفر آسانی سے نہ کرسکیں گے ہم صبح اس آدمی سے گھوڑے خریدتے ہی یہاں سے فرار ہوجائیں گے انہی خطروں کا اظہار کرکے وہ سو گئے۔

صبح اٹھ کر وہ سوداگر کی حویلی میں گئے اس نے وعدے کے مطابق تین عربی نسل کے عمدہ گھوڑے تیار کررکھے تھے قیمت ادا کرنے کے بعد جب وہ گھوڑوں پر سوار ہونے لگے تو سوداگر نے بڑی مکاری سے ہنسی کے ساتھ کہا یمن کا راستہ خطروں سے بھرا پڑا ہے احتیاط سے سفر کرنا دوستو شاہان نے کہا آپ کا شکریہ اس کے بعد وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور آہستہ آہستہ بستی سے باہر آگئے باہر آتے ہی انہوں نے ایک طرف کو سرپٹ گھوڑے دوڑانے شروع کردیئے دھوپ بڑی تیز تھی اور گرمی میں ریت انگاروں کی طرح تپ رہی تھی دوپہر تک سفر کرنے کے بعد وہ تھک گئے اور ایک جگہ درختوں کے سائے دیکھ کر آرام کرنے کے لئے رک گئے یہاں درختوں کے سائے میں ایک ٹیلہ تھا جس کے پہلو میں ایک غار بنا ہوا تھا تینوں اس غار کے اندر چلے گئے اور انہوں نے غار کا منہ جھاڑیوں سے بند کردیا انہیں شام تک سونا تھا اور خطرہ تھا کہ کہیں سوداگر نے مخبری نہ کردی ہو اور سپاہی ان کی تلاش میں نہ آرہے ہوں ابھی وہ سونے کی تیاریاں ہی کررہے تھے کہ انہیں دور سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیں وہ ایک دم چوکنے ہوگئے شاہان اور نانو نے غار سے باہر نکل کر ٹیلے کی اوٹ میں کھڑے ہوکر دیکھا تو انہیں ذرا دور کچھ سپاہی آتے نظر آئے ان کا فولادی خول اور ذرہ بکتر دھوپ میں چمک رہے تھے وہ جلدی سے غار میں واپس چھپ گئے اور اس کا منہ جھاڑیوں سے بند کردیا خطرہ ان کے سر پر منڈلانے لگا تھا سپاہی وہاں آکر رُک گئے انہوں نے چشمے پر سے گھوڑوں کو پانی پلایا اور باتیں کرنے لگے شاہان اور نانو نے گھوڑوں کے سوداگر کی آواز صاف پہچان لی وہ انہیں کہہ رہا تھا ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے وہ آج ہی صبح مجھ سے گھوڑے خرید کر سفر پر روانہ ہوئے ہیں اور زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔

ایک سپاہی نے کہا فکر نہ کرو ہم انہیں جہاں بھی ہوں تگنے نکال لائے گے اتنا کہہ کر وہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے آگے نکل گئے تو نانو کا انداہ درست تھا سوداگر عاطون کی فوج کا جاسوس تھا اور اس نے شہزادے کی فرار کی اطلاع کردی تھی شاہان نے رب عظیم کا شکر ادا کیا کہ وہ غار کے اندر چھپے ہونے کی وجہ سے بچ گئے ہیں انہوں نے رات اسی غار میں گزارنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہونے کا خدشہ نہ رہے دوسرے روز وہ غار سے گھوڑوں سمیت باہر نکلے اور منہ اندھیرے ہی گھوڑوں پر سوار ہوکر بڑی تیزی سے یمن کی طرف چل پڑے نینوا کی سرحدوں سے یمن کی سرحد چھ روز کے سفر پر تھی وہ دن کا کچھ حصہ آرام کرتے جبکہ صحرا میں دھوپ بہت تیز ہوتی تھی اور اس کے بعد شام پڑتے ہی دوبارہ سفر پر روانہ ہوجاتے وہ خطروں کی دنیا سے دور نکل گئے تھے اور اب نئے اندیشوں نے انہیں گھیر رکھا تھا۔

شاہان کو خاص طور پر نانو کے چچا کے بارے میں فکر تھی جس کے ہاں وہ یمن میں پناہ لینے جارہے

تھے خدا جانے وہ کون شخص ہو کہیں وہ بھی دولت کی لالچ میں آ کر شہزادے کی جاسوسی نہ کردے اگر ایسا ہو گیا اور وہ لوگ یمن میں گرفتار کر لیے گئے تو وہ شہزادے کی والدہ کو کیا منہ دکھائے گا اس قسم کے وسوسے تھے جنہوں نے شاہان کو گھیر رکھا تھا۔

پانچویں روز وہ یمن کی سرحد سے ایک دن کے فاصلے پر صحرا میں چلے جا رہے تھے کہ اچانک بڑے زور کی آندھی چلنا شروع ہو گئی وہ گھوڑوں کو لے کر ایک ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھ گئے آندھی بڑی شدید تھی اور دوپہر تک چلتی رہی آندھی کا زور تھما تو انہوں نے دیکھا کہ صحرا کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے جہاں پہلے ریت کے ٹیلے تھے وہاں اب گہرے گڑھے پڑے تھے یہ ایک عجیب و غریب حادثہ تھا اس سے پہلے صحرا میں انہوں نے آندھی میں گڑھے پڑتے نہیں دیکھے تھے وہ ایک گڑھے کے پاس آ کر غور کرنے لگے یہ کافی گہرا گڑھا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس کے اندر راستہ جا رہا ہے شاہان نے گڑھے کے اندر اتر کر معلومات حاصل کرنے کا خیال ظاہر کیا تو نانو نے کہا ہمیں اندر نہیں جانا چاہئے کہیں کسی نئی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں شہزادے نے بھی اس قسم کے خیال کا اظہار کیا اور وہ گھوڑے پر آگے چل کر سفر کرنے ہی والے تھے کہ اچانک گڑھے میں سے آگ کے شعلے نمودار ہونا شروع ہو گئے وہ تعجب سے ان شعلوں کو دیکھنے لگے نانو نے کہا یہ آگ کہاں سے آ گئی وہ ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ آگ تھمنا شروع ہو گئی شعلے مدہم پڑنے لگے اور پھر آگ ٹھنڈی ہو کر غائب ہو گئی اور اس کی جگہ نیلے رنگ کا دھواں نکلنا لگا یہ دھواں پہلے تو بادلوں کی طرح ابھرتا رہا اور پھر اس نے ایک اونچے ستون کی شکل اختیار کر لی جو آسمان کی وسعتوں میں جا کر غائب ہو گیا تھا وہ تینوں اس منظر کو حیرانی سے دیکھتے رہے۔

"شاہان کا خیال تھا کہ شاید اس زمین کے اندر آتش فشاں پہاڑوں کا مادہ چھپا ہوا ہے جو باہر نکل رہا ہے"

"نانو نے کہا میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔"

شہزادے نے کہا ہاں شاہان ہمیں آگے نکل جانا چاہئے وہ ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ آسمان پر ایک روشنی سی چمکی اور خوفناک چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں شہزادہ ڈر کر نانو سے لپٹ گیا نانو کے چہرے پر خوف کی زردی چھا گئی ابھی وہ شاہان سے پوچھنے ہی والا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے کہ ایک خوفناک قہقہہ بلند ہوا اور گرد و غبار کے بادل نے اٹھ کر انہیں چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا گھوڑے ڈر کر شور مچانے لگے شاہان نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا نانو نے کہا ہمیں یہاں سے بھاگ نکلنا چاہئے وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگنے لگے تو گھوڑے جیسے گرد و غبار کی دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑے اب ایک مکروہ اور ڈراؤنی شکل ان کے سامنے کھڑی تھی یہ کسی بدروح کی شکل تھی سرخ آنکھیں بڑے پیالوں جتنی تھیں سر کے بال عجیب طرح کے تھے شہزادے کی چیخ نکل گئی نانو کو پسینہ آ گیا صرف شاہان خاموش اور پرسکون تھا اس بدروح نے کڑکتی ہوئی آواز میں کہا تم میرے گھر میں کیوں آئے ہو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔

"شاہان نے بلند آواز میں کہا ہم مسافر ہیں اور سفر کر رہے ہیں ہم سے غلطی ہو گئی ہے۔"

نہیں تم نے جان بوجھ کر میرے گھر کو روندا ڈالا ہے میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی اتنا کہہ کر اس بدروح نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے اور شہزادے کو اپنے ہاتھ سے پکڑنے کی کوشش کی شہزادہ بھاگ کر ایک طرف ہو گیا بدروح نے قہقہہ لگایا اور شہزادے کی گردن دبوچنے کے لئے آگے بڑھی نانو نے حق نمک ادا کرتے ہوئے نیام سے تلوار نکالی اور پوری طاقت کے ساتھ اس کے چوڑے ہاتھ پر وار کیا اس کے ہاتھ پر زخم لگے اس نے تڑپ کر ایک چیخ ماری اور ٹیلے کے دامن سے ایک تناور درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا درخت کو ایک ڈنڈے کی طرح اپنے سر سے گھما کر اس نے پھرتی سے نانو کے سر پر وار کیا اگر نانو تیزی سے کام لے کر اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاتا تو وہ اس جگہ پکلا جاتا جس طرح پہاڑ کے نیچے چیونٹی آ کر کچلی جاتی ہے۔

بدروح نے دوسری بار وار کیا نانو دوسری طرف

ہٹ گیا بدروح غصے میں آ کر ریت اڑانے لگی چاروں طرف غبار سا چھا گیا اب شاہان خاموش تماشائی بن کر نہیں رہ سکتا تھا اس لئے کہ نانو اور شہزادے کی جان کو خطرہ تھا شاہان نے اپنی آنکھیں بند کر کے مراقبہ کیا اور گرشک کی روح کو آواز دی گرشک کی روح میری مدد کر تو جہاں کہیں بھی ہے یہاں آ اور میری مدد کر ہمیں اس بدروح یا بھوت جو بھی ہے اس سے نجات دلا اس وقت وہ نانو کو ٹانگ سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی گرشک کی روح نے شاہان کی آواز سن لی تھی وہ فوراً وہاں آ گیا اس نے آتے ہی جوڑ راؤ نا منظر دیکھا وہ اسے پریشان کرنے کے لئے کافی تھا شاہان نے روح سے کہا اے گرشک کی مقدس روح ہمیں اس قاتل بدروح سے نجات دلا۔

فکر نہ کرو شاہان میں تمہاری مدد کے لئے ہی اتنے دور سے آیا ہوں روح نے ایک ہاتھ فضا میں بلند کیا ہاتھ کا فضا میں بلند ہونا تھا کہ بجلی بڑے زور سے کڑک اٹھی وہ بدروح جیسے سکتے میں آ گئی اس نے آسمان کی طرف اپنا ڈراؤنا سر اٹھا کر دیکھا اور ایک زوردار قہقہہ بلند کیا اور آسمان سے شعلے بلند ہونا شروع ہو گئے ان شعلوں کا رخ بدروح کی طرف تھا وہ آسمانی بجلی بن کر کڑک کڑک کر بدروح کے سر پر گر رہے تھے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم آگ کی لپیٹ میں آ گیا وہ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے چلانے لگی مگر آسمان سے آگ برابر اس کے اوپر برس رہی تھی وہ آگ کا گولا بن کر صحرا میں گردش کرنے لگی اور پھر جل کر راکھ ہو گئی اس کے جلنے کے فوراً بعد صحرا میں سے گرد وغبار کا طوفان غائب ہو گیا زمین پر پڑے ہوئے گڑھے کے نشان مٹ گئے نانو نے زمین سے اٹھ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا دیوتاؤں نے ہماری مدد کی ہے مقدس دیوتا ہم پر مہربان ہو گئے ہیں۔

شاہان اب اسے کیا بتاتا کہ کس نے مدد کی ہے یوں اس نے کہا اب ہمیں جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جانا چاہئے وہ جلدی جلدی گھوڑے پر سوار ہوئے اور وہاں سے آگے نکل گئے۔

شام سے کچھ دیر پہلے وہ تھک کر چور ہو گئے تھے کچھ دیر رک کر آرام کرنے اور گھوڑوں کو پانی پلانے کے لئے وہ کھجور کے جھنڈ تلے ایک چشمے کے پاس رک گئے ابھی وہ گھوڑوں کو پانی پلا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ اچانک ٹیلے کے عقب سے عاطون کی فوج کے کچھ سپاہی نمودار ہوئے انہوں نے ان کے گرد گھیرہ ڈال دیا سردار نے شاہان کے قریب آ کر کہا تم سب بچ کر نہیں جا سکتے آخر ہم نے تم لوگوں کو پکڑ لیا شہزادے کے ساتھ ان سب کو رسیوں میں جکڑ دو۔

شاہان اور نانو ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے سپاہیوں نے آگے بڑھ کر ان تینوں کو رسیوں میں کس کر باندھ دیا اور گھوڑوں پر لاد کر واپس نینوا کی طرف روانہ ہو گئے یہ سب کچھ اس قدر اچانک اور جلدی ہوا کہ وہ سمجھ ہی نہ پائے کہ فوج کہاں سے آ گئی تھی اصل میں سپاہی شروع ہی سے ان کا پیچھا کر رہے تھے اور کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے اب انہیں موقع مل گیا اور انہوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔

شاہان اور نانو سخت مایوسی کے عالم میں رسیوں میں بندھے شہزادے کے ساتھ گھوڑوں پر بیٹھے تھے واپس نینوا کی طرف جا رہے تھے انہیں یقین تھا کہ اب شہزادے کی جان نہیں بچائی جا سکتی تھی شاہان گرشک کی روح کو بھی نہیں بلا سکتا تھا کیونکہ وہ دوسری بار کبھی بھی نمودار نہ ہوتا تھا سفر کرتے ہوئے رات ہو گئی سپاہیوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال لیا اور آرام کرنے لگے انہوں نے نانو شاہان اور شہزادے کو الگ الگ درختوں کے ساتھ باندھ دیا۔

آگ جلا کر بکرے کا گوشت بھنا اور اسے کھانے لگے وہ کھا بھی رہے تھے اور خوشی سے قہقہے بھی لگا رہے تھے آخر وہ تھک کر گہری نیند سو گئے صرف ایک سپاہی ہاتھ میں تلوار لیے درختوں کے سامنے بیٹھا پہرہ دے رہا تھا شاہان بندھا ہوا تھا وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا اس طرح شہزادے اور نانو بھی بندھے ہوئے تھے ان کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانا بھی مشکل ہو رہا تھا رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی انہیں معلوم تھا کہ کوئی طاقت انہیں سپاہیوں کے چنگل سے نجات نہیں دلا سکتی دو روز بعد وہ عاطون کے گورنر کے سامنے ہوں گے وہ شہزادے کا سر کاٹ کر طشت میں رکھ کر

عالون کے پاس بابل روانہ کردے گا۔ یہ بڑی خوفناک بات تھی شاہان نے سوچا جب شہزادے کی والدہ کو معلوم ہوگا کہ اس کے بیٹے کا سر کاٹ کر بابل لایا گیا ہے تو اس بیچارہ ماں پر کیا قیامت نہیں گزرے گی۔

''شاہان یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا اور پہرے دار سپاہی تلوار لیے اس کے سامنے بیٹھا بڑے غور سے ان تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔''

اچانک شاہان نے ایک پہرے دار کے پیچھے ایک سائے کو دیکھا یہ سایہ بڑے آرام سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا پہلے تو شاہان نے اسے اپنا وہم خیال کیا لیکن جب وہ سایہ پہرے دار کے بہت قریب آ گیا تو شاہان نے دیکھا کہ وہ ایک اونچا لمبا کڑیل جوان تھا جس نے چہرے پر سیاہ نقاب پہن رکھا تھا اس اجنبی نقاب پوش کو نانو اور شہزادے نے بھی دیکھ لیا تھا مگر وہ چپ تھے وہ خاموشی سے یہ دیکھ رہے تھے کہ نقاب پوش کیا کرنے وہاں آیا ہے۔

پہرے دار سپاہی کو بالکل علم نہ تھا کہ اس کے پیچھے اس کی موت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے نقاب پوش بہت پھونک پھونک کر ریت پر قدم آگے اٹھا رہا تھا وہ اب پہریدار کے بالکل سر پر پہنچ گیا تھا اچانک اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر سپاہی کی گردن دبوچ لی یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ سپاہی کی آواز تک نہ نکل سکی نقاب پوش نے سپاہی کا گلا دبانا شروع کر دیا اور اس وقت چھوڑا جب وہ مر چکا تھا سپاہی کی لاش زمین پر رکھ کر نقاب پوش آگے بڑھا اور شاہان نانو اور شہزادے کی رسیاں کھول دیں۔

شہزادے کچھ بولنے لگا تو نقاب پوش نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا سپاہی بھنا ہوا گوشت کھانے کے بعد بے سدھ ہو کر سو رہے تھے اور خراٹے لے رہے تھے نقاب پوش نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا وہ دبے پاؤں چلتے نخلستان سے کافی دور نکل آئے یہاں چار گھوڑے ایک درخت کے ساتھ بندھے تھے اب نقاب پوش نے زبان کھولی اور کہا میں نینوا کے شہزادے کو ادب سے سلام کرتا ہوں یہ میری خوش نصیبی ہے کہ شہزادے کی جان بچانے کی سعادت مجھے نصیب ہوئی۔

''نانو نے پوچھا اے اجنبی کیا تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم کون ہو اور تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ ہم مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

نقاب پوش نے اپنا نقاب اتار دیا وہ ایک خوش شکل نوجوان تھا میرا نام حادنہ ہے میں عالون کی فوج میں ایک خدمت گار ہوں اور شاہ نینوا کی وفادار فوج سے تعلق رکھتا ہوں میں عالون کی تلاش میں قرطاجنہ جا رہا تھا کہ راستے میں آپ لوگوں کو عالون کی فوج کے سپاہیوں کی قید میں دیکھا میں نے شہزادے کو پہچان لیا اور اس موقع کی تلاش میں رہا جب سپاہی سو جائیں تو آپ کو پھر آزاد کر سکوں۔

''شاہان نے کہا ہم آپ کے شکر گزار ہیں حادنہ نے پوچھا کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کا نام کیا ہے اور آپ شہزادے کے ساتھ کس حیثیت سے سفر کر رہے ہیں۔''

''شاہان نے کہا میرا نام شاہان ہے اور میں حکیم ہوں اور میں شہزادے کا وفادار بھی ہوں اور چاہتا ہوں کہ نینوا کا تخت شہزادے کو واپس دلایا جائے۔''

''حادنہ نے کہا میں یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ آپ ہمارے شہزادے کے وفادار ہیں یقیناً ہم اپنا کھویا ہوا تخت ضرور حاصل کر لیں گے اور شہزادے کو اپنا شہنشاہ بنائیں گے۔''

حادنہ نے کہا مجھے بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ عالون کے سپاہیوں نے ہماری کمین گاہ پر چھاپہ مار کر ہمارے بہت سارے سپاہیوں کو قتل کر دیا اور عالون کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا یمن کے بادشاہ نے عالون کی مدد کی کیونکہ عالون کی پھیلتی ہوئی سلطنت اور طاقت سے خوفزدہ ہے۔

''عالون کہاں قید ہے؟''

مجھے صرف اتنی خبر مل سکی ہے کہ وہ صوبہ قرطاجنہ میں کسی جگہ قید ہے اور جلد اسے عالون کے دربار میں پیش کر کے قتل کر دیا جائے گا عالون اس کا سر کاٹ کر محل کے دروازے پر لٹکانے کا ارادہ رکھتا ہے وہ صرف اپنے جشن تاج پوشی کا انتظار کر رہا ہے جو دو ماہ بعد ہے۔

''عالون کی گرفتاری اور وفادار فوج کے سپاہیوں کے قتل کا سن کر نانو اور شہزادے کو بے حد دکھ ہوا نانو نے کہا اس وقت ہماری فوج کے سپاہیوں کی تعداد کتنی ہوگی؟''

''وہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں عالون کے جاسوس کتوں کی طرح ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے لیکن میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ قرطاجنہ جا کر عالون کو رہا کرانے کی کوشش کروں گا۔''

نانو نے کہا دیوتا تمہیں تمہارے اداروں میں کامیاب کرے شاہان نے کہا حادنہ اگر تم برا نہ مانو تو کیا بتاؤ گے قرطاجنہ میں تم سے ملاقات کہاں کی جاسکتی ہے میرا ارادہ ہے کہ شہزادے کو بحفاظت یمن پہنچا کر میں بھی تمہارے ساتھ عالون کو تلاش کروں گا اور اس سے ملاقات کروں گا۔

''حادنہ نے کہا میں قرطاجنہ شہر کی شمال والی کارواں سرائے میں ایک مسافر کے بھیس میں ٹھہرا ہوا ہوں تم مجھ سے ملاقات وہاں کرسکتے ہو لیکن کیا تم لوگوں کو یقین ہے کہ یمن میں شہزادہ محفوظ رہے گا۔''

''نانو نے کہا یمن میں میرا ایک چچا رہتا ہے جس کے انگوروں کے باغ ہیں وہ شاہ پرست ہے اور بہت بھروسے کا آدمی ہے اس کا مکان شہر سے باہر محفوظ جگہ پر ہے۔''

حادنہ نے کہا پھر بھی نانو تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہوگی کیونکہ یمن کے سپاہی بھی شہزادے کی تلاش میں عالون کے سپاہیوں کا ہاتھ بٹا رہے ہیں شاہان نے جب حادنہ کو بتایا کہ شہزادے کی والدہ ملکہ ابھی زندہ ہیں اور بابل کے ایک سرحدی گاؤں کی حویلی میں قید کے دن گزار رہی ہیں اور انہوں نے ہی شاہان کو شہزادے کی تلاش میں بھیجا ہے تو حادنہ بہت خوش ہوا اور شاہان کی انسانی ہمدردی سے بہت متاثر ہوا۔

''اس نے کہا ہم عالون کو دشمنوں کی قید سے آزاد کی دلانے کے بعد ہم ملکہ عالیہ کو بھی آزاد کروالیں گے۔''

نقاب پوش حادنہ نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے کہا میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ سپاہی کی آنکھ کھل جائے وہ شہزادے کو نہ پاکر ضرور ہماری تلاش میں باہر نکلیں گے وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہوں نے باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں باگیں ڈھیلی ہوتے ہی گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے نقاب پوش حادنہ شہزادے کے ساتھ یمن کی سرحد تک گیا شہزادے کو شاہان اور نانو کے ساتھ سرحد عبور کرانے کے بعد حادنہ نے اجازت لی شہزادے کو جھک کر سلام کیا اور عالون کی تلاش میں واپس قرطاجنہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

شاہان بھی حادنہ کے ساتھ ہی جانا چاہتا تھا اس لیے کہ عالون سے ملنا اور اسے رہا کرانا بہت ضروری تھا عالون نینوا کی فوج کا سپہ سالار تھا اور ساری فوج اس کے گرد جمع تھی لیکن شاہان یہ تسلی کرنا چاہتا تھا کہ شہزادہ محفوظ ہاتھوں میں ہے کیونکہ یمن میں بھی خطرہ تھا وہ نانو کے چچا سے مل کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا وہ واقعی بھروسے کا آدمی ہے اس نے حادنہ سے کارواں سرائے کا پتہ معلوم کرلیا تھا۔

یمن کی سرحد پر محافظ سپاہیوں نے معمولی پوچھ گچھ کے بعد انہیں ملک میں جانے کی اجازت دے دی، شاہان نے یہاں بھی یہی کہا کہ وہ حکیم ہے نانو اس کا غلام اور شہزادہ اس کا بیٹا ہے سپاہیوں نے شہزادے کو نہ پہچانا، نانو نے دیوتاؤں کا اور شاہان نے رب عظیم کا شکر ادا کیا۔

شہزادے کو لے کر نانو بڑی تیزی کے ساتھ اپنے چچا کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا یمن کا شہر سرحد سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر تھا وہ سارا دن چلتے ہوئے سیاہ پہاڑوں کے درمیان سفر کرتے رہے رات کو ایک جگہ دم لینے کے لئے آدھی رات تک آرام کرنے کے بعد انہوں نے دوبارہ سفر شروع کردیا اب پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا اور کہیں کہیں ہرے بھرے کھیت اور کھجوروں کے نخلستان نظر آنے لگے تھے۔

شہزادے نے کہا ''تمہارے چچا کا گھر اب کتنی دور ہے نانو۔''

سورج نکلنے سے پہلے ہم پہنچ جائیں گے شہزادہ سلامت آسمان پر صبح کا نور پھیلنے لگا تھا انہیں دور سے شہر کے مکانات دکھائی دینے لگے تھے۔

(جاری ہے)

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

وفا کی راہ بڑی پر خار سی لگتی ہے
زیست آنسوؤں کی دیوار سی لگتی ہے
میں نے چاہا نہیں تھا پھر سے کسی کو
ہر سوچ اپنی غمگسار سی لگتی ہے
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

نہیں چاہت رہی اب کوئی زمانے میں
کیوں وقت برباد کرتے ہو داستان سنانے میں
زندگی زندہ دلی ہے اپنے شعور کو بیدار کرو
غم نہ کرو رومی یہاں کسی کے بدل جانے میں
(عبدالجبار رومی.....لاہور)

وہاں نہ پھول کھلتے ہیں نہ ہی موسم بدلتے ہیں
وہاں پر کچھ نہیں ہوتا جہاں پر تم نہیں ہوتے
یہاں تو ویسے ہر اک شے آسانی سے ملتی ہے
پر میرا دل نہیں لگتا جہاں پر تم نہیں ہوتے
(آصفہ سراج.....لاہور)

راستے میں نہ بیٹھو ہوا تنگ کرے گی
بچھڑے ہوئے لوگوں کی صدا تنگ کرے گی
مت ٹوٹ کے چاہو اسے آغاز سفر میں
بچھڑے گا تو ہر ایک ادا تنگ کرے گی
(صبا محمد اسلم.....گوجرانوالہ)

کوئی اچھی سی سزا دو مجھ کو
چلو ایسا کرو بھلا دو مجھ کو
تم سے بچھڑوں تو موت آجائے مجھے
دل کی گہرائیوں سے یہ دعا دو مجھ کو
(محمد سراج.....لاہور)

کتنے معصوم ہوتے ہیں یہ آنکھوں کے آنسو بھی
یہ نکلتے بھی ان کے لئے ہیں جنہیں پرواہ نہیں ہوتی
(محسن عزیز علیم.....کوٹھا کلاں)

میری روح وچ میرا یار وسدا
میری اکھ وچ او سدا دیدار وسدا
سانوں اپنے دلاں دی پروا نئی ایم
رب کرے ہر ویلے روے میرا یار سدا
(عبدالحلیم بھٹی.....کوٹھا کلاں)

تم چاند ہو لوگ تجھے دیکھنے کی دعا کرتے ہیں
میں تو وہ ستارہ ہوں کہ لوگ اپنی خوشیوں کیلئے میرے ٹوٹنے کی دعا کرتے ہیں
(خضر حیات.....روڈہ تھل)

محبت کی آزمائش دیکھ دیکھ کر تھک گیا ہوں اے خدا
قسمت میں کوئی ایسا دوست بھی لکھ دے جو موت تک وفا کرے
(چوہدری محمد کامران.....خوشاب)

لوگ کہتے ہیں میں تمہیں بھول جاؤں آویز
تم تو میری روح میں قابض ہو کسی اور کا ہونے نہیں دیتے
(سمیرا گل ناز یوسف.....کراچی)

یقین و اعتبار کس پر کریں یہاں
آپ کے شہر میں ہر شخص شعبدہ باز لگتا ہے
(عبدالعزیز بلوچ.....کراچی)

جنون عشق میں کچھ لوگ جلے جارہے ہیں
کچھ دانا حماقت کہے جارہے ہیں
(عبدالعزیز بلوچ.....کراچی)

گرنے والے کو بھلا کون سہارا دیتا ہے
شام کا وقت تھا، ہر شخص کو گھر جانا تھا
(سنبل ماہین طٰہٰ.....راولپنڈی)

بہت ڈر لگتا ہے ان لوگوں سے
جو دل میں زہر اور باتوں میں مٹھاس رکھتے ہیں
(طارق منی.....کوٹھا کلاں)

ہم نے بھی اک ایسے شخص کو دل سے چاہا ہے
جس کو بھلانا میرے بس میں نہیں اور پانا شاید قسمت میں نہیں
(شہریار.....کوٹھا کلاں)

نہیں رہتا کوئی شخص ادھورا کسی کے بغیر
وقت گزر ہی جاتا ہے کچھ پا کر بھی، کچھ کھو کر بھی
(احسن.....کوٹھا کلاں)

☆☆

روح میں کوئی اذیت بھی اتاری جائے
زندگی درد سے خالی نہ گزاری جائے
ایک سائل کی محبت کا تقاضا ہے یہ
کاسۂ دل میں نظر پیار کی ڈالی جائے
آنکھ کہتی ہے کہ نظر اس سے ملاؤں کیسے
دل یہ کہتا ہے کہ تصویر اتاری جائے
اسے تسلیم قبیلے کا نہ سردار کرو!
جس سے دستار بھی اپنی نہ سنبھالی جائے
پیار کو جرم سمجھتے ہیں زمانے والے
زندہ رہنے کی کوئی راہ نکالی جائے
اس سے پہلے کہ بدل جائے نہ دل کی نیت
زندگی اس کی محبت میں لٹادی جائے
کچھ تو کم ہوگی شب ہجر کی وحشت یارو!
کوئی شمع ہی اندھیرے میں جلائی جائے
قتل ہوتے ہیں شب و روز بنام غیرت
پیار کرنے پہ بھی پابندی لگادی جائے
(حکیم خان حکیم.....اٹک)

قوم پر جو رحم فرماتے رہے
نفرتوں کی آگ بھڑکاتے رہے
ان کا الو ہوگیا سیدھا مگر
دیر تک ہم چوٹ سہلاتے رہے
ان کے ہاتھوں ہم کو رسوائی ملی
جو ہمارا ہی نمک کھاتے رہے
منزلوں سے دور ہے ان کا مقام
جو کٹھن راہوں سے ڈر جاتے رہے
اس طرح ہم نے علاج غم کیا
دل کو ہم یادوں سے بہلاتے رہے
حد سے بڑھ کر غم سے علاج غم ہوا
دل کے سب ارمان نکل جاتے رہے
کم نہیں انسان پر انسان قمر
راکٹوں سے موت برساتے رہے
(ریاض حسین قمر.....منگلا ڈیم)

سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے بہاروں کا
کس نے مقام پرکھا ہے تاروں کا
حوصلہ دیتے ہیں آج کل کے یار بھی
وہ پہلے سا جلوہ نہ تھا نظاروں کا
یادوں کے سفر میں ہمیشہ سے تھا تنہا
بیگانوں سے پوچھ لیتا ہوں رشتہ رہگذاروں کا
ہاتھ ملا کے بھی لوگ چھوڑ جاتے ہیں یہاں
زندگی رستہ ہے پھر سے خار زاروں کا
بے رخی سے تیری یہ زخم ملے ہیں ہم کو
وہ پہلے سا جذبہ نہیں رہا اب سہاروں کا
قسمت میں اپنی کچھ آنسو اور آہیں ہیں جاوید
موسم بدل گیا ہے آج پھر سے شراروں کا
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

درد بہت دور اجالا دکھتا ہے
ہر سو جھوٹ کا دھندا چلتا ہے
بھرے پڑے ہیں شاپنگ مال امیروں سے
غربت زدہ دو وقت کی روٹی کو سسکتا ہے
دہاتے ہیں یہ ہر روز حق کسی غریب کا
ہو کے پر امید پھر محنت کش لڑتا ہے
چلتا ہے معیشت کا پہیہ مزدور کے سر پر
ہائے افسوس اژدھائے امیری انہیں کو لڑتا ہے
یہاں تو مصنف بھی پڑے ہیں امیر کی تجوری میں صائم
تختۂ سولی غریب کے پیروں سے ہی کھسکتا ہے
(ظہور احمد صائم.....لاہور)

اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں سجالے مجھ کو
میں ہوں تیرا تو نصیب اپنا بنالے مجھ کو
میں جو کانٹا ہوں تو چل مجھ سے بچا کر دامن
میں ہوں گر پھول تو جوڑے میں سجالے مجھ کو

ترک الفت کی قسم بھی کوئی ہوتی ہے قسم
تو کبھی یاد تو کر بھولنے والے مجھ کو
مجھ سے تو پوچھنے آیا ہے وفا کے معنی
یہ تیری سادہ دلی مار نہ ڈالے مجھ کو
میں سمندر بھی ہوں موتی بھی ہوں غوطہ زن بھی
کوئی بھی نام میرا لے کر بلالے مجھ کو
تو نے دیکھا نہیں آئینے سے آگے کچھ بھی
خود پرستی میں کہیں تو نہ گنوالے مجھ کو
بادہ پھر بادہ ہے میں زہر بھی پی جاؤں واجد
شرط یہ ہے کوئی بانہوں میں سنبھالے مجھ کو
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

چاہو گی مجھ سے جتنی میں اتنی وفا دوں گا
راہوں میں محبت کی میں پھول بچھا دوں گا
کیسا ہے ہنر مجھ میں یہ بھی بتادوں گا
پتھر ہو تو پتھر کو آئینہ بنادوں گا
تم مجھ سے جدا ہو کر کیا ہوگا ذرا دیکھو
میں خود کو مٹادوں گا میں خود کو لٹادوں گا
گمراہ نہ کہنا تم گمراہ نہیں ہوں میں
راہوں سے میں واقف ہوں منزل کا پتہ دوں گا
ماضی کی حسین یادوں نے روک لیا ورنہ
سوچا تھا تیرے لکھے ہر خط کو جلا دوں گا
نہ چھیڑ مجھے امتیاز جیسا بھی ہوں اچھا ہوں
تو چھیڑ کے کیا لے گا میں بول کے کیا دوں گا
(ایس امتیاز احمد.....کراچی)

کیا دیکھ رہا ہے کوئی مہتاب مرے خواب
جلنے لگے ہر شام سر آب مرے خواب
تحریر ہیں اک صفحہ تاریک پہ آنکھیں
اس متن میں لکھیں گے نئے باب مرے خواب
اک موجہ کمیاب نے رکھے ہیں صدف میں
ابھریں گے کسی دن سرگرداب مرے خواب
بنجر ہوئے تعبیر کی حسرت میں زمانے
ابھرے تھے یہ کس لمحہ شاداب مرے خواب
نیندیں تری راہوں میں لٹانے کا نہیں غم
لیکن سر مژگاں تھا جو اسباب مرے خواب
دیکھے ہیں مناظر کئی حیرت گہ شب کے
اب ایک نظر دیدۂ بے خواب، مرے خواب
(انتخاب: ایس حبیب خان.....کراچی)

دنیا کے جھنجھٹ میں نہ پڑ ذاکر
کچھ اپنی آخرت کی بھی فکر کر
اپنے نے گناہوں کی اللہ سے معافی مانگ
عیبوں پر پردہ ڈال کسی سے نہ کر ذکر
زمانے کی تلخیوں سے کچھ تو سبق سیکھ
اب تو راہ راست پر آجا خدا سے ڈر
اپنی انا کو مار جینے کا ڈھنگ سیکھ
حاصل کچھ نہ ہوگا دامن برائی کا پکڑ کر
انسان کو عقل آئی ہے ٹھوکر کھانے کے بعد
یاد آئی انسان کی بچھڑ کر یا اجڑ کر
بچ گئی جو تھوڑی سی عزت اس کو سنبھال کر رکھ
اپنے قول پر قائم رہ اپنے قول سے نہ پھر
ہٹ دھرمی کا کوئی بھی دھرم نہیں ہوتا
ضدی انسان کی ضد بری ہوتی ہے
(محمد ذکر.....ہلاں آزاد کشمیر)

وہ میرے پیار کے قابل ہی نہ تھا
کیوں انتظار کیا وہ وفا کے قابل ہی نہ تھا
انجانے میں اسے وفا کا دیوتا سمجھ بیٹھے ہم
وہ انسان کہلانے کے قابل ہی نہ تھا
اس کی رفاقت کے لئے کیا کچھ نہیں کیا ہم نے
وہ تھا اک دھوکا پیار کے قابل ہی نہ تھا
قدم قدم پہ اس نے اتنے جھوٹ بولے
وہ تھا اک جھوٹ بخشنے کے قابل ہی نہ تھا
میری محبت کو پامال کیا اس نے فلک
وہ میرے دل میں رہنے کے قابل ہی نہ تھا
(فلک زاہد.....لاہور)

سنتا ہوں کوئل کی کوک او طوطے کی ٹیں ٹیں
چڑیائیں چہچہاتی ہیں پنکھے ہوا میں لہراتے ہیں
پھول روزانہ اگتے ہیں گلاب روزانہ کھلتے ہیں
یہ تمام نظارے مجھ کو افسانے کی طرح لگتے ہیں
انسان محنت مزدوری کرتے ہیں ماتھے سے پسینے بہتے ہیں
اپنی کھڑکی سے دیکھتا ہوں اپنی الجھنوں کو سلجھاتے ہیں
لیکن مجبور ہیں وہ محنت ہی سے گھر چلتے ہیں
(سلیم بیگ ہمدانی.....کراچی)

کیوں کرتے ہو شکوہ اہل غیر سے صاحب
کہ.....!
دیس میں ہمارے مہنگائی بہت ہے
میں نے دیکھا ہے اکثر
یہاں تو زندگی مہنگی ہے
پر موت بڑی سستی ہے صاحب
کپڑوں کے نرخ چاہے بڑھ جائیں
پر عزت بڑی سستی ہے بھائی
آٹا مہنگا ہے پر کے پرواہ
بھوک سے بلکتے بچوں کے
آنسو تو سستے ہیں صاحب
بجلی کا ریٹ چاہے آسمانوں تک پہنچ جائے
رنج والم بڑے سستے ہیں صاحب
پیسہ مہنگا تو ہے یہاں
پر علم بہت سستا ہے صاحب
عدالتوں کے دام بڑھتے رہتے ہیں
انصاف پھر بھی سستا ہے صاحب
کیوں کہتے ہو اہل وطن
کہ دیس میں ہمارے مہنگائی ہے
کہ.....میں نے اکثر دیکھا ہے
محبت، خلوص اور وفا کا
سر عام تماشا بنتے دیکھا ہے
یہ سب بھی تا سستے ہیں صاحب
ہاں جرم تھوڑا مہنگا ہے یہاں
پر سچ بہت سستا ہے صاحب
(عروج ماہین.....پنڈ دادنخان)

دکھ دے کر سوال کرتے ہو
تم بھی ساتی کمال کرتے ہو
دیکھ کر پوچھ لیا حال میرا
چلو کچھ تو خیال کرتے ہو
شہر دل میں اداسیاں کیسی
یہ بھی مجھ سے سوال کرتے ہو
مرنا چاہتے ہیں تو مر نہیں سکتے
تم بھی جینا محال کرتے ہو
کس کس کی مثال دوں تم کو
ہر ست بے مثال کرتے ہو
وہ اور ہمیں یاد کریں
تم بھی کیا کمال کرتے ہو
(خضر حیات.....روڈہ تحصیل، خوشاب)

مکمل دو ہی دانوں پہ یہ تسبیح محبت ہے
جو آئے تیسرا دانہ، یہ دوری ٹوٹ جاتی ہے
مقرر وقت ہوتا ہے محبت کی نمازوں کا
ادا جن کی نکل جائے، "قضا" بھی چھوٹ جاتی ہے
محبت کی نمازوں میں امامت ایک کو سونپو
اسے تکنے، اسے تکنے سے نیت ٹوٹ جاتی ہے
محبت دل کا سجدہ ہے جو ہے توحید پر قائم
نظر کے شرک والوں سے محبت روٹھ جاتی ہے
(انتخاب: احرام زہل حسین.....اوکاڑہ)

اداس شاموں میں لوٹ کر آنا وہ بھول جاتا ہے
کر کے خفا کے خفا وہ مجھ کو منانا بھول جاتا ہے
انہی عادتوں نے اس کی مجھ بدنام کر دیا
وہ لکھ کے نام دیواروں پر سے مٹانا بھول جاتا ہے
مت پوچھ محبت میں بے پروائی اس کی
دل کے زخم وہ مرہم لگانا بھول جاتا ہے
کتنا دل نشین ہوتا ہے تیری یاد کا منظر
وہ جب بھی یاد آتا ہے آنکھیں رو پڑتی ہیں
(سمیرا گل ناز یوسف.....کراچی)

تیرے ہی خیالوں کے پروانوں کا پہرا ہے
اس دل کے آئینے میں بس تیرا ہی چہرا ہے
تو زندگی میں میری اک چاند کی ہے مانند
بن تیرے اندھیرا ہر سو رات سے گہرا ہے
کہہ کہہ کر گیا تھک میں اب اس کو بھلا دے تو
پر سنتا نہیں یہ دل لگتا ہے یہ بہرا ہے
اس کا نہ سہی مولا! بس ساتھ کسی کا دے
قسمت میں مری ہی کیوں تنہائی کا صحرا ہے
غم اس کا نہیں مجھ کو میں بھاتا نہیں تجھ کو
دکھ یہ کہ تو اپنا ہو کے غیر کیوں ٹھہرا ہے
میں تو اویس تیرا مشتاق ہوا جب سے
اس دن سے مرے سر پر دکھ درد کا سہرا ہے
(اویس نور بلوچ......میرپور ماتھیلو)

ہنس نہیں سکتے شگوفے تازگی سے روٹھ کر
ہم زمانے میں جئے ہیں زندگی سے روٹھ کر
زلف جاناں سے ملی فکر و نظر کی چاندنی
ظلمتیں ہم نے نکھاریں روشنی سے روٹھ کر
خود منانے کے لئے آئے مجھے دلبر و حرم
سجدۂ الہام پایا بندگی سے روٹھ کر
غم سے رونق ہوگئی کاشانۂ تقدیر میں
مطمئن ہے دل کی دنیا ہر خوشی سے روٹھ کر
ایک دن ساقی بھی ٹوٹے ہوئے جام و سبو
میکدے ترتیب دیں گے تشنگی سے روٹھ کر
سوچتے ہیں حسرتوں کے موڑ پر شام و سحر
جائیں گے ساغر کہاں کی گلی سے روٹھ کر
(عبدالجبار رومی انصاری......لاہور)

تم ایک بار میرے پیار پہ یقین تو کرو
ہم اپنے دل میں تیرے سارے غم چھپالیں گے
لبوں پر تیرے سجا کر جہان کی خوشیاں
تمہارے سارے ستم ہنس کے ہم اٹھالیں گے
چھپاؤ مجھ سے نہ تم اپنی داستان غم
کہیں ہو تنہا کبھی تم تمہارے ساتھ ہیں ہم
جو رنج تیرے نصیبوں میں لکھ دیئے رب نے
انہی لکیروں میں اپنی ہی ہم لکھالیں گے
تم ایک بار میرے پیار پہ یقین تو کرو
ہم اپنے دل میں تیرے سارے غم چھپالیں گے
قسم ہے تم کو ہماری نہ یوں اداس رہو
ہمارے دل میں چھپی دھڑکنوں کے پاس رہو
وہاں پہ درد کوئی تم کو چھو نہ پائے
جو آگیا تو اسے اپنا ہم بنالیں گے
تم ایک بار میرے پیار پہ یقین تو کرو
ہم اپنے دل میں تیرے سارے غم چھپالیں گے
لبوں پہ تیرے سجا کر جہاں کی خوشیاں
تمہارے سارے ستم ہنس کے ہم اٹھالیں گے
(آصفہ سراج......لاہور)

زندگی کی راہوں میں
تم بھی چھوڑ گئے آخر
بڑے ہمدر بنتے تھے
میرا دل توڑ گئے آخر
تم پر تو بڑا مان تھا
میری امیدوں کو
اب کس سے گلہ کروں
تم ہی منہ موڑ گئے آخر
لوگ تو چلو لوگ تھے
انہوں نے جو کیا سو کیا
بھری دنیا میں آج تم بھی
تنہا چھوڑ گئے آخر
تم تو کہتے تھے
ہم وہ نہیں جو چھوڑے
اپنوں کو
اپنے وعدے اپنی قسمیں
خود ہی توڑ گئے آخر
واہ کیا خوب پیار نبھایا ہے تم نے
ہم کو راہ میں روتا چھوڑ گئے آخر
(اذان عزیز......ٹنڈو آدم)

☆☆

آتشی مخلوق

طارق محمود۔ کامرہ اٹک

اچانک گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی اور دائیں بائیں گولیاں گرنے لگیں کہ پھر ایک عجیب و غریب خلقت کا آدمی نمودار ہوا اور اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو گولیاں چلانے والا الٹا لٹک گیا۔

دل و دماغ کو فرحت بخشی اور سکون پہنچاتی سچی آپ بیتی..... دل فریفتہ و دلگداز کہانی

میں جب جیل سے نکلا تو گیٹ پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے پکا عہد کیا کہ اب کبھی جیل میں نہ آؤں گا۔ باہر نکلتے ہی پھر ادھر ادھر نظریں گھما کر دیکھنا چاہا کہ کوئی لینے تو نہیں آیا حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ مجھے لینے کسی نے بھی نہیں آنا، میں ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک ٹیکسی میرے پاس آ کر رکی تو میں اس میں بیٹھ کر لاری اڈہ پہنچا، وہاں سے اپنے علاقے سے گزرنے والی بس میں سوار ہو کر اپنے فارم ہاؤس کے قریب اسٹاپ پر جا اترا، جہاں سے پیدل پندرہ منٹ کی مسافت تھی، میں بس سے اتر کر اس طرف چلا ہی تھا کہ اچانک ایک گھنے درخت کے نیچے سے دو کمانڈوز میرے سامنے آ گئے ان کے سامنے آتے ہی میں ٹھٹھک گیا اور سوچا کہ پھر کوئی شامت آ گئی، میں سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا کروں کہ ان میں سے ایک شائستہ لہجے میں بولا ”سر پلیز شناخت

PakistaniPoint.com

کروائیں" اس کی بات سنتے ہی میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اپنا آئی ڈی کارڈ نکال کر اس کو تھما دیا۔

"مشتاق احمد۔۔۔ سن آف۔۔۔ احمد علی۔۔۔"

احمد علی کہتے ہی وہ ٹھٹھکا اور میری طرف غور سے دیکھا پھر گویا ہوا "سر یہ ڈاکٹر احمد علی صاحب۔۔۔ آپ ان کے بیٹے ہیں" اس کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی "جی میں ان کا بیٹا ہوں اور اپنے فارم ہاؤس پہ جا رہا ہوں" میں نے اس سے کارڈ لیتے ہوئے جواب دیا، میری بات سنتے ہی وہ آگے سے ہٹ گیا "سوری سر آپ کو تکلیف ہوئی"

"اٹس اوکے"

یہ کہہ کر میں وہاں سے تیزی سے آگے بڑھا وہاں پر کئی کمانڈوز کھڑے اور کئی گھومتے نظر آ رہے تھے لیکن اس کے بعد مجھے کسی نے نہ روکا، جب میں اپنے فارم ہاؤس کے گیٹ پر پہنچا تو وہاں کی سیکورٹی بھی بہت ہی ٹائیٹ نظر آئی ہر طرف کمانڈوز پھیلے ہوئے تھے جن کی آنکھیں سرچ لائٹس کی طرح اس پورے ایریا کو چیک کر رہی تھیں، میرے گیٹ کے سامنے پہنچتے ہی ایک نوجوان آفیسر نے جو کہ وہاں کھڑے کمانڈوز کو کسی بات پر لیکچر دے رہا تھا اس نے مجھے روک کر مجھ سے شناخت طلب کی۔

میں نے اپنا آئی ڈی کارڈ چیک کروایا جسے پڑھنے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا "سر آپ ڈاکٹر احمد علی صاحب کے بیٹے ہیں"

"جی۔۔۔ میں ان کا بیٹا ہوں۔۔۔ وہ میرے والد ہیں اور یہ گھر ہمارا ہے" میری بات سننے کے بعد وہ شش و پنج میں پڑ گیا اور جیب سے ایک کمپیوٹر پرنٹڈ لسٹ نکال کر پڑھنے لگا جس پر گنتی کے چار پانچ نام لکھے تھے۔

"لیکن یہ لسٹ جو کہ گھر کے افراد کی ہم کو دی گئی ہے اس میں آپ کا نام نہیں۔۔۔"

"کس چیز کی لسٹ۔۔۔ اور یہ سب۔۔۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ یہ کمانڈوز۔۔۔ یہ سیکورٹی یہ سب کیا ہے۔ یہ میرا گھر ہے، اب اپنے گھر میں داخل ہونے کے لئے مجھے کسی سے اجازت لینی پڑے گی" میں غصہ سے پھٹ پڑا۔

"سوری سر آئی ایم ویری سوری آپ غصہ ہو گئے۔۔۔ شاید شاید آپ لمبے عرصے کے لئے کہیں گئے ہوئے تھے اسی لئے ڈاکٹر صاحب نے آپ کا نام نہیں دیا لسٹ میں شاید ان کو آپ کے آنے کی توقع نہ تھی۔"

"ہاں انہیں میرے آنے کی توقع ہو بھی کیسے سکتی تھی، کیونکہ جیل تو میں گیا دو سال کے لئے لیکن اچھے چال چلن کی وجہ سے کچھ پہلے خلاصی ہو گئی، میرے ذہن میں خیال ابھرا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ سب کیوں؟" میں نے ادھر ادھر پھیلے ہوئے کمانڈوز کی طرف اشارہ کیا۔

"سر پلیز۔۔۔ کم ڈاؤن یہ سب سیکورٹی ڈاکٹر صاحب کے لئے ہے ان کی جان کو ایک انجان۔۔۔ دشمن کی طرف سے خطرہ ہے۔"

"کیا۔۔۔ اوہ تو" میں نے اس کی بات کاٹ دی اور جلدی سے اس آفیسر کو آگے سے ہٹاتے ہوئے گیٹ کی کھڑکی سے اندر جا گھسا ان لوگوں نے مجھے روکنے کی کوشش نہ کی، فارم ہاؤس کے اندر لان میں چاروں طرف کمانڈوز چاک و چوبند کھڑے تھے مجھے پتہ تھا کہ ابو اوپر ہوں گے اسی لیے میں رہائشی حصہ میں داخل ہو کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ادھر ایک لیڈی آفیسر جس کے ساتھ دو سول اہلکار گھوم رہے تھے انہوں نے مجھے دیکھا تو رک گئے اور میرے پاس پہنچتے ہی "ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔ جی۔۔۔ آپ۔۔۔" لیڈی آفیسر نے مسکراتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"یہ میرا گھر ہے۔۔۔ احمد علی میرے ابو ہیں اور مجھے اپنے گھر میں گھومنے پھرنے کے لئے کسی کی پرمشن کی نہ ہی ضرورت ہے نہ ہی کسی کو اپنے بارے میں بتانے کی۔" میں نے سخت لہجے میں جواب دیا تو وہ شرمندہ ہو گئی "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن۔۔۔ ہم لوگ یہاں آپ لوگوں کی حفاظت کی غرض سے ہی تو آئے ہیں۔"

"اوکے۔۔۔ اوکے۔۔۔ لیکن پلیز! آپ سب لوگ ہمارے رہائشی حصہ سے باہر جائیں۔۔۔ آخر

ہماری بھی کوئی پرائیویسی ہے" میں نے ہاتھ اٹھا کے اس کو کچھ بولنے سے منع کرتے ہوئے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی "سر اس کے لئے ہمیں حکام بالا سے پوچھنا پڑے گا۔"

"جس سے بھی پوچھنا ہے پلیز۔۔۔ جلدی پوچھیے" یہ کہہ کر میں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا اور وہ لوگ دوسرے حصہ کی طرف چلے گئے، میں کچھ سیڑھیاں ہی چڑھ پایا تھا کہ مجھے کارریڈور سے کسی کے آہستہ آہستہ بولنے کی آواز آئی تو میری چھٹی حس نے "خطرہ" کا الارم بجانا شروع کر دیا میرے قدم ادھر ہی رک گئے اور پھر دبے پاؤں میں اس دروازہ کے سامنے آیا ہی تھا کہ اندر سے ایک آدمی باہر نکلا اس نے ہاتھ میں ایک عجیب سا فون پکڑا ہوا تھا جو کہ مجھے دیکھتے ہی اس نے جیب میں ڈالنے کی کوشش کی اپنے حلیہ سے وہ بھی کوئی سیکورٹی مین لگتا تھا لیکن اسے دیکھ کر جانے کیوں میرے دل میں کھٹک سی جاگ اٹھی۔

"کون ہو تم اور اندر کیا کر رہے تھے؟" میں اس کے سر پہ پہنچ چکا تھا میری بات سن کر وہ گڑبڑا گیا اور آئیں بائیں کرنے لگا "سیکورٹی۔۔۔ یہ لفظ سن کر مجھے پہلے ہی بہت غصہ آیا ہوا تھا میں نے اسے الٹے ہاتھ کی ضرب لگائی تو وہ الٹ کر دیوار سے جا ٹکرایا، اس سے پہلے کہ وہ اٹھ پاتا میں نے اسے سنبھلنے نہ دیا اور تابڑ توڑ لاتوں پہ رکھ لیا اور پھر دونوں ہاتھوں سے اس کو اٹھا کر سر سے اوپر کیا اور پوری طاقت سے فرش پر دے مارا اس کے منہ سے کراہیں نکلیں اور پھر اس نے کان پہ ہاتھ رکھ کر "ٹو۔۔۔ ٹو۔۔۔ کہا۔

ٹو کی گردان کرتے ہی اچانک اس کی آنکھیں بند ہو گئیں تو میں نے آگے ہو کر اس کے سینہ پر کان رکھا تو اس کے دل کی دھڑکن محسوس ہو رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ بے ہوش ہوا تھا مجھے اچانک خیال آیا کہ اگر یہ سیکورٹی کا آدمی ہوا تو بہت مسئلہ ہو سکتا تھا میرا دایاں کان اس کے بائیں کان کے ساتھ لگا ہوا تھا اس کے کان میں لگی چھوٹی سی رسیو ڈیوائس میں سے آواز آئی "یس ٹو ہیئر ڈونٹ وری۔۔۔ ٹارگٹ کے قریب پہنچ چکا ہوں"

ٹارگٹ کا سن کر مجھے جھٹکا لگا "ٹارگٹ۔۔۔ یعنی کہ میرے ابو خطرے میں ہیں" دل نے آواز دی تو میں اس آدمی کو ادھر ہی چھوڑ کر سیڑھیوں پر لپکا جہاں مجھ سے پہلے ہی ایک دراز قد آدمی دونوں طرف کے ہولسٹرز میں جدید پستول لگائے اوپر چڑھ رہا تھا میں بھاگتے ہوئے سیدھا اس سے جا ٹکرایا اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔۔۔ بلکہ گھورا۔

"کیوں اتنے پریشان ہو کر دوڑ رہے ہو۔۔۔ کچھ نہیں ہوگا۔۔۔ ڈاکٹر صاحب کو۔۔۔ تم اتنا پریشان نہ ہو" اس نے مجھے گرنے سے بچانے کے لئے اپنا لمبا اور مضبوط سا ہاتھ آگے کر کے پکڑ لیا اس کی گرفت میرے بائیں کندھے پر سخت تھی لگتا تھا کہ ہاتھ کی انگلیاں میرے کندھے کا گوشت پھاڑ کر اندر اتر جائیں گی۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر اس کے ہاتھ کو جھٹکنے کی کوشش کی ساتھ ہی میرے منہ سے نکلا "میرے ابو۔۔۔ میرا جسم ٹھنڈا ہو رہا تھا اور اس آدمی کی ہیبت سے میرے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔

"میں نے کہہ جو دیا کہ انہیں کچھ نہیں ہوگا" اس نے غصہ سے میری بات کاٹ دی میں نے دیکھا کہ اس کے کان کھڑے ہو گئے وہ شاید اوپر کی کچھ سن گن لے رہا تھا اچانک اس کا رنگ سرخ ہو گیا اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور سرخ ہو گئیں اسی وقت اس کی شرٹ غائب ہو گئی اور اس کے دونوں کندھوں پر تین تین سینگوں کی طرح ابھار نمودار ہو گئے اس کے چوڑے سینے پر کالے سیاہ بال نظر آنے لگے "تمہارے ابو ہمارے محسن ہیں ہم انہیں کچھ نہیں ہونے دینگے" یہ کہہ کر اس نے آہستہ سے مجھے جھٹکا دیا اور پلک جھپکتے ہی سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر غائب ہو گیا۔

ٹھیک اسی وقت گولیوں کی تڑتڑاہٹ ہوا میں گونج اٹھی جسے سن کر میرا جسم کانپ کر رہ گیا اور میرے منہ سے بے اختیار نکلا "ابو۔۔۔" اتنے سیکورٹی انتظامات کے باوجود بھی دشمن اپنا کام کر گئے۔۔۔ شاید۔

☆.....☆.....☆

وہ پہاڑی علاقہ تھا ان پہاڑوں کے ساتھ بہت سی

زرخیز زمین پھیلی ہوئی تھی پانی وافر مقدار میں تھا اسی لیے اس زمین پر ہونے والی فصل ہری بھری اور خوب پھل دیتی تھی اس زمین کا مالک مختار علی تھا اس پر خدا کا خاص فضل تھا اس پورے علاقے میں نہ ہی کوئی حریف تھا اور نہ ہی کوئی دشمن وہ اپنی فصلوں کے اناج سے جی بھر کر عشر زکوٰۃ اور صدقات ضرور نکالتا بلکہ اس کے علاوہ بھی غریب و مساکین کی مدد کرتا رہتا تھا۔ مختار علی کا ایک ہی بیٹا تھا احمد علی۔

مختار علی خود تو آٹھ جماعت پڑھا تھا لیکن اس کی اور اس کی بیوی سلیمہ کہ خواہش تھی کہ احمد علی خوب پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بنے احمد علی پڑھائی میں لائق بھی بہت تھا اور اسے اپنے والدین کی خواہش کا علم بھی تھا اسی لیے وہ بہت محنت سے پڑھ رہا تھا میٹرک پاس کرتے ہی اسے شہر کے ایک کالج میں داخل کروا دیا گیا جہاں وہ ہوسٹل ہی میں رہتا تھا وہاں سے وہ جب بھی چھٹی پر آتا تو اپنی زمینوں کے گرد پھیلی ہوئی پہاڑیوں کی سیر کو نکل جاتا۔

ایک دن وہ گھومتے پھرتے کافی دور نکل گیا وہاں ایک دس بائی دس کی چار دیواری بنی ہوئی تھی جو کہ چار فٹ اونچی تھی احمد علی کو وہ چار دیواری دیکھ کر اس ویرانے میں بڑا تعجب ہوا، جب وہ چار دیواری کے پاس آیا تو اس کے اندر کافی جھاڑ جھنکاڑ اگی ہوئی تھی اس جھاڑ جھنکاڑ کے اندر ایک قبر بھی تھی جو کہ جھاڑیوں سے لدی ہوئی تھی احمد علی کو دیکھ کر بہت دکھ ہوا "جانے کس بدنصیب کی قبر ہے جو کہ اس ویرانے میں دفنایا گیا اور اب اس پر صفائی ستھرائی کرنے والا بلکہ دعا کرنے والا بھی شاید کوئی نہیں۔"

احمد علی کے دل میں خیال آیا اس خیال کے آتے ہی اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ اس قبر اور اس کے اردگرد کی جگہ کو صاف کرے اور پھر اس نے دو دن کی محنت سے اس قبر اور چار دیواری کے اندر کھرپا اور بیلچہ کی مدد سے جڑی بوٹیوں اور جھاڑیوں کا خاتمہ کر دیا اس کے بعد احمد علی نے قبر اور اس جگہ پانی کا خوب چھڑکاؤ کیا اس کے بعد اس کا دل مطمئن ہوا اس کام سے وہ فارغ ہوا ہی تھا کہ چار دیواری کے باہر اسے ایک باریش آدمی نظر آیا جو کہ جانے کس وقت وہاں آ پہنچا تھا اور احمد علی کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"اے نیک دل نوجوان کون ہو تم" اس آدمی نے حیرانگی سے پوچھا، احمد علی نے اسے اپنے بارے میں بتایا اور ساتھ ہی قبر کی صفائی وغیرہ کے بارے میں بھی بتا دیا، وہ آدمی سن کر بہت خوش ہوا۔ "دنیا میں نیک لوگوں کی کمی نہیں۔۔۔ یہ میرے والد کی قبر ہے۔۔۔ وہ خود تو ان پڑھ تھے لیکن مجھے دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دلوائی۔"

یہ سن کر احمد علی کو اپنے ابو کا خیال آ گیا وہ بھی تو کم پڑھے لکھے تھے لیکن احمد علی کو ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے۔

"ان کی وصیت کے مطابق میں نے انہیں یہاں دفنا دیا اور دینی تعلیم کی غرض سے ایک دوسرے ملک کا سفر کیا وہاں سے آٹھ سال بعد میری واپسی ہو رہی ہے، میں ملک میں واپس آتے ہی سیدھا اپنے والد کی قبر پر آیا ہوں۔۔۔ میرے ذہن میں تھا کہ یہاں گھاس پھوس اور جڑی بوٹیوں کی بہتات ہو گی لیکن یہاں آ کر میرا دل خوش ہو گیا "اللہ تمہیں ہر امتحان و منزل میں کامیاب کرے۔"

"سر آپ کی کیا تعلیم ہے؟" احمد علی نے اچانک پوچھ لیا تو وہ آدمی مسکرانے لگا "میں ایم اے اسلامیات اور ساتھ ہی یعنی کہ عالم ہوں۔"

"اگر تم مجھ سے پڑھنا چاہتے ہو تو ان پہاڑیوں کے پیچھے ہی میرا گھر ہے جب بھی وقت ملے وہاں آ جایا کرو فی الحال میں فارغ ہوں۔"

احمد علی عصر کے وقت وہاں پڑھنے جانے لگا اور پھر اس کی چھٹی ختم ہو گئی تو اسے واپس کالج جانا پڑا۔ اگلی دفعہ تین ماہ بعد جب وہ دوبارہ چھٹی پر آیا اور اس آدمی کے پاس عصر کے وقت قرآن پڑھنے کے لئے پہنچا تو وہاں مرد و عورتوں کا رش دیکھ کر بہت پریشان ہوا، آخر وہ اپنے استاد کے پاس پہنچا اور اسے وہاں جا کر پتہ چلا کہ ان تین ماہ میں اس کا استاد کافی مشہور ہو چکا تھا لوگ اس کے پاس اپنی گھریلو پریشانیاں اور مشکلات کے حل کے لئے دعا اور تعویذ کرانے آنے لگے، احمد علی کو ان اعمال

میں دلچسپی محسوس ہوئی تو اس نے باقاعدہ استاد کی شاگردی اختیار کرلی عملیات کے ساتھ اس نے قرآن حفظ کرنا شروع کردیا چند ہی ماہ میں وہ حافظ بن گیا اور کافی حد تک عملیات پہ دسترس حاصل کرلی اور ہمیشہ کوشش کرتا تھا کہ کچھ نہ کچھ سیکھتا رہے۔

دوسری طرف اس کی تعلیم بھی بہت اچھی جارہی تھی بی ایس سی کرتے ہی اسے اسکالرشپ مل گئی مختار علی خود بھی مالی لحاظ سے مضبوط تھا لیکن احمد علی کو حکومت نے اسکالرشپ کے ذریعے ہی باہر بھجوادیا جہاں سے وہ میڈیکل کا تو نہیں بلکہ سائنس کا ڈاکٹر بن کر واپس آیا اور ملک میں واپس آکر اس نے اپنے والد کی اجازت سے اپنی زمینوں پہ انڈر گراؤنڈ ایک چھوٹی سی لیبارٹری بنالی جہاں ایک بہت ہی اہم مسئلہ پر تجربہ کرنے لگا۔

ہفتہ میں دو دن وہ اپنے استاد کے پاس جاکر قرآن اور کیے گئے عملیات دہراتا رہتا۔

ایک شام وہاں سے واپس آتے ہوئے اسے ایسا لگا کہ کچھ نادیدہ آنکھیں اسے گھور رہی ہیں اس نے ادھر ادھر دیکھا لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا تب اس کی عملیات کی قوت بیدار ہوگئی اور اس نے آنکھیں بند کرلیں جو اسے کھلی آنکھوں سے نظر نہ آسکا وہ اسے بند آنکھوں سے نظر آگیا اس کے سامنے کچھ ہی فاصلے پر وہ عجیب سی مخلوق جن کی تعداد تین تھی ان کے جسم ایسے جیسے آگ کی لپٹیں۔

''تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟'' احمد علی نے ان سے پوچھا۔

''اے معزز عامل ہم لوگ جنات کے ایک قبیلہ سے آئے ہیں اگر آپ خفا نہ ہوں تو کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں'' ان میں سے ایک نے کھرکھراتی آواز میں کہا۔ احمد علی نے چند ساعت سوچا اور پھر کہا ''جی آپ لوگ کہیں جو کہنا ہے۔''

''انسانوں نے ہمیں تنگ کرکے رکھ دیا ہے ہم لوگ ویرانوں، بیابانوں میں رہتے ہیں لیکن--- انسان آہستہ آہستہ ان جنگلات، ویرانوں اور بیابانوں کو صاف کرکے اپنی رہائشی آبادیاں بنارہے ہیں ہم

ڈاکٹروں، حکیموں ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

شوگر (ذیابطیس)

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں شوگر کیسے اور کیوں ہوتی ہے، شوگر صحت کے لئے سب سے سنگین خطرہ، ایکسپائر استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بڑھتی عمر، شوگر کیا ہے، ٹائپ ون شوگر، ٹائپ ٹو شوگر، بلڈ پریشر کا خطرہ، ہائی بلڈ شوگر کے مریضوں کی سرجری خطرناک ہو سکتی ہے، شوگر کی پیچیدگیوں سے کیسے نمٹا جائے، احتیاطی تدابیر، شوگر اور ڈپریشن کا تعلق، افسردہ اداس مائیں اور بچے، نارمل بلڈ شوگر کیا ہے، جانچ کب کروائیں، شوگر بڑھنے کے اسباب اور تدارک، موٹے افراد کا خوف، سگریٹ نوشی، وجوہات، شوگر سے محفوظ رہنے والی خواتین، انفیکشن، بچوں پر ماؤں کا اثر، پیشاب کی نالی میں انفیکشن، ذیابطیس کے مریضوں کے لئے خطرناک بیماریاں، ڈپریشن، شوگر کی علامات اور اس سے بچاؤ کے طریقے، دیسی و ڈاکٹری نسخے پڑھئے اس کتاب میں۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر غلہ منڈی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

لوگ اگر ان کو کچھ کہتے ہیں تو عامل لوگ ہمیں قابو کر لیتے ہیں اور اگر ہم قابو نہ آئیں تو ہمیں سزائیں دیتے ہیں ہمیں تنگ کرتے ہیں۔۔۔ آخر ہم جائیں تو جائیں کہاں'' احمد علی ان کی بات سمجھ گیا اور اس نے جنات سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی زمین کا کچھ حصہ اور یہ پہاڑ ان کے لئے وقف کردے گا۔

اور پھر اس نے اپنے والدین کو اعتماد میں لے کر اس وعدہ کو نبھایا اور ان جنات کو اپنا دوست بنالیا، جنات کے لئے وقف کی گئی زمین اور پہاڑیوں کے گرد کانٹے دار تار لگا کر اسے لوگوں کی آمد و رفت سے دور کردیا گیا، اسی زمین کے ایک طرف انڈر گراؤنڈ احمد علی کی لیبارٹری بھی سیف ہوگئی اب اسے ان جنات کے ہوتے ہوئے کوئی خطرہ نہ تھا۔

احمد علی ایک اہم فارمولے پر کام کرتے رہے، آخر ان کی محنت رنگ لائی اور احمد علی اپنے تجربہ میں کامیاب ہوگیا۔ نہ جانے کیسے اس فارمولے کا علم دشمن کو ہوگیا تو اس نے اس فارمولے کو چرانے کی کوشش کی جو کہ کامیاب نہ ہوسکی اور پھر دشمنوں نے ڈاکٹر احمد علی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا۔

مشتاق علی یعنی کہ میں اسی ڈاکٹر احمد علی کا بیٹا ہوں، میں اور میری بہن ہم دو ہی اولاد ہیں اپنے والدین کی، میرے ابو ڈاکٹر احمد علی نے ہم دونوں بہن بھائیوں کو اچھی تعلیم دلوائی میری بڑی بہن ڈاکٹر ہے اور میں انجینئرنگ کرکے کسی اچھی جاب کی تلاش میں ہوں، میرے ابو چاہتے ہیں کہ میں ان کا اسسٹنٹ بن جاؤں اور ان کے ساتھ ہی لیبارٹری میں کام کروں کیونکہ اللہ کا دیا بہت کچھ ہے تو مجھے جاب کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے لیکن میں ان سائنسی کاموں سے دور ہی رہنا چاہتا تھا میری بہن نائلہ دادا دادی کے پاس رہتی ہے اور میں اپنے امی ابو کے ساتھ۔

اس دن میں دادا دادی اور بہن سے ملنے کے لئے گاؤں جارہا تھا کہ بس میں بیٹھنے پر مجھے راستہ میں دادا ابو کی گاڑی نظر آئی جو کہ بس سے کچھ ہی فاصلے پر جارہی تھی اس کے آگے پانچ دس منٹ پر ہمارے گاؤں کو مڑنے والا راستہ تھا کار اور بس آگے پیچھے اس موڑ تک پہنچے میں موڑ سے پہلے ہی بس کے گیٹ پر پہنچا اور باہر لٹک کر کار کی طرف منہ کرکے آواز دینے ہی لگا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کار کے سامنے ایک موٹر سائیکل جس پر دو بدمعاش ٹائپ لڑکے سوار تھے کار کو روکے کھڑے تھے بس کے آہستہ ہوتے ہی میں نے چھلانگ لگا کر نیچے آگیا اور بھاگ کر کار تک پہنچا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر نائلہ کو دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا ان لڑکوں نے میری طرف طنزیہ انداز سے دیکھا اسی وقت میری آنکھوں کے سامنے ایک سرخ چادر سی تن گئی میں نے ان دونوں کو لات مار کر گرادیا پچھلے والا الٹ کر دور جا گرا جبکہ چلانے والا اپنی ایک ٹانگ موٹر سائیکل کے نیچے دے بیٹھا اس سے پہلے کہ وہ نکلتا میں نے دوسرے لڑکے کی زبردست پٹائی کی اس کے منہ سے خون نکلنے لگا اس کے بعد موٹر سائیکل چلانے والا لڑکا جس کی شلوار موٹر سائیکل کے کسی پرزہ میں بری طرح سے پھنس چکی تھی کی باری آئی نائلہ مجھے آوازیں دیتی رہی اور پھر گاڑی سے اتر کر مجھے پکڑنے کی کوشش کرنے لگی بس رک چکی تھی اس میں سے اترنے والوں نے مجھے قابو کرلیا تب ان لڑکوں کو بھاگنے کا موقع مل گیا لیکن وہ دونوں لڑکے میرے ذہن میں جیسے فٹ ہو چکے تھے۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی ان لڑکوں سے لڑنے کی اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو'' دادا دادی مجھ پر خفا ہورہے تھے ''مجھے کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ اور یہ میری ایک ہی پیاری سی بہن ہے اس کے لئے تو میں پوری دنیا سے لڑسکتا ہوں۔'' میں نے دادا دادی کے درمیان صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ جب دو دن بعد معاملہ ٹھنڈا ہوگیا تو میں نے نائلہ سے ان لڑکوں کے بارے میں پوچھا پہلے تو وہ ٹالنے لگی لیکن میری ضد دیکھ کر بتادیا کہ یہ دونوں آوارہ لڑکے اسے کب سے تنگ کررہے ہیں لیکن بھائی پلیز اب آپ ان سے الجھئے گا مت۔۔۔ ہوسکتا ہے اس مار سے وہ راہ راست پہ آجائیں اور آپ کا ڈر ان کے دل

میں بیٹھ جائے۔"

لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا بلکہ وہ دونوں اپنے زخم سہلا کر مجھ سے بدلہ لینے کا سوچنے لگے اور واپس آتے ہوئے ایک بازار میں مجھ سے بدتمیزی کرنے لگے میں اپنے غصہ کو بہت کنٹرول کرتا رہا لیکن لاتو کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے ہماری لڑائی ہوگئی، وہ دو تھے اور میں ایک انہوں نے مجھے مارا اور میں نے ان دونوں کو خوب مارا اور ان میں سے ایک کی ٹانگ توڑ دی۔

ہماری لڑائی میں ایک کار جو کہ ایک پولیس والے کی بیوی کی تھی ٹوٹ پھوٹ گئی ایک دو دکانوں کا نقصان ہوا ہنگامہ آرائی پر ہم تینوں ہی کو سزا ہوئی ان دونوں کو زیادہ ہوئی اور مجھے کچھ لوگوں کی گواہی پر کم ہوئی جن لوگوں نے دیکھا تھا کہ وہ دونوں مجھے تنگ کررہے تھے، میرے ابو نے میرے کیس میں کوئی دلچسپی نہ لی اگر وہ چاہتے تو مجھے سزا نہیں ہوسکتی تھی لیکن جیل میں اپنے اچھے چال چلن کی وجہ سے میں جیل سے جلدی رہا کردیا گیا۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر احمد علی چائے پی رہے تھے اس کے کچھ ہی دیر بعد ان کی وزیر دفاع سے اپنے فارم ہاؤس پر میٹنگ تھی اس میٹنگ کے بعد ڈاکٹر احمد علی وزیر دفاع کو اپنے ساتھ لے کر انڈر گراؤنڈ لیبارٹری میں جاتے۔

"ڈاکٹر احمد علی۔۔۔ ڈاکٹر احمد علی کے عین سامنے ایک سیکورٹی اہلکار ان پہ گن تانے کھڑا تھا۔"

"تم کیا سمجھتے ہو تمہارا فار مولا کامیاب ہوجائے گا یہ کبھی نہیں ہوگا۔۔۔" یہ کہہ کر اس سیکورٹی اہلکار نے گن سیدھی کی اور گولیاں چلادیں اس وقت تک وہ عجیب دہشت والا آدمی ادھر پہنچ چکا تھا گولیوں کی تڑتڑاہٹ ہوئی تو ضرور لیکن گولیاں ڈاکٹر احمد علی کے دائیں بائیں سے گزرتے ہوئے دیوار میں جا گلیں اس عجیب حلیہ کے آدمی نے جو کہ یقیناً آتشی مخلوق تھا اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو گولیاں چلانے والا ہوا میں الٹا لٹک گیا اور اس کے منہ سے چیخوں کا طوفان نکلنے لگا۔

میں بھاگتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا، میرے پیچھے ہی بہت سارے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی، جب میں ابو کے کمرہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ابو کرسی پر بیٹھے اطمینان سے چائے پی رہے ہیں اور ایک آدمی ہوا میں الٹا لٹکا ہوا ہے، میں اس کو حیرت سے دیکھتا ہوا ابو کے پاس چلا گیا تو وہ مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے۔

"مشتاق احمد۔۔۔" ان کے منہ سے نکلا ہی تھا کہ میں ان کے سینے سے لگ گیا اور میری آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے "ابو۔۔۔ ابو"

ابو میری پیٹھ پہ پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے "حوصلہ رکھو میں ٹھیک ہوں۔۔۔ تم جلدی سے اسے پکڑ کر کسی چیز سے باندھ دو"

میں نے فوراً ابو کی بات پر عمل کیا اور اس آدمی کو پکڑ کر اس کی شرٹ پیچھے کھینچ کر اس سے شکنجہ سا بنا کر بازو جکڑ دیئے ٹھیک اسی وقت کمانڈوز اور وہ لیڈی آفیسر وہاں آئی انہوں نے حیرت سے پکڑے جانے والے آدمی کو دیکھا "سر پلیز آپ اسے ہمارے حوالے کردیں۔۔۔" لیڈی آفیسر نے کہا تو دو کمانڈوز آگے بڑھے اور انہوں نے اس غدار کو قابو کرلیا جو کہ یقیناً دشمن کا ایجنٹ تھا۔

"سر آپ۔۔۔" لیڈی آفیسر نے ابو سے کچھ کہنا چاہا تو ابو نے بات کاٹ دی "میں ٹھیک ہوں۔۔۔ پلیز! آپ سب باہر جائیں اس آدمی کو لے کر۔۔۔ میں اپنے بیٹے سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

ابو نے مجھے اپنے پاس بیٹھالیا اور مجھے زمانے کی اونچ نیچ اور لوگوں سے ریلیشن شپ کے بارے ایسے بتانے لگے، ان باتوں کے دوران جب میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جسے دیکھتے ہی میں دہشت زدہ ہوگیا تھا تو ابو نے مجھے اپنی زندگی کے کچھ رازوں سے آگاہ کیا اور بولے "یہ سب میرے دوست ہیں" آئے دن میرے پاس آتے رہتے ہیں ان کا تعلق آتشی مخلوق سے ہے۔

شہربانو

محمد شعیب۔فیصل آباد

نوجوان چھت میں موجود پنکھے سے لٹکا پڑا تھا، اس کا پورا جسم بے جان ہوچکا تھا کہ پھر اچانک وہ نوجوان مجسم آہستہ آہستہ چھت سے نیچے کو آنے لگا اور پھر بڑی آہستگی سے بیڈ پر جیسے کسی نادیدہ قوت نے سے لٹادیا۔

کیا یہ حقیقت ہے کہ روحیں بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہوتی ہیں، دلکش اور دلفریب کہانی

آسمان کے تیور یکدم بدلنا شروع ہوگئے۔ کچھ دیر پہلے جہاں مہتاب اپنے پورے جوبن پر دیکھائی دے رہا تھا، بادلوں کا ایک غول نہ جانے کہاں سے وارد ہوگیا۔رات کی سیاہی کو بادلوں نے مزید گہرا کردیا۔ایسے میں ان کی کار فل اسپیڈ کے ساتھ سنسان سڑک پر گامزن تھی۔اردگرد بلندو بالا درخت رات کی تاریکی میں کسی گھناؤنے منظر کو پیش کررہے تھے اور سڑک پر رواں اس اکلوتی کار کو ایسے گھور رہے تھے جیسے ابھی کچا چبا جائیں گے۔مگر کار اپنی منزل پر رواں رہی۔ایسا لگ رہا تھا جیسے کار میں موجود مسافروں کا موسم کی شدت اور اس راستے کی وحشت سے کچھ سروکار نہیں۔انہیں تو بس اپنی منزل سے غرض تھی جس پر پہنچنے کے لئے وہ 120 کی لمٹ کو بھی کراس کر چکے تھے۔سڑک پر دھول رات کے اندھیرے میں اگرچہ نظر تو نہیں آئی مگر اس کی وحشت وہ موسم کے تیور دیکھ کر محسوس کرسکتے تھے۔بادلوں کی سیاہی جیسے ہی کچھ مزید گہری ہوئی تو ان کے اہنکار میں بھی اضافہ ہوگیا۔پورے جلال کے ساتھ گرجنے لگے۔آواز بھی ایسی ہولناک تھی کہ کانوں کی سماعت اچک لے جائے مگر ایک بار پھر یہ مسافر ان آوازوں سے انجان رہے۔کار کی سپیڈ مسلسل بڑھتی گئی۔سڑک کے کنارے زمین بوس ہوئے خزاں رسیدہ پتے یکے بعد دیگرے ہوا کے سنگ جھومتے اور کچھ دیر بعد خود بخود زمین بوس ہوجاتے۔

ایک پرانی حویلی دور سڑک کے کنارے دیکھائی دے رہی تھی۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حویلی ہی اس کار کے مسافروں کی منزل ہو۔تبھی کار چلانے والے کی آنکھیں اس حویلی پر مرکوز تھیں۔کار کی فلیش لائٹ اگرچہ چند ثانیے کے لئے کالی رات میں روشنی کی نوید لے کر آتی مگر کار کے آگے جاتے ہی وہی تاریکی ایک بار پھر اس راستے کا مقدر بن جاتی۔بادلوں کی گرج میں اضافہ ہوتا گیا۔حویلی اور کار کا فاصلہ گھٹتا گیا۔تبھی ایک پتھر راستے میں نہ جانے کہاں سے سڑک پر آموجود ہوا اور ایک لائن میں تیز چلتی کار اپنے راستے سے ایک ثانیے کے لئے ہٹ گئی۔مسافروں کو ایک زوردھچکہ لگا۔

"سنبھال کر۔۔۔" ایک آواز کار کی کھڑکیوں کو چیرتی ہوئی سیاہ رات میں داخل ہوئی تو جیسے اردگرد کے ماحول میں جان آگئی۔کئی ثانیے یہی آواز گونجتی رہی۔اس گونج نے جیسے برسوں کی تشنگی بجھادی ہو۔حویلی جو دور سے ہی اندھیرے کا شکار تھی، نہ جانے آواز میں کیا تاثر تھا، روشن ہوگئی۔دور سے ہر کمرہ روشن دیکھائی دینے لگا۔اس حویلی کی سیاہی چھٹنا شروع ہوگئی مگر بادلوں کی گرج میں کمی

نہ آئی۔ یوند یوند کر کے پانی کار کے شیشوں سے دھول کو دور کرتا رہا اور راستہ مزید ہموار ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے راستے کی رکاوٹیں ہٹائی جا رہی ہوں۔ اندھیروں کو روشنی کا لبادہ پہنا کر منزل کو قریب کیا جا رہا ہو مگر وہ ان سب سے انجان حویلی کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ برکھا رت میں تیزی آ گئی۔ ہارن پر ہارن بجانے کی بعد ایک چوکیدار اپنے کوارٹر سے بھاگتا ہوا گیٹ کی طرف آیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک چھتری تھی جو ہوا کے سنگ جھومنا چاہتی تھی مگر وہ اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔

"رحمو بابا۔۔۔ جلدی سے گیٹ کھولو۔۔۔" جیسے ہی وہ چوکیدار ڈرائیونگ سیٹ کی جانب شیشے کی طرف جھکا تو اندر سے آواز آئی۔ چہرہ اگرچہ ابھی بھی سیاہی میں گم تھا مگر وہ آواز کو پہنچانتا تھا۔ اسی لئے بنا پوچھ تاچھ کئے لوہے کا دیو ہیکل گیٹ کھولنے لگا۔ گیٹ کی چرچراہٹ بادلوں کی گرج میں بھی اپنا مقام بنائے ہوئے تھی۔ جوں جوں گیٹ کھلتا جا رہا تھا کسی کے دل میں واپسی کی امید بند ہوتی جا رہی تھی۔

"آیئے۔۔۔ شہیر۔۔۔ آیئے۔۔۔" ایک وحشت ناک آواز حویلی کو اپنے حصار میں لے گئی مگر کوئی اس آواز کو نہ سن پایا سوائے ایک وجود کے۔ جس نے اس آواز کو سننا چاہا مگر اس آواز میں موجود کرب اتنا گہرا تھا کہ وہ چاہ کر بھی ان لفظوں کا مطلب سمجھ نہ سکا۔ گردن جھٹکتے ہوئے اس نے ان آوازوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ رحمو بابا اب گیٹ کو مکمل طور پر کھول چکے تھے اور کار اب گیراج کی طرف گامزن تھی۔ گیراج میں پہنچتے ہی فلیش لائیٹ آف کر دی گئیں۔ جس سے ماحول میں اندھیرا چھا گیا۔ حویلی میں بھی موجود تمام لائٹیں بجھا دی گئیں۔ ہر سو پر اندھیرا چھانے لگا۔

"کیا ہے یہاں بھی لائیٹ جاتی ہے کیا؟" ایک سترہ سالہ لڑکی گردن جھٹکتے ہوئے پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکلی۔

"بیٹا! اس علاقے میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے ہی موسم بدلتا ہے، لائیٹ کا آنا جانا لگا ہی رہتا ہے۔" رحمو بابا گیٹ کو دوبارہ بند کر کے گیراج میں آ چکے تھے اور ڈگی میں سے سامان نکالنے کی غرض سے آگے بڑھے۔

"اوہ شٹ۔۔۔!!! اس کا مطلب ہے یہ شادی اندھیرے میں ہی ہو گی۔۔۔" عین اس کے پیچھے پیچھے دس سالہ بچہ بھی کار سے باہر نکلا۔

"لمبا زیادہ ناک منہ چڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ تم دونوں دادا جان اور دادی جان کے ساتھ آ جانا مگر تم دونوں کو ہی شوق چڑھا تھا کہ چاچو کے ساتھ جائیں گے۔۔۔" ان کو ڈانٹتے ہوئے نرگس جنید بھی پچھلی سیٹ سے باہر نکلی اور دروازہ بند کر دیا۔

"بھابھی ان کی تو عادت ہے۔۔۔ چھوڑیے۔۔۔" دوسرے دروازے سے اترنے کے بعد مہناز نے عاصم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بچے۔۔۔ اور یہ۔۔۔ یہ سترہ سال کی تمہیں کس اینگل سے بچی لگتی ہے؟" نرگس جنید کی بات پر حیا نے منہ بسورلیا۔

"اب زیادہ منہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ ورنہ ماما کا پتا ہے ناں۔۔۔" مہناز نے حیا کو سمجھایا تو وہ کسی قدر بات کو سمجھ گئی اور حویلی پر ایک سرسری نگاہ دوڑائی جو اندھیرے میں بری طرح جکڑی ہوئی تھی۔

"کتنا امیزنگ ہے۔۔۔" بجلی کی چمک جیسے ہی حویلی کی چار دیواری پر پڑی تو اس کا ایک ایک پہلو واضح ہوا۔ رات کے اندھیرے میں اس کی دیواریں بھی سیاہ ہی نظر آئیں۔ وہ صحیح سے اس کی دیواروں کا اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔

"کس اینگل سے امیزنگ ہے یہ۔۔۔ مجھے تو کوئی Horror place لگ رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے اُس۔۔۔" عاصم نے سامنے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"کھڑکی سے ابھی ایک چڑیل باہر نکل کر آئے گی اور ہمیں کھا جائے گی۔۔۔" عاصم کے بناوٹی انداز کو دیکھ کر حیا اور مہناز بھی ہنس پڑیں جبکہ نرگس جنید ابھی تک خاموش تھی۔

"اب آپ دونوں بھائیوں نے کیا کار میں ہی رات بسر کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے؟" اس بار غصے کا نشانہ بننے کی باری جنید اور یاسر کی تھی۔

''لگتا ہے بھابھی کو کچھ زیادہ ہی غصہ آیا ہوا ہے۔۔'' نرگس جنید کی بات سنتے ہی یاسر نے جنید کے کان میں سرگوشی کی۔

''یہ بات ابھی تمہاری بھابھی کو بتاؤں؟'' اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

''نہیں۔۔ بھائی۔۔ ایسا ظلم تو نہ کریں۔۔ کیوں اس خوفناک رات میں اپنے چھوٹے بھائی کے سر پر سہرے کی بجائے کفن پہنانے کا ارادہ ہے؟'' جیسے ہی جنید نے نرگس کو بلانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو یاسر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنی ہنسی کو بمشکل روکتے ہوئے کہا۔

''یاسر۔۔۔!!'' ایک بار پھر کرخت آواز آئی۔

''آیا بھابھی۔۔'' دوبارہ نرگس کی آواز سننے کے بعد وہ بوکھلا گیا اور ہڑبڑاتے ہوئے کار کا فرنٹ دروازہ کھولا اور پہلا قدم باہر رکھا۔ زمین پر قدم رکھنے کی دیر تھی کہ بادل زوروں سے گرجا اور ہوا اس کا رخ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ سب کے بال اپنی جگہ پر ایسے جمے ہوئے تھے جیسے موسم کی سختی ان پر اثر ہی نہ کر رہی ہو مگر یاسر کی ٹی شرٹ اور زلفیں ہوا میں ایسے مست ہونے لگیں جیسے وہ ابھی ان کو اپنے سنگ لے جائیں گی۔ کانوں میں ایک عجیب سا ساز گونجنے لگا۔ زمین پر قدم رکھتے ہوئے جو کسک اس کے چہرے پر تھی یکدم کہیں غائب ہوگئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسے کوئی بلا رہا ہو۔ آنکھوں کے آگے سب چہرے مبہم ہوگئے۔ شوخ پن کی جگہ سنجیدگی نے لے لی۔ اپنی نظر اس نے حویلی پر دوڑائی تو جیسے کچھ جانی پہچانی لگی۔ ایسا لگا جیسے وہ اس جگہ کو پہلے بھی دیکھ چکا ہو۔ یہاں کی آب و ہوا میں ایک عجیب سی اپنائیت محسوس ہوئی۔ آنکھوں کے آگے کئی عکس رقص کرتے دکھائی دیئے۔ وہ یک ٹک انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک عجیب سی شاطرانہ ہنسی انہی عکس کے ساتھ سنائی دے رہی تھی۔

''کیا ہوا چاچو؟'' عاصم نے یاسر کا ہاتھ پکڑا تو جیسے اُس نے حقیقت میں قدم رکھا۔

''کچھ بھی تو نہیں۔۔۔'' اپنے خیالوں کو جھٹک کر وہ عاصم کی طرف متوجہ ہوا۔

''اگر کچھ نہیں ہوا تو جلدی سے رحمو بابا کے ساتھ سامان اٹھا کر حویلی میں لاؤ۔۔۔'' یہ کہہ کر مہناز نرگس اور حیا حویلی کی طرف بڑھیں۔ یاسر نے استفہامیہ انداز میں جنید کی طرف دیکھا جو ابھی تک ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا تو اس نے کندھے اچکاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

''چل میرے ٹارزن۔۔۔!!'' عاصم کا ہاتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس نے رحمو بابا سے دو بیگ تھامے اور حویلی کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ دیکھنے میں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے صدیوں پرانا ہو۔ رات کی تاریکی گرچہ اپنا غضب ڈھا رہی تھی مگر بجلی کی چمک سے چند لمحوں کے لئے راستے میں رکاوٹ بنے پتے ایک لمحے کے لئے آویزاں ہو جاتے اور پھر بجلی کے لوٹتے ہی سیاہی میں نہا جاتے۔ اس نے اپنا قدم بڑھایا۔ بجلی ایک بار پھر چمکی۔ عاصم نے ڈر کے مارے یاسر کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دوسرا قدم اٹھایا تو کانوں کی سماعت کو اچک لینے والی آواز دلوں میں وحشت کا سامان پیدا کرنے زمین پر آموجود ہوئی۔ اوپری منزل کے کمرے کی غالباً ایک کھڑکی کھلی تھی، تبھی اس کے کھڑکھڑانے کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ اندر سے سیاہی نیچے سے ہی دیکھی جا سکتی تھی۔ حویلی کا اندرونی دروازہ تین سٹیپ اونچا تھا۔ یاسر نے اوپر نگاہ دوڑائی تو سب کچھ واضح ہوگیا۔ وہ اندھیرے میں بھی اس دروازے کے نقش و نگار واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔ کسی پرانے کارپینٹر کی مہارت واقعی داد دینے کے قابل تھی۔

''کتنا پرانا ہو سکتا ہے یہ؟'' اس نے سوچا۔۔۔ سو سال۔۔۔ دو سو سال۔۔۔ نہیں یہ شاید اس سے بھی پرانا تھا، اس نے اپنے خیالوں کو خود ہی جھٹک دیا۔ یہ دروازہ تو شاید اس سے بھی کہیں زیادہ پرانا تھا۔ تبھی اس کی موٹائی ایک فٹ سے بھی زیادہ تھی۔ وہ تجسس میں تھا تبھی پیچھے سے کسی نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا تو وہ بری طرح چونکا۔ ہاتھ سے بیگ نیچے گر گیا۔

''سنبھال کر یار۔۔۔'' جنید نے گرتے بیگ کو سنبھالا تو یاسر کے چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

''چلیں اب اندر۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو، تمہاری

بھابھی ہمیں اس طوفانی رات میں اندر ہی نہ گھسنے دے۔۔۔" جنید نے پھلجھڑی چھوڑی۔

"یہ تو آپ نے بالکل درست فرمایا بھائی جان۔۔۔ لیکن آپ نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، اس کے بدلے اگر آپ واحد کا صیغہ استعمال کرتے تو زیادہ بہتر رہتا۔۔۔" بڑی ہی حاضر دماغی سے یاسر نے جواب دیا تو جنید نے ایک قہقہہ لگایا۔

"اب اندر آنے کا ارادہ نہیں ہے؟" نرگس کی آواز شاید بادلوں کی گرج سے زیادہ وحشت ناک تھی تبھی جنید کے ہاتھوں سے بیگ گرنے لگا۔

"کیا کہا تھا۔۔۔" ہنستے ہوئے یاسر نے کہا اور حویلی کے اندر قدم رکھا تو بجھے دیئے یکدم روشن ہوگئے۔ جہاں کچھ دیر پہلے تاریکی کا بسیرا تھا، روشنی کے جھرمٹ خود بخود روشن ہوگئے۔ دیواروں کے ساتھ لگی مشعلیں روشن کردی گئیں۔ دوسرا قدم رکھا تو ساری لائٹیں خود بخود آن ہوگئیں۔

"چاچو۔۔۔ آپ پہلے ہی آجاتے اندر۔۔۔ آپ کے آنے سے دیکھا کیسے لائیٹ آگئی۔" حیا نے کہا تو یاسر بھی سوچنے پر مجبور ہوگیا۔ اس نے ایک نظر سامنے دوڑائی تو ایک بڑا سا ہال پایا۔ درمیان میں صوفے رکھے تھے، جنہیں سفید کپڑے سے ڈھانپا گیا، اس کے دائیں اور بائیں زینے تھے جو اوپری منزل کی طرف جاتے تھے۔ دائیں طرف کے زینے سے دس قدم کے فاصلے پر ایک دروازہ تھا، شاید کچن کا دروازہ تھا کیونکہ اس کے دروازے پر چھری کانٹے کے ابھرے ہوئے نشان تھے۔ اس دروازے کے سامنے ہی چند قدموں پر ایک بڑی سی ڈائننگ ٹیبل تھی۔ جس کے ارد گرد کئی کرسیاں ایسے سجی تھیں جیسے کسی کی دعوت کی گئی ہو۔ ذرا بھی گرد آویزاں نہیں تھی۔ بائیں طرف نظر دوڑائی تو ایک بند کمرہ پایا۔ جسے دیکھ کر اسٹور کا گمان ہو رہا تھا۔ پوری حویلی میں کہیں دھول نہ تھی، سوائے اس کمرے کے دروازے پر۔ مکڑی کے جالے پورے دروازے کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھے۔ یاسر کے دل میں نہ جانے کیوں اس اسٹور کو اندر سے دیکھنے کی تمنا جاگی، اس کے قدم خود بخود اس اسٹور کی طرف بڑھنے لگے۔

"کہاں جارہے ہیں یاسر صاحب؟" رحموبابا نے یاسر کو اسٹور کی طرف بڑھتے دیکھا تو یک دم ٹوک دیا۔

"یہ اسٹور۔۔۔!!" اس نے بے یقینی کے ساتھ جواب دیا۔

"اس دروازے کو کھولنے کا سوچیے گا بھی نہیں۔۔۔ یہ دروازہ صدیوں سے بند ہے اور ہمیشہ بند رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔۔۔" اس نے جیسے سرگوشی والے لہجے میں کہا تھا۔ یہ سن کر عاصم اور حیا میں ایک تجسس نے جنم لیا۔ یاسر کے چہرے پر ایک حیرت کے تاثرات نے جنم لیا مگر نرگس جنید وہ کہاں ایسی باتوں پر یقین کرنے والی تھیں۔

"رحموبابا۔۔۔ ایسی ماورائی باتیں ہمارے سامنے مت کیجیے۔۔۔ اور جا کر یہ تمام سامان کمرے میں رکھوا دیجیے۔۔۔" نرگس نے یہاں بھی حکم صادر فرمادیا۔ مہناز کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ یاسر بچوں کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔

"تو بچو کیسی لگی؟ چاچو کی چوائس؟ اچھی ہے ناں۔۔۔" اس نے اپنے سوال میں ہی جواب بتادیا، حیا نے پرجوش انداز میں اثبات میں گردن ہلائی۔

"اچھی ہی نہیں چاچو۔۔۔ پرفیکٹ اینڈ امیزنگ۔۔۔ بلکہ آؤٹ اسٹینڈنگ ہے" عاصم نے ایک زوردار تالی یاسر کے ہاتھوں پر دی تو ایک زوردار قہقہہ اس حویلی میں گونجا جو جلد ہی نرگس جنید کی نظروں کی تابناکی کی نظر ہوگیا۔

"اب سب اپنے اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔۔۔ رات کافی ہوگئی ہے، اگر کسی نے ڈنر کرنا ہے تو بتادو۔۔۔ ابھی ٹفن کھول کر گرم کردیتی ہوں۔" نرگس نے کہا تو مہناز نے نفی میں سر ہلادیا۔ بچوں نے بھی کھانے سے منع کردیا۔ جنید بھی نفی میں سر ہلاتا ہوا اسٹور کے ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ پھر جا کر سب اپنے اپنے کمرے میں آرام کرو۔۔۔ اور یاد رہے صبح جلدی اٹھنا ہے" نرگس نے کہا۔

"لیکن میرا کمرہ کون سا ہے؟" عاصم نے منہ

بگاڑ کر کہا۔

"اور میرا؟" حیا نے بھی بات کو جاری رکھا۔

"اتنی بڑی حویلی ہے، تمہیں کوئی نہ کوئی کمرہ تو مل ہی جائے گا۔ اب زیادہ ہلا گلا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ یاد ہے ناں اپنا پراس۔۔۔" نرگس نے سخت لہجے میں تنبیہ کی۔ حیا منہ بسوڑ کر کچھ بڑبڑائی۔ یاسر زینے کی طرف بڑھنے لگا تو عاصم بھی اس کے پیچھے ہولیا۔

"چاچو۔۔۔ اوپر میرا کمرہ ہوگا۔"

"جیسے میرا ٹارزن چاہے۔" اس کو گود میں اٹھا کر رخسار کو چوما۔

"جی نہیں۔۔۔ اوپر کی منزل پر میرا کمرہ ہوگا۔" حیا نے جھٹ کمپنی جوائن کی تو عاصم نے منہ بگاڑ کر یاسر کی طرف دیکھا۔

"دیکھو۔۔۔ پہلے تم دونوں اپنے اپنے کمرے پسند کرلینا، جو بچ گیا۔ وہ میرا کمرہ ہوگا۔ ٹھیک ہے اب۔" یاسر نے بحث کو ختم کی تو دونوں خوش ہوگئے۔ نرگس جنید گردن جھٹک کر جنید کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلی گئی۔ مہتاز بھی ان کے سامنے والے کمرے میں چلی گئی۔ اب یہ تینوں بالائی منزل پر تھے۔ وہاں تین کمرے تھے۔ دو ایک طرف جبکہ ایک مخالف سمت میں۔ تینوں کی نظریں مخالف سمت کے کمرے پر جاکر ٹھہر گئی۔ عجیب سا پراسرار دروازہ۔ سات فٹ چوڑا ایک دیوہیکل دروازہ جس پر پرانے فرسودہ قسم کے نقش ونگار تھے۔

"واؤ۔۔۔ امیزنگ۔۔۔ یہ میرا کمرہ ہے۔"

دونوں ایک ساتھ بولے۔ ایک بار پھر بحث چھڑ گئی۔ یاسر نے بحث کو ختم کروانے کی کوشش نہ کی وہ خود اس کمرے کی پراسرار کشش میں کھویا ہوا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کمرہ اسے اپنی طرف بلا رہا ہو۔

"آیئے۔۔۔ شہیر۔۔۔ آیئے۔" ایک آواز تھی جو مسلسل کمرے سے آرہی تھی۔ بلا کی تاثیر اپنے اندر سمیٹے ہوئے وہ کمرہ اسے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ اس کے قدم خودبخود اس کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔ آنکھیں یک ٹک دروازے کی طرف مرکوز تھیں۔

"چاچو۔۔۔ دیکھیں ناں اسے۔۔۔ یہ میرا کمرہ ہے۔" عاصم نے منہ بگاڑ کر یاسر کا ہاتھ پکڑا تو جیسے وہ اس انجانی سی قوت کے شکنجے سے نکل گیا۔ اس نے بچوں کی طرف دیکھا جو ابھی تک جھگڑا کررہے تھے۔

"یہ میرا کمرہ ہے۔ مجھے پسند آیا ہے۔" حیا نے سپاٹ لہجے میں کہا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔

"جی نہیں یہ میرا کمرہ ہے۔۔۔ میں ہی اس کمرے میں رہوں گا۔۔۔" وہ بھی آگے بڑھا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا جبکہ یاسر ان کو دیکھ کے مسکرائے جارہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح دونوں ایک ہی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ کوئی بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

"اف۔۔۔" دونوں ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے دروازہ کھولنے کی کوشش کررہے تھے مگر دروازہ تھا کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ شاید بری طرح جام ہوچکا تھا یا پھر اسے لاک لگا تھا۔ دونوں پانچ منٹ تک اسے کھولنے کی کوشش کرتے رہے مگر وہ نہ کھلا۔

"دیکھا۔ تم دونوں کے جھگڑے سے یہ دروازہ بھی تنگ آچکا ہے۔۔۔ کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔۔۔" یاسر نے دونوں کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔

"چاچو۔۔۔ پلیز۔۔۔ آپ کھولیں۔۔۔" عاصم نے پیشکش کی تو حیا بھی پیچھے ہٹ گئی۔ ایک ثانیے کے لئے وہ رکا اور پھر آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا مگر ابھی ہاتھ دروازے سے مس بھی نہ ہوا تھا کہ دروازہ خودبخود کھلنے لگا۔ یہ دیکھ کر یاسر کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ آنکھیں برجستہ اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہی تھیں جو دروازے سے چند انچ کے فاصلے پر تھا۔ دروازہ خودبخود کھلتا جارہا تھا۔ چرچراہٹ کی آواز سے اس کی سانسیں ایسے چھلنی ہورہی تھیں جیسے ریشمی کپڑے کو کانٹوں میں الجھا کر بری طرح کھینچا جارہا ہو۔ سرد ہوا کا جھونکا دروازہ کھلتے ہی اس کے رخسار پر طمانچہ مار کر کہیں غائب ہوگیا۔ اس کا وجود یک دم ٹھنڈا پڑنے لگا۔ کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

"کتنا اندھیرا ہے؟" حیا کھانستے ہوئے آگے بڑھی۔ اندر سے گرد کا ایک بھنور اٹھا اور راہداری کی طرف بڑھا۔ آنکھیں بھی ایک لمحے کے لئے چندھیا سی گئیں مگر یاسر ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ کھلی آنکھوں سے اس اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا۔

"لائیٹ کا سوئچ کہاں ہے؟" عاصم بھی کھانستے ہوئے آگے بڑھا۔

"دائیں جانب، تین قدم کے فاصلے پر۔۔۔" یاسر کے لب ہلے تو عاصم نے پیروی کی۔ وہاں واقعی ایک سوئچ تھا۔ اس نے بٹن آن کیا تو کمرہ روشن ہوگیا۔ دونوں بچوں کی آنکھیں ایک بار پھر چندھیا گئیں۔ سورج کی سی شعاعیں کمرے میں پھیل گئیں مگر یاسر نے پلکیں تک نہ جھپکیں۔ وہ محوِ حیرت سے کمرے کے نقش و نگار کو دیکھ رہا تھا۔ کمرے کے عین وسط میں ایک گول بیڈ۔ جس پر سیاہ چادر بچھائی ہوئی تھی۔ چاروں اطراف ایک سفید جالی اس بیڈ کا احاطہ کیے ہوئی تھی۔ گلاب کی سی مہک پورے کمرے کو اپنے سحر میں جکڑے ہوئے تھی۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا تو جیسے مہک میں تیزی آگئی۔ مدہوش آنکھوں سے وہ دوسری چیزوں کو بغور دیکھنے لگا۔ دائیں طرف ایک الماری۔۔۔ ایک انجانا سا احساس اس کی آنکھوں کے راستے جسم میں اترنے لگا۔ آگے بڑھ کر الماری کو چھوا تو جیسے کئی آوازیں دل و جاں کا حصہ بننے لگیں۔

"شہیر۔۔۔ شہیر۔۔۔" آواز واضح سنائی دی۔ وہ دفعتہً پلٹا مگر پکارنے والا موجود نہ تھا۔ اس کا ٹھنڈا لوجود یک دم کپکپانے لگا۔ آنکھوں کے پپوٹے بھی سردی سے نیلے دکھائی دینے لگے۔ ہونٹ بھی نیلے پڑ گئے۔

"چاچو۔۔۔" حیا نے یاسر کے بازو کو اپنے داہنے ہاتھ سے چھوا تو جیسے اس کا ہاتھ سن ہوگیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے کسی برفیلے ٹیلے کو جنوری کی سرد راتوں میں چھوا ہو۔ ہاتھ یک دم نیلے پڑ گئے مگر اس کا لمس یاسر کو حال میں لے آیا۔ ٹمپریچر یک دم نارمل ہوگیا۔ نیلاہٹ غائب ہوگئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا اور اپنے آپ کو کمرے کے اندر دیکھ کر قدرے حیرت کا شکار ہوا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ باہر کھڑا تھا اور بچے آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اب دفعتہً کمرے کے اندر۔۔۔ وہ حیرت کا شکار تھا مگر اس حیرت کو اپنے تک محدود رکھا اور بچوں پر آشکار نہ ہونے دیا۔

"یہی تو میں آپ سے پوچھ رہی ہوں کہ آپ اتنے ٹھنڈے؟ خیریت تو ہے ناں۔۔۔" حیا کی بات پر اس نے اپنے آپ کو چھوا تو اسے نارمل لگا مگر وہ ابھی بھی اپنی سانسوں کو سرد محسوس کرسکتا تھا۔

"بھئی ۔۔۔ میں تو لگا سونے۔۔۔ اب آپ دونوں اپنے اپنے کمرے کا انتظام کرلو۔۔۔" اس سے پہلے کہ یاسر جواب دیتا۔ عاصم مخل ہوا۔ پلٹ کر دیکھا تو بیڈ پر دراز تھا۔ حیا منہ بسور کر آگے بڑھی اور اس کے پاؤں کھینچ کر نیچے اتارنے کی کوشش کی تو وہ چلایا۔

"حیا۔۔۔ رہنے دو۔۔۔ تم بڑی ہو۔۔۔ ایک دو دن میں شوق پورا ہوجائے گا، پھر تم اس کمرے میں رہ لینا۔۔۔" یاسر نے سمجھایا تو چاروناچار اسے سمجھوتہ کرنا پڑا۔ عاصم کو برا بھلا کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔ اب عاصم کمرے میں اکیلا تھا اور سونے کی کوشش کررہا تھا مگر یہ کمرہ اسے سونے نہیں دے رہا تھا۔ وہ اپنے اندر کسی اور وجود کو سمانا چاہتا تھا۔ عاصم کروٹیں بدلتا رہا مگر نیند ندارد۔ دفعتہً اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کمرے کی بالکونی پر ایک پرچھائی دیکھی۔ وہ اس پرچھائی کو دیکھ کر بری طرح سہم گیا اور اپنا چہرہ لحاف میں گھسالیا۔ کئی لمحے وہ اسی طرف لیٹا رہا تبھی اس کی آنکھ لگ گئی۔ لیکن اس کمرے نے خوابوں کی دنیا میں بھی اسے اکیلا نہ چھوڑا۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ اگلے ہی لمحے سب اس کے کمرے میں موجود تھے۔

"عاصم۔۔۔ کیا ہوا؟" سب سے پہلے یاسر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے عاصم کی طرف دیکھا جو بری طرح سہما ہوا تھا۔ اس کا جسم کپکپا رہا تھا۔

"عاصم تم چیخے۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔۔۔" نرگس جنید اور جنید بھی کمرے میں آموجود ہوئے۔ نرگس جنید اس کے سرہانے آبیٹھی۔ اس کا سر اپنی

ستا کی چھاؤں میں لیا اور اس کی پشت کو ہلکا سا تھپتھپایا۔

"کیا ہوا میری جان؟" نرگس جتنی سخت تھی، بچوں کو سہما ہوا دیکھ کر اتنی جلدی پگھل جاتی تھی۔ نرم لہجے میں پوچھا تو عاصم نے کچھ یوں کہا۔

"ماما۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔۔۔ مجھے آپ کے ساتھ سونا ہے۔۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے نرگس جنید کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

"عاصم۔۔۔ ڈر کیسا؟ سامنے آپی اور چاچو کا کمرہ ہے تو سہی۔۔۔" جنید اب اس کے سامنے بیٹھا اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"پاپا۔۔۔ میں نے آپ کے پاس سونا ہے۔۔۔" وہ جھٹ اٹھا اور جنید کے گلے لگ گیا۔ جنید نے حیرت سے اس کے بالوں کو سہلایا۔ حیا اور یاسر ابھی تک شش و پنج کا شکار تھے۔ بھلا اتنا بہادر بننے والا بچہ یک دم کیسے ڈر گیا؟

"لگتا ہے نئی جگہ خود کو ایڈجسٹ نہیں کر پایا۔۔۔" جنید نے خود ہی اخذ کیا تو نرگس جنید نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب جنید کھڑا ہوا تو عاصم اس کے ساتھ ہی لپٹ گیا۔

"اس کا مطلب اب یہ کمرہ میرا ہوا۔۔۔!!" حیا پرجوش انداز میں بولی تو یاسر نے ہنسی کو دبانے کی کوشش کی اور ساتھ ہی شانے اچکاتے ہوئے باہر کی طرف چل دیا۔ کچھ دیر تک سب کمرے سے جا چکے تھے۔ حیا نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور چھلانگ لگاتے ہوئے دراز ہو گئی۔

"تو پھر یہ کمرہ اب میرا ہوا۔۔۔" اس نے آنکھیں بند کیں تو جیسے چھت اس پر آن گری۔ برجستہ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو چھت اب بھی اپنی جگہ پر تھی۔ اس نے اپنی پیشانی کو چھوا تو پسینے کی بوندیں بہتی جا رہی تھیں۔ اس نے بغور کمرے کی دیواروں کو دیکھا تو دیواروں کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ ہر شے تاریک ہوتی دیکھائی دی۔ وہ جھٹ اٹھ بیٹھی اور تھوک نگلنے کی کوشش کی تو نگلا نہ گیا۔ ایک ہی لمحے میں وہ پسینے سے شرابور ہو گئی۔

"چلی جاؤ اس کمرے سے۔۔۔" کسی نے اس کے دائیں کان میں سرگوشی کی۔ اس نے جھٹ دائیں طرف دیکھا مگر وہاں کوئی نہ دیکھا۔ ہاں۔۔۔ ایک آئینہ تھا۔ جس پر خاک کی ایک تہہ جمی تھی۔ کچھ دیر پہلے تو وہ بالکل صاف تھا۔ اس نے خود اپنا عکس دیکھا تھا۔ بہرحال وہ اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کھڑی ہوئی تو اس کا پاؤں لڑکھڑایا۔ قریب تھا کہ وہ گر جاتی لیکن اپنے آپ کو سنبھالا اور ڈھیلے قدموں کے ساتھ آگے بڑھی۔

"کک کون ہے؟" اس نے دھیرے سے پوچھا مگر کوئی جواب نہ آیا۔ چہرے پر خوف کے آثار تھے مگر وہ آگے بڑھتی گئی۔ پہلی بار اسے اکیلے کمرے سے وحشت ہو رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ ابھی بھاگ کر کمرے سے نکل جائے مگر نہ جانے کیوں وہ ایسا نہیں کر رہی تھی۔ وہ اس آواز کے ماخذ کو دیکھنا چاہتی تھی۔ اب وہ آئینے کے بالکل قریب تھی مگر مٹی کی ایک تہہ اب بھی سب کچھ دھندلا کیے ہوئے تھی۔

"کک کون ہے؟" اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے مٹی کو صاف کیا تو اپنے ہی عکس کو وہاں موجود پایا۔

"اففف۔۔۔ میں ایسے ہی ڈر گئی۔۔۔" اپنا وہم سمجھ کر وہ پلٹی ہی تھی کہ وہی آواز ایک بار پھر اس کی سماعت میں گونجی تو وہ جھماکے سے پلٹی، آنکھیں تو جیسے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے چیخنا چاہا مگر آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ ہاتھ آگے بڑھانا چاہا مگر روح نے ساتھ نہیں دیا۔ وہیں گر کر بے ہوش ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز تک سب رات پیش آنے والے واقعہ کو بھول چکے تھے۔ خود حیا بھی بھلا چکی تھی۔ دس بجے کے قریب سب کچن کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر جمع تھے۔ یاسر نے کریمی رنگ کا کرتا پاجامہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ وہ اپنی آستینیں چڑھاتا ہوا ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھا۔ نرگس جنید نے سب کے اٹھنے سے پہلے ہی ناشتہ تیار کر لیا تھا۔ اب بس تھرماس کو کچن سے لانا باقی تھا۔ حیا اور مہناز بھی نرگس جنید کی مدد کرنے کے بعد کھانے کے لئے بیٹھ چکی تھیں۔ اب سب خاموشی سے ناشتے میں مصروف تھے کہ باہر ایک ہارن کی آواز سنائی دی۔ عاصم ناشتہ چھوڑ کر باہر کی

طرف دوڑا۔ نرگس جنید نے اسے ٹوکا کہ پہلے ناشتہ تو کر لے مگر اُس نے ایک نہ سنی۔ وہ دوڑتا ہوا باہر دروازے کی طرف گیا۔ وہاں تاج دین ملک اور فرحت تاج دین ایک بیگ تھامے دہلیز پار کررہے تھے۔

"دادا جان۔۔۔ دادی جان۔۔" عاصم نے فرحت اشتیاق سے کہا تو تاج دین ملک بیگ کو وہی دہلیز پر رکھا اور پیار سے اس کو گلے لگایا۔ فرحت تاج دین نے اسے پیار کیا۔ اتنے میں سب وہاں لاؤنج میں جمع ہوگئے اور سفر کے بارے میں پوچھنے لگے۔

"اللہ کا شکر ہے سفر بخیریت گزرا۔ ہاں بس تھوڑی سی تھکاوٹ ضرور ہوئی، جو کہ آرام کرنے سے دور ہوجائے گی۔۔" فرحت تاج دین نے کہا۔ اتنے میں مہناز دونوں کے لئے گرم گرم چائے لے آئی۔

"تم سناؤ۔۔۔۔ رات کیسی گزری، اس حویلی میں۔۔۔ اپنی من چاہی جگہ پر آنے کے بعد اب تو خوش ہوناں۔۔۔!!" تاج دین کا اشارہ یاسر کی طرف تھا۔ اسے ہی کسی ایسی جگہ پر اپنی شادی کروانے کا شوق تھا جو کہ شہر سے دور کسی پرسکون جگہ پر ہو۔ وہ اپنی شادی کسی پرانے بادشاہوں کی طرح کسی محل میں کروانا چاہتا تھا۔ اسی سلسلے میں اس نے اپنے دوستوں سے پرانی حویلیوں کے بارے میں دریافت کرنا شروع کردیا۔ تب اسے اس حویلی کے بارے میں علم ہوا جو کہ شہر سے کوسوں دور جنگل سے گھری ہوئی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ یہ حویلی دو ہزار سال پرانی ہے۔ اس کے بارے میں کئی قصے اپنے دوستوں سے سنے مگر ان میں سے ایک قصہ بھی اپنے گھر والوں کو نہ بتایا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر ایک جھلک بھی گھر والوں کے سامنے آگئی تو وہ کبھی اس حویلی میں آنے کے لئے تیار نہ ہونگے۔ خیر اس نے اس حویلی کو آنے سے پہلے اچھی طرح مزین کروایا تاکہ اگلے ہفتے نکاح کی تقریب میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

"ابو۔۔۔!!" اس نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ سب اس کی جھکی گردن سے بھی چہرے پر ابھرنے والی سرخی کو دیکھ سکتے تھے۔ جنید کے چہرے پر بھی ایک کسک ابھر آئی۔

"اچھا یہ بتائیں کہ ہماری ہونے والی بھابھی نہیں آئیں آپ کے ساتھ۔۔۔" یوں تو مہناز نے یہ سوال پوچھا تھا کہ مگر دل کے تار یاسر کے متحرک ہوئے۔ جھٹ اس نے اپنی گردن اٹھائی اور استفہامیہ انداز میں دونوں کی طرف دیکھا۔

"دیکھا۔۔۔ اپنی ہونے والی بیوی کا ذکر سن کر کیسے کان کھڑے کرلیے۔۔۔" نرگس جنید نے پھلجھڑی چھوڑی تھی، جس پر سب ہنس دیئے۔

"بھابھی۔۔۔!!! لو نہیں سنتا۔۔۔" یہ کہتے ہی وہ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ جاتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک سرخی تھی جسے سب دیکھ سکتے تھے۔

"وہ کل تک آئیں گے۔۔۔" فرحت تاج دین نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا تاکہ زینے پر چڑھتے ہوئے یاسر سن لے۔ یہ آواز سن کر اس کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔ چہرے کی سرخی مزید ابھر آئی۔ قدم جو آہستہ آہستہ زینے کی مسافت طے کررہے تھے۔ یہ سنتے ہی تیزی سے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

☆......☆......☆

رات کو جب سونے کے لئے سب اپنے اپنے کمرے کی طرف جانے لگے تو حیا کے ذہن میں وہی رات کا منظر مبہم سا دکھائی دیا۔ جب اس نے پلٹ کر آئینے کی طرف دیکھا تھا تو خون کے دھبوں سے آئینے پر یہ لکھا ہوا تھا۔

"اس کمرے میں رہنے کا حق شہیر کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔۔۔" وہ سہمی ہوئی وہیں کھڑی رہی۔ جنید اپنے کمرے میں جاچکا تھا۔ عاصم یاسر کا ہاتھ پکڑے اوپر کی طرف جانے لگا تو حیا کی طرف دیکھا جو ابھی تک صوفے پر ہاتھ رکھے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا حیا؟ سونا نہیں ہے کیا؟" یاسر نے پکارا تو اس نے ایک جھرجھری لی۔

"نہیں چاچو۔۔۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیوں نا ہم اپنا کمرہ بدل لیں۔۔۔" یہ سننے کے بعد یاسر نے ناک اچکاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو حیا نے گری کا بہانا

ا کہ اس کمرے میں ہوا کا معقول انتظام نہیں ہے۔
و یاسر دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھے اس کو دیکھتا رہا
ہ سوچتے ہوئے اثبات میں گردن ہلادی اور سیدھا اس
ے میں چلا گیا جہاں پہلے عاصم سویا تھا پھر حیا۔ اب
کرے میں یاسر داخل ہو رہا تھا۔ یاسر کے کمرے میں
رکھنے کی دیر تھی کہ بھینی بھینی خوشبو کمرے کی چار دیواری
پھوٹنے لگی۔ وہ اس خوشبو کو باقاعدہ محسوس کرسکتا تھا مگر
نے اس خوشبو پر زیادہ دھیان نہ دیا۔ اس نے سمجھا شاید
کی کے کھلے ہونے کے سبب باہر لان سے آرہی ہو۔
ب بیڈ پر رکھے سوٹ کیس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دن
حیا نے خود یاسر کا سوٹ کیس یہاں پہنچادیا تھا۔ جیسے وہ
ہی طے کر چکی تھی کہ اس نے اس کمرے میں دوبارہ
ت بسر نہیں کرنی۔ یاسر نے سوٹ کیس کو اوپن کیا اور کرتا
ہ نائٹ سوٹ کے لئے منتخب کیا۔ سوٹ کیس کو اٹھا کر
نے وارڈروب کے ساتھ رکھا اور واش روم میں جا کر
ں تبدیل کیا۔ جیسے ہی وہ واپس کمرے میں پہنچا تو تمام
نیاں بجھادی گئی تھیں۔

"لو۔ آج پھر لگتا ہے لائٹ چلی گئی۔۔۔" وہ
ردن جھٹکتے ہوئے کھڑکی کی طرف بڑھا تو ایک خوشنما ہوا
جھونکا اس کی چاراںچ زلفوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کرنے
۔ اس کے رخسار کو گدگدانے لگا۔ اس کے چہرے پر ہلکی
بسم نے جنم لیا۔

"کتنا حسین منظر ہے ناں۔۔ آنکھوں کو بھلا لگنے
ا۔۔۔ دل میں اتر جانے والا۔۔" اس نے اپنا دایاں
ندھا کھڑکی کے ساتھ ٹکا کر تقریباً سرگوشی والے لہجے
ں کہا تھا۔

"آپ نے بجا فرمایا شہیر۔۔۔" ایک باریک سی
ہم آواز نے اس کے بائیں کان میں تقریباً سرگوشی کی
ی۔ وہ دفعتہً پلٹا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ آنکھوں کے سامنے
ا دروازہ تھا جو وہ اندر آنے کے بعد مقفل کر چکا تھا۔
ش روم کا دروازہ بھی بند تھا۔ کھڑکی کے پاس وہ بذات
، کھڑا تھا پھر یہ سرگوشی۔۔۔؟؟ وہ حیرت کے سمندر میں
طے لگاتا ہوا ہر شے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ آواز جو کچھ

لمحوں پہلے اس کی سماعت میں ایک عجب سی چاشنی گھولتی ہوئی کہیں غائب ہوگئی، اس کا ماخذ دیکھنا چاہتا تھا مگر اس کی بینائی اس مجسم کا محاصرہ نہ کرسکی تب اس نے اپنا خیال سمجھ کر اپنی گردن جھٹک دی۔

"لگتا ہے لوگوں کی باتوں کا کچھ زیادہ ہی اثر ہوگیا ہے مجھ پر۔" وہ اپنے آپ پر تمسخرانہ ہنسا اور بیڈ پر جا کر بیٹھ گیا۔ ایک نظر اس نے دوبارہ کھڑکی کی طرف دیکھا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا جسم بیڈ پر جبکہ اس کی روح اب بھی وہیں کھڑکی کسی سے باتیں کررہی ہو۔ اس نے اپنی آنکھیں مسلتے ہوئے بغور دیکھا تو اسے یہ سب ایک چھل محسوس ہوا۔

"لگتا ہے نیند کا اثر ہے۔۔ اب مجھے سو جانا چاہئے۔۔" یہ سوچتے ہوئے اس نے ٹیبل لیمپ کو جو لائٹ آنے کے بعد کچھ لمحے پہلے ہی روشن ہوا تھا۔ دوبارہ بجھادیا۔ کمرے میں ہر سو تاریکی چھاگئی اور وہ کمبل کو اوڑھ کر دائیں جانب کروٹ لے کر سوگیا۔ کچھ لمحے تک وہ کروٹ لیٹا رہا اور پھر سیدھا ہوگیا۔ اب تک وہ خوابوں کی دنیا میں پہنچ چکا تھا تبھی کھڑکی کے پاس سے ایک وجود بیڈ کی طرف بڑھنے لگا۔ اندھیرے میں اس وجود کا فقط عکس ہی دیکھا جاسکتا تھا یا پھر اس کا پہنا ہوا ایک خوبصورت اور چمکتا دمکتا عروسی جوڑا جو کسی شہزادی کے لباس کا گمان دے رہا تھا۔ اس کا پچھلا پلو زمین پر بچھا جاتا تھا۔ وہ خراماں خراماں چلتے ہوئے یاسر کے بالکل پاس آکھڑی ہوئی۔ اب چاند بھی کھڑکی کے راستے اندر جھانکنے کی کوشش کررہا تھا۔ یاسر کا چہرہ چاندنی سے بننے والے اس وجود کے سایے میں چھپ چکا تھا۔ وہ وجود کچھ دیر تک یونہی کھڑا یاسر کے چہرے کا دیدار کرتا رہا اور پھر پیار سے جھک کر اپنے لبوں کو یاسر کی پیشانی پر نقش کردیا۔

"آپ نہیں جانتے شہیر، ہم نے آپ کا کتنا انتظار کیا۔ اب آپ آگئے ہیں ناں۔۔ اب دیکھیے گا، ہمیں ایک ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ کوئی بھی نہیں۔" اس نے پیار بھرا ہاتھ اس کے چہرے پر پھیرا اور پھر آناً فاناً وہ وجود غائب ہوگیا جبکہ یاسر ابھی تک اس واقعے سے انجان تھا۔

☆......☆......☆

صبح کے گیارہ بج چکے تھے مگر یاسر اپنے کمرے سے باہر نہیں آیا تھا۔ ویسے تو اسے اپنی شادی کی تیاریوں کی اتنی جلدی تھی کہ بس نہیں چلتا تھا ورنہ سارا انتظام وہ خود کرتا مگر آج جب شادی کے کارڈ اسے پسند کرنے تھے تو وہ اپنے کمرے سے بھی باہر نہیں نکلا تھا۔ صبح ناشتے کی میز پر بھی وہ غیر حاضر رہا مگر گھر میں موجود کسی نے بھی اس بات کو غیر معمولی نہ جانا مگر اس کی غیر موجودگی قابل اعتراض تھی۔

"آپ بیٹھیں پھپھو۔۔۔ میں بلا کر لاتی ہوں چاچو کو اور ساتھ میں یہ چائے۔۔" مہناز یاسر کو بلانے کے لئے جا رہی تھی تبھی حیا نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ اور خرچ لیے اور زینے کی طرف چل دی۔ سب ہال میں جمع کارڈز کو سلیکٹ کرنے میں مصروف دیکھائی دیتے تھے۔ نرگس نے تو جیسے کچن کو ہی اپنا مسکن بنایا ہوا تھا۔ جب دیکھو بس کچن میں ہی نظر آتی۔ اب بھی وہ دوپہر کے کھانے کا انتظام کر رہی تھی۔ اب حیا یاسر کے کمرے کے دروازے کے بالکل سامنے تھی۔

"چاچو۔۔۔ دروازہ کھولیے۔۔" اس نے دو تین بار یاسر کو آواز دی مگر جواب نہ آیا۔ اسے کچھ تشویش ہوئی۔

"چاچو۔۔ اب تک سو رہے ہیں اور وہ بھی اتنی گہری نیند۔۔۔" وہ بڑبڑائی۔ آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ گھر میں سب سے زیادہ کچی نیند یاسر کی تھی جو ایک آہٹ سے بھی اٹھ بیٹھتا تھا اور نو بجے کے بعد سونا تو اس کی عادت کے خلاف تھا۔ جب سے حیا نے ہوش سنبھالا اس نے کبھی یاسر کو صبح دیر تک سوئے نہیں دیکھا تھا۔ پھر آج کیسے؟ اس کے دل میں ایک عجیب سی گھبراہٹ جنم لینے لگی۔ اس نے دروازے کو دستک دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک چرچراہٹ کی آواز سے دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔ یہ دیکھ کر پہلے تو حیا کا سانس خشک ہو گیا پھر اس بات سے حوصلہ ہوا کہ اندر یاسر ہے۔ اس نے ایک لمحے سوچنے میں ضائع کیا پھر اندر قدم رکھا۔ اس کی نگاہیں دروازے کے نچلے حصے کی طرف تھیں۔

"چاچو۔۔۔" وہ دھیرے سے بولی مگر کوئی جواب سنائی نہ دیا۔ اب اس نے بیڈ کی طرف دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ اس کو ایک جھٹکا لگا۔ تبھی اس نے نظریں دائیں طرف گھمائیں، واش روم کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ اسے حیرت ہوئی۔

"چاچو۔۔ کہاں جا سکتے ہیں؟" وہ بڑبڑائی لاشعوری طور پر اس کی نگاہیں بیڈ سے اوپر کی جانب اٹھیں ایک ساعت شکن چیخ اس کے گلے سے نکلی۔

"چاچو۔۔۔!!" تبھی اسے ایسا محسوس ہوا ایک سرد لہر اس کی نسوں میں خون کو منجمد کر رہی ہے۔ ایک ثانیے میں وہ خوف کے پسینے میں نہا چکی تھی۔ اس کی آنکھیں یک ٹک بیڈ کے اوپر مرتکز تھیں۔ سانسیں بھی رک رک کر چل رہی تھیں۔ اس کی دلدوز چیخ سن کر سب یاسر کے کمرے کی طرف دوڑے چلے آئے۔

"کیا ہوا حیا؟ تم چیخی کیوں؟" مہناز نے اس کے جسم کو چھوا تو ایسا لگا جیسے اس نے سردرات میں برف کے ٹیلے کو ہاتھ لگایا ہو۔ حیا کا پورا جسم سرد ہو چکا تھا۔

"بولتی کیوں نہیں کیا ہوا؟" اس بار نرگس نے اونچی آواز میں پوچھا مگر وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکی تبھی مہناز نے حیا کی نظروں کا تعاقب کیا تو جیسے اس کے بھی ہوش اڑ گئے۔ مہناز بھی پیچھے دروازے سے جا ٹکرائی۔ نرگس نے اگلا سانس لینا ہی بھول گئی۔ فرحت نے عاصم کو اپنی بانہوں میں اس طرح دبوچ لیا کہ وہ اس منظر کو نہ دیکھ سکے۔ تاج دین صاحب بھی بری طرح بوکھلائے کسی کو بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ یاسر اپنے بیڈ پر نہیں تھا بلکہ بیڈ کے اوپر ہوا میں معلق تھا۔ اس کا جسم ہوا میں کسی بے وزن کاغذ کی طرح آہستہ آہستہ جھول رہا تھا اس کے ہاتھ اور پاؤں ایسے لٹکے ہوئے تھے جیسے جسم سے جان نکال لی گئی ہو۔ آنکھیں بند تھیں۔ روح تھی کہ نہیں؟ سب اسی کشمکش میں تھے۔ جنید نے دفعتہً آگے بڑھ کر یاسر کو جسم کو نیچے اتارنے کی غرض سے ہاتھ لگایا تھا کہ وہ خود بخود نیچے بیڈ پر آ موجود ہوا۔ یہ دیکھ کر ایک پھر سب کو ایک جھٹکا لگا کہ اس کا جسم کسی بے وزن کی طرح آہستہ آہستہ ہوا میں جھولتا ہوا نیچے آ رہا ہے، یا پھر کوئی بڑی احتیاط کے ساتھ اسے بیڈ پر رکھ رہا ہے اس بات کے

نظر کہ کہیں یاسر کو کوئی چوٹ نہ لگ جائے۔ اس کے پر لیٹتے ہی سب اس کی طرف دوڑے۔ فرحت نے نہ اس کا رخسار تھپتھپایا

"یاسر۔۔۔" آنکھوں میں وحشت کے آنسو تھے، بار فوراً یاسر کی آنکھ کھل گئی۔ سب کو وہاں دیکھ کر وہ بری رح چونکا اور فی الفور اٹھ بیٹھا۔

"امی۔۔ ابو۔۔۔ بھائی۔۔۔ آپ سب ہاں؟" اس نے استفہامیہ انداز میں سب کے چہروں کی رف دیکھا جو وحشت کے سمندر میں غوطہ زن تے۔ فرحت نے فی الفور یاسر کو اپنے گلے لگالیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ٹھیک تو ہے ناں میرا بیٹا!" اس کی پیشانی چوم کر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور دوبارہ سینے سے لگالیا۔ یاسر ان سب باتوں سے انجان تھا اور استفہامیہ اور تجسس بھرے انداز میں سب کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا امی؟ آپ رو کیوں رہی ہیں؟ اور آپ سب اتنی صبح میرے کمرے میں؟ خیریت تو ہے ناں؟" سب کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یاسر کو حقیقت سے کیسے آگاہ کریں۔ فرحت تاج دین کا تو رو رو کر برا حال تھا جبکہ یاسر حسرت سے سب کے چہروں کو تک رہا تھا جو کہ کسی خزاں کے زیر اثر ویران و بیابان دکھائی دے رہے تھے۔

☆......☆......☆

یاسر کو حقیقت معلوم ہوئی تو ایک لمحے کے لئے خود ساکت رہ گیا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ یہ سب سچ ہے مگر سب کا ایک بات پر اکتفا کرنا بہرحال سچائی کی طرف ہی اشارہ تھا۔ دوستوں اور لوگوں کی باتیں ایک لمحے کے لئے اس کے دل و دماغ کی دنیا میں ہلچل مچانے لگیں مگر ایک بار پھر تذکرہ اپنے گھر والوں سے نہ کیا۔

"مجھے تو لگتا ہے راستے میں کسی نے میرے بیٹے کو اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔ ہمیں جلد سے جلد کسی عامل بابا کو دکھانا چاہئے یاسر کو۔۔۔" فرحت بیگم نے بنا سوچے سمجھے اپنی رائے دی۔ وہ اس واقعے کو اس حویلی سے جوڑنے کی بجائے اس گھنے جنگل سے جوڑ رہی تھیں جو کہ راستے میں پڑتا تھا۔ جس کے درمیان سے گزر کر وہ اس حویلی تک پہنچے تھے۔

"کتنی بار کہا ہے کہ رات کو خوشبو لگا کر گھر سے باہر نہیں نکلتے مگر مجال ہے میری بات پر تم نے کان بھی دھرے ہوں۔۔" وہ روتے ہوئے یاسر سے مخاطب تھیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ ڈھونگی عاملوں پر یقین ہے تمہیں۔۔" تاج دین نے فی الفور فرحت تاج دین کی نفی کی۔

"اور جو اپنی آنکھوں سے آپ نے دیکھا ہے وہ؟ آج صرف یہ ہوا میں لہرا رہا تھا اور اگر کل کہیں۔۔۔" وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر پائیں اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگیں۔ نرگس نے آگے بڑھ کر انہیں حوصلہ دیا۔

"امی۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔۔" یاسر نے آگے بڑھ کر انہیں حوصلہ دیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے یاسر نے اثبات میں گردن ہلادی اور کہا جیسا وہ چاہیں گی، ویسا ہی ہوگا۔ ابھی سب انہیں باتوں میں مشغول تھے کہ باہر سے ہارن کی آواز آئی۔

"لگتا ہے کشف اور اس کی امی آگئیں۔۔" مہناز نے کہا۔

"سب اپنا حلیہ ٹھیک کر لو۔ کشف اور اس کی امی کو ایسا بالکل بھی نہیں لگنا چاہئے کہ یہاں کچھ ہوا ہے؟ آئی بات سمجھ میں سب کی؟" تاج دین کا اشارہ فرحت کی طرف تھا مگر بھلا ایک ماں اپنے بیٹے کے ساتھ اتنے بڑے واقعہ پیش آنے کے بعد نارمل حالت میں کیسے بیٹھ سکتی تھی؟ لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی۔ اتنے میں دہلیز پر کشف علی اور اس کی امی رضیہ بیگم آموجود ہوئیں۔ کشف علی یاسر کی خالہ زاد کزن بھی تھی۔ دونوں کا رشتہ بچپن میں ہی طے پا گیا تھا اور اب کشف کے والد کی حادثاتی موت کے بعد رضیہ بیگم جلد سے جلد اس کی شادی کروانا چاہتی تھی۔ یاسر نے پلٹ کر کشف کی طرف دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہا۔ دو دن کے بعد وہ اس کو دیکھ رہا تھا۔ خوبصورت اور جاذب نظر چہرہ، لہراتی

زلفوں کی ایک لٹ جو اکثر اس کے چہرے کو بوسہ دیتی رہتی، لبوں پر ایک مسکراہٹ جسے وہ اکثر یاسر کے سامنے ابھارتی تھی۔ آج بھی اس کے لبوں کا مسکن بنی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر یاسر سب کچھ بھول گیا اور کھڑا ہو کر اس کی طرف بڑھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ ہال میں جمع ہو گئے اور پھر شادی اور سفر پر گفتگو جاری ہوئی۔ ایک لمحے کے لئے سب یاسر کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کو فراموش کر چکے تھے خود فرحت تاج دین بھی۔

"رحمو بابا۔۔۔ یہ سوٹ کیس ذرا ادھر رکھ دیں۔۔۔"

رحمو بابا رضیہ بیگم کا سوٹ کیس کمرے میں لے جانے لگے تو انہوں نے روکا اور سوٹ کیس کو ٹیبل کے کنارے پر رکھوایا۔ اسے کھولنے کے بعد اندر سے کئی جوڑے برآمد ہوئے۔ تمام جوڑے شوخ رنگ کے تھے۔ تمام جوڑوں کو بندہ دیکھے تو بس دیکھتا ہی رہ جائے۔

"خالہ! آپ نے تو ہماری ہونے والی بھابھی کے بہت ہی اچھے کپڑے بنائے ہیں۔" مہناز نے پھلجھڑی چھوڑی تو کشف شرما گئی۔ یاسر نے بھی اپنی گردن کو ہلکا سا خم دیا۔

"بہن ان سب کی کیا ضرورت تھی؟ بھلا ہم کیا اپنی بیٹی کو کپڑے بنوا کر نہیں دے سکتے؟" فرحت تاج دین نے معمولی سا شکوہ کیا تو رضیہ بیگم نے بیٹی کا معاملہ کہہ کر بات کو ٹالا۔ ہر جوڑا ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ سب کے سامنے ان دونوں کو ایک دوسرے سے بات کرنے کا موقع نہ ملا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہوتے رہے مگر لب خاموش رہے۔ اتنے میں نرگس نے شام کے کھانے کا انتظام کر لیا۔ سب ڈائننگ ٹیبل پر جمع ہو گئے۔ سب کھانے کشف کی پسند کے تھے۔ بریانی، رائتہ، سالاد، چپل کباب اور زردہ۔ بھوک بھڑکا دینے والی خوشبوئیں آنکھوں کو بھی فرحت بخش رہی تھیں۔ یہاں بھی دونوں کو ایک دوسرے سے بات کرنے کا موقع نہ ملا۔ ویسے تو دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے مگر بات کرنا جیسے ان کے مقدر میں نہیں تھا۔ یاسر کے ساتھ بائیں جانب عاصم اور دائیں جانب جنید بیٹھے تھے۔ اسی طرح کشف کے بھی بائیں جانب حیا اور دائیں جانب مہناز بیٹھی کھانے میں مصروف تھیں۔ ایک بار یاسر نے کسی بہانے سے کشف کو رائتہ پکڑانے کو کہا تو حیا نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور کشف کا آگے بڑھا ہوا ہاتھ راستے سے ہی پلٹ آیا۔ یاسر نے منہ چڑھا کر رائتہ لیا تو کشف نے گردن جھکاتے ہوئے اپنی ہنسی کو ضبط کیا۔

"کیا ہوا کشف؟" نرگس نے جھکی گردن دیکھ کر دریافت کیا۔

"کچھ نہیں بھابھی۔۔۔" نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کشف نے کہا۔

"یہ بات تو طے ہے کہ میں کشف سے یہاں بات نہیں کر سکتا۔۔۔" وہ بڑبڑایا۔

"کچھ کہا یاسر؟" اس کی بڑبڑاہٹ جنید کے کانوں میں پہنچی تو اس نے جھٹ نفی میں گردن ہلا دی اور پھر دفعتہً کھڑا ہوا۔

"میرا تو ڈنر ہو گیا۔۔۔ میں ذرا اوپر اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔۔۔ اور ہاں حیا میرا کمرہ تمہارے اور عاصم کے کمرے کے بالکل سامنے ہے تو خدا کے لئے اپنے کمرے کی لائٹ بند کر کے سویا کرو۔۔۔ سیدھا میرے کمرے میں آتی ہے۔" اس نے باتوں ہی باتوں میں کشف کو اپنے کمرے کی لوکیشن سمجھا دی

"لیکن چاچو۔۔۔ میں تو لائٹ آف کر کے سوتی ہوں اور پھر دروازہ بھی کل رات بند تھا۔ پھر بھلا آپ کے کمرے میں لائٹ کیسے آئی؟" حیا نے معصومیت کے ساتھ کہا تو کشف اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکی اور گردن جھکا کر ذرا سی ہنس دی۔

"اچھا۔۔۔ تو آج بند رکھنا۔۔۔" یاسر کی اس بات پر سب کے چہرے پر ایک کسک ابھر آئی۔

"بیٹا جی، ہمیں سب معلوم ہے۔۔۔" جنید نے آہستہ سے اس کی پشت کو تھپتھپایا تو اس نے مصنوعی غصے میں کرسی کو پیچھے کھسکایا اور پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ زینے پر وہ خود اپنی بے وقوفی پر ہنس رہا تھا مگر چونکہ اس کا چہرہ دوسری طرف دیکھا، لہٰذا کوئی بھی اس کے مسکراتے چہرے کو نہ دیکھ سکا۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد بھی اس کی بے چینی ختم نہ ہوئی وہ ٹہلتا جاتا اور ساتھ ساتھ دروازے کی طرف دیکھتا جاتا۔ اسے بے چینی کے ساتھ کشف کا انتظار تھا۔ دروازے سے کھڑکی اور کھڑکی سے دروازے تک وہ بیسیوں چکر لگا چکا تھا۔ دروازے پر پہنچنے کے بعد وہ ایک نظر باہر دیکھتا اور پھر واپس گردن جھٹکتے ہوئے اندر آجاتا۔ وہ اسی بے چینی میں تھا کہ اسے قدموں کی چاپ سنائی دی تو اس کے دل کو کچھ سکون ملا۔ اس کا چہرہ کھڑکی کی طرف تھا اور پشت دروازے کی طرف۔

"جناب کو اب وقت ملا جامِ دیدار پلانے کے لئے۔۔" جیسے ہی اسے اپنی پشت پر ایک لمس کا احساس ہوا تو وہ بنا پلٹے بولا۔

"تمہیں معلوم بھی ہے میں نے کتنا انتظار کیا تمہارا؟ ہال میں تو سب اکٹھے تھے، وہاں تو بات نہیں کی جاسکتی تھی، اب بندہ کسی بہانے سے وہاں سے اٹھ ہی جائے مگر نہیں۔۔۔ تمہیں کیا؟ تم تو سب کے ساتھ وہیں براجمان ہوکر بیٹھ گئی۔ میں نے اتنی بار تمہیں اٹھنے کو کہا مگر تم تھی کہ ٹس سے مس تک نہ ہوئی۔۔" اس نے اپنی خفگی کا اظہار کیا مگر کشف کی طرف سے کچھ نہ کہا گیا۔ وہ اس کی پشت پر اپنا رخسار لگائے، اس کی حدت کو اپنے جسم میں اتار رہی تھی اور اپنے ہاتھوں کو اس کے بانہوں سے گزار کر سینے پر رکھ دیئے۔

"اب یہ رومینس کرنے سے میرا غصہ کم ہونے والا نہیں ہے سمجھی تم۔۔۔ پہلے تم نے انتظار کروایا ناں۔۔۔ اب تم میرا انتظار کرو۔۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔۔" وہ کہتا جارہا تھا اور وہ خاموشی سے اس کے شیریں الفاظ اپنی سماعت میں اتارتی جارہی تھی۔

"چھوڑو مجھے۔۔ میں نے کوئی بات نہیں کرنی تم سے۔۔۔" اس نے کہا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے سینے سے ہٹانے کی کوشش کی مگر وہ تو جیسے فولاد تھے۔ ایک انچ بھی نہ ہلے۔

"میں نے کہا ناں۔۔!! مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔۔" اس نے بے نیازی سے منہ بناتے ہوئے کہا مگر وہ وجود علیحدہ نہ ہوا تب اسے کچھ عجیب سا لگا۔ اس نے پلٹنا چاہا مگر پلٹا نہ گیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی جگہ پر ایک مورت ہو۔ پاؤں کی انگلی سے سر کے بالوں تک جسم کے ایک پور میں بھی حرکت نہ تھی۔ ایک سرد لہر اس کے جسم میں سرایت کرگئی۔

"کشف۔۔۔" اس نے استفہامیہ انداز میں کہا۔

"شہیر یہ ہم ہیں۔۔۔ شہر بانو۔۔" یہ الفاظ لبوں کو اس کے کانوں کے پاس لے جاکر کہے گئے تھے۔ ایک باریک سی، پرکیف آواز جو ہر لمحہ اس کے جسم میں اترتی جاتی اور اس کی نسوں میں خون کو منجمد کرتی جاتی۔ ایک عجیب سی دہشت اس کے وجود کو اپنے حصار میں لینے لگی تبھی دفعتہً دروازہ کھلا تو فی الفور پلٹا۔ دروازے کے اس پار کشف کھڑی تھی۔

"سوری یاسر۔۔۔ مجھے آنے میں دیر ہوگئی، وہ سب گھر والے جمع تھے کوئی آنے ہی نہیں دے رہا تھا۔" اس نے خجالت کے ساتھ کہا مگر یاسر کا چہرہ تو کچھ اور ہی پوچھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے رنگ فق ہوچکے تھے۔ آنکھیں یک ٹک کشف کو دیکھ رہی تھیں۔ سرتاپا نظروں سے ٹٹولنے کے بعد اس کی سانسیں جیسے کسی خم دار جھاڑی میں اٹکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ زندگی میں پہلی بار پیش آنے والے اس پراسرار واقعہ سے وہ بری طرح دہشت کا شکار ہوا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ کانوں میں وہ پرکیف آواز ایسے گونجنے لگی جیسے کوئی صدیوں سے اس کا درد کررہا ہوں۔

"شہیر یہ ہم ہیں۔۔۔ شہر بانو۔۔" گونج آہستہ آہستہ بڑھتی جارہی تھی۔ کب کشف کمرے میں داخل ہوئی؟ اور کیا کیا جملے اپنی زبان سے ادا کئے؟ یاسر کو کچھ نہیں معلوم۔۔۔ وہ اسی وقت سر پکڑتا ہوا زمین پر جا گرا۔ جب ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو بیڈ پر لیٹا ہوا پایا۔ سب ایک بار پھر اس کے گرد جمع تھے۔ فرحت تاج دین اس کے دائیں جانب بیٹھیں دعاؤں کے ہاتھ بلند کئے ہوئے تھیں۔ سامنے مہناز، حنا اور عاصم کھڑے تھے۔ کھڑکی کے پاس کھڑا جنید کسی سے فون پر بات کررہا تھا۔ غالباً کسی ڈاکٹر کو فون کررہا

تھا۔تاج دین جنید کے پیچھے کھڑے تھے جبکہ کشف یاسر کے بائیں جانب بیٹھی ششدر اس کو دیکھے جارہی تھی۔

"آپ۔۔۔" اس کا سر ابھی بھی بری طرح چکرا رہا تھا، سر پکڑتے ہوئے بیٹھنے کی کوشش کی تو فرحت تاج دین نے فوراً اسے واپس لٹادیا۔

"ابھی کوئی ضرورت نہیں ہے اٹھنے کی۔۔۔ آرام سے لیٹو۔۔۔ میری تو کوئی بات سنتا ہی نہیں ہے۔ ایک دن میں ہی دوسرا واقعہ پیش آگیا۔۔۔ خدا کے لئے اب تو۔۔۔" فرحت بیگم نے روہانسا ہوکر کہا تو تاج دین نے بات کاٹ دی۔

"کتنی بار کہا ہے کہ فضول کی باتیں نہ کیا کرو۔۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" تاج دین سے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ فضول باتیں ہیں؟" انہوں نے انگلیوں کے پور سے اپنے آنسو پونچھے۔

"خالہ۔۔۔ کن باتوں کی بات کررہے ہیں آپ؟ اور کون سا دوسرا واقعہ؟ مجھے بتائیں۔۔۔" کشف کے پوچھنے پر فرحت تاج دین نے شروع سے آخر تک سب کچھ کشف کو بتادیا۔ تاج دین نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ خاموش نہ ہوئیں۔ وہ گردن جھٹک کر پیچھے صوفے پر بیٹھ گئے جبکہ کشف کو تو جیسے اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں آیا۔ وہ غیر یقینی کے ساتھ فرحت تاج دین کو دیکھے جارہی تھی۔ یاسر بھی اب اٹھ بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی گردن جھکائی اور ہونے والے دونوں واقعوں کے بارے میں سوچنے لگا۔

"یار! وہ حویلی عام حویلیوں کی طرح نہیں ہے۔ سنا ہے اس حویلی میں ایک روح رہتی ہے۔" اس دن جب وہ اس حویلی کی دستاویزات مکمل کرنے پاس کے گاؤں اپنے دوست کے ہمراہ آیا تھا تو اس کے دوست زاہد نے اس حویلی کو دیکھ کر کہا۔

"روح۔۔۔ مجھے ان باتوں پر یقین نہیں ہے۔ سمجھے تم! یہ سب ماورائی باتیں فقط قصوں کہانیوں تک ہی محدود رہیں تو بہتر ہے۔ یہ ہماری دنیا ہے اور یہاں بھوت پریت نام کی کسی شے کا کوئی وجود نہیں۔ سمجھے تم۔۔۔ اور ہاں اس بات کا ذکر میری نیملی سے تو بالکل بھی مت کرنا وہ تو اس معاملے میں بہت حساس ہیں۔۔۔" اس نے زاہد کی بات کو معمولی جانا مگر زاہد بھی کہاں خاموش رہنے والا تھا۔ اس گھر سے جڑی تمام کہانیوں کو جب تک اس کی سماعت کا حصہ نہ بنادیا، اس کو چین نہ ملا۔ واپسی پر یاسر کار ڈرائیو کررہا تھا اور زاہد اس کے ساتھ بیٹھے اپنے قصے کہانی سنانے میں مصروف تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی باتوں کو سن رہا تھا۔

"تمہیں یقین ہو یا نہ ہو مگر میں تو یقین رکھتا ہوں نا۔ تمہیں پتا ہے یاسر۔۔۔ وہ حویلی ہزاروں سال پرانی ہے۔ سنا ہے ہزاروں سال پہلے وہاں کوئی راجا مہا راجا رہتا تھا۔ سنا ہے کہ وہ مہاراجا اپنے بیٹے کے ساتھ اکیلا اس محل میں رہتا تھا۔ اس کا بیٹا بہت ہی خوبصورت اور جاذب نظر شخصیت کا مالک تھا اور اس کا حسن ہر ڈھلتے سورج کے ساتھ بڑھتا ہی جاتا۔ اسی حسن کا اثر تھا کہ ابھی وہ صرف پندرہ برس کا ہی تھا کہ اس کے لئے دور دور سے شہزادیوں کے رشتے آنا شروع ہوگئے۔ کسی ریاست کی شہزادی ایسی نہ تھی، جس کے دل میں اس حسین و جمیل شہزادے کے لئے جذبات جنم نہ لیتے ہوں۔ ہر لڑکی اس کی منکوحہ بننے کی خواہ تھی مگر کہتے ہیں ناں حسن والے اکثر مغرور ہوا کرتے ہیں۔ وہ شہزادہ بھی کچھ اسی طرز کا نکلا تبھی تو اس نے نہ ہی کسی لڑکی کو اپنی منکوحہ کے طور پر پسند کیا اور نہ ہی کسی کو ناپسند کیا۔ جب بھی رشتہ آتا اپنے والد کی مرضی پر چھوڑ دیتا اور اپنے والد سے اس نے پہلے ہی کہا ہوا تھا کہ ہر رشتے کو منع کردے۔ بس ایسے ہی دو سال گزر گئے اور پھر وہ لڑکی اس شہزادے کی زندگی میں آئی جس کو دیکھنے سے اس کے دل کے تار بھی جنبش میں آگئے۔ تم جانتے ہو اس لڑکی کا نام کیا تھا؟" بس یہی غلطی وہ کر گیا۔ عین اس وقت جب وہ اس لڑکی کا نام بتانے جارہا تھا، یاسر نے اسے ٹوک دیا۔ خیر تب تک وہ گھر بھی پہنچ چکے تھے اور اس طرح وہ بات ادھوری رہ گئی۔

"زاہد کی باتوں میں روح کا ذکر تو تھا مگر اس شہزادے اور لڑکی سے اس روح کا بھلا کیا تعلق؟" رات کو

شب خوابی کا لباس پہنے وہ دیوار کا آسرا لیے باہر کی ہوا کو اپنے جسم کا حصہ بناتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"وہ روح۔۔۔ شہر بانو۔۔۔" وہ بڑبڑایا۔ بھلا وہ اس نام کو کیسے بھول سکتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنا نام تو بھول سکتا ہے مگر یہ نام نہیں۔ اس کی زبان پر یہ نام بنا کسی تردد کے جاری تھا۔ اس کا لمس اس کے سینے پر ابھی بھی تازہ تھا، اس نے اپنی گردن جھکائی اور سینے کی طرف دیکھا تو اس لمس کی حدت ابھی بھی اس کے جسم میں اتر رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ یہ سب میرا وہم ہے۔۔۔" اس نے خود ہی اپنے خیالوں کو جھٹکا تو ایک بار پھر پرفسوں آواز اس کی سماعت کا حصہ بننے لگی۔

"یہ آپ کا وہم نہیں ہے شہیر۔۔۔" وہ اس آواز پر بری طرح چونکا تھا۔ آواز اس کے عین پیچھے سے بیڈ کی طرف سے آئی تھی۔ وہ دفعتہً پلٹا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ اس کی آنکھیں ساکت رہ گئیں۔ ایک لمحے کو تو جیسے وہ سانس لینا بھی بھول گیا۔ دروازہ بند تھا مگر آواز واضح تھی مگر ماخذ آنکھوں سے پنہاں۔ لمحہ بھر میں اس کی پیشانی وحشت کے پسینے سے شرابور ہوگئی۔ اس کی عقل مفلوج ہو کر رہ گئی۔ سوجھ بوجھ کی طاقت تو جیسے اس سے چھینی جا چکی تھی۔ وہ یک ٹک کئی لمحے بس بیڈ کو ہی تکتا رہا اور شاید ساری رات ہی تکتا رہتا اگر دروازے پر دستک نہ ہوتی۔ اپنے خیالوں کو جھٹکتا ہوا آگے بڑھا اور دروازہ وا کیا تو سامنے کشف کھڑی تھی۔ وہ اسے وہاں دیکھ کر ذرا بھی حیرت کا شکار نہ ہوا۔ وہ خود بھی اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ جب دو دل ایک دوسرے کو سچے دل سے چاہتے ہیں تو ایک کا کرب دوسرا بھی محسوس کرتا ہے اور اسی کرب کو کم کرنے کشف اس کے پاس آئی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" وہ اس کے بالکل پاس آ کر بولی تھی۔

"اب کچھ بہتر لگ رہا ہے۔۔۔" یہ کہہ کر وہ وارڈ روب کی طرف بڑھا اور کھلا ہوا دروازہ ذرا لاک کیا۔ ایک پل کے لئے خاموشی چھائی رہی۔

"کیا یہ سب کچھ اس حویلی میں آنے کے بعد شروع ہوا ہے؟" وہ سوال جو کشف کو بے چین کئے ہوئے تھا۔ آخر زباں پر آ ہی گیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم بھی یہی سمجھتی ہو کہ مجھ پر۔۔۔" وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گیا اور اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔

"لیکن جو کچھ خالہ نے بتایا اور پھر میرے سامنے تمہارا یوں اچانک بے ہوش ہو جانا۔۔۔ اس سے اور کیا مطلب لیا جا سکتا ہے؟" کشف کی بے چینی اپنی جگہ ٹھیک تھی مگر یاسر کو یہ سن کر ذرا غصہ آیا۔ اس نے اپنے تیور بدلتے ہوئے چہرہ پھیر لیا۔

"دیکھو۔۔۔ یاسر۔۔۔ مجھے تمہاری پرواہ ہے۔ اسی لئے کہہ رہی ہوں کہ ایک بار۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرتی یاسر نے مداخلت کی۔

"تم ان باتوں کو چھوڑو۔۔۔ ہم یہاں ان باتوں کو جگہ دینے نہیں آئے۔۔۔ ہم تو یہاں اپنی شادی کو ایک منفرد طریقے سے celebrate کرنے آئے ہیں ناں۔۔۔" اس نے دفعتہً موضوع بدلا۔ اس کے چہرے کا زرد رنگ رفتہ رفتہ بحال ہونا شروع ہو گیا۔

"یاسر۔۔۔" کشف نے منہ بنا کر کہا مگر یاسر نے ایک بار پھر بات کاٹی۔

"میں نے کہا ناں چھوڑو ان باتوں کو۔۔۔ تم یہ دیکھو۔۔۔ میں نے اپنے کمرے کو سجانے کے لئے کس گلاب کا انتخاب کیا ہے۔۔۔" وہ فوراً ایک گلدان کی طرف بڑھا جو اسٹڈی ٹیبل کے کنارے پر رکھا تھا۔ اس میں ایک گلاب کی ایک ننھی سی خوبصورت سی کلی تھی۔ اس نے مسکراہٹ کو لبوں پر بکھیرتے ہوئے اس ٹہنی کو گلدان سے نکال کر نرمی سے بوسہ دیا تو ایک دلفریب خوشبوں نتھنوں سے ہوتے ہوئے اس کے جسم میں اتر گئی۔ وہ اب دوبارہ کشف کی طرف پلٹا تھا۔

"یہ دیکھو۔۔۔ میں نے اس گلاب کا آرڈر کیا۔۔۔ اور خاص طور پر کہا کہ ہمارا کمرہ اسی گلاب سے سجنا چاہئے۔ پورے کمرے میں اسی گلاب کی بھینی بھینی خوشبو ہونی چاہئے۔۔۔" یاسر کی بات پر وہ ذرا شرما سی گئی تھی۔ اس کے

رخسار پر بھی گلاب کی پنکھڑیوں کی مانند سرخی چھا گئی۔

"ذرا تم بھی سونگھ کر دیکھو۔۔۔ اچھی ہے ناں اس گلاب کی خوشبو۔" اس نے وہ ننھی کلی کشف کی طرف بڑھائی۔ کشف نے بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ ایک زبردست جھونکا آیا اس کلی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ دونوں حواس باختہ اس ننھی کلی کو ہوا کے پروں میں سوار دیکھتے رہ گئے۔ وہ گلاب اب دوبارہ اسی گلدان میں تھا۔ جہاں سے یاسر نے اسے نکالا تھا۔ دونوں کی سانسیں ایک پل کے لئے ساکت ہوگئیں۔ حواس باختہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ہاتھ جو گلاب کو پیش کررہے تھے اور جو ہاتھ ننھی کلی کو تھامنا چاہتے تھے۔ ہوا میں معلق رہے۔

"یاسر۔۔۔!!" کشف کی زبان لڑکھڑائی۔ اسے جیسے اب ہوش آنے لگا تھا۔

"تت تم۔۔ فکر نہ کرو۔۔۔" یاسر نے ایک بار پھر اس بات کو ہلکا جانا۔ آگے بڑھ کر دوبارہ اس ٹہنی کو نکال کر لایا اور کشف کے سامنے پیش کیا۔ کشف نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس ننھی کلی کو تھامنا چاہا۔ ابھی اس نے اس ننھی کلی سے انگلی مس ہی کی تھی ایک تیز دھار تلوار کی طرح کانٹا اس کی انگلی میں چبھا۔

"آہ۔۔۔" وہ درد سے کراہی۔ ساتھ ہی ایک دلخراش آواز بھی اس کی سماعت سے جا ٹکرائی۔

"میرے شہیر سے دور رہو۔۔۔" یہ آواز یاسر نہ سن سکا تھا مگر کشف کے دل میں ایک خوف بیٹھ چکا تھا۔ یاسر نے گلاب کو بیڈ پر رکھا اور اس کی انگلی کو ہاتھوں میں تھامے خون کو صاف کرنے لگا۔

"یہ خون کیسے نکل گیا تمہارا؟ حالانکہ اس گلاب میں تو کوئی کانٹا تھا ہی نہیں؟ میں نے خود سارے کانٹے صاف کئے تھے۔" یاسر کے جملے پر اس نے اس گلاب کی کلی پر دوبارہ نگاہ دوڑائی تو وہاں کانٹوں کا ایک جال نظر آیا۔ جسے دیکھ کر وہ برجستہ پیچھے اچھل پڑی۔

"وہ۔۔۔ وہ کانٹے۔۔۔" اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا تبھی یاسر نے بھی اس کلی کی طرف نگاہ دوڑائی۔ وہ کشف کی بات پر خاصا حیران تھا۔

"کہاں ہیں کانٹے؟ یہاں تو کوئی کانٹا نہیں ہے۔" وہ حیران و پریشان کبھی کشف کی طرف دیکھتا تو کبھی گلاب کی طرف۔ یاسر کی نظریں ان کانٹوں کو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اس کی نگاہوں میں ایک خوبصورت، نرم و ملائم، گلاب کی پنکھڑیاں بنا کانٹے کی ایک کلی تھی۔

"یاسر۔۔۔ دیکھو۔۔۔ وہ رہے کانٹے۔۔۔" یک دم وہ کانٹے باہر کو نکلتے چلے گئے۔ جسے دیکھ کر کشف کی سانسیں اٹک گئیں۔ اس نے سانس لینا چاہا تو دم گھٹنے لگے۔ وہ اگلا سانس بھی نہیں لے پا رہی تھی۔ یاسر نے اضطرابی میں اس کی طرف دیکھا اور پھر تبھی اٹھانے لگا۔

"نہیں۔۔۔ یاسر۔۔۔ اس کو مت اٹھانا۔۔۔ وہ کانٹے چبھ جائیں گے تمہیں۔۔۔" اس نے روکتے ہوئے اس کو چھونا چاہا تو ایک ہوا کا زبردست جھونکا یاسر کے جسم کو جھولتے ہوئے اس کی روح میں سما گیا۔ اس کا سر یک دم جھک سا گیا تھا۔ اس نے پھول کی طرف دیکھا تو تمام کانٹے غائب ہوگئے۔

"یاسر۔۔۔" اس نے آہستگی سے اس کو پکارا اور ہاتھ بڑھانا چاہا تبھی وہ پلٹا تو وحشت کے مارے پیچھے زمین پر جا گری۔ وہ یاسر نہیں تھا۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں۔۔۔ جن میں سالوں کی خشکی اور وحشت شامل تھی۔ یک ٹک اس کو گھور رہی تھیں۔

"ہمارے شہیر کو چھونے کا حق کسی کو نہیں ہے۔۔۔ سنا تم نے۔۔۔ کسی کو نہیں۔۔۔" الفاظ یاسر کے لب سے نکل رہے تھے مگر آواز کی غراہٹ اور وحشت اتنی خوفناک تھی کہ اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے مگر سماعت شکن آواز گونجتی رہی۔

"آئندہ ہمارے شہیر کو چھونے کی کوشش بھی کی تو اچھا نہیں ہوگا۔۔۔" گلا پھاڑ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ جس کی تاب نہ لاتے ہوئے اس پر غشی طاری ہوگئی۔ اس کے بے ہوش ہونے کی دیر تھی کہ ایک زوردار ہوا کا جھونکا آیا اور یاسر کا جسم جھولتا ہوا بے حس و حرکت کھڑا ہوگیا۔ اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو کشف کو زمین پر بے ہوش پایا۔

"کشف۔۔۔" وہ دوڑ کر اس کے پاس گیا اور اسے گود میں اٹھا کر بیڈ پر لٹایا۔ وہ اس کو یوں اچانک بے ہوش دیکھ کر بری طرح ڈر چکا تھا۔ اس کے رخسار کو تھپتھپاتے ہوئے اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ اتنے میں تمام گھر والے بھی وہاں جمع ہو چکے تھے۔ سب کشف کو یوں بے ہوش دیکھ کر بری طرح چونکے تھے۔ ایک ہی دن میں اتنے پراسرار واقعات۔۔۔ فرحت تاج دین کا شک گہرا ہوتا چلا گیا۔ رضیہ بیگم بھی اپنی بیٹی کے سرہانے بیٹھے اس کے ہوش میں آنے کی منتظر تھیں۔

جب تاج دین نے جواز چاہا تو یاسر کچھ نہ چھپا سکا۔ ایک ایک کر کے حقیقت بتا چلا گیا۔ شاید وہ بھی اس حویلی سے خوفزدہ ہو چکا تھا۔ تبھی یہاں موجود روح کے بارے میں بھی چھپا نہ سکا۔ یہ سن کر تاج دین کے چہرے پر غصے کے تاثر نمودار ہوئے۔ اس سے پہلے کہ وہ یاسر کو ڈانٹتے۔ عاصم گویا ہوا اور اپنے ساتھ پیش آئے واقعے کو بھی سب کے سامنے رکھ دیا۔ ایسے میں بھلا حیا کیوں خاموش رہتی؟ اس نے بھی خون سے لکھے پیغام کے بارے میں اپنی زبان کھولی۔ نرگس جنید نے آگے بڑھ کر دونوں بچوں کو اپنے حصار میں لے لیا۔ ان کی پیشانی چومی۔

"اتنا کچھ ہو گیا۔۔۔ میرے بچوں کے ساتھ اور تم دونوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔۔" وہ اپنی ممتا کی پیاس بجھا رہی تھیں۔ فرحت تاج دین کی پریشانی میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو گیا۔ تبھی کشف کو ہوش آیا۔ سب ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"خدا کا شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا۔۔" یاسر نے آگے بڑھنا چاہا تو کشف ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔ سب کشف کی اس حرکت پر بری طرح چونکے تھے۔ وہ یاسر سے اپنے آپ کو ایسے بچا رہی تھی جیسے وہ ابھی اسے کاٹ کھائے گا۔ سب ششدر اسے دیکھنے لگے۔ اس کے چہرے سے پسینے کی بوندیں ٹپ ٹپ گرتی جا رہی تھیں۔ رضیہ بیگم نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور اس کو ذرا حوصلہ دیا۔ سب یاسر کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ سب؟ میں نے کچھ نہیں کیا؟ یقین مانیں۔۔" چبھتی نگاہوں کا مقصد کیا تھا وہ فوراً سمجھ گیا۔ فوراً اپنی بے گناہی ثابت کرنا چاہی تو کشف نے بھی اپنے لب ہلائے اور جو کچھ ہوا تھا صاف صاف بتا دیا۔ یہ سن کر فرحت تاج دین کے آنسوؤں کی مالا ٹپ ٹپ بہتی چلی گئی۔

"میں ناں کہتی تھی۔۔۔ کچھ تو گڑبڑ ضرور ہے۔۔۔ ہمیں یہاں ایک پل نہیں رکنا چاہئے۔۔ چلیں اس پراسرار حویلی سے ابھی چلیں۔۔ مجھے نہیں رکنا یہاں۔۔" فرحت تاج دین نے یاسر کا ہاتھ پکڑ کر باہر جانا چاہا لیکن تاج دین نے فرحت کو روکا۔

"رکو۔۔۔ فرحت۔۔۔ یہ وقت جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے۔۔۔ رات ہو چکی ہے۔ بھلا اتنی رات میں ہم کیسے جائیں گے؟ میری بات مانو۔۔۔ صبح ہوتے ہی واپس چلتے ہیں۔۔" فرحت نے نہ چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ سب کے چہرے پر ایک وحشت کا سا سماں تھا۔ نرگس اپنے دونوں بچوں کو اپنی آغوش میں لئے بیڈ کے پہلو میں کھڑی تھیں۔ ان کے دائیں بائیں مہناز اور جنید تھے۔ دروازے کے ساتھ ہی یاسر، فرحت اور تاج دین ہراساں کھڑے تھے جبکہ کشف اپنی ماں کے سینے سے لگی بیڈ پر بیٹھی تھی۔ پوری فیملی کے دل میں جیسے ایک ڈر بیٹھ چکا تھا۔ رات کو ایسے جیسے گزارنے کا فیصلہ کیا گیا۔ سب اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ایک بار پھر یاسر اس کمرے میں اکیلا تھا۔ چاند کی روشنی براہ راست کھڑکی کے راستے اس کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ اسی چاند کو دیکھتے ہوئے سونے کی کوشش کر رہا تھا مگر نیند تھی کہ اس سے خفا ہو چکی تھی۔ نیلی نیلی روشنی پورے کمرے جیسے اپنا تاثر بکھیرتی جا رہی تھی مگر وہ اس سے لاعلم تھا۔ دائیں جانب کروٹ لئے وہ ایک لامحدود سوچ میں ڈوبا تھا تبھی اسے پائل کے چھنکنے کی آواز آئی۔ وہ ہراساں اٹھ بیٹھا۔ اس کی سانسیں اس وقت ساکت ہو گئیں جب اس نے پورے کمرے کو نیلی روشنی میں نہایا ہوا دیکھا۔ ہر طرف چاندنی پھیل چکی تھی۔ ایسا لگ رہا

تھا جیسے کمرے کی چھت میں ایک بڑا سا شگاف ہو اور چاند براہ راست اپنی تجلیاں کمرے میں بکھیر رہا ہو۔ اس نے چھت پر نگاہ دوڑائی مگر وہاں کوئی شگاف نہ تھا۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو وہاں بھی ایک مخصوص راستہ تھا۔ جس سے ایک حد تک کمرے میں روشنی کی جاسکتی تھی مگر یہاں تو پورے کا پورا کمرہ نیلی روشنی میں نہا چکا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے لحاف پھینکا تو خوشبوؤں کا ایک مرغولہ اس کے جسم سے فضا میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے اوپر نگاہ دوڑائی تو اسے دوسرا دھچکا لگا تھا۔

اس کا شب خوابی کا لباس تبدیل ہو چکا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا اس کے شب خوابی کے لباس کا رنگ سفید تھا مگر اب یہ رنگ تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ ایک سنہرے رنگ کے لباس میں ملبوس تھا۔ جس کی دھاریں خالصتاً سونے کے دھاگوں سے بنی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کی چمک کسی ہیرے موتی سے کم نہ تھی۔ ہلکا ہلکا نیلا رنگ بھی اس لباس پر غالب تھا اور کرتے پاجامے کی بجائے وہ ایک گاؤن تھا۔ ایک خوبصورت، حسین و جمیل گاؤن۔۔۔ جو عموماً عروسی رات کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ مدہوش کن خوشبو اس کے تنفس میں داخل ہو کر اپنے سحر میں جکڑنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ اس کے سحر سے آزاد رہا۔ اس کے گاؤن کی ڈوریاں بھی کسی ریشم سے کم نہ تھیں۔ اس نے ان ڈوریوں کو چھوا تو نرمی کا ایک احساس اس کے جسم میں سرایت کر گیا۔ اس نے گاؤن کی گرہ کو دیکھا تو اتنی نفاست سے گرہ باندھی گئی تھی کہ باندھنے والے نے اس بات کا بھی خیال رکھا کہ نہ پہننے والے کو درد ہو اور نہ اتنی ڈھیلی کے خود بخود کھل جائے۔ وہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔ اس نے اپنے پاؤں بیڈ سے نیچے رکھے تو ایک نرم و ملائم شے سے اس کے پاؤں مس ہوئے۔ اس نے نیچے دیکھا تو اس کے جوتے تک تبدیل ہو چکے تھے۔ چمڑے کے جوتوں کی جگہ نرم و ملائم بالوں کے سیاہ رنگ کا ایک سیدھا سا چمڑے کا ٹکڑا۔ جس کے اوپر پاؤں رکھتے ہی وہ چمڑہ خود بخود اس کے پاؤں پر پھیلتا چلا گیا۔ اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ چمڑے کا ٹکڑا ایک حسین و جمیل جوتے میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی سانسیں تو جیسے اب چلنا ہی بھول چکی تھیں۔ پسینے کی بوندیں ٹپ ٹپ نیچے گر رہی تھیں۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی اور باہر کی طرف جانا چاہا مگر جیسے ہی اس نے مقفل دروازے کو کھولنا چاہا تو ایک دلفریب آواز نے اسے پلٹنے پر مجبور کیا۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ شہیر؟" یہ آواز اتنی باریک اور دلنشیں تھی کہ یاسر پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے دھیرے سے اپنی گردن کو خم دیتے ہوئے پیچھے دیکھا تو وہاں کھڑکی کے پاس ایک عکس کو پایا۔ یہ اس کے لئے تیسرا دھچکا تھا۔ اس بند کمرے میں بھلا کوئی کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ کمرے میں داخلے کا واحد ذریعہ یہ دروازہ تھا اور دروازہ اندر سے مقفل تھا پھر وہ عکس۔۔۔ یہ کوئی چھلاوا نہیں تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے بغور دیکھا شاید وہ ایک وہم ہو مگر وہ نہ تو وہم تھا اور نہ ہی کوئی خواب۔ وہ جاگتی آنکھوں سے اس کو یک ٹک دیکھتا جا رہا تھا۔ لب تو جیسے خود بخود سل ہو گئے۔ کچھ کہنے کے قابل ہی نہ رہے۔

"آپ وہاں کیوں کھڑے ہیں شہیر؟ آگے آئیں۔۔ ہمارے پاس۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی بانہوں کو ذرا کھولا تو اس کو چوتھا دھچکا لگا۔ اس کی نظریں اپنے پاؤں کی طرف گئی۔ جو خود بخود اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اپنے جسم پر کنٹرول کھو چکا ہو۔ کوئی دوسرا اس کے جسم کو کٹھ پتلی کی طرح حرکت دے رہا ہو۔ اس نے پاؤں کو منجمد کرنا چاہا مگر وہ نہ رکے۔ اس کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ بیڈ کے پاس پہنچتے ہی اس نے مضبوطی سے بیڈ کو پکڑا تو کچھ سکون ملا۔ اس کا سانس بری طرح الجھا ہوا تھا۔ آنکھیں پھٹی پھٹی اس عکس سے وحشت کھا رہی تھیں۔

"آپ ڈر کیوں رہے ہیں شہیر؟ ڈریئے مت۔۔۔ ہمارے پاس آئیں؟" وہ ابھی بھی یاسر کو اپنے پاس بلا رہی تھی۔ عکس روشنی کے ماخذ کے بالکل سامنے ہونے کے سبب مبہم سا تھا۔ اس نے لبوں کو مشکل متحرک کیا۔

"کک کون ہو تم؟" اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"شہیر یہ ہم ہیں۔۔۔ شہر بانو۔۔۔" یہ ایک ضرب تھی جو اس کے سر پر لگی تھی۔ وہ ہراساں اس آواز کی گونج کئی ساعتوں تک سنتا رہا۔ جب یاسر آگے نہ بڑھا تو وہ عکس اس کے ذرا قریب ہونا شروع ہوا تو ایک بار پھر وہی پائل کی چھنچھناہٹ یاسر کی سماعت سے جا ٹکرائی۔ اسی کی آواز سے تو وہ اٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں جھکتی چلی گئیں۔ پہلے اس کے پاؤں ذرا واضح ہوئے۔ جو ایک لال رنگ کے جوڑے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اس کے بعد نظر اٹھتی چلی گئی۔ وہ عکس لال رنگ کا حسین و جمیل غرارا وہ زیب تن کئے ہوئے تھا۔ جو دیکھنے میں اتنا نفیس تھا کہ آنکھیں بھی عش عش کر اٹھیں۔ ہاتھ اس کو مس کریں تو ریشم کا احساس بھی بھول جائیں۔ وہ بھی اس لباس کے حسن میں مکمل طور پر کھو چکا تھا۔ عکس ذرا مزید قریب ہوا تھا سینے تک کا حصہ روشن ہوا۔ وہ دونوں ہاتھوں کو سینے کے ذرا سامنے پھیلائے ہوئے تھی۔ جیسے اس کو اپنی بانہوں میں سمیٹنے کے لئے بے تاب ہو۔

مگر وہ بچا رہا۔ اس نے ان ہاتھوں پر نگاہ دوڑائی تو دودھ سے زیادہ سفید تھے اور روئی سے زیادہ ملائم نظر آئے۔ ایک لمحے کے لئے اس کا دل للچایا۔ چھونے کی خواہش اس کے دل میں جاگی مگر ایک انجانی سی دہشت اس کے وجود پر طاری تھی۔ اگر وہ اس عکس سے دہشت نہ کھاتا تو ایک بار ضرور آگے بڑھ کر ان ہاتھوں کی نازکی کو محسوس کرتا جو آنکھوں کو اتنی تازگی بخش رہے تھے چھونے میں جانے کیا قیامت ڈھاتے۔ وہ عکس اب مزید قریب ہوا تو لبوں کی ہلکی سی جھلک نظر آئی۔ وہی نازکی جو اس گلاب کی پنکھڑی میں تھی، وہی رنگ اس کے لبوں سے چھلک رہا تھا۔ وہ یک ٹک ان لبوں کی نزاکت کو دیکھتا رہ گیا۔ باریک سے۔۔۔ نرم گودے کی طرح۔۔۔ اس کی آنکھیں جیسے اس کے لبوں سے ہٹ ہی نہ سکیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ عکس اس کو اپنے حسن کا گرویدہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ قیامت بھی ڈھا رہا تھا مگر رفتہ رفتہ۔

وہ اب بھی پتھر کی طرح اسی عکس پر نگاہیں ٹکائے کھڑا تھا تب وہ وجود پورا کا پورا اس کے سامنے ہو لیا۔ وہ کئی ساعتیں تو پلک جھپکنا تک بھول گیا۔ اپنی جھیل آنکھوں سے اس کے حسن کو اپنے دل کی نگری میں اتارتا رہا۔ شاید ہی اس نے آج سے پہلے اتنا حسین چہرہ دیکھا ہوگا۔ بڑی بڑی جھیل نما آنکھیں، باریک سی کھڑی ناک، سفید رنگت، گہری سیاہ زلفیں جو دونوں شانوں سے آگے سینے پر پھیلی ہوئی تھیں، زلفوں میں قیامت ڈھاتے خم، چہرے کے دونوں جانب بالوں کی باریک لٹیں جو اس چاند سے چہرے پر ہوا کے جھونکوں کے سنگ لہرا رہی تھیں۔ پیشانی سے ذرا پیچھے کچھ فاصلے پر ایک لال رنگ کا ہی خوبصورت دوپٹہ۔۔۔ جسے پنوں کے ذریعے زلفوں میں ترتیب دیا گیا تھا۔ وہ اس وجود سے نظریں ہٹانا یکسر بھول چکا تھا۔ حسن کا رعب اس قدر اس پر حاوی تھا کہ وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ عکس انسان نہیں بلکہ ایک روح ہے۔ حسن کا ایک رعب اس کو اپنے حصار میں جکڑ چکا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ شہیر۔۔۔ یہ وجود آپ ہی کا تو ہے۔" اس نے آگے بڑھ کر یاسر کو چھوا تو جانے کون کون سے عکس اس کی آنکھوں کے سامنے محو رقص ہوتے دکھائی دیئے۔ وہ چاہ کر بھی اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد نہ کروا سکا۔

"یہ دیکھ رہے ہیں آپ۔۔۔ یہ ہم ہیں۔۔۔ شہر بانو۔۔۔ اور یہ آپ ہیں۔۔۔ شہیر" دو عکس ایک دوسرے کو بانہوں میں لئے یاسر کی دماغ کی دنیا داخل ہوئے۔ ایک انجانہ سا منظر اس کی آنکھوں کے آگے چھا گیا۔ ایک عجب خوشگوار منظر۔۔۔ لال رنگ کی ڈوریوں میں، مہکتے گلابوں کے درمیان دو اجسام۔۔۔ ایک دوسرے کو بانہوں میں لئے۔۔۔ ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے۔ چہرے مبہم سے تھے۔ اس نے ذرا غور سے شناسائی حاصل کرنا چاہی تو سب کچھ واضح ہوتا گیا۔ وہ دلہن کے لباس میں ایک شہزادی تھی، جسے ایک خوبرو نوجوان اپنی بانہوں میں لئے ہوئے تھے۔ اس نوجوان کے سر پر ایک تاج تھا۔ وہ چہرہ دیکھنا چاہتا تھا مگر نظر تاج سے ہٹ ہی نہ سکی۔ حسین و جمیل سونے چاندی سے بنا تاج۔۔۔ رنگ برنگے موتیوں سے جگمگاتا یہ تاج اس کی نظروں میں جیسے نقش ہو کر رہ گیا۔ وہ

خوابوں کی دنیا میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ حقیقت میں کیا ہو رہا ہے؟ اسے کچھ علم نہ تھا۔ شہر بانو اس کے قریب ہوئی اور خود کو اس کی بانہوں میں سمو لیا۔ یاسر خوابوں میں تھا یا پھر اس کے سحر میں جکڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ خود بخود شہر بانو کی پشت کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ شہر بانو نے اپنا رخسار اس کے سینے سے مس کیا تو ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ اپنے ہاتھ یاسر کی پشت کے گرد حمائل کیے اور خود کو یاسر میں سمو لیا۔ کچھ ساعتیں اسی طرح بیت گئیں۔ پھر شہر بانو یاسر کے جسم میں اترتی چلی گئی۔ ہاتھ اندر دھنستے گئے۔ خود اس کا وجود بھی یاسر میں داخل ہو گیا اور دو وجود ایک ہو گئے۔ شہر بانو کی روح جیسے ہی یاسر کے جسم میں داخل ہوئی تو یاسر کی آنکھیں تاروں کی مانند چمکنے لگیں اور چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔

☆.....☆.....☆

صبح ہوتے ہی سب اپنا اپنا سامان پیک کرنے کے بعد ہال میں جمع ہو گئے لیکن یاسر ابھی تک نیچے نہیں آیا تھا۔ سب کو فکر ہوئی تو جنید اوپر گیا اور یاسر کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ نہ کھلا تو مجبوراً اسے ایک دھکے سے دروازہ کھولنا پڑا۔

"یاسر۔۔۔ تم ابھی تک۔۔۔" اس کے الفاظ ادھورے رہ گئے۔ ایک شکل جسم آگے بڑھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ خوابوں کی دنیا میں مست ابھی تک سو رہا تھا۔ پورے بیڈ کو احاطہ کیے سفید جھالر میں سے بھی وہ یاسر کا عکس واضح دیکھ سکتا۔ صرف یاسر ہی نہیں وہ اس کے ساتھ کسی اور عکس کو بھی دیکھ رہے تھا۔ خراماں خراماں آگے بڑھا تو عکس واضح ہوتا رہا۔ وہ ایک لڑکی کا عکس تھا۔ جو یاسر کے دوسری کروٹ لیٹی اس کے سینے پر اپنا حسین و جمیل ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ ایک لمحہ میں ہی اس کا غصہ ساتویں آسمان پر تھا۔ اسے یاسر سے قطعاً امید نہ تھی۔ کچھ دن بعد کشف سے اس کی شادی ہو رہی تھی اور شادی سے فقط چند دن پہلے ایسی حرکت اس پر ایک پہاڑ کی مانند تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے وہ جھالر اٹھایا تو آنکھیں ساکت رہ گئیں۔ وہ لاشعوری طور پر پیچھے اچھل پڑا۔ وہاں یاسر کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ پیچھے اچھلنے سے اس کا ہاتھ سائیڈ ٹیبل پر رکھے الارم سے ٹکرایا جو لڑھکتا ہوا دروازے کے پاس چلا گیا۔ شور کی آواز سن کر یاسر کی آنکھ کھلی۔ پہلی ہی نظر جنید پر گئی تو وہ بری طرح چونکا۔

"بھائی۔۔۔ آپ یہاں؟" اس نے گاؤن کی ڈوریاں باندھتے ہوئے اپنا سینہ چھپایا۔ یہ جنید کے لئے دوسرا جھٹکا تھا۔ وہ یک ٹک اس کے گاؤن کو دیکھ کر ششدر تھا۔

"یہ۔۔۔ کیا زیب تن کیا ہوا ہے تم نے؟" اس نے عجلت کے ساتھ پوچھا اور اپنے حواس پر قابو پانا چاہا۔ دائیں ہاتھ سے پیشانی کو ذرا مسلا۔

"یہ۔۔۔ میرا گاؤن ہے بھائی۔۔۔ آپ بھول گئے کیا؟" اس نے خفیف سے مسکراہٹ کو چہرے پر سجاتے ہوئے کہا اور دو قدم چل کر جنید کو چھوا۔

"اور آپ اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں؟ کچھ ہوا ہے کیا؟" یاسر کے چھونے سے ایک سرد لہر جنید کے جسم میں سرایت کر گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی برفیلے ٹیلے نے اس کے جسم کو مس کیا ہو۔ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے اپنا شانہ جھٹکا اور ہڑبڑاتے ہوئے یاسر کو اپنا سامان پیک کرنے کو کہا جس پر وہ خاصا حیران ہوا۔

"سامان پیک کروں؟ مگر کیوں؟" وہ ایسے ری ایکٹ کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ جنید یاسر کے اس رویے پر خاصا حیران تھا۔ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر یہاں سے جانے کا ذکر کیا۔

"میں یہاں سے کہیں نہیں جا رہا بھائی۔۔۔ آخر میں اور کشف یہاں شادی کرنے آئے تھے۔ پھر بھلا شادی سے پہلے ہم یہاں سے کیسے جا سکتے ہیں؟" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اتنے میں وہاں پر کشف اور مہناز بھی آ موجود ہوئی تھیں۔

"یاسر۔۔۔ لیکن کل شب تم تو راضی تھے پھر صبح اٹھتے ہی کیا ہوا؟" یہ مہناز کی آواز تھی۔ وہ بھی یاسر کے اس رویے پر حیران تھی۔ تبھی کشف کی طرف سے اگلا سوال داغا گیا۔

"یہ گاؤن۔۔۔ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟" وہ اس گاؤن کی چمک اور اجلا پن دیکھ کر خاصی حیران

ہوئی۔ مہناز نے بھی کبھی یاسر کو گاؤن پہنے نہیں دیکھا تھا۔

اتنے میں وہاں پر باقی سب بھی آموجود ہوئے۔ سب یاسر کے گاؤن کو دیکھ کر ششدر تھے۔

"یہ آپ سب گاؤن کو دیکھ کر اتنے حیران کیوں ہیں؟ یہ میرا شب خوابی کا لباس ہے اور ہمیشہ سے یہی تو پہن کر سوتا آیا ہوں۔" اس کے دوٹوک جواب پر سب کو جیسے ایک شاک لگا تھا۔ اس کے چلنے کا انداز، بات کرنے کا لہجہ سب کچھ بدل چکا تھا۔ آج تک کبھی اس نے کسی سے اکڑ کر بات نہیں کی اور آج بات کرتے ہوئے اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثر تھے۔ وہ چلتے ہوئے کھڑکی کے پاس گیا تو اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی جس کو کوئی نہ دیکھ سکا۔

"یہ کس لہجے میں بات کررہے ہو تم؟" تاج دین نے اسے ٹوکا تھا۔

"اسی لہجے میں بات کررہا ہوں۔۔ جس میں ہمیشہ سے کرتا ہوں۔۔ آپ بس یہاں سے جانے کی بات کو چھوڑ دیں۔۔" وہ دفعتاً پلٹا تھا۔ آنکھوں کی چمک غائب ہوگئی اور وہ منت سماجت والے لہجے میں گویا ہوا۔

"صاحب۔۔ سامان رکھ دوں گاڑی میں۔۔" اتنے میں وہاں پر رحمو بابا آموجود ہوئے۔ ان کی نظر جیسے ہی یاسر کے پہنے ہوئے گاؤن پر گئی تو ایک لمحے کے لئے اس کے جسم سے جیسے روح نکل گئی۔ وہ ایک پل کے لئے پیچھے دیوار سے جالگا۔ سب نے رحمو بابا کے اس بدلتے تاثر کو دیکھا تھا۔

"رحمو بابا۔۔۔ کیا ہوا؟" جنید نے آگے بڑھ کر اس کو شانوں سے چھوا تو اسے ایسا لگا جیسے اس کے جسم میں روح ہی نہ ہو بس مٹی کا ایک پتلا ہو جو یک ٹک یاسر کے پہنے ہوئے گاؤن کو دیکھے جارہا تھا۔

"رحمو بابا۔۔۔" اس بار جنید چلایا تھا تبھی اس نے ایک جھرجھری لی اور بے یقینی کے ساتھ جنید کی طرف دیکھا۔ اس نے جواز جاننا چاہا تو رحمو بابا نے بات کو ٹال دیا مگر آنکھوں کو یاسر کے گاؤن سے نہ ہٹنے دیا۔ وہ یک ٹک اس گاؤن کو گھورتا جارہا تھا۔ فرحت تاج دین نے رحمو بابا کی اس حرکت کو نوٹ کرلیا تھا۔

"اوہ۔۔ اگر آپ کو جانا ہے تو جائیں۔۔ میں یہاں سے کہیں نہیں جارہا۔۔ اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔۔" اس نے اپنی گردن کو اکڑا کر کہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار سب نے یاسر کا یہ روپ دیکھا تھا۔ وہ ضد کرتا تھا مگر اس انداز سے نہیں کہ دوسرے کو بے عزت کرنا منصوب ہو۔ لیکن آج وہ ایسے بات کررہا تھا جیسے وہ مصمم ارادہ کرچکا ہو۔ کسی کی کوئی بات اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

"لیکن۔۔۔" جنید نے کچھ کہنا چاہا تھا تبھی کشف گویا ہوئی۔

"اگر یاسر یہی چاہتا ہے تو یہی صحیح۔۔۔ ویسے بھی ایک ہفتے کے اندر اندر ہی تو ساری رسومات مکمل ہوجائیں گی پھر ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس طرح یاسر کی دیرینہ خواہش بھی پوری ہوجائے گی کہ اس کی شادی راجا مہاراجاؤں کی طرح ہو۔" کشف کے لہجے سے محبت چھلک رہی تھی۔ وہ خود وحشت کا شکار تھی مگر یاسر کی محبت اس وحشت سے زیادہ عزیز تھی۔ اس کی خواہشیں ایک خاص وجہ رکھتی تھیں۔ اس کی بات سن کر سب خاموش ہوگئے مگر رحمو بابا کو تو جیسے ایک دوسرا شاک لگا تھا۔ لفظ راجا مہاراجا سن کر وہ دیوار سے جالگا۔ فرحت تاج دین نے دیکھا تھا کہ اس کی پیشانی سے ایک پسینے کا نہ رکنے والا تسلسل جاری ہے۔ وہ چاہ کر بھی اپنے خوف کو قابو نہیں کرپارہا تھا۔ کسی کو بنا کچھ کہے وہ یہاں سے باہر کو چل دیا۔

"ہو نا ہو۔۔ رحمو بابا لازمی کچھ نہ کچھ چھپا رہا ہے۔۔" فرحت تاج دین سوچا بھی سب ایک ایک کرکے یاسر کے کمرے سے نکل دیئے۔ سب کو یاسر پر غصہ آرہا تھا۔ اس کی وجہ سے انہیں اس پراسرار حویلی میں رکنا پڑ رہا ہے۔ فرحت تاج دین تیز قدموں سے چلتے ہوئے نیچے آئی اور رحمو بابا جو ابھی دہلیز کو پار کرنے ہی جارہا تھا۔ آواز دے کر روکا۔ فرحت کی آواز سن کر وہ رکا اور اگلے ہی لمحے پلٹ کر دیکھا۔ فرحت تاج دین زینے پر کھڑی تھیں۔ اس کے پیچھے تاج دین اور نرگس تھی۔ مہناز اور عاصم کچن میں جاچکے تھے۔ جبکہ حیا یاسر کے کمرے سے سیدھا اپنے کمرے میں چل دی۔ جنید بھی وہاں

آموجود ہوا۔ رحمو بابا صوفوں کے پاس آ کھڑا ہوا تو فرحت تاج دین گویا ہوئیں۔

"دیکھو رحمو بابا۔۔۔ جو کچھ تمہیں معلوم ہے صاف صاف بتادو۔۔۔" یہ سن کر سب کو ایک شاک لگا تھا۔ رحمو بابا کی پیشانی سے دوبارہ پسینہ جاری ہوگیا۔

"فرحت۔۔۔" تاج دین نے ٹوکنا چاہا مگر فرحت نہ رکی اور دوبارہ سوال داغا اس بار رحمو بابا کے لبوں پر جنبش آئی اور نفی میں سر ہلادیا۔

"تو پھر یاسر کے گاؤن کو دیکھ کر اتنے چونکے کیوں تھے؟ حیرت تو ہمیں بھی ہوئی مگر تمہاری اضطرابی کچھ زیادہ ہی تھی اور پھر جب کشف نے راجا مہاراجاؤں کا نام لیا تو تم پہلے سے زیادہ حیران و پریشان دیکھائی دیئے تھے۔" فرحت نے رحمو بابا کو اپنے مشاہدے سے آگاہ کیا تو سب یک ٹک رحمو بابا کی طرف دیکھنے لگے۔ تبھی وہاں پر کشف اور رضیہ بیگم بھی آموجود ہوئیں۔

"دیکھیے رحمو بابا۔۔۔ اگر آپ کو کچھ بھی معلوم ہے تو خدا کے لئے آپ ہمیں بتائیں۔۔۔ آخر ان سب پراسرار واقعات کے پیچھے کیا حقیقت چھپی ہے؟" کشف نے پیار سے ان کے شانوں کو چھوا تو ایک باریک سی کپکپاتی آواز سب کے کانوں میں گونجی۔

"شہر۔۔۔ بانو۔۔۔" یہ نام سن کر سب کو ایک زبردست شاک لگا تھا۔

"شہر بانو۔۔۔ کیا مطلب ہے آپ کا؟ اور یہ شہر بانو ہے کون؟ اور اس کا ان پراسرار وقعات سے کیا تعلق ہے؟" کشف نے بنا کسی تردد کے پوچھا۔

"بہت گہرا تعلق ہے شہر بانو کا۔۔۔ اس حویلی کے ساتھ۔۔۔ اور اس کمرے کے ساتھ جہاں اس وقت یاسر صاحب رہ رہے ہیں۔" یہ سنتے ہی فرحت تو جیسے گرنے ہی والی تھیں اگر صوفہ نہ ہوتا تو وہ زمین پر جا گرتیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" جنید کی طرف سے اگلا سوال داغا گیا تھا۔

"مطلب تو فی الحال میں بھی نہیں جانتا لیکن آپ سب نے وہ شب خوابی کا لباس تو دیکھا تھا ناں جو اس وقت یاسر زیب تن کئے ہوئے تھے۔۔۔ وہ اس حویلی کے شہزادے شہیر کا تھا۔ میں نے بڑے بزرگوں سے شہیر کے شب خوابی کے لباس کے بارے میں سنا تھا وہ ہو بہو یاسر کے شب خوابی کے لباس جیسا تھا۔" یہ سن کر جہاں سب کو حیرت ہوئی تھی وہیں کشف بھی حیرت کے سمندر میں غوطے لگا رہی تھی۔ یہ وہی نام تھا جسے اس نے یاسر کے لبوں سے سنا تھا۔

"ابھی تم کہہ رہے تھے کہ ان سب کے پیچھے شہر بانو ہے اور اب کہہ رہے ہو شہیر۔۔۔ کیا اول فول بک رہے ہو؟" تاج دین کو ذرا غصہ آیا۔

"میں اول فول نہیں بک رہا صاحب۔۔۔!! شہیر اس حویلی کے شہزادے اور شہر بانو ان کی ہونے والی بیوی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے مگر ایک انہونی نے انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کردیا۔ تب سے لے کر آج تک شہر بانو کی روح اس حویلی میں بھٹک رہی ہے اور اپنی محبت کے لوٹ آنے کی منتظر ہے۔ بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ شہر بانو کو پورا یقین ہے کہ اس کی محبت لوٹ کر ضرور آئے گی اور جب اسے اس کی محبت مل گئی وہ اسے اپنے ساتھ لے جائے گی۔ اپنی دنیا میں۔۔۔" یہ سن کر فرحت اور کشف پر تو جیسے ایک لرزہ طاری ہوگیا۔ دونوں کی ذہن کی گتھیاں خود بخود سلجھتی چلی گئیں۔

"پھر وہ ہمارے یاسر کے پیچھے کیوں پڑی ہے؟" رضیہ بیگم نے استفسار کیا۔

"شاید۔۔۔ یاسر صاحب ہی شہیر ہوں۔۔۔" یہ سن کر کشف کی سانسیں کسی کانٹے دار جھاڑی میں اٹکتی دیکھائی دی۔ فرحت کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی ایک جھڑی شروع ہوگئی۔ جنید بھی حواس باختہ دیکھتا جارہا تھا جبکہ تاج دین کے چہرے پر غیر یقینیت کے آثار واضح تھے۔ انہیں ان ماورائی باتوں پر قطعاً یقین نہیں تھا۔

"بند کرو۔۔۔ یہ فضول کی باتیں اور جا کر اپنا کام کرو۔۔۔" انہوں نے رحمو بابا کو جھڑک دیا۔ گردن کو جھکا کر وہ باہر چل دیا جبکہ فرحت پر تو جیسے ایک سکتہ طاری تھا۔

"میرا یاسر۔۔۔ پتا نہیں وہ کیا کرے گی میرے یاسر

کے ساتھ؟" آنکھوں سے آنسوؤں کی جل تھل جاری تھی۔

"بند کرو۔۔۔ یہ رونا دھونا۔۔۔ روح وروح کچھ نہیں ہوتی۔ سب بڑے بڈھوں کے منہ کی باتیں ہیں۔۔۔" انہوں نے بات کو بہت ہلکا جانا تھا۔

"نہیں خالو۔۔۔ رحمو بابا شاید سچ کہہ رہے ہیں۔" کشف نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔

"کشف تم بھی ان بے تکی باتوں پر یقین رکھتی ہو۔۔۔؟؟ کم سے کم مجھے تم سے تو یہ امید بالکل بھی نہیں تھی۔" تاج دین نے ناگواری سے کہا۔

"شاید میں بھی آپ کی طرح یقین نہ کرتی خالو جان۔۔۔ مگر جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کو دیکھ لینے کے بعد بھلا اور کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے؟" اس کے ذہن میں وہی رات والا منظر چل رہا تھا۔ گلاب کی ٹہنی کا ہاتھ سے چھوٹ کر دوبارہ گلدان میں چلے جانا۔ اجنبی آواز کا سنائی دینا۔۔۔ یاسر کی بدلی ہوئی آواز۔۔۔ سب کچھ ناقابل یقین ضرور تھا مگر اس کا یقین پختہ ہو رہا تھا۔

"خدا کے لئے جلدی سے کسی عامل کو بلا کر میرے بیٹے کو اس روح سے چھٹکارا دلائیں۔۔۔ خدا کے لئے۔۔۔" فرحت نے تاج دین کی طرف حسرت کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس سے پہلے وہ انہیں جھٹکتے کشف نے بھی اسرار کیا تو مجبوراً انہیں اثبات میں گردن ہلانی پڑی۔

☆.....☆.....☆

سب کے اسرار پر ایک عامل کو حویلی بلایا گیا مگر اس بات سے یاسر کو انجان رکھا۔ شاید یہ ضروری تھا لیکن یہ بات چھپانے کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی۔ وہ اپنے آپ کو تقریباً اس کمرے کی حد تک محدود کر چکا تھا۔ جو کوئی اس کے کمرے میں جاتا۔ یاسر کو اسی گاؤن میں پاتا۔ لہجہ بدلا ہوتا۔ بات کرنے کا انداز سب کچھ عجیب سا ہوتا اور اگر کوئی باہر آنے کو کہتا تو ٹال دیتا۔ یہ بات تاج وین کو بھی شک میں مبتلا کر گئی۔ شام تک عامل نے حویلی میں قدم رکھ لیا تھا۔ اس کے حویلی میں قدم رکھنے کی دیر تھی کہ ایک ہولناک چیخ سنائی دی۔ سب نے چیخ کو سنا تھا۔ یہ چیخ یاسر کے کمرے سے آئی تھی۔ فرحت نے یاسر کے کمرے کی طرف بڑھنا چاہا مگر عامل نے روک دیا۔

"نہیں۔۔۔ کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔ اس روح کو پتا چل چکا ہے کہ میں نے اس حویلی میں قدم رکھ لیا ہے۔ وہ اب بے قابو ہو کر کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ کوئی اس حصار سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے۔۔۔" اس نے یہ کہتے ہوئے سب کو صوفے کے گرد جمع ہونے کو کہا۔ سب وہاں اکٹھے ہوئے گئے تو اس نے ایک سفید مٹی سے ایک بڑا سا حصار کھینچ دیا۔ سب کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ممتا بے تاب تھی۔ اس کی نظریں بار بار یاسر کے کمرے کی طرف اٹھ رہی تھی۔

"میرا یاسر۔۔۔ اگر اس نے یاسر کو نقصان پہنچا دیا تو۔۔۔" آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔۔۔ وہ روح یاسر کا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکے گی۔ آپ سب یہاں خاموشی کے ساتھ بیٹھ جائیں۔۔۔" یہ کہتے ہی اس عامل نے کندھے سے لٹکے کپڑے کی بڑی سی پوٹلی سے کچھ چیزیں نکال کر باہر رکھیں۔ ان میں ایک پیالہ۔ ایک کانچ کا ڈبہ۔۔۔ چند لکڑیاں۔ جس سے صندل کی خوشبو آرہی تھی۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے سب کی آنکھوں کے سامنے ان لکڑیوں میں آگ جلائی تو صندل کی خوشبو پورے گھر کو اپنے سحر میں لے گئی۔ اس نے اپنے بیگ سے ایک بوتل نکال کر اس میں موجود پانی کو پیالے میں ڈالا اور پھر ایک لکڑی کی ڈوئی نکالی۔ جس سے اس پیالے سے پانی کا چند قطرہ آگ میں ڈالا۔ آگ مزید بھڑک گئی۔ سب کے چہرے اس آگ کو دیکھ کر خوفزدہ ہو چکے تھے۔ عاصم نے خوف سے نرگس کو جکڑ لیا۔ حیا بھی مہناز کی آغوش میں تھی۔ یہ عمل اب وہ بند آنکھوں سے کرنے لگا۔ ابھی کچھ لمحے ہی بیتے تھے کہ ایک ہولناک آواز سب کی سماعت کو چیرنے لگی۔

"کس نے ہمت کی ہے ہماری روح کو ٹھیس پہنچانے کی؟ کس نے؟" سب کی نظریں زینے کی طرف اٹھیں تو جیسے سب کے جسم میں ایک کرنٹ دوڑ گیا۔ وہاں

یاسر کھڑا تھا۔ وہی گاؤن پہنے ہوئے مگر آنکھوں میں انگارے سموئے ہوئے۔ اس کی آنکھیں دہکتی جا رہی تھیں۔ اس کی چال بھی لڑکھڑاہٹ کا شکار تھی۔ وہ ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ نیچے اتر رہا تھا۔

"ادھر آ میرے پاس۔۔۔" عامل نے کرخت لہجے میں کہا تھا۔ اس کے کہتے ہی یاسر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا۔

"تجھے تو ہم۔۔۔" یاسر کی آواز اپنی نہیں تھی۔ ایک نسوانی آواز اس کے حلق سے نکل رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ عامل کی گردن کو دبانے کے بڑھایا ہی تھا کہ اس نے اپنا دفاع کرتے ہوئے ایک چٹکی سفوف کانچ کے ڈبے سے نکال کر آگ میں ڈالا۔ اس کے دھوئیں نے یاسر کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس کی حالت سب کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ وہ درد سے کراہتا جا رہا تھا۔ آنکھوں میں دہکتی آگ نے اس کے خوبصورت چہرے کو سیاہی میں تبدیل کر دیا۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بن گئے۔

"ماما۔۔ چاچو۔۔۔" عاصم نے مضبوطی سے نرگس جو پکڑ لیا تھا۔ کسی سے بھی یاسر کی یہ حالت نہیں جا رہی تھی۔

"خدا کے لئے میرے بیٹے کو اذیت نہ دیں۔۔"

فرحت گڑگڑائی تو عامل نے رسوب ڈالنا بند کیا تو جیسے یاسر کی جان میں جان آئی۔ وہ نڈھال وجود کے ساتھ زمین پر آ گرا۔

"بول۔۔ کون ہے تُو۔۔ کیا چاہتی ہے اس لڑکے سے۔۔؟" عامل نے کہا تو اس نے اپنی روداد سنائی۔

"ہم شہربانو ہیں۔ شہیر کی ہونے والی بیوی۔۔ آج سے دو ہزار سال پہلے شہیر نے اس گھر میں جنم لیا تھا۔۔" وہ اب اپنی کہانی سناتی جا رہی تھی۔ عامل سمیت سب گھر والے اس کی کتھا سن رہے تھے۔

بادشاہ کے لئے یہ بات خوشی کی تھی کہ اس کے ہاں شہزادے نے جنم لیا ہے مگر اس خوشی کو بھی اداسی نے آگھیرا۔ شہزادے کو جنم دیتے ہی ملکہ اس دنیا سے چل بسیں۔ اس بات نے بادشاہ کے دل کو بہت ٹھیس پہنچائی۔ وہ ملکہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کی ناگہانی موت سے وہ نڈھال ہو کر رہ گئے۔ بیٹے کی خوشی، انہیں ملکہ کے بغیر پھیکی محسوس ہوتی تھی۔ جب بادشاہ کے وزیروں نے بادشاہ کی یہ حالت دیکھی تو انہیں شادی کا مشورہ دیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

"ہم اپنے شہزادے کو کسی سوتیلی ماں کے ظلم کا نشانہ نہیں بننے دیں گے۔۔ ہمیں ملکہ کے جانے کا دکھ ہے اور ہمیں شہزادے شہیر کے لئے بھی افسوس ہے کہ وہ اپنی ماں کا چہرہ تک نہ دیکھ سکے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہم دونوں کی محبت سے بے وفائی کریں۔ ہم خود اپنے شہزادے کی تربیت کریں گے۔ ان کو ویسا بنائیں گے جیسا ان کی ماں دیکھنا چاہتی تھی۔۔۔" بادشاہ نے اپنے مصمم ارادے کو سچا کر دکھایا۔ انہوں نے شہزادے کی بہت اچھی تربیت کی۔ دنیا جہاں کا علم سکھایا اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تعلیم دی۔ شہزادہ بادشاہ کی ہر کہی گئی بات کو مانتا چلا گیا۔ جتنا بادشاہ اپنے شہزادے سے محبت کرتا تھا اتنی ہی شہزادہ اپنے باپ سے کرتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی جان تھے۔ بادشاہ اگر رحم دل تھا تو بیٹا بھی کم نہیں تھا۔ اپنی رعایا کا خاص خیال رکھتا۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ شہیر نے لڑکپن میں قدم رکھا تو شکار کا شوق ان میں پروان چڑھنے لگا۔ بادشاہ سے اجازت کے بعد وہ شکار پر جاتے تو راستے میں اگر کوئی غریب بچہ مل جاتا تو اسے بھی اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کر لیتے۔ واپسی پر اپنا شکار اس بچے کے حوالے کر دیتے۔ ان کے اس اسلوب کو دیکھتے ہوئے سب ان سے محبت کرنے لگے۔ انہیں اپنے مستقبل کا بادشاہ حال کے بادشاہ کی طرح مہربان نظر آ رہا تھا۔ بادشاہ بھی شہیر کے اس حسن سلوک پر خوش ہوتے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ شہزادے شہیر جتنے اخلاق میں اعلیٰ مزاج رکھتے تھے اتنا ہی حسن میں بھی باکمال شخصیت کے حامل تھے۔ ان کے حسن کا چرچا سرحد پار تک جا پہنچا تھا۔ آس پاس کے مہاراجا ان کو اپنے داماد بنانے کے خواہ تھے۔ بادشاہ جب بھی شہیر کو کسی شاہی تقریب میں لے جاتے تو جو شہزادی ان کو ایک بار دیکھ لیتی۔ ان پر فریفتہ ہو جاتی۔ اپنا سب کچھ ان پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتی۔ ہر شہزادی کے دل

میں یہ تمنا جاگتی کہ شہیر کے حسن کو چھونے کا حق صرف ان کو حاصل ہو۔ ان کے لبوں کی چاشنی فقط ان کے جسم میں کا حصہ بنے۔ ایسے میں کئی بار کچھ شہزادیوں نے اپنی حدود کو بھی پار کرنا چاہا مگر شہیر تو جیسے حیا کے دامن کا بھی خوب پاس رکھنا جانتے تھے۔ انہوں نے کبھی اپنے حسن کا ناجائز استعمال نہ کیا اور نہ ہی اپنے کردار کو دوسرے شہزادوں کی طرح داغدار کیا۔ وہ ہمیشہ عورتوں کے فریب سے بچے رہے۔ لیکن آخر کب تک؟ بادشاہ نے ان سے بات کی۔

"بیٹے۔۔۔ اب آپ سترہ برس کے ہو چکے ہو۔۔۔ نامور شاہی خاندان تم سے اپنی بیٹی کا نصیب جوڑنا چاہتے ہیں۔ تم کیا کہتے ہو؟" بادشاہ نے شہزادے کو اپنی خواب گاہ میں بلا کر اس کے حالِ دل کے بارے میں شناسائی چاہی تھی مگر شہزادہ تو جیسے اپنے باپ پر جان نچھاور کرتا تھا۔

"ابا حضور! آپ جو فیصلہ کریں گے مجھے قبول ہوگا۔"

اس نے ہمیشہ کی طرح اپنے باپ کے فیصلے کو سر لیا تھا۔

"مجھے یہی امید تھی آپ سے۔۔۔ لیکن میرے بیٹے یہ زندگی آپ کی ہے؟ کچھ فیصلے آپ کو خود کرنے چاہئیں۔ ہم چاہتے تو خود سے ایک دوشیزہ ڈھونڈتے اور اس کے ساتھ آپ کی نسبت طے کر دیتے اور ہمیں یقین تھا آپ ہمارے فیصلے کے خلاف کبھی نہ جاتے لیکن بیٹے ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہم نے ہمیشہ آپ کی خوشی چاہی ہے اور آج بھی یہی چاہتے ہیں۔ آپ جہاں چاہیں گے، ہم وہیں آپ کے لئے رشتہ بھیجنے کو تیار ہیں۔" انہوں نے شہیر کے دونوں شانوں کو چھوا تھا۔

"ابا حضور! ہمیں آپ پر پورا یقین ہے۔ آپ جس دوشیزہ کا بھی ہمارے لئے انتخاب کریں گے۔ ہم ان سے ہی شادی کریں گے۔۔۔" اس نے اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا۔ بادشاہ نے فرطِ جذبات میں اس کو گلے لگا لیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ کل ساتھ والی ریاست کی شاہی فیملی آپ کو دیکھنے آ رہی ہے۔ ان کی دو بیٹیاں ہیں۔ دونوں ہمیں پسند ہیں۔ آپ جس کے ساتھ شادی کرنا چاہیں۔ ہمیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیجیے گا۔" یہ سن کر شہیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اگلے دن پوری حویلی کو دلہن کی طرح سجا دیا گیا۔ اس حویلی کے اکلوتے چشم و چراغ کے لئے رشتہ آ رہا تھا پھر بھلا بادشاہ کوئی کمی کیسی رہنے دیتا۔ پوری حویلی کو گلاب کی مہک سے آراستہ کیا گیا۔ سرخ گلاب ہر طرف بکھیر دیئے گئے۔ چلنے کے لئے رف مخمل بچھا دیئے گئے۔ صدر دروازے سے حویلی کے ہال تک ایک لمبی قطار دربانوں کی تھی جو آنے والے معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے تھی۔ بادشاہ نے بطورِ خاص اس دن کے لئے اپنے بیٹے کے لئے ایک عمدہ لباس کا انتخاب کیا۔ سنہرے رنگ کا حسین جوڑا جسے دیکھ کر ایسا گماں ہوتا جیسے وہ لباس ریشم اور سونے کے دھاگوں سے مل کر بنایا گیا ہو۔ دیکھنے میں جتنا نفیس تھا، چھونے میں اتنا ہی نرم و ملائم۔ اس لباس کو اگر کوئی عام شخص پہنتا تو شاید اس کی خوبصورتی اتنی نہ نکھرتی مگر اس لباس کو زیبِ تن کرنے والا کوئی اور نہیں اس حویلی کا شہزادہ تھا۔ شہزادہ شہیر۔۔۔ جو حسن کا پیکر تھا۔ وہ لباس پہنتے ہی دونوں کی خوبصورتی دور سے ہی جگمگانے لگی۔ شہزادے شہیر کا روشن چہرہ دن کے وقت بھی چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا تھا۔ چہرے پر ایسا نور تھا جسے دیکھ کر چاند تارے بھی شرما جائیں۔

سورج ڈھلتے ہی معزز مہمان اپنی شاہی سواری سے اترے اور حویلی میں داخل ہوئے۔ کسی دربان نے پہلے ہی شہزادے کو مہمانوں کی خبر دے دی۔ وہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑے ان مہمانوں کے عکس کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ شاہی سواری سے اترنے والوں میں ایک بادشاہ، دو خوبصورت دوشیزائیں اور ملکہ تھی۔ شہزادہ ان میں سے کسی کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ تبھی اس نے پلٹ کر دربان سے کچھ کہا تھا لیکن اس کے حسن کی جھلک ایک دوشیزہ نے دیکھ لی تھی۔ بالکونی کے پردے کی اوٹ سے شرماتا ہوا چاند اس پر قدرے آویزاں تھا۔ ہر لڑکی کی طرح اس دوشیزہ کا دل بھی شہزادے پر فریفتہ ہو گیا۔ پہلی نظر میں ہی وہ اس کو دل دے بیٹھی۔

بادشاہ نے مہمانوں کا استقبال کیا اور اندر لے گئے۔ شہزادے شہیر ابھی تک اپنی خواب گاہ میں موجود

تھے۔ مہمانوں کو عالیشان نشستوں پر بٹھایا گیا۔ بیٹھنے میں اتنے نرم وملائم کے ہاتھ رکھو تو اندر ہی دھنس جائے۔ سب باتوں میں مصروف تھے سوائے ایک دوشیزہ کے۔ وہ ابھی تک شہزادے کے حسن میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں شہزادے کے جام دیدار کو پینے کے لئے بے قرار تھیں۔ اگر چہ وہ خود بھی حسن کی دیوی سے کم نہ تھی مگر کہتے ہیں ناں۔۔ حسن ہی حسن پر فدا ہوتا ہے۔ یہی اس دوشیزہ کے ساتھ ہوا تھا۔ خدا خدا کر کے بادشاہ نے شہزادے کو باہر آنے کا حکم دیا۔ ایک دربان شہزادے کے کمرے میں گیا اور بادشاہ کا حکم سنایا۔ شہزادے نے ایک جھلک اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا اور پھر دو دربانوں کے پیچھے چل دیے۔ زینے سے اترتے ہوئے قدموں کی چاپ فضا میں گونجی تو سب کی نظریں زینے کی طرف اٹھتی چلی گئیں۔ جس نے ایک جھلک دیکھی تھی وہ بھی اور جو بے نیاز گفتگو میں خاموشی سے اپنا حصہ ڈال رہی تھی وہ بھی۔ دونوں اپنی نظریں نہ ہٹا سکیں جبکہ شہزادے کی نظریں ابھی تک جھکی ہوئی تھیں۔ اس نے جھکی نظروں کے ساتھ ہی آنے والے معزز مہمانوں کو سلام کیا اور بادشاہ کے ساتھ براجمان ہوا۔

"ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہیں شہزادے شہیر آپ تو۔۔۔" ان دوشیزاؤں کے والد نے کہا۔

"بہت شکریہ آپ کا۔۔" اس نے مسکراہٹ کو اپنے لبوں پر جگہ دی تو جیسے اس دل پر چھریاں چلنے لگیں۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں کئی وعدے کر بیٹھی تھی۔ اس کی جھکی پلکیں، اس کا ستواں ناک، حسین وجمیل رات سے زیادہ تاریک زلفیں، چاند سے زیادہ روشنی بکھیرتا چہرہ، دودھ سے زیادہ صاف وشفاف رنگت۔۔ غرض ایک ایک ادا اس دوشیزہ کے دل میں گھر کر گئی۔ وہ اپنا سب کچھ شہزادے پر ہار بیٹھی تھی۔

"شہزادے ان سے ملو۔۔ یہ ہیں شہر بانو۔۔۔ اور یہ ہیں شہر ذات۔۔" بادشاہ کے کہنے پر اس نے ایک جھلک اٹھا کر دونوں پر دوڑائی تو کیا جادو کا سا سماں تھا۔ کیا مقناطیسی کشش تھی ان نگاہوں میں۔ جو پہلے سے فریفتہ تھی، اب جاں تک وار چکی تھی۔ دوسری دوشیزہ نے بس مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔ شہزادے نے دونوں کو ایک نظر دیکھا اور پھر دوبارہ نگاہیں جھکالیں۔ دل کے جذبات کو قابو میں رکھا اور دعوت میں خاموشی برتی۔ رات گئے وہ دعوت جاری رہی۔ خوب باتیں ہوتی رہیں مگر شہزادے نے مسکراہٹ کے سوا کوئی حصہ نہ ڈالا۔ جب جب وہ مسکراتا کالی رات میں روشنی پھیل جاتی۔ جذبات دل قابو سے باہر ہوتے جارہے تھے۔

"تو پھر کیا سوچا آپ نے شہزادے؟" دوسرے دن بادشاہ نے شہزادے سے پوچھا۔ دونوں اس وقت شہزادے کی خواب گاہ میں تھے۔

"ہم نے آپ سے اُس دن بھی کہا تھا کہ آپ جو فیصلہ کریں گے ہمیں قبول ہوگا۔۔" اس بار شہزادے کے لبوں میں وہ چاشنی نہ تھی جو اس دن تھی۔ یہ بات بادشاہ سے نہ چھپ سکی۔ شائد وہ ان میں سے کسی ایک دوشیزہ پر اپنا دل ہار بیٹھے تھے۔ تبھی نظریں کچھ جھکی جھکی تھیں۔

"یہ کیا بات کردی آپ نے؟ ہمیں تو وہ دونوں پسند ہیں۔۔ کہیں تو آپ کی دونوں سے نسبت طے کردیں۔" بادشاہ نے جان بوجھ کر ایسا کہا تھا۔

"جی۔۔۔" لاشعوری طور پر شہیر کی زبان سے جاری ہوا۔ جس پر بادشاہ چونکے تو شہیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"یہ کیسی بات کررہے ہیں آپ ابا حضور۔۔ وہ دونوں سگی بہنیں ہیں۔ ہم کیسے بیک وقت دونوں سے نکاح کرسکتے ہیں؟" انہوں جھجکتے ہوئے کہا تھا جس پر بادشاہ ہنس دیئے۔

"بس یہی تو مسئلہ ہے، دونوں سگی بہنیں ہیں۔۔۔ اب ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ آپ کے دل پر کس نے جادو چلایا ہے؟ اسی لئے سوچا تھا کہ دونوں سے نکاح کردیں تاکہ آپ کی پسند کا بھی پاس رکھ لیا جائے۔۔۔" بادشاہ نے رازدارانہ انداز میں کہا تھا جس پر شہزادے حیرت کا شکار ہوگئے۔

"آپ کو کیا لگا بیٹے؟ ہمیں پتا نہیں چلے گا؟ آپ کے دل میں کوئی دوشیزہ قدم رکھے اور ہم انجان رہیں۔۔

ایسا نہیں ہوسکتا۔۔۔ چلیں اب جلدی سے بتادیں کہ کس نے ہمارے بیٹے کو ہم سے چھیننے کی کوشش کی ہے تاکہ ابھی ہم اس کا سر قلم کرنے کا حکم جاری فرمائیں"۔

"اباحضور۔۔۔" وہ ایک بار پھر جھجکے تھے۔

"مذاق کررہے تھے بیٹا۔۔۔ چلیں اب جلدی سے بتائیں کہ کون ہے وہ جو ہمارے بیٹے کی زوجہ بننے والی ہے۔ تاکہ ہم جلدی سے جاکر اپنی بہو کی پیشانی کو بوسہ دیں اور جلدی سے اس رشتے کے لئے رضامندی کا اظہار کریں۔۔۔" بادشاہ کی بات سن کر شہزادہ ایک لمحے کے لئے شرمایا اور پھر بالکونی تک چلتے ہوئے اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں نفی میں سر ہلادیا۔

"نہیں اباحضور۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اچھا۔۔۔ کیا وہ شہزذات ہے۔۔۔" بادشاہ نے سرگوشی والے لہجے میں کہا تھا۔ شہیر خاموش رہے۔

"یا پھر شہر بانو؟" اس بار شہیر پلٹے تھے۔ آنکھوں کی چمک دیکھ کر بادشاہ کو جواب مل گیا۔ شہیر نے شہر بانو کو پسند کیا تھا۔ یہ بات جاکر انہوں نے شہر بانو کے والد سے کی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ دونوں شاہی خاندانوں نے جلد سے جلد نکاح کی تقریب منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ہر طرف خوشی کا دور دورہ تھا۔ بادشاہ کے کہنے پر نکاح کی تقریب اسی حویلی میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس لئے اس شاہی خاندان کو یہی روک لیا گیا۔ شہیر نے اکیلے میں شہر بانو سے ملنے کی اجازت طلب کی تو اجازت دے دی گئی۔ انہوں نے ایک کنیز کے ہاتھوں ایک پیغام شہر بانو تک پہنچایا۔ کنیز شہر بانو کے کمرے میں گئی تو وہاں شہزذات تھی۔

"شہزادے شہیر شہر بانو کو یاد فرمارہے ہیں۔" کنیز نے ادباً سر کو جھکاتے ہوئے کہا تو شہزذات نے اثبات میں سر ہلادیا اور کنیز کو واپس بھیج دیا۔

جب شہزادے شہیر کی خواب گاہ میں شہر بانو تشریف لائیں تو شہزادے کا چہرہ بالکونی کی طرف تھا۔ انہوں نے قدموں کی چاپ سن کر ہی شہر بانو کے آنے کا اندازہ لگایا تھا۔

"آپ آگئیں شہر بانو۔۔۔ ہمیں یقین تھا آپ ہم سے ملنے ضرور آئیں گی۔"

"آپ بلائیں اور ہم تشریف نہ لائیں بھلا ایسا ممکن ہے؟" پہلی بار شہر بانو کے شیریں الفاظ شہیر کی سماعت میں گونجے تھے۔ شہیر ایک لمحے تک ان کی آواز کی مٹھاس کو محسوس کرتے رہے مگر پلٹ کر نہ دیکھا۔ قدموں کی چاپ قریب ہوتی گئی۔

"آپ پریشان ہورہی ہونگی کہ ہم نے آپ کو یوں اچانک کیوں یاد فرمایا؟ دراصل مجھے آپ سے پوچھنا تھا کہ کیا آپ کو اس رشتے سے کوئی اعتراض تو نہیں؟" دوسری طرف خاموشی قائم رہی۔

"اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے تو بلاجھجک آپ ہم سے کہیے۔ ہم اپنے اباحضور سے بات کریں گے۔ آپ پر کوئی انگلی نہیں اٹھائے گا۔ ہمیں آپ کی مرضی کے خلاف یہ رشتہ بالکل بھی قبول نہیں۔۔۔"

"اگر ہم منع کردیں تو کیا آپ ہماری بہن شہزذات سے شادی کرلیں گے؟" یہ سن کر شہیر ایک لمحے کے خاموش رہے۔ پھر گویا ہوئے۔

"ہم اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے شہر بانو۔۔۔ ہم نے پہلی نظر میں آپ کو پسند کیا تھا۔ پہلی نظر میں کوئی چہرہ ہمارے دل میں اترا ہے تو وہ آپ کا چہرہ ہے۔ ہم آپ کے علاوہ شاید ہی کسی اور کو اپنی زندگی کا حصہ بنا سکیں۔۔۔" شہیر کے الفاظ ابھی مکمل ہی نہ ہونے پائے تھے کہ پیچھے سے بازوان کے سینے پر حمائل کردیئے گئے۔

"لیکن ہم تو آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔۔۔ آپ کے سوا کسی کے بارے میں نہ تو سوچ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی اور کو آپ کے بارے میں سوچنے دیں گے۔۔۔ آپ فقط ہمارے ہیں۔ ہمارے علاوہ کسی کے نہیں۔۔۔" وہ آواز آنسوؤں میں گندھی ہوئی معلوم ہوئی۔

شہر بانو نے اپنا چہرہ شہیر کی پشت پر ٹکا دیا تھا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے سینے پر مضبوطی سے گرفت حاصل کرلی۔ پہلے پہل تو شہیر جھجکے۔ انہیں یہ حرکت معیوب لگی پھر انہوں نے سوچا شاید ان کی باتوں نے انہیں تھیس

پہچانی ہے تبھی انہوں نے نرمی سے ہاتھوں کی گرفت کمزور کرنا چاہا مگر وہ ہاتھ تو مضبوطی سے انہیں اپنی بانہوں میں لئے ہوئے تھے۔

"ہم بھی آپ سے محبت کرتے ہیں مگر ہم کوئی معیوب حرکت نہیں کرنا چاہتے شہر بانو۔۔۔" انہوں نے ایک ہاتھ کو چھڑوانا چاہا مگر ہاتھ نہ ہٹے۔ تبھی خواب گاہ کی دہلیز سے ایک آواز آئی۔

"آپ نے ہمیں یاد فرمایا شہزادے۔۔۔" اس آواز پر دونوں بری طرح چونکے تھے۔ شہیر نے ایک جھٹکے سے بازوں کی گرفت سے اپنے آپ کو آزاد کروایا تو یہ دیکھ کر حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگے کہ شہر بانو خواب گاہ کی دہلیز پر کھڑی استہامیہ نگاہوں سے دونوں کو تک رہی ہیں۔ شہیر نے فی الفور اس وجود کی طرف دیکھا جس نے انہیں بانہوں میں لیا تھا وہ شہزات تھیں۔

"شہزات آپ۔۔۔ آپ ہماری خواب گاہ میں کیا کر رہی ہیں؟" وہ تردد کے ساتھ بولے تھے۔ شہر بانو بھی شک کے بیج کو دل میں دبائے آگے بڑھنے لگیں۔

"شہزادے آپ نے ہی تو بلایا تھا۔۔۔ ہمیں۔۔" آدھی ادھوری بات کر کے شہزات نے شہر بانو کے دل میں شک کے بیج کو سیراب کیا تھا۔

"جھوٹ مت بولیں۔۔۔ ہم نے اپنی ہونے والی زوجہ شہر بانو کو یاد فرمایا تھا۔۔" زندگی میں پہلی بار شہزادہ شہیر نے سخت لہجہ اپنایا تھا۔

"تو ہم ہی تو ہیں آپ کی ہونے والی زوجہ۔۔۔ شہزات۔۔۔" اس نے بے حیائی کی ہر ادا کو پار کرتے ہوئے شہزادے شہیر کا ہاتھ تھاما تو شہر بانو کے دل سے شک کا بیج خود بخود نکل گیا۔ سچ واضح ہو گیا۔

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ آپ نے اتنی بے ہودہ بات کو اپنی زبان سے جاری بھی کیسے ہونے دیا؟ ہم آپ کی بہن فقط شہر بانو سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ سمجھیں آپ۔۔۔ شہر بانو۔۔ سمجھائیے اپنی بہن کو۔۔۔" انہوں نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"یہ کیا سمجھائیں گی ہمیں۔۔ ہم سمجھاتے ہیں آپ کو۔۔ پہلی نظر میں آپ پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے والی یہ نہیں ہم تھیں۔ بابا حضور یہاں آپ کے لئے جو رشتہ لے کر آئے تھے وہ شہر بانو کا نہیں بلکہ ہمارا تھا۔۔۔ شہر بانو تو ابھی رشتہ کرنا ہی نہیں چاہتی تھیں وہ تو آپ نے انہیں پسند کیا اس وجہ سے بابا حضور نے ان پر دباؤ ڈالا۔ تب جا کر انہوں نے ہاں کیا ہے۔ دیکھیے شہیر۔۔۔ آپ شہر بانو سے رشتے کے لئے منع کر دیں۔۔ اس طرح یہ بھی خوش اور ہم بھی خوش۔۔۔" شہزات کے الفاظ کانٹے کی طرح شہزادے شہیر اور شہر بانو کے دل میں چبھے تھے۔ شہزادے نے استفہامیہ نگاہوں سے شہر بانو کی طرف دیکھا تو جیسے وہ اس بات کی تصدیق چاہ رہے تھے۔

"بس کیجیے شہزات۔۔۔ بس کیجیے۔۔ ہم مانتے ہیں کہ ہم اس رشتے کے لئے راضی نہیں تھے لیکن بابا حضور کے کہنے پر ہم نے سچے دل سے اس رشتے کو اپنایا ہے اور شہیر کو دیکھنے کے بعد ہم بھی ان سے محبت کرنے لگے ہیں۔۔" شہر بانو نے بھی اپنی محبت کا اعتراف کیا تو شہزادے شہیر کے دل کو جیسے قرار آیا۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ ان کی محبت سچی تھی تبھی شہر بانو کو بھی اپنا اسیر بنا لیا۔

"جھوٹ۔۔۔ جھوٹ مت بولیں۔۔ شہر بانو۔۔ آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ آپ شہیر کو ہم سے شادی کرنے کے لئے راضی کریں گی۔ وہ فقط ہم سے شادی کریں گے۔۔۔ فقط ہم سے۔۔" شہزات ہیجانی کیفیت میں کہتی جا رہی تھی۔

"شہزات۔۔۔ ایسا وعدہ ہم نے تو کبھی نہیں کیا آپ سے۔۔۔" شہر بانو چونکی تھیں۔ جس پر شہزادے شہیر کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ کس کو سچ سمجھیں کس کو جھوٹ؟۔

"خدا کے لئے آپ دونوں خاموش ہو جائیں۔۔۔" قدرے بلند آواز میں کہا تو وہ دونوں خاموش ہو گئیں۔

"شہر بانو۔۔ پہلے جو ہوا ہمیں اس سے کچھ لینا دینا نہیں۔۔ آپ مجھے بتائیں کیا آپ ہم سے شادی کرنا چاہتی ہیں؟" انہوں نے شہزات کی بجائے اپنی محبت کو

فوقیت دی تھی۔

"جی شہیر۔۔۔ ہم آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔۔ آپ کے علاوہ اب کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتیں۔۔" انہوں نے برجستہ کہا تو شہزادے شہیر اب شہرزات کی طرف متوجہ ہوئے۔

"دیکھیے شہرزات! ہم نہیں جانتے کہ آپ کو یہ غلط فہمی کیسے اور کب ہوئی؟ لیکن اب جب سب کچھ واضح ہو چکا ہے تو ہم آپ سے یہی کہیں گے کہ آپ پچھلی باتوں کو بھول جائیں اور اپنی بہن شہر بانو کی خوشیوں میں شریک ہوں۔" انہوں نے جیسے اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔

"نہیں شہیر۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہم آپ کو نہیں بھول سکتے۔۔۔ ہم آپ کو سچے دل سے چاہتے ہیں۔ ہم آپ کے بغیر کیسے رہیں گے؟" وہ شہیر کے قدموں میں آ گری تھی۔

"شہرزات اٹھیے یہاں سے۔" شہزادے شہیر کو بہت عجیب لگ رہا تھا۔ شہر بانو نے بھی بہت کوشش کی شہرزات کو سمجھانے کی مگر وہ نہ مانی۔ آخر دونوں وہاں سے باہر کو چل دیے۔

"رکیے شہیر۔ آپ ہمیں یوں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔۔۔ آپ پر فقط ہمارا حق ہے۔ ہمارے جیتے جی آپ کسی کے نہیں ہو سکتے۔۔۔ آپ فقط ہمارے ہیں۔۔۔ فقط ہمارے۔۔۔ ہم آپ کو کسی کا نہیں ہونے دیں۔ کسی کا نہیں۔ اگر آپ ہمارے نہیں ہوئے تو کسی کے نہیں ہو سکتے۔۔ کسی کے نہیں۔۔۔" شہرزات چیختی چلاتی رہی مگر دونوں میں سے کسی نے اس کی پرواہ نہ کی۔

☆......☆......☆

شہیر اور شہر بانو نے شہرزات کے معاملے کو دبانے کی کوشش کی اور فیصلہ کیا کہ اس بات کا گھر والوں کو علم نہیں ہونے دیں گے آخر شہرزات ایک دوشیزہ تھی۔ ایسی باتیں اگر کسی سے بھی کی جائیں تو عزت پر حرف آتا ضرور ہے۔ لہٰذا خاموشی اختیار کر لی گئی۔ ادھر شہرزات بھی خاموش رہنے لگیں۔ انہوں نے شادی کی کسی رسم میں حصہ نہ لیا۔

چلتے چلتے نکاح کا دن آن پہنچا۔ بادشاہ اور شہزادے شہیر بہت خوش تھے۔ آخر برسوں بعد ایک

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

کولیسٹرول اور علاج

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں، کولیسٹرول کی حقیقت، کولیسٹرول اور ہماری خوراک، کن غذاؤں سے کولیسٹرول بڑھتا ہے، کولیسٹرول کس طرح کم کریں، مچھلی، میٹھی اشیاء، زیادہ نمک نہ کھائیں، کولیسٹرول اور دل کے امراض، دل میں درد، ہارٹ اٹیک کی ایک اہم وجہ، احتیاطی تدابیر، ہومیوپیتھی کی دوائیں، دل کے امراض کی وجوہات، موٹاپا، مچھلیوں میں کولیسٹرول کے فوائد، مچھلی اور دودھ، مناسب ماحول، کولیسٹرول کا ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی علاج، کولیسٹرول کا طبی علاج، چربی سے پرہیز کیجیے، کھانے پینے کی اشیاء سے کولیسٹرول کم کیجیے، اور بہت کچھ پڑھیے کولیسٹرول کے بارے میں کہ کس طرح کولیسٹرول سے محفوظ رہا جائے، اور کون کون سی ورزشوں سے کولیسٹرول کو کم کیا جا سکتا ہے۔

حکیم غلام مصطفیٰ

دعا بک کارنر غنی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

عورت اس حویلی کا حصہ بننے جارہی تھی۔ مہمانوں کا تانا بانا بندھ چکا تھا۔ ہر آنکھ عش عش کر اٹھی تھی۔ لال رنگ کی شیروانی میں شہیر قیامت ڈھا رہے تھے۔ سر پر حسین و جمیل تاج تھا۔ جو سونے اور چاندی سے بنا تھا۔ ہیرے موتیوں سے جگ مگ کررہا تھا۔ اس کے پہلو میں دائیں جانب شہر بانو دلہن بنے ان کے دل کی دھڑکنوں کو گرمارہی تھی۔ جھکی نظریں، بجھی پلکیں شہیر کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھیں۔ وہ بیٹھے تو شہر بانو کے ساتھ تھے مگر جذبات تو بہت آگے جاچکے تھے۔ دو جسم ایک جان ہوچکے تھے۔ بادشاہ کچھ فاصلے پر کھڑے مہمانوں سے بات چیت میں مصروف تھے۔ نکاح کی تقریب کچھ لمحوں بعد وقوع پذیر ہونی تھی۔ نکاح خواں کو پورے عزت و اکرام کے ساتھ شاہی نشست پر جگہ دی جاچکی تھی۔ تقریب میں سب جمع تھے سوائے شہزادت کے۔ شہزادے شہیر اور شہر بانو کو فی الوقت ان کی پرواہ نہ تھی۔ وہ دونوں اپنی نئی شروع ہونے والی زندگی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھتے اور پھر دھیرے سے نظریں چرا لیتے۔ لبوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی۔ اتنے میں بادشاہ ذرا قریب ہوئے۔

"نکاح کی تقریب شروع کی جائے۔" انہوں نے نکاح خواں سے کہا تھا۔ نکاح خواں نے کاغذ کے صفحات الٹ پلٹ کئے اور کچھ لکھنے لگا۔

"ٹھہریئے۔۔۔" تبھی شہیر اور شہر بانو کی مخالف سمت سے شہزادت نمودار ہوئی۔ سب کی توجہ شہزادت کی طرف مبذول ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک تیر کمان تھا۔ جس سے وہ نشانہ شہر بانو کو باندھے ہوئے تھی۔

"شہزادت۔۔۔ یہ کیا حرکت ہے؟" شہزادت کے والد اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آگے بڑھے۔

"وہیں رک جائیں آپ سب۔۔۔ آگے بڑھنے کی کوشش مت کیجیے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے ہاتھ سے کچھ انہونی ہوجائے۔۔۔" وہ کرخت لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ شہیر اور شہر بانو بھی اپنی نشست پر کھڑے ہوگئے۔ دونوں کے اوسان خطا ہوچکے تھے۔ دونوں یک ٹک شہزادت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جبکہ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ شہر بانو کے والد بھی اپنی جگہ پر ساکت کھڑے تھے۔

"شہزادت۔۔۔ یہ کیا حرکت ہے؟" اس بار شہر بانو نے اپنے لب ہلائے تھے۔

"خاموش۔۔۔ آپ خاموش رہیں۔۔۔ بولئے شہیر۔۔۔ آپ ہم سے نکاح کریں گے یا نہیں؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔ شہزادت کے یہ الفاظ سن کر سب کو زبردست دھچکا لگا تھا۔

"شہزادت۔۔۔" ایک بار پھر اس کے والد جھنجھلا کر بولے تھے۔

"شہیر۔۔۔ جلدی بتائیں۔۔۔ آپ ہم سے نکاح کررہے ہیں یا نہیں۔۔۔؟" اس کی آنکھوں میں انتہا کی سفاکیت تھی۔

"ہم نے کل بھی کہا تھا اور آج بھی کہتے ہیں۔ ہماری زندگی شہر بانو سے شروع ہوئی اور شہر بانو پر ختم۔۔۔ ہم شہر بانو کے علاوہ کسی کو اپنی زندگی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔۔۔" ایک بار پھر شہیر نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔ جس پر شہزادت کا لہجہ جارحانہ تھا۔

"ہم نے کل بھی کہا تھا اور آج بھی کہتے ہیں کہ اگر آپ ہمارے نہ ہوئے تو کسی اور کے بھی نہیں ہوسکتے۔۔۔" اس نے اپنا نشانہ تبدیل کیا اور شہزادے شہیر پر نشانہ باندھ لیا۔ اگلے ہی لمحے تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ بادشاہ چلائے۔

"شہیر۔۔۔" سب کی آنکھیں دیکھتی رہ گئیں۔ بادشاہ کے قدموں تلے سے جیسے زمین نکل گئی لیکن خدا کو کرنا کچھ اور تھا۔ عین اسی وقت شہر بانو شہیر کے سامنے آموجود ہوئیں اور محبت کا حق ادا کردیا۔ شہزادے شہیر کو جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے شہر بانو اپنی زندگی کی آخری سانسیں لینے لگیں۔

"شہر بانو۔۔۔" اس نے شہر بانو کو اپنی بانہوں میں تھام لیا اور شہر بانو نے اپنی آخری سانسیں شہیر کی بانہوں میں لی۔ شہر بانو کے آخری الفاظ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شہیر کی سماعت کا حصہ بن گئے۔

"یہ کیا کیا آپ نے شہر بانو۔۔؟ کیا کیا؟ ہماری موت کو اپنے سر کیوں لے لیا؟" وہ گلوگیر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"آپ تو ہماری زندگی ہیں شہیر۔۔۔ آپ کی خاطر اگر ہمیں ہزار جانیں بھی قربان کرنا پڑتیں تو ہم اس سے بھی دریغ نہ کرتے۔ اگر خدا ہمیں ہزار بار زندگی بخشے اور ہزار بار آپ کی جان بچاتے ہوئے موت کو اپنے سر لینا پڑے تو ہم تب بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔۔" آواز لڑکھڑائی اور ایک گہرا سانس لیتے ہوئے مزید کہا۔

"اور ہمیں بہت خوشی ہے شہیر کہ ہم اپنی زندگی کی آخری سانس آپ کی بانہوں میں لے رہے ہیں۔۔۔ ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم نے اپنی محبت کا حق ادا کر دیا۔" یہ کہتے ہی شہر بانو نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھیں موند لیں اور شہیر کچھ بھی نہ کر سکے۔ سوائے بے بسی کے ساتھ شہر بانو کی لاش کو اپنے سینے سے لگانے سے۔۔ بادشاہ کے کہنے پر شہزادات کو حراست میں لے لیا گیا۔ وہ چیخیں چلاتی رہی۔ شہزادے شہیر کو پکارتی رہی۔

"شہیر۔۔۔ ہم آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔۔۔ بہت۔۔" کسی نے اس کے الفاظ پر کان نہ دھرے۔ سب کو شہر بانو کے جانے کا غم تھا۔ ہنستی مسکراتی زندگی کی طرف قدم اٹھاتی یہ شاہانہ تقریب ماتم کدے میں تبدیل ہو گئی۔ جن ہاتھوں سے شہر بانو کو اٹھا کر خواب گاہ میں لے جانے کے سپنے شہیر کی آنکھوں نے دیکھے تھے۔ اب انہی ہاتھوں سے وہ اس کے جنازے کو کندھا دے رہا تھا۔

شہر بانو کی موت نے شہزادے شہیر کو توڑ کر رکھ دیا۔ وہ کانچ کی کرچیوں کی مانند بکھر چکا تھا۔ جاگتے ضرور تھے مگر دیکھتے نہیں تھے۔ سوتے تھے تو کوئی خواب نہیں دیکھتے تھے۔ ہر لمحہ، وہ فقط شہر بانو کے بارے میں سوچتے، ان کے آخری لفظوں کو ذہن کی دنیا میں دوڑاتے۔ شہزادوں کی طرح زندگی بسر کرنے والے آج کسی بھی زاویے سے شہزادے نہیں لگ رہے تھے۔ بادشاہ یہ دیکھ کر فکرمند تھے۔ انہوں نے شہزادے شہیر سے نئی زندگی کی طرف قدم بڑھانے کے سلسلے میں بات کی تو شہیر کے الفاظ نے ان کی خواہش کو زباں پر بھی نہ آنے دیا۔

"ابا حضور! اگر آپ اس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہیں کہ ہم شہر بانو کو بھول جائیں تو ایسا قطعاً ممکن نہیں۔ شہر بانو ہمارے جسم میں روح کی طرح ہیں۔ جب تک یہ سانسیں چل رہی ہیں، اس دل میں شہر بانو کے علاوہ کوئی بس نہیں سکتا۔" وہ جنون کی حد تک شہر بانو سے محبت کرنے لگے تھے۔ ان کی موت کے بعد بھی شہر بانو کے لئے ان کے دل میں محبت کم نہ ہوئی۔ انہوں نے اپنی خواب گاہ میں تمام دستورات کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ زندگی ہر لمحہ سسکتی رہی۔ دم توڑتی رہی۔

پھر ایک رات ایسی آئی جس نے اس شاہی خاندان کی قسمت کو بدل دیا۔ سب کچھ ختم ہو گیا۔

اس رات شہیر معمول کے مطابق بالکونی میں کھڑے چاند کو تک رہے تھے۔ چاند بھی خاموشی سے انہیں اپنا حالِ دل سنا رہا تھا۔ خواب گاہ میں ہر سو مشعلیں روشن تھیں۔ جن سے پوری خواب گاہ جگمگا رہا تھا۔ بادشاہ اس رات کسی شاہی تقریب میں شرکت کرنے قریبی ریاست گئے تھے۔ معمول کے مطابق رات کے وقت دربان کم تھے۔

"کاش آپ اس چاندنی رات میں ہمارے ساتھ ہوتیں شہر بانو۔۔۔" شہیر کے لبوں میں جنبش پیدا ہوئی تھی۔

"شہر بانو نہیں ہے تو کیا ہوا شہیر؟ ہم ہیں نا آپ کے پاس۔۔" عقب سے آواز آئی تھی۔ شہزادے شہیر نے فوراً پلٹ کر دیکھا تو وہاں شہزادات کھڑی تھیں۔

"شہزادات آپ یہاں؟ آپ تو۔۔" وہ اس کو وہاں دیکھ کر سخت لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

"ہم قید خانے میں تھے۔۔۔ یہی کہنے والے تھے نا آپ۔۔ لیکن شہیر آپ بھول گئے۔ محبت کرنے والوں کو داخل زندان کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ تمام حدوں کو عبور کر کے منزل مل ہی جایا کرتی ہے۔ ہم نے بھی ہر حد کو عبور کر ڈالا اور دیکھیے۔۔ اب آپ کے پاس ہیں۔" وہ بات کرتے کرتے شہیر کے بالکل قریب آ چکی تھی۔

"لیکن ہمیں آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔۔۔

چلی جایئے یہاں سے۔۔کہیں ایسا نہ ہو ہمیں دربان کو بلانا پڑے اور آپ کو دوبارہ۔۔" کرخت لہجے میں کہتے ہوئے شہزادے شہیر نے اپنی گردن پھیر لی۔ وہ اس وجود کا چہرہ تک نہیں دیکھنا چاہتے تھے جنہوں نے ان کی محبت کی جان لی تھی۔

"لیکن ہم تو دوبارہ قید ہونے ہی آئے ہیں۔۔۔ آپ کے دل میں قید ہونے۔۔" وہ بے حیائی کے ساتھ شہیر کی پشت سے جا لگی۔

"شہزات۔۔۔" وہ چلائے اور اپنے آپ کو چھڑوانے کی کوشش کی مگر گرفت پیچھے سے اتنی مضبوط تھی کہ وہ چھڑوا نہ سکے۔ ہاتھ وہ اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ ایسا کرنا اس کی تربیت کے خلاف تھا۔

"ہم سے اپنا ناپاک وجود دور ہٹائیں۔۔۔"

"یہ وجود ناپاک نہیں ہے شہیر۔۔۔ اس وجود میں فقط آپ کے لئے محبت ہے۔ فقط محبت۔۔۔ بس ایک بار آپ اس وجود کو اپنے بانہوں میں سمیٹ کر تو دیکھیں۔۔۔ دیکھیے گا آپ ہر شے سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ ہم اتنی محبت کریں گے آپ سے کہ آپ کو تمام محبتیں بھول جائیں گی۔" وہ بے شرمی کی تمام حدوں کو پار کر چکی تھی۔ شہیر نے ایک جھٹکے سے اس کو دھکیلنا چاہا مگر خود کا پاؤں پھسلا اور بستر پر جا گرے۔

"دیکھا۔۔ قسمت بھی ہم پر مہربان ہے۔۔ آپ کے وجود کو خود ہمیں سونپ رہی ہے۔" یہ کہتے ہی اس نے شہیر پر جھکنا چاہا مگر وہ مزاحمت کرتے رہے۔

"پیچھے ہٹیں۔۔۔ ہمارے وجود پر فقط شہر بانو کا حق ہے۔ ہمیں چھونے کا حق شہر بانو کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔۔۔ کسی کو نہیں۔۔" وہ کہتے رہے اور شہزات کے ناپاک عزائم سے بچنے کی کوشش کرتے رہے۔ اسی مزاحمت میں ہاتھ ایک ٹشل سے جا لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے شہزادے شہیر کے پورے بستر کو وہ آگ اپنے حصار میں لے گئی۔ آگ کو دیکھتے ہی شہزات پیچھے ہٹ گئی جبکہ شہیر کا پورا وجود اسی آگ کے انگاروں میں دہکنے لگا۔

"شہیر۔۔ باہر آئیں۔۔ شہیر۔۔۔" شہزات چلا چلا کر مدد کے لئے پکارتی رہی۔

"نہیں۔۔۔ شہزات۔۔۔ آپ نے ہم سے ہمارے جینے کی تمنا چھین لی۔ ہم کل بھی شہر بانو کے تھے۔ آج بھی ہیں اور کل بھی شہر بانو کے رہیں گے۔ آپ ہمیں نہ تو شہر بانو کی زندگی میں اپنا بنا سکیں اور نہ شہر بانو کے بعد۔۔۔ ہم اپنی جان دے دیں گے مگر شہر بانو کی امانت میں خیانت نہیں کریں گے۔ ہمارے وجود پر فقط شہر بانو کا حق ہے۔ فقط شہر بانو کا۔۔۔" دربان آ حاضر ہوئے۔ دہکتی آگ کو دیکھ کر پانی کے لئے دوڑے مگر تب تک آگ بے قابو ہو چکی تھی۔

"خدا کے لئے کوئی تو بچایئے شہیر کو۔۔۔ خدا کے لئے۔۔۔" وہ بلک بلک کر شہیر کی زندگی کے لئے مدد پکارتی رہی جبکہ شہزادے شہیر مسکراہٹ کو لبوں پر سجائے اسی بستر پر اپنی بانہیں پھیلائے اپنی شہر بانو کے پاس چلے گئے۔ پورے جسم کو آگ نے جلا کر خاک کر دیا اور شہزات کچھ نہ کر سکی۔ شہزادے شہیر کی اس ناگہانی موت پر پوری حویلی پر جیسے ماتم چھا گیا۔ بادشاہ کو اپنے اکلوتے بیٹے کی موت کی خبر ملی تو صدمے سے نڈھال ہو کر دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔ شہزات بھی زیادہ دیر تک شہیر کی جدائی برداشت نہ کر سکی اور زہر پی کر اپنی جان گنوا دی۔

اپنی کہانی سناتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جیسے آج بھی وہ لمحے یاد کر کے اس کا غم تازہ ہو گیا ہو۔ وہ آلتی پالتی مار کر گردن جھکائے بیٹھا تھا جبکہ پوری فیملی ایک کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس درد بھری کہانی کو سن کر جیسے ان کا بھی جی بھر آیا ہو۔

"تو پھر اس لڑکے کے جسم پر تو نے قبضہ کیوں کیا ہے؟" عاطل نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"کیونکہ یہ ہمارے شہیر ہیں۔۔۔ وہ ہمارے ہونے دوبارہ آئے ہیں۔ سمجھے تم۔۔" اس بار یاسر کے اندر سے زنانہ آواز آئی تھی۔ آواز اتنی درد بھری تھی کہ عاصم نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"جھوٹ۔۔۔ یہ شہیر نہیں۔۔ یاسر ہے۔۔ چھوڑ دے اس کو۔۔۔ ورنہ تجھے جلا کر خاک کر دوں گا۔۔" عاطل

نے روایتی جملہ کہا تھا۔

"ہمیں کوئی جلا نہیں سکتا۔۔۔ کوئی ہمیں شہیر سے جدا نہیں کر سکتا۔۔۔ شہیر فقط ہمارے ہیں۔ ہم انہیں اپنا کر ہی رہیں گے۔۔۔" یہ کہتے ہی اس نے ایک بار پھر عامل پر حملہ کرنا چاہا تھا لیکن اس نے اپنے عمل سے اسے بٹھا دیا۔ یہ عمل کافی دیر تک جاری رہا۔ یاسر کے اندر موجود شہر بانو کی روح بار بار عامل پر حملہ کرنے کے لئے اٹھتی اور وہ اپنے عمل سے اس کو کچھ لمحوں کے لئے شانت کر دیتا۔ سب کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ کرب کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ سسکیوں کی آواز فضا میں گونجتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دونوں کی طاقتیں برابر ہوں کوئی کسی پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ تب یاسر نے دفعتہً پیچھے پلٹ کر فیملی کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں کو دیکھ کر سب بری طرح چونکے تھے۔ بڑی بڑی سرخ آنکھیں۔۔۔ یہ دیکھ کر عاصم بری طرح چیخا اور ہڑبڑاتے ہوئے پیچھے ہٹا۔ یاسر کی نظریں عاصم کے پاؤں کی طرف تھیں۔ اس کے لبوں پر ایک گھناؤنی مسکراہٹ ابھری تھی۔ عاصم مزید ڈر گیا اور اس کا پاؤں حصار سے باہر نکل آیا۔ بس اسی موقع کی تلاش میں تھی وہ روح۔ عاصم کے پاؤں کا باہر نکلنا تھا۔ یاسر برق رفتاری کے ساتھ عاصم کے پاس گیا اور کھینچ کر اسے حصار سے باہر نکال لیا۔

"عاصم۔۔۔" نرگس چلائی تو عامل نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"اس عامل سے کہو کہ اپنا عمل بند کرے۔۔۔ ورنہ اس بچے کی زندگی لینے میں ہمیں وقت نہیں لگے گا۔" وہ عاصم کو گردن سے دبائے فضا میں بلند کئے ہوئے تھا۔ دم گھٹنے کی وجہ سے اس کو سانس لینے میں بھی دشواری کا سامنا تھا۔

"خدا کے لئے بند کر دیں عمل۔۔۔" نرگس چلائی تو چار و ناچار عامل کو اپنا عمل بند کرنا پڑا۔ سب حصار سے باہر نکل چکے تھے۔

"سب لوگ۔۔۔ کان کھول کر سن لیں۔۔۔ شہیر فقط ہمارے ہیں۔ ہمارے علاوہ کسی نے بھی شہیر کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" آناً فاناً اس نے بچے کو صوفے پر گرایا تو سب عاصم کی طرف دوڑے۔ اتنے میں ایک ہوا کا جھونکا یاسر کے جسم کو چھوتا ہوا چلا گیا۔ کشف نے دیکھا کہ اس کے منہ سے ایک دھواں نکلا اور وہ زمین پر آن گرا تھا۔

"یاسر۔۔۔" کشف اور فرحت اس کی طرف لپکے تھے۔

☆.....☆.....☆

جب یاسر کو ہوش آیا تب اس نے اپنے آپ کو صوفے پر لیٹا ہوا پایا۔ سب اس کے گرد جمع تھے۔ عاصم بھی سہما سہما وہیں نرگس کے ساتھ چمٹ کر کھڑا تھا۔ سب کی آنکھوں میں ایک وحشت کا سماں تھا۔

"یاسر لوٹ آیا ہے یا پھر اب بھی شہر بانو نے اس کے جسم پر قبضہ کیا ہوا ہے؟" یہ سوال ہر ایک کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ عامل بابا نے جاتے جاتے ایک تعویز یاسر کے بازو پر باندھ دیا اور کہا۔ "جب تک یہ تعویز اس کے بازو پر ہے تب تک کوئی روح اس کے جسم پر حاوی نہیں ہو سکتی۔" یہ کہہ کر وہ لوٹنے لگا تو دروازے کی دہلیز پر ناگہانی طور پر گر گیا۔ گرتے ہی اس کی موت ہو گئی۔ یہ دیکھ کر سب مزید ہراساں ہو گئے۔ آنکھوں میں ایک نمی ابھر چکی تھی۔

"یاسر۔۔۔" فرحت نے پیار سے اس کو رخسار کو چھوا تو اس نے بے یقینی سے سب کی نظروں کو ٹٹولا۔ ایک بار پھر وہ اپنے ساتھ آئے واقعے کو بھول چکا تھا۔ اسے سب کی نگاہوں میں اپنے لئے ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو اپنے برہنہ بازو پر کسی شے کا گمان ہوا۔ نظر دوڑائی تو وہاں ایک تعویز بندھا ہوا پایا۔ بچپن سے آج تک اس نے کبھی کوئی تعویز نہیں پہنا تھا۔ آج اسے کچھ عجیب سا لگا۔ اس کے گاڈسن کو عامل کے کہنے پر سب سے پہلے اتارا گیا تھا۔ وہ اس وقت ایک ٹراؤزر اور بنیان میں ملبوس تھا۔

"امی۔۔۔ آپ رو کیوں رہی ہیں؟ اور آپ سب ایسے کیوں کھڑے ہیں؟ جانا نہیں ہے کیا؟" وہ واقعی سب کچھ بھول چکا تھا۔ اپنے بیٹے کو واپس پا کر فرحت کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو امڈ آئے تھے۔

"اللہ کا شکر ہے میرا بیٹا مجھے مل گیا۔۔۔" فرحت فرط جذبات میں اس کی پیشانی، رخسار اور بالوں کو بوسہ دینے لگیں جبکہ وہ یک ٹک انہیں دیکھتا رہا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"کیا ہوا امی۔۔؟؟ آپ ایسے ری ایکٹ کیوں کررہی ہیں اور جانا نہیں ہے کیا؟" پیشانی پر کچھ بل نمودار ہوئے تھے۔

"اب تو چاہ کر بھی ہم اس گھر سے نہیں جاسکتے۔۔" مہناز نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔ اس پر یاسر بری طرح چونکا تھا۔ تب اسے پوری حقیقت سے آشناس کر دیا گیا۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے تیور تبدیل ہورہے تھے۔ اس نے اپنے جسم کی طرف دیکھا جس پر وہ روح اس قدر حاوی ہوچکی تھی کہ اسے اپنی خبر ہی نہ تھی۔ کہانی سن لینے کے بعد اس نے عاصم کی طرف دیکھا جو ابھی تک سہما سہما نرگس کے پلو کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا اور پیار سے عاصم کو چھوا۔

"مجھے معاف کردے میرے بچے۔۔ میں نے تمہیں تکلیف پہنچائی۔۔ معاف کردے۔۔" یک دم اس نے عاصم کو اپنے سینے سے لگالیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ عاصم اب بھی سہما ہوا تھا۔ تب وہ اپنے آنسو کو صاف کرتے ہوئے اٹھا۔

"چلیں یہاں سے۔۔ میں بھی دیکھتا ہوں کون ہمیں روکتا ہے؟" اس نے عاصم کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی طرف چل دیا۔ اس کے لہجے میں غیر معمولی سخت پن تھا۔ بمشکل اس نے چار قدم ہی صدر دروازے کی طرف بڑھائے ہونگے، وہاں ایک دھواں چھا گیا۔ اسی دھوئیں میں انہیں ایک ہیولا دیکھائی دیا۔ سب کے قدم وحشت کے سبب منجمد ہوگئے۔ عاصم نے ایک جھٹکے سے یاسر سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور واپس نرگس سے چمٹ گیا۔ یاسر بھی سب سے آگے کھڑا تھا۔

"کون ہے وہاں؟ میں نے پوچھا کون ہے وہاں؟" یاسر جھنجھلایا تھا تبھی وہاں پر شہر بانو کا عکس دیکھائی دیا، جسے دیکھ کر سب بری چونکے تھے سوائے یاسر کے۔ سب کو وہ ایک گھناؤنی روح نظر آرہی تھی جس کے لمبے بال، سیاہ رنگت، سیاہ لباس، دہکتی ہوئی آنکھیں، کٹے ہوئے ہونٹ وحشت کا سماں پیدا کررہے تھے۔ سب ایک نظر دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے کے قابل نہ رہے جبکہ یاسر کے لئے وہ ابھی بھی ایک خوبصورت دوشیزہ تھی۔ جس کو دیکھتے ہی چھونے کا دل چاہتا تھا۔

"یاسر۔۔۔ پیچھے آؤ۔۔" تاج وین نے کہا تھا تبھی وہ ہیولا ہوا میں کہیں غائب ہوگیا مگر یاسر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ سب کو اس وقت ایک جھٹکا لگا تھا جب یاسر وہاں موجود کسی اجنبی مخلوق سے مخاطب ہوا تھا۔

"کیا چاہتی ہو تم؟" سب کی نظریں دروازے کی طرف اٹھیں مگر وہاں کوئی نہ تھا سوائے دھوئیں کے مگر یاسر ادھر ہی جاہ وجلال کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

"ہم آپ کو چاہتے ہیں یاسر۔۔" شہر بانو کے جسم کو اب کوئی بھی دیکھ تو نہ سکتا تھا مگر آواز کو ضرور سن سکتے تھے۔ سب کے دل بری طرح دہل گئے۔ ادھر ادھر ماخذ کو تراشا مگر دھوئیں کے کچھ نظر نہ آیا۔ وہ اب فقط یاسر کو دیکھائی دے رہی تھی وہ بھی ایک خوبصورت دوشیزہ کے روپ میں۔

"میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔۔۔ میں شہیر نہیں یاسر ہوں اور کشف کا ہونے والا شوہر۔۔" اس نے اگلے ہی لمحے کشف کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"نہیں شہیر۔۔۔ آپ فقط ہمارے ہیں۔ ہم آپ کا کسی کو نہیں ہونے دیں گے۔ اس وقت بھی قسمت نے ہمارے درمیان دوریاں ڈال دیں اور موت کے بعد بھی۔۔ لیکن اب اور نہیں۔۔۔ ہم آپ کو لے کر ہی جائیں گے اپنے ساتھ۔۔" یہ کہتے ہوئے اس نے آگے بڑھنا چاہا مگر تعویز کے حصار نے ایک زبردست چوٹ پہنچائی تھی۔

"شہیر۔۔۔ اتار پھینکیں اس کالے دھاگے کو۔۔۔ جو آپ کو ہم سے جدا کررہا ہے۔۔" اس کی دلدوز چیخ سب کی سماعت کو چیر رہی تھی۔

"تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔۔ کچھ بھی نہیں سمجھی تم۔۔۔ میں تمہارے سامنے یہاں سے جا کر

دیکھاؤں گا۔۔ اور تم کچھ بھی نہیں کر پاؤ گی۔۔" اس نے شہر بانو کو چیلنج کیا تھا۔ فوراً پلٹا اور کشف کا ہاتھ پکڑ کر واپس دہلیز کی طرف آیا۔

"یہ کشف ہے۔۔۔ جس کے ساتھ میں یہاں سے نکلتے ہی شادی کروں گا۔۔ میرا وجود فقط کشف کا ہے۔۔ اور کسی کا نہیں۔ میں کشف سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں۔۔۔ سمجھی تم۔۔" وہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا باہر جانے لگا تھا۔ سب اس کے پیچھے پیچھے ہراساں باہر کی طرف جانے لگے تھے تبھی شہر بانو کے غصے میں انتہا کا اضافہ ہوا۔

"نہیں شہیر۔۔۔ آپ فقط ہمارے ہیں۔ ہم کسی اور کو آپ کا نہیں ہونے دیں گے۔۔" یہ کہتے ہی ایک زبردست ہوا کا جھونکا آیا۔ سب کے قدم لڑکھڑا گئے۔ آنکھوں میں مٹی کے ذرات اٹکنے لگے۔ یاسر اور کشف کا ساتھ بھی لڑکھڑانے لگا مگر وہ مضبوطی سے کشف کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا لیکن تبھی ایک زبردست ہوا کا جھونکا آیا اور دونوں ایک دوسرے سے دور جاتے دیکھائی دیئے۔

"یاسر۔۔۔" یہ کشف کی آواز تھی جو اب دور پڑے سے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"کشف۔۔۔!!" یاسر چلایا تھا۔ رضیہ بیگم بھی اپنی بیٹی کو دور جاتا دیکھ کر آہوزاری کر رہی تھیں۔

"شہیر۔۔ ہم نے کہا تھا ناں۔۔ آپ فقط ہمارے ہیں۔ ہمارے سوا کسی کے نہیں ہو سکتے۔ اب جب تک آپ ہمارے نہیں ہو نگے ہم اس لڑکی کو قطعاً نہیں چھوڑیں گے۔۔" یہ آواز فضا میں گونجی اور دھواں غائب ہو گیا۔ مبہم چیزیں واضح ہوتی گئیں مگر کشف کہیں دیکھائی نہ دی۔ شہر بانو اس کو اپنے ساتھ لے گئی۔

"کشف۔۔۔ میری بچی۔۔" رضیہ بیگم کے آنسو بہتے چلے جا رہے تھے۔ [illegible] حوصلہ دینا چاہا مگر ایک ماں [illegible] بھی نڈھال ہو کر زمین پر [illegible] معصوم چہرہ گردش میں تھا۔ [illegible]

الفاظ شعلہ جنوں تھے۔

"میں کشف کو کچھ نہیں ہونے دونگا۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ کشف کو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔۔ کوئی بھی نہیں۔۔۔" ایک عجیب سی قوت اس کے جسم میں سرایت کر گئی۔ وہ ایک نئے ولولے کے ساتھ اٹھا تھا۔ سب اس کے جنوں کو دیکھ کر حیراں تھے۔ فرحت فوراً آگے بڑھی۔

"نہیں یاسر۔۔۔ اس روح سے الجھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہاری دشمن ہے۔ تمہیں بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔۔"

"نہیں امی۔۔۔ اس کے قبضے میں کشف ہے۔ میری ہونے والی بیوی۔۔۔ میں کشف کو یونہی نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے کشف کے لئے اس سے ٹکرانا ہوگا۔ آپ فکر مت کریں خالہ۔۔۔ میں لاؤں گا آپ کی بیٹی کو شہر بانو کے قبضے سے۔۔ میں واپس لاؤں گا کشف کو۔۔" اس نے رضیہ بیگم کو حوصلہ دیا تھا

"لیکن کیسے؟" جنید گویا ہوا۔ یہ سن کر ایک پل کے لئے یاسر بھی سوچ میں پڑ گیا۔ تبھی وہاں پر رحمو بابا آموجود ہوئے۔

"شاید اس سلسلے میں ظہور صاحب آپ کی مدد کر سکیں۔ وہ پاس ہی رہتے ہیں۔ ان کے پاس کچھ ایسی طاقتیں ہیں جن کی مدد سے انہوں نے ایسے کئی کیس حل کئے ہیں۔۔" یہ سن کر یاسر کو جیسے ہمت ملی تھی۔ اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا اور انہیں یہاں لانے کو کہا۔ ایک گھنٹے میں وہ اس حویلی میں موجود تھے۔ یاسر نے پورا واقع ان کے سامنے رکھا تو انہیں نے اپنے بیگ میں موجود ایک کتاب نکالی۔ اوراق پلٹے۔ وہاں غیر معروف زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ اسے یاسر اور سب گھر والے پڑھنے سے قاصر تھے مگر ظہور صاحب اسے باآسانی پڑھ بھی رہے اور سمجھ بھی رہے تھے۔ چند ساعتوں میں انہوں پانچ صفحات پڑھ ڈالے اور پھر یاسر کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس روح کو کوئی روک سکتا ہے تو وہ تم ہو یاسر۔۔ اس روح نے برسوں تمہارا انتظار کیا ہے۔ اپنے [illegible] کا انتظار۔۔۔ اب جب تم واپس اس حویلی میں لوٹ

آئے ہو تو وہ تمہیں لئے بغیر کہیں نہیں جائے گی۔ ایسا اس لئے کہ تمہاری شکل ہو بہو شہیر سے ملتی ہے۔ شاید اسی لئے وہ غلط گمان کر بیٹھی ہے کہ تم شہیر ہو اور اس کے لئے واپس آئے ہو۔۔۔" ظہور صاحب بات سن کر سب چونکے تھے مگر بہر حال وہ سب کچھ سچ کہہ رہے تھے۔

"لیکن میں کیسے روک سکتا ہوں؟ کیسے کشف کو اس روح کے قبضے سے آزاد کروا سکتا ہوں۔۔" یاسر نے پر تجسس انداز میں پوچھا تھا۔ باقی سب گھر والے بھی وہاں موجود تھے سوائے عاصم، حیا اور مہناز کے۔ بچوں کو ان باتوں سے دور رکھنے کے لئے مہناز انہیں کمرے میں لے گئی۔

"تمہیں اس کی طاقت کے ماخذ کو ڈھونڈ کر ختم کرنا ہوگا۔ ہر روح کی طاقت کا ایک ماخذ ہوتا جسے وہ سب سے چھپاتی ہے۔"

"لیکن کیسے؟ اور شہر بانو کی طاقت کا ماخذ کیسے ڈھونڈوں اور کہاں؟" یاسر کے پوچھنے پر ظہور صاحب نے کتاب میں سے کچھ ڈھونڈا اور پھر دوبارہ گویا ہوئے۔

"دراصل یہ روح کسی شہزادی کی ہے اور ایسی روحیں اپنی طاقتیں کسی جاندار میں قید رکھتی ہیں اور جہاں تک میرے علم میں ہے۔ اس نے بھی کچھ ایسا ہی کیا ہوگا۔ اس کی طاقتیں شاید تین تتلیوں میں قید ہے۔ وہ تتلیاں جن کے پروں میں کانٹے ہیں۔ تمہیں انہی کانٹوں کو تتلیوں کے پروں سے نکالنا ہوگا۔ تب جا کر ہی تم اس شہر بانو کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہو سکو گے اور یاد رہے تمہیں یہ سب کام کل شب سے پہلے پہلے کرنا ہوگا کیونکہ کل چاند کی چودہ تاریخ ہے۔ اس طرح کی روحوں کی طاقتیں چاند کی روشنی میں بڑھ جاتی ہیں اور پھر شہیر کی موت بھی تو چاند کی چودہ تاریخ کو ہوئی تھی۔ اس لئے وہ چاند کی چودہ تاریخ کو ہی اپنے شہیر کو واپس لے جانے دوبارہ آئے گی۔" یہ سن کر سب کی سانسیں تھم چکی تھیں۔

"سب سے اہم بات ان تتلیوں کو نقطہ شہیر دیکھ سکتا ہے اور کوئی نہیں۔۔۔" ظہور صاحب کی یہ بات سب سے زیادہ چونکا دینے والی تھی۔

"یاسر اگر تم نے اس شہر بانو کا خاتمہ کرنا ہے تو تمہیں شہیر بننا ہوگا۔ وہ گاؤن دوبارہ پہننا ہوگا۔" یہ سن کر سب بری طرح چونکے تھے ایک پل کے لئے یاسر کی سانسیں بھی تھم چکی تھیں مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ ظہور صاحب کے کہنے پر وہ یہ قدم بھی اٹھانے کو تیار تھا۔ اسے تو کسی بھی قیمت پر کشف کو آزاد کروانا تھا جو نہ جانے اس وقت کس حالت میں تھی۔ شہر بانو نے اس کے ساتھ نجانے کیا کیا ہوگا؟

"یاسر۔۔۔ ایسا مت کرو۔۔۔ خدا کے لئے۔۔۔" فرحت تاج دین کے آنسو بہتے جا رہے تھے۔ اپنے بیٹے کو دوبارہ گاؤن پہن کر وہ شہیر بنتے نہیں دیکھ سکتی تھیں مگر وہ تو جیسے مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ اس نے آناً فاناً وہ گاؤن پہنا۔ ایک تیز روشنی اس کے جسم سے پھوٹی جس سے سب کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایک پل کے لئے کوئی کچھ بھی نہ دیکھ سکا۔ یہاں تک کہ یاسر بھی۔۔۔

جب روشنی دیکھنے کے قابل ہوئی تو سب کی اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئیں۔ آنکھیں یک ٹک اس حویلی کو تک رہی تھیں۔ کیا یہ وہی حویلی تھی جس میں کچھ دیر پہلے تھے؟ نہیں۔۔۔ وہ اسے پہچان بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ دو ہزار پہلے کی حویلی میں کھڑے تھے۔ وہی شان و شوکت، وہی جلال اس حویلی کا لوٹ آیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے حویلی کو زیرِ دست سحر نے جکڑ لیا ہو۔ انہوں نے اگلی نظر یاسر پر دوڑائی تھی جو مہاراجاؤں کے لباس میں ملبوس تھا۔ گاؤن کہیں غائب ہو چکا تھا۔ وہی لباس جو اکثر شہیر زیب تن کرتے تھے۔ ان کے جسم کو ڈھانپے ہوئے تھا۔

"ہم نے نہ کہا تھا کہ کچھ نہیں ہوگا۔۔۔ دیکھیے اب ہم اپنی کشف کو اس شہر بانو سے آزاد کروا کے ہی دم لیں گے۔۔" اس کے بات کرنے کا لہجہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ سب اس لہجے پر سکتے میں آ گئے۔ تب اس کی نظر ایک اڑتی تتلی پر گئی۔ جو اس کی ناک کو چھوتی ہوئی ایک اسٹور روم کی طرف چل دی تھی۔ شہیر نے آناً فاناً اس کا پیچھا کیا۔ فرحت نے روکنا چاہا مگر وہ نہ رکا۔ اسٹور میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ سب باہر کھڑے تھے۔ کچھ دم اس حویلی نے دوبارہ پلٹا کھایا اور وہ دوبارہ اس حویلی میں

تھے جہاں وہ یاسر کی شادی کرنے آئے تھے۔ فرحت نے حسرت کے ساتھ اسٹور روم کے دروازے کی طرف دیکھا جہاں مکڑی کے جالے بنے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس دروازے کو صدیوں سے کھولا نہ گیا ہو۔

سٹور روم میں داخل ہونے کے بعد اس نے اپنے آپ کو ایک عالیشان باغ میں دیکھا تھا۔ اتنا حسین باغ اس کی آنکھوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ رنگ برنگے پھولوں سے مہکتا باغیچہ، بھینی بھینی خوشبوں سے مہکتی فضا آنکھوں کو لبھاتی پھولوں کی پنکھڑیاں۔۔۔ وہ اس کے سحر میں جکڑ چکا تھا۔

"کتنا حسین باغ ہے۔۔۔" وہ ادھر ادھر اس تتلی کو ڈھونڈ رہا تھا مگر وہ تتلی تو جیسے کہیں غائب ہو چکی تھی تبھی اس کی نظر ایک پھول پر پڑی جہاں ایک تتلی رس چوس رہی تھی تبھی وہ دھیرے سے اس کے پاس گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے پروں میں ایک کانٹا ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور کانٹے کو تتلی کے پروں سے نکال دیا۔ یہ کانٹا نکالنے کی دیر تھی وہ باغیچہ زوال کا شکار ہو گیا۔ درختوں سے پھل یکے بعد دیگرے گرنے لگے۔ پھول ٹہنیوں پر ہی مرجھا گئے۔ ہری ہری گھاس آگ کے شعلوں میں تبدیل ہو گئی۔ ہموار زمین کٹاؤ کا شکار ہوتی گئی۔ یہ دیکھ کر یاسر بری طرح چونکا تھا۔ اس نے پلٹنا چاہا تو واپسی کے راستوں کو بند پایا۔ سامنے دیکھا تو ایک گہرا کٹاؤ اسی کی طرف بڑھنے لگا۔ زمین دونوں پاؤں کے درمیان سے چاک ہو رہی تھی۔ پاؤں مخالف سمت حرکت کرنے لگے۔ اسے یہ اپنا آخری وقت محسوس ہوا اور وہ اس کھائی میں جا گرا۔

ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ کتنی ساعتوں تک نیچے گرتا رہا؟ اسے کچھ علم تھا بس وہ یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کی گہری آسمان و زمین کی مسافت سے کم نہیں تھی۔ اسے اپنی موت یقینی نظر آ رہی تھی۔ اسے یقین تھا جیسے ہی وہ زمین سے ٹکرائے گا اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس نے خوف کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کرنا چاہیں تو ایک شناسا آواز سنائی دی۔

"نہیں۔۔ پلیز۔۔ آپ آنکھیں مت بند کیجیے۔۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کو اس کے جال سے کوئی نہیں بچا سکتا۔۔" ایک مسیحا اس کے ساتھ تھا۔ وہ اس آواز کو پہچانتا تھا مگر غشی کے عالم میں وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ اپنے مسیحا کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تبھی ایک گز کے فاصلے پر اسے ایک اڑتی تتلی دیکھائی دی۔ جسے کے پروں میں بھی وہی کانٹا تھا۔ اس نے چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر وہ اس کانٹے کو نکالے۔ مرتے مرتے دوسری طاقت تو کم ہو جائے اس شیر بانو کی مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ جیسے ہی اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ تتلی مزید آگے چلی گئی۔ وہ جتنا اس کے قریب جانے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی دور جاتی دیکھائی دیتی۔ لیکن اس دوری میں بھی وہ اس کا بھلا چاہ رہی تھی۔

"آپ مجھے پکڑنے کی کوشش مت کریں شہیر۔۔ آپ ہمیں کبھی چھو نہیں سکتے۔۔۔ آپ ٹھہریئے۔۔" آواز میں ایک عجب مٹھاس تھی۔ تبھی وہ تتلی اڑ کر یاسر کے نیچے ہولی اور اپنے پروں سے ایک ہوا کا جھونکا وجود میں لائی۔ جھونکا اتنا آرام دہ اور پرسکون تھا کہ یاسر اس پر ایسے براجمان ہوا جیسے کوئی تخت پر گدی نشین ہوتا ہے۔ جلد ہی وہ زمین پر تھا۔ اتنی اونچائی سے گرنے کے بعد بھی اس کا ایک بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا۔

"میرا بیٹا۔۔۔" یاسر نے گردن اٹھا کر دیکھا تو دوبارہ اپنے آپ کو حویلی میں پایا۔ فرحت نے فوراً اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ تین میں سے ایک تتلی کے پر سے کانٹے کو علیحدہ کر چکا تھا۔

"امی۔۔۔ ابھی دو تتلیاں مزید آزاد کرنی ہیں ہمیں۔۔" وہ شہیر کے لب و لہجے میں بول رہا تھا۔ تبھی اسے ایک بار پھر وہی تتلی دیکھائی دی جس نے اس کی مدد کی تھی۔ اس نے ایک بار پھر پکڑنا چاہا تو وہ تتلی خود بخود پیچھے سرکتی گئی۔ اس کے پنکھ ساکت تھے مگر ایک انجان طاقت اسے پیچھے کھینچ رہی تھی۔ سب گھر والے ششدر یاسر کی حرکت کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ہوا کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ کوئی بھی تتلی کو دیکھنے سے قاصر تھا۔

"یاسر۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو تم؟" جنید نے کہا۔

"ہم اس تتلی کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔"

"کہاں ہے تتلی۔۔۔؟" نرگس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہیں۔۔۔ آپ کے سامنے۔۔" وہ تتلی اس وقت نرگس کی پیشانی پر آبیٹھی تھی مگر نظر آنے سے قاصر تھی تبھی نرگس کو اپنی پیشانی پر کچھ رینگتا ہوا محسوس ہوا تھا اس نے ہاتھ پیشانی پر پھیرا تو تتلی دور جا گری اور نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

"بھابھی۔۔۔ یہ کیا کیا آپ نے؟ وہ کہاں گئی تتلی؟" یاسر نے روکھے انداز میں کہا۔

"کون سی تتلی؟ میں نے تو بس اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا تھا۔" نرگس نے صفائی پیش کی مگر یاسر کے چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ وہ تتلی غائب ہو چکی تھی۔ اس نے کافی ڈھونڈا مگر وہ نہ ملی۔ رات کافی ہو چکی تھی۔ سب سونے کے لئے چلے گئے مگر وہ اس تتلی کو مسلسل ڈھونڈتا رہا۔ کبھی کچن میں تو کبھی ہال میں۔ حویلی سے باہر وہ قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس نے ایک دو بار حویلی سے باہر قدم رکھنے کی کوشش کی تو ایک ہوا کا جھونکا اسے واپس حویلی میں پھینک دیتا۔ وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ شہر بانو نے حویلی کے گرد حصار باندھ دیا ہے اور وہ اس حویلی سے باہر نہیں نکل سکتا۔ یہ بات مزید تشویش میں مبتلا کر رہی تھی اور اس تتلی کا ملنا اور بھی ضروری ہو چکا تھا۔

وہ تھکا ماندا صوفے پر بیٹھا اسی تتلی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے لب و لہجے کو پہچاننے کی کوشش میں تھا۔

"ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے ہم اس تتلی کو پہچانتے ہیں؟ اس سے ہمارا کوئی گہرا تعلق ہے۔۔؟" وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ایک بار پھر تتلی اس کے سامنے آموجود ہوئی اور خاموشی کے ساتھ اس کے سامنے ٹیبل کی نوک پر بیٹھ گئی۔ اس بار وہ اس تتلی کو پکڑنے کے لئے نہیں اٹھا اور نہ ہی اپنا ہاتھ بڑھایا بس یک ٹک اس تتلی کو دیکھنے لگا۔ وہ تتلی بھی بغور اس کو دیکھے جا رہی تھی۔ جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"جب بھی ہم تمہیں پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو تم دور کیوں چلی جاتی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہم خود نہیں جاتے کہیں۔۔ ہمیں پیچھے کھینچ دیا جاتا ہے۔ ہمارے گرد ایک حصار ہے جس کا مقصد آپ کو ہم تک پہنچنے سے روکنا ہے" وہ سب سمجھ چکا تھا کہ یہ حصار بھی شہر بانو کا پھیلایا ہوا ہے۔

"تو پھر آپ نے ہماری جان کیوں بچائی؟" جو سوال اس کے دل و دماغ میں کھٹک رہا تھا۔ وہ زباں پر آ ہی گیا۔

"کیونکہ آپ کی جان بچانا ہمارا فرض تھا۔" اس نے مختصراً کہا تھا۔ تبھی یاسر کے دل میں نرگس کے ساتھ پیش آیا واقع کھٹکا۔

"ایک منٹ۔۔۔ جب ہم تمہارے پاس آئے تھے تو تم ہم سے دور چلی گئیں اور جب بھابھی نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا تھا تو تم ان کے ہاتھ سے جا ٹکرائی۔۔"

"جی بالکل شہیر۔۔۔ ہمیں فقط آپ چھو نہیں سکتے۔۔"

"اس کا مطلب آپ کے پر سے کانٹا کوئی بھی نکال سکتا ہے؟"

"نہیں۔۔ کانٹا فقط آپ نکال سکتے ہیں۔ ہمیں دوسرے چھو تو سکتے ہیں مگر کانٹا نہیں نکال سکتے۔ بس یہی ایک پہلی ہے جسے ہم کب سے سلجھانے میں لگے ہیں کہ آپ ہم تک بنا پہنچے ہمارے پروں سے کیسے کانٹا نکالیں گے۔۔" اس کی باتوں سے ایک بار پھر اپنائیت کی جھلک دیکھائی دی تھی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھتا رہا اور اپنے دماغ کے گھوڑوں کو دوڑاتا رہا تبھی ایک آئیڈیا اس کے ذہن میں آیا۔ وہ بھاگتا ہوا جنید کے کمرے میں گیا اور دھیرے سے اسے ہال میں آنے کو کہا۔ وہ اتفاق سے اس وقت جاگ رہا تھا۔

"یاسر۔۔ کہو؟ کیا بات ہے؟" اس نے تشویش والے لہجے میں استفسار کیا۔

"بھائی۔۔ آپ کو ہمارا ایک کام کرنا ہے۔ آپ ذرا اس ٹیبل کی نوک تک جائیں۔۔" اس نے جنید کو وہاں بھیجا جہاں اس وقت وہ تتلی بیٹھی تھی۔ وہ جنید کے ذریعے اس تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"اب جیسے جیسے ہم کہتے ہیں ویسا کرتے جائیے۔۔۔ اپنا ہاتھ بڑھائیے۔۔۔ اور ذرا قریب لاکر اچھی طرح اپنی چٹکی بند کرلیں۔۔۔" وہ تتلی کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ چکا تھا۔ اگرچہ جنید اس تتلی کو دیکھ نہیں سکتا تھا مگر محسوس کرسکتا تھا۔ اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک نرم وملائم شے کے ہونے کا احساس ہورہا تھا۔

"اب بھائی۔۔۔ اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھیے گا۔۔۔ کچھ بھی ہوجائے اپنے ہاتھوں کو مت ہلائیے گا۔۔۔" یاسر نے تنبیہہ کی اور دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ جونہی وہ ایک گز کے فاصلے پر آیا تو جنید کو اپنے ہاتھوں میں کوئی شے پھڑپھڑاتی محسوس ہوئی۔ وہ اس کو قابو میں رکھنے کی بھرپور کوشش کررہا تھا مگر حصار اپنا اثر دیکھا رہا تھا۔ یاسر کا ہر اٹھتا قدم جنید کو پیچھے دھکیل دیتا۔ سب کھڑکیاں دروازے بند تھے مگر ہوا کے جھونکے جانے کہاں سے آرہے تھے؟ سب چیزیں خود بخود ادھر ادھر ہونے لگی تھیں۔

"یاسر۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔" وہ چیخا مگر آواز تو جیسے ہوا میں معدوم ہوچکی تھی۔ چیزوں کے گرنے کی آواز سن کر سب اپنے اپنے کمروں سے نکل آئے اور جنید کو دیکھا تو وہ دیوار کے اندر جیسے دھنستا جارہا تھا اور یاسر خراماں خراماں آگے بڑھ رہا تھا۔ اب دونوں کے درمیان بمشکل ایک فٹ کا فاصلہ تھا۔ دل دہلا دینے والی چیخ سنائی دے رہی تھی۔ یاسر اس تتلی کو اضطراب کی کیفیت میں دیکھ سکتا تھا۔ مگر اسے اس کرب سے آزاد کروانا بھی ضروری تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور کانٹے کو باہر نکال دیا۔ کانٹے کے باہر نکالنے کی دیر تھی۔ ایک زبردست جھونکا آیا اور دونوں یاسر اور جنید کو ہوا نے دور پھینک دیا۔ ایک تیز روشنی اس تتلی سے نکلتے ہوئے آہستہ آہستہ پھیلتی چلی گئی۔ سب اس روشنی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جنید کی پیشانی میز سے جاٹکی تھی۔ خون کی ایک لکیر وہاں سے بہنے لگی مگر اسے خوشی تھی کہ وہ ایک اور تتلی کے پروں میں سے کانٹے کو نکال چکا تھا۔ یاسر بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو وہ روشنی ایک وجود کی شکل اختیار کرنے لگی۔ سب صوفوں کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ سب سے آگے یاسر تھا۔ وہ روشنی غائب ہونے لگی اور ایک خوبصورت دوشیزہ کا سامنے ظہور ہوا۔ وہ دوشیزہ تاحد کمال قیامت ڈھا رہی تھی۔ لال رنگ کے خوبصورت لہنگے میں دلہن کی طرح سجی وہ کھڑی سب کو مسکراتے چہرے کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ سب اس اجنبی دوشیزہ کو وہاں دیکھ کر خوف کا شکار تھے سوائے یاسر کے جو اس کے حسن میں مکمل طور پر کھو چکا تھا۔ قدم خود بخود آگے بڑھتے گئے۔ تاج دین نے اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔ بس آگے بڑھتا گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے یاسر پر اپنے حسن کی تجلیاں بکھیر رہی تھی۔ دونوں ہاتھ سینے سے کچھ آگے باندھے کھڑی تھی۔ گردن سے لے کر پاؤں تک وہ سرخ لہنگے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ اور ہاتھ برہنہ تھے باقی جسم کے ہر حصے پر لباس تھا۔ پاؤں تک اس کے نظر نہیں آرہے تھے۔

"شہر بانو۔۔۔" یاسر کی زباں سے جاری ہوا تھا جو دراصل شہزادے شہیر کے روپ میں تھا۔ اس کی آنکھوں سے بھی محبت چھلکنے لگی تھی۔ شہر بانو کو دیکھ کر یاسر کے جسم پر شہزادے شہیر کی روح حاوی ہوگئی۔

"جی شہیر۔۔۔ یہ ہم ہیں شہر بانو۔۔۔ آپ کی شہر بانو۔۔۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تو شہیر نے آگے بڑھ کر شہر بانو کو اپنے سینے سے لگالیا۔ سب ہراساں ایک دوسرے کو تک رہے تھے، جس نے ان کی زندگی کو اجیرن بنا دیا یاسر اس کے سینے سے جا لگا۔ اس کو اپنی بانہوں میں سمولیا اور وہ ایسی حرکت سب کے سامنے کرہی کیسے سکتا تھا؟

"کہاں ہے میری بچی؟ کہاں چھپا کر رکھا ہے؟ تم نے ہماری بیٹی کو؟" رضیہ بیگم دھاڑی تھیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک مالا بہہ رہی تھی۔

"ہم نے آپ کی کشف کو غائب نہیں کیا۔۔۔" وہ فوراً شہیر کے سینے سے پیچھے ہٹی اور ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ یہ سن کر سب بری طرح چونکے تھے۔

"شہر بانو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ انہوں نے کشف کو آپ سے جدا نہیں کیا۔ یہ برسوں بعد اب رہا

ہوئی ہیں۔" شہیر نے ایک بار پھر ان رخسار کو چھو کر اپنی محبت جتلانا چاہی تھی۔ کوئی بھی اس صورتحال کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

"یاسر۔۔۔ یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" تاج دین جھنجھلا کر بولے تھے۔

"ہم یاسر نہیں ہیں۔۔ ہم شہیر ہیں۔۔۔ شہزادے شہیر" یہ سن کر سب کے پاؤں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔ فرحت تو جیسے غش کھا کر گرتے گرتے بچی تھیں۔ مہناز نے انہیں سہارا دیا۔

"آپ کی بیٹی کو شہربانو نے نہیں۔۔۔ شہزات نے اپنے سحر میں جکڑا ہے۔ شہربانو تو خود شہزات کے سحر میں جکڑی ہوئی تھیں اور آپ کے سامنے ابھی ابھی آزاد ہوئی ہیں۔۔" شہیر نے عاجزانہ کہا تھا۔ وہ سب یاسر کے اس رویے سے خاصے حیران تھے۔

"شہزات۔۔ شہربانو۔۔۔ یہ کیا چکر ہے؟" نرگس نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہم آپ کو بتاتے ہیں۔۔" شہربانو ذرا آگے بڑھی تو پائل کی آواز نے شہیر پر جیسے جادو مرتب کر دیا۔

"اس رات شہیر کے آگ میں جل جانے کے بعد شہزات نے خواب میں دیکھا کہ ہم دونوں مرنے کے بعد ایک دوسرے کے ہونے جا رہے ہیں تو شہزات کو یہ بات برداشت نہ ہوئی۔ وہ ہم سے بے حد نفرت کرنے لگی تھی۔ اس نے مرنے کے بعد بھی ہمیں ان سے الگ کرنا چاہا تھا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ زہر کا پیالہ پی کر ہماری ارواح کو بھی جدا کرنا چاہا لیکن محبت ہماری پاکیزہ تھی اسی لئے اس کے شیطانی چونچلے ہم پر نہ چل سکے۔ تب اس کی روح نے شیطانی راستہ چنا۔ اس نے کالی طاقتوں کی مدد سے ہمیں تتلی بنا کر بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا اور ایک بار پھر کالی طاقتوں کے بل پر شہیر کو اپنانا چاہا مگر شہیر تو ہماری محبت میں بہت آگے نکل چکے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر ہماری خاطر قربانی دی۔ اپنی روح کو فنا کر دیا لیکن فنا ہوتے ہوتے انہوں نے برملا تمام روحانی طاقتوں کو گواہ بنا کر ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ لوٹ کر آئیں گے اور ہمیں شہزات کی بددعا سے آزاد کرائیں گے۔ شہزات کو ایک بار پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ نہ تو جیتے جی شہیر کو اپنا بنا سکی اور نہ ہی مرنے کے بعد۔ اس نے ہمیشہ شہیر کو چھیننا چاہا تھا اور بھول چکی تھی کہ محبت کو چھین کر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ محبت کی خاطر تو قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ ایک دوسرے کی خاطر درد سہنا پڑتا ہے مگر وہ ان سب باتوں سے انجان تھی۔ اسے اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ شہیر اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے اور لوٹ کر واپس آئیں گے۔ اس بار اس نے ایک الگ طریقہ اپنایا۔ اس نے ہمارے لبوں پر مہر لگا دی۔ ہمارے گرد حصار کھینچ دیا کہ شہیر ہم کو چاہ کر بھی چھو نہ سکیں اور خود ہماری شناخت حاصل کر لی۔ اس حویلی میں شہربانو بن کر راج کرتی رہیں۔ اسے اندازہ تھا کہ شہیر جب دوبارہ اس حویلی میں آئیں گے تو شہربانو کا ہی انتخاب کریں۔ اس لئے اس نے ہماری شناخت کا لبادہ اوڑھ لیا اور شہربانو بن گئی۔" شہربانو کی کہانی پر سب اس کے چہرے کو ایک ٹک دیکھ رہے تھے۔ انہیں ابھی تک اس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"دیکھیے۔۔ ہم نے اپنا وعدہ وفا کیا۔۔ ہم دوبارہ لوٹ آئے۔ آپ کو شہزات کی بددعا سے آزاد کرانے۔ ہم نے اپنی محبت کے ایک اور امتحان میں شہہ حاصل کر لی" شہیر گویا ہوئے تھے۔

"لیکن میری بیٹی۔۔۔ کشف کہاں ہے؟" رضیہ بیگم گویا ہوئی تھیں۔

"آپ کی بیٹی۔۔ اس وقت شہزات کے قبضے میں ہے۔ تیسری تتلی جس کے پروں میں کانٹا ہے وہ آپ کی بیٹی ہے۔ اب شہیر کو اسی تتلی کے پروں سے کانٹا نکالنا ہے۔" شہربانو نے کہا تو ایک آنسوؤں کی دھار بندھ گئی۔

"اس بدروح کے قبضے میں میری بیٹی۔۔۔" رضیہ بیگم زمین بوس ہو چکی تھیں۔ فرحت نے انہیں بمشکل سنبھالا تھا۔

"آپ یقین رکھیں ہم پر۔۔ آپ کی بیٹی کو ہم کچھ نہیں ہونے دیں گے۔۔۔" شہیر نے کہا تھا۔ اس بار سب اسے ششدر دیکھنے لگے۔ وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔

"تو پھر تم نے آزاد کروا ہی دیا۔۔۔ شہیر بانو

کو۔۔۔" ایک ہولناک سماعت شکن آواز سب کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ ماخذ کو سب تراشنے لگے مگر شہرذات سب کی آنکھوں سے اوجھل رہی۔

"شہربانو کو آپ کبھی ہم سے جدا کر ہی نہیں سکی تھیں۔ وہ کل بھی ہمارے دل میں تھیں اور آج بھی ہمارے دل میں موجود ہیں۔۔"

"خاموش۔۔۔ آپ فقط ہمارے ہیں شہیر۔۔۔" تبھی ایک ہیولا دیکھائی دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک وجود کی شکل اختیار کر گیا۔ سب نے شہرذات کی اصل شکل دیکھی تھی۔ وہ اس وقت ایک شہزادی کے روپ بھی میں تھی۔ اگرچہ حسن میں شہربانو سے بڑھ کر تھی مگر کشش ان جیسی نہ تھی۔ شہربانو کی آنکھوں اور نقش و نگار میں ایک کشش تھی جو دیکھنے والوں کو اپنا اسیر کر لیتی تھیں۔ شہیر بھی اسی کشش کے زیر اثر اپنا دل ہار بیٹھے تھے۔ وہ کشش اخلاق کی کشش تھی۔ حیا کی کشش تھی جس سے شہرذات عاری دیکھائی دیتی تھیں۔

"ہم آپ کے کبھی نہیں تھے۔۔۔ سنا آپ نے۔۔ ہم آپ جیسے شیطانی ذہن رکھنے والے وجود کے کبھی نہیں ہو سکتے۔۔۔ کبھی نہیں۔۔" شہیر نے کرخت لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

"بس کیجیے۔۔۔ شہیر بس کیجیے۔۔ آپ کو ہماری شیطانی ذہانت نظر آتی ہے۔ ہماری محبت نہیں۔۔۔ ہماری چاہت کیوں آپ کو نظر نہیں آتی؟ کیوں؟" اس نے شکوہ کیا تھا۔ پہلی بار اس کی آواز میں ایک درد شامل تھا۔

"یہ آپ کی محبت نہیں۔۔۔ آپ کا پاگل پن ہے۔ ایک ضد ہے۔۔ ہمیں پانا آپ کی ضد ہے اور کچھ نہیں۔۔۔" شہیر نے شہرذات کی محبت سے سفاکیت ظاہر کی تو شہرذات کے غصے میں اضافہ ہوا۔ اس نے گھور کر شہربانو کی طرف دیکھا تو شہیر آگے ہو گئے۔

"نہیں شہرذات۔۔۔ اس بار نہیں۔۔ شہربانو اور ہم ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں۔ آپ ہمیں کبھی جدا نہیں کر سکتیں۔۔ برسوں پہلے آپ نے ہمارے اجسام کو علیحدہ کرنا چاہا مگر ناکام رہیں۔۔۔ پھر ہماری ارواح میں جدائی ڈالی۔۔ تب بھی آپ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔۔۔ اور آج بھی آپ کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔ آج بھی آپ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ آج بھی ہماری اور شہربانو کی محبت کی جیت ہوگی۔" یہ سنتے ہی شہرذات نے ایک قہقہہ بلند کیا۔

"شہیر۔۔۔ اس بار ایسا نہیں ہوگا۔ آپ کو ہمارے پاس لوٹنا ہوگا۔۔ ورنہ۔۔۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ورنہ کیا شہرذات؟ پھر سے ہمیں علیحدہ کریں گی؟"

"نہیں۔۔۔ اس بار یہ معصوم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔۔۔" اس نے اپنی مٹھی کھولی تو وہاں سے ایک بلبلہ نکلا اس میں ایک تتلی تھی۔ جس کے پر میں کانٹا چبھا ہوا تھا۔ جسے دیکھ کر رضیہ بیگم سمیت سب تلملا اٹھے۔

"چھوڑ دو۔۔۔ اس معصوم کی جان۔۔" شہیر نے پہلی بار غیض و غضب میں کہا۔

"ٹھیک ہے مگر اس کے لئے آپ کو ہماری دنیا میں آنا ہوگا۔ شہربانو سے ہمیشہ کے لئے کنارہ کشی اختیار کرنی ہوگی۔" شہرذات کی اس انوکھی شرط پر وہ تھوڑے سے جھجکے مگر قدم ڈگمگائے نہیں۔ شہیر ہمیشہ سے نرم دل واقع ہوئے تھے۔ کسی بے گناہ کی جان قربان کرنا تو ان کی فطرت پر جیسے گراں تھا۔ وہ کافی دیر سوچتے رہے۔ اپنی آنکھوں کے سامنے کسی بے گناہ کو یوں دم توڑتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"شہیر۔۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ جلدی کیجیے۔۔۔ وقت کم ہے۔ یہ بلبلہ کسی بھی وقت سکڑتے ہوئے اس تتلی کی جان لے سکتا ہے۔" شہرذات نے تنبیہ کی جس پر سب کی توجہ اس بلبلے کی طرف گئی جو ہر لمحہ سکڑتا جا رہا تھا۔ سب کی جان ہتھیلی پر آ گئی، وقت واقعی کم تھا۔

"کشف۔۔۔" رضیہ بیگم چلائی تھیں۔

"خدا کے لئے یاسر۔۔۔ کشف کو بچا لو۔۔" وہ شہیر کے قدموں میں آ گری تھیں۔ یہ دیکھ کر وہ قدرے جھجکے تھے۔

"شہرذات۔۔۔ چھوڑ دو اس معصوم کی جان۔۔ جو تم کہو گی، ہم کرنے کے لئے تیار ہیں۔۔" شہیر کے لبوں سے یہ الفاظ ادا ہونے تھے۔ شہربانو کی آنکھوں میں ایک

چمک ابھری۔
"شہیر۔۔۔" انہوں نے محبت کے سمندر میں گندھی ہوئی آواز میں ان کا نام پکارا۔
"ہمیں معاف کردیں شہر بانو۔ مگر ہماری آنکھوں کے سامنے کسی بے گناہ کا خون بہے، ہم قطعاً دیکھ نہیں سکتے۔۔" یہ کہتے ہوئے شہیر آگے بڑھے۔ شہر بانو ان کے قدموں کو دیکھتی رہ گئی۔ شہزادت نے اپنی بانہیں پھیلادیں تو اب شہیر دو قدم کے فاصلے پر تھے۔ پیچھے شہر بانو، آگے شہزادت، دائیں جانب پوری تھیلی اور بائیں جانب کشف کا بلبلہ۔ شہیر نے ایک گہری سانس لی اور دفعتہ بائیں جانب جھک کر بلبلہ کو پھاڑ ڈالا۔ ایک تتلی نکلی اور اس کے پروں سے آناً فاناً کانٹا نکال دیا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ شہزادت کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔
"شہیر۔۔۔۔" اس عمل کے مکمل ہوتے ہی ایک دلدوز آواز شہزادت کے وجود سے نکلی۔
"شہیر جلدی کیجیے۔۔ ان کے بائیں ہاتھ کی انگلی سے اپنی انگوٹھی نکال لیں۔۔" شہر بانو نے کہا تو شہیر نے بالکل ویسا ہی کیا۔ شہزادت وہیں جل کر خاک ہوگئی اور کشف واپس انسان میں تبدیل ہوگئی۔ سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔
"امی۔۔" کشف رضیہ بیگم کے گلے جالگی۔ سب نے اسے پیار کیا۔ آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ سب کشف کے گرد جمع تھے سوائے یاسر کے جو کہ شہیر بنے شہر بانو کے بالکل قریب تھا اور شہر بانو کا وجود آہستہ آہستہ روشنی میں ضم ہوتا جارہا تھا۔
"شہر بانو۔۔ آپ ہمیں پھر سے چھوڑ کر نہیں جاسکتیں۔۔۔" شہیر بے تاب مچھلی کی طرح تڑپ رہے تھے۔ شہر بانو کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے ہوئے وہ بے قرار لہجے میں گویا ہوئے تھے۔
"لیکن ہمیں جانا ہوگا شہیر۔۔۔ ہم آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔۔۔"
"لیکن کیوں؟" اس نے گندھی ہوئی آواز میں جواز جاننا چاہا
"کیونکہ کوئی آپ کا منتظر ہے۔۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر کشف کی طرف اشارہ کیا تھا۔ سب اس کو دیکھ کر حیران تھے۔
"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں شہر بانو۔۔ ہم آپ کے علاوہ کیسے کسی اور کو اپنا سکتے ہیں؟" شہیر کے الفاظ سب کو چونکا دینے والے تھے۔ کشف بھی ہکا بکا رہ گئی۔ اسے یاسر نے ان الفاظ کی توقع نہ تھی۔ یاسر اسے اپنے دل و دماغ کی دنیا سے نکال چکا تھا۔
"ہم آپ سے مخاطب نہیں ہیں شہیر۔۔۔ آپ کے جسم یاسر سے مخاطب ہیں آپ تو ہمیشہ سے ہمارے تھے اور ہمارے ہی رہیں گے مگر یاسر وہ فقط کشف کے ہیں اور آپ کا روپ فقط کشف کا ہے آپ کو ان کے پاس جانا ہوگا۔۔ آپ کو واپس یاسر بننا ہوگا۔" سینے سے نیچے کا حصہ روشنی میں فنا ہوچکا تھا بس آدھا جسم باقی تھا۔ شہیر کا لباس بھی تبدیل ہوتا جارہا تھا۔ جتنا حصہ شہر بانو کا روشنی میں ضم ہوتا، شہیر کا اتنا ہی حصہ یاسر میں تبدیل ہوجاتا۔ ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے محبت کی ایک کہانی صفحہ ہستی سے مٹ رہی ہو۔ دو محبت کرنے والے ایک بار پھر ایک دوسرے کے لئے جدا ہورہے ہوں۔
"شہر بانو۔۔۔ ہم فقط آپ کے ہیں۔۔" شہیر کی آنکھوں میں جدائی کے آنسو تھے۔ ہاتھ جدا ہونا نہیں چاہتے تھے مگر شہر بانو نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے۔ ایک کسک دل میں ادھوری رہ گئی۔
"اور ہم بھی فقط آپ کے ہیں شہیر۔۔" یہ کہتے ہی شہر بانو کا وجود آنکھوں کے سامنے روشنی میں ضم ہوگیا۔ یاسر زمین پر آگرا۔ سب اس کی طرف لپکے اور اس کو سینے سے لگالیا۔
"یاسر۔۔۔ میرے بیٹے۔۔" یہ کون پکار رہا تھا؟ وہ ایک لمحے کے لئے کچھ شناسائی حاصل نہ کرسکا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں شہر بانو اپنا ایک عکس چھوڑ چکی تھی۔ اب اس عکس کو اپنے ذہن سے ہٹانا شاید نہ ممکن تھا۔

Pakistanipoint.com Waqar Azeem